مجموعہ افادات

قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی...... حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی..... شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن
حکیم الامت مجدد الملت تھانوی...... شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی...... حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب
استاد العلماء مولانا خیر محمد صاحب.... مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب.... شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی
حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب...... ودیگر حضرات اکابرین رحمہم اللہ

بسم الله الرحمن الرحيم
اللهم صل على محمد وعلى ال محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى ال محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم
إنك حميد مجيد
كتبها الفقير نفيس الحسيني اللاهوري غفر الله ذنوبه وستر عيوبه في رمضان المبارك سنة ١٤١٣ھ
تحفة المدارس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

العلماء ورثۃ الانبیاء

علماء ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں (حدیث)

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر

حریمِ کبریا سے آشنا کر

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے

اُسے بازوئے حیدرؓ بھی عطا کر

علامہ اقبالؒ

فقیر نفیس الحسینی تحریر نمود
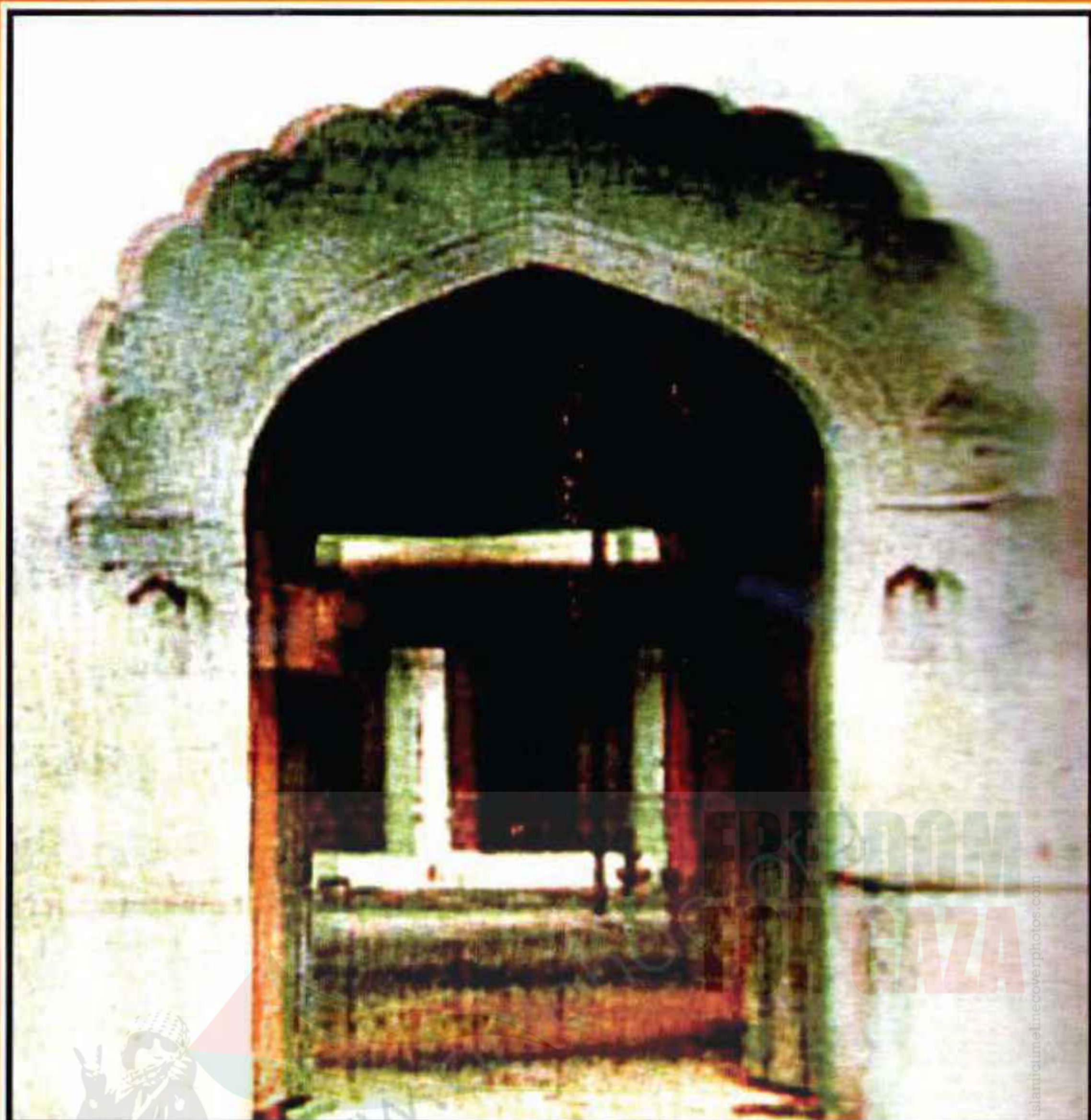
جامعہ امداد العلوم- خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ- تھانہ بھون

تھانہ بھون میں واقع خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کا اندرونی مشرقی حصہ
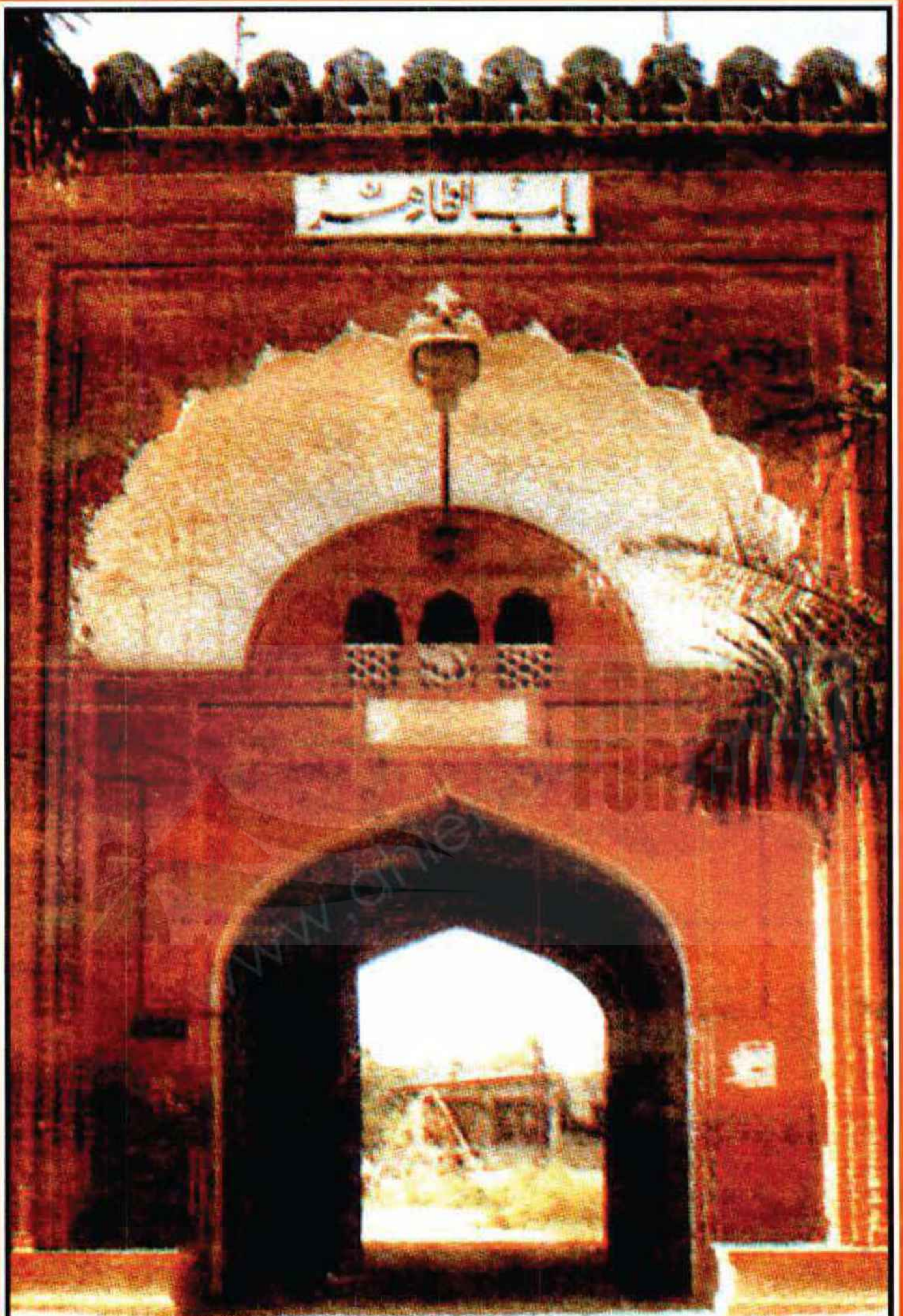
دار العلوم دیوبند کا ایک بڑا دروازہ جو "باب الظاہر" کے نام سے موسوم ہے۔
اس دروازے کے ساتھ مختلف درجات کی درسگاہیں ہیں
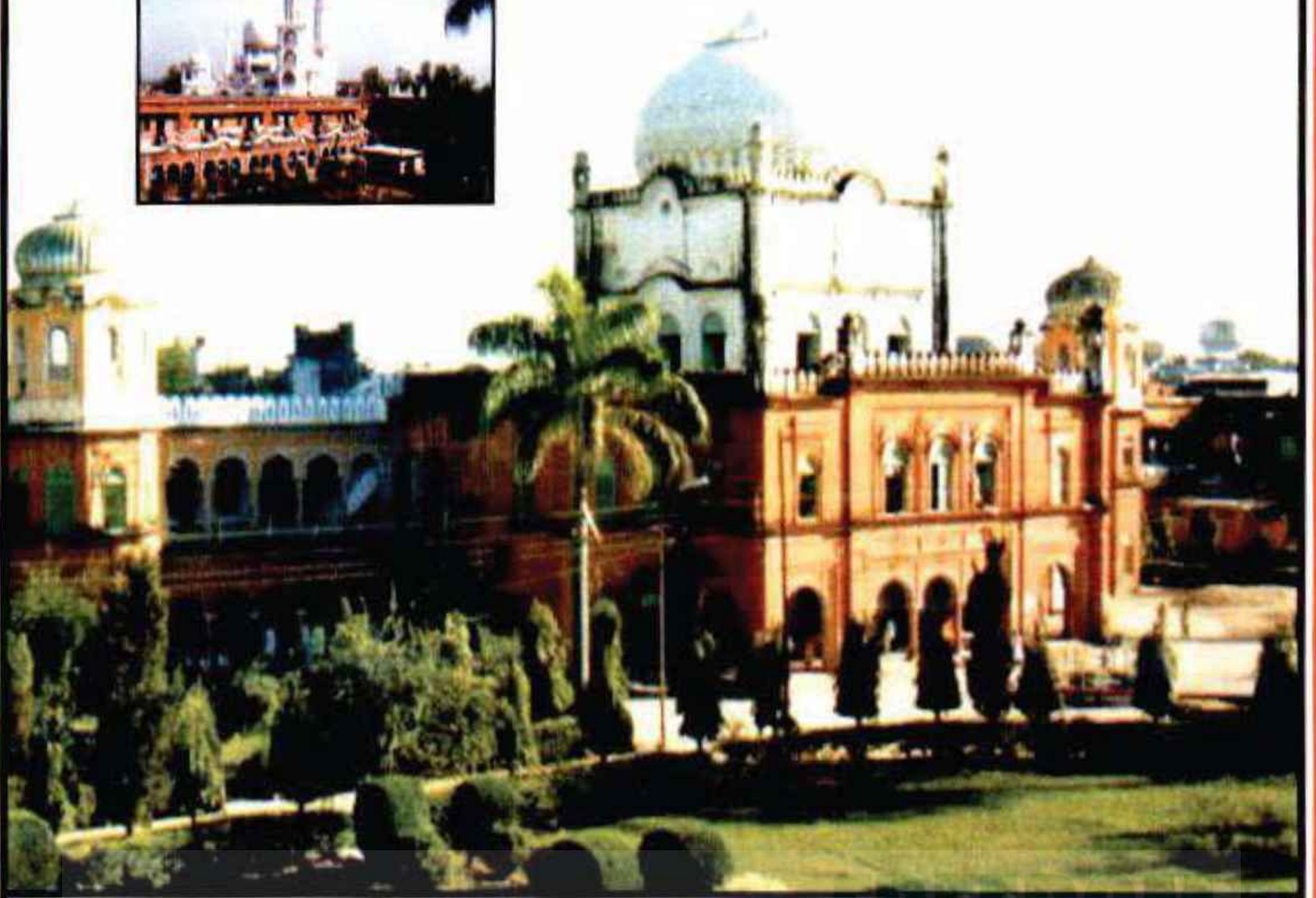
دارالعلوم دیوبند کی مرکزی عمارت ہے۔ جس کی زمینی منزل میں دارالحدیث تحتانی' درمیانی منزل میں موقوف علیہ کی درسگاہیں اور سب سے اوپر والی منزل دارالتفسیر کی ہے۔ یہ خوبصورت عمارت دارالعلوم کے ماتھے کا جھومر ہے۔
اس عمارت کو پہلی نظر دیکھ کر علم اور صاحبان علم کی ہیبت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔

سامنے نودرہ کی عمارت ہے اس سے آگے کا صحن ''احاطہ مولسری'' کہلاتا ہے۔ نودرہ کے متعلق روایت ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر نشانات لگا کر فرما رہے ہیں: ''اس جگہ تم مدرسہ تعمیر کرو''۔ نودرہ انہی نشانات کے مطابق بنایا گیا ہے۔ یہ نودرے کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی طالب علم کو تفسیر وحدیث یا کسی اور کتاب کا کوئی مقام سمجھ نہ آ رہا ہو یا قرآن مجید یاد نہ ہوتا ہو تو یہاں بیٹھ کر مطالعہ کرنے سے مشکل مقامات حل اور قرآن مجید پڑھنے سے یاد ہو جاتا ہے۔ اس پر بے شمار طلبہ کا مشاہدہ ومعمول گواہ ہے۔ احاطے میں مولسری کے درختوں کے ساتھ طلبہ کے صحافتی نمونے نظر آ رہے ہیں۔

یہ رومال مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک سے کئی سال تک مس رہا ہے۔ یہ دولت عثمانیہ کا عطیہ ہے۔ ترکی کے سلاطین ہر سال اس کی زیارت کا شرف حاصل کیا کرتے تھے جو ترکی کے خزانہ میں محفوظ ہے۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کی مالی امداد سے متاثر ہو کر 1332ھ میں سلطان معظم ترکی نے دارالعلوم کو یہ تبرک عطا فرمایا۔

انار کا وہ تاریخی درخت جس کے نیچے بیٹھ کر ایک استاذ اور شاگرد نے ایک عظیم علمی، روحانی اور جہادی تحریک کی داغ بیل ڈالی۔ اس وقت یہاں عمارت نام کی کوئی چیز نہ تھی لیکن یہاں سے ایسے کام کی ابتداء ہوئی جس نے چار سو علم کی روشنی پھیلانے کے ساتھ انگریز کی حکومت کی بساط لپیٹ دی۔ معلوم ہوا کہ مدرسہ عمارت کا نام نہیں، علم و عمل کی شمع روشن رکھنے کے جذبے کا نام ہے اور یہ جذبہ اپنے اظہار کے لئے عمارت اور سہولتوں کا محتاج نہیں۔ آج یہود و نصاریٰ مدارس اسلامیہ کے خلاف جو طرح طرح کے پروپیگنڈے کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان مدارس کے بوریا نشینوں کے ہاتھوں رسوا کن شکست کھائی ہے۔ اگر آج ہم اپنے اسلاف کی طرح علم، تقویٰ اور تصوف و جہاد کو اپنا لیں تو مغربی طاقتیں اسی طرح بدترین شکست سے دوچار ہوں گی جیسے کہ ہمارے بڑوں کے ہاتھوں انہوں نے رسوائی کا داغ اٹھایا تھا۔
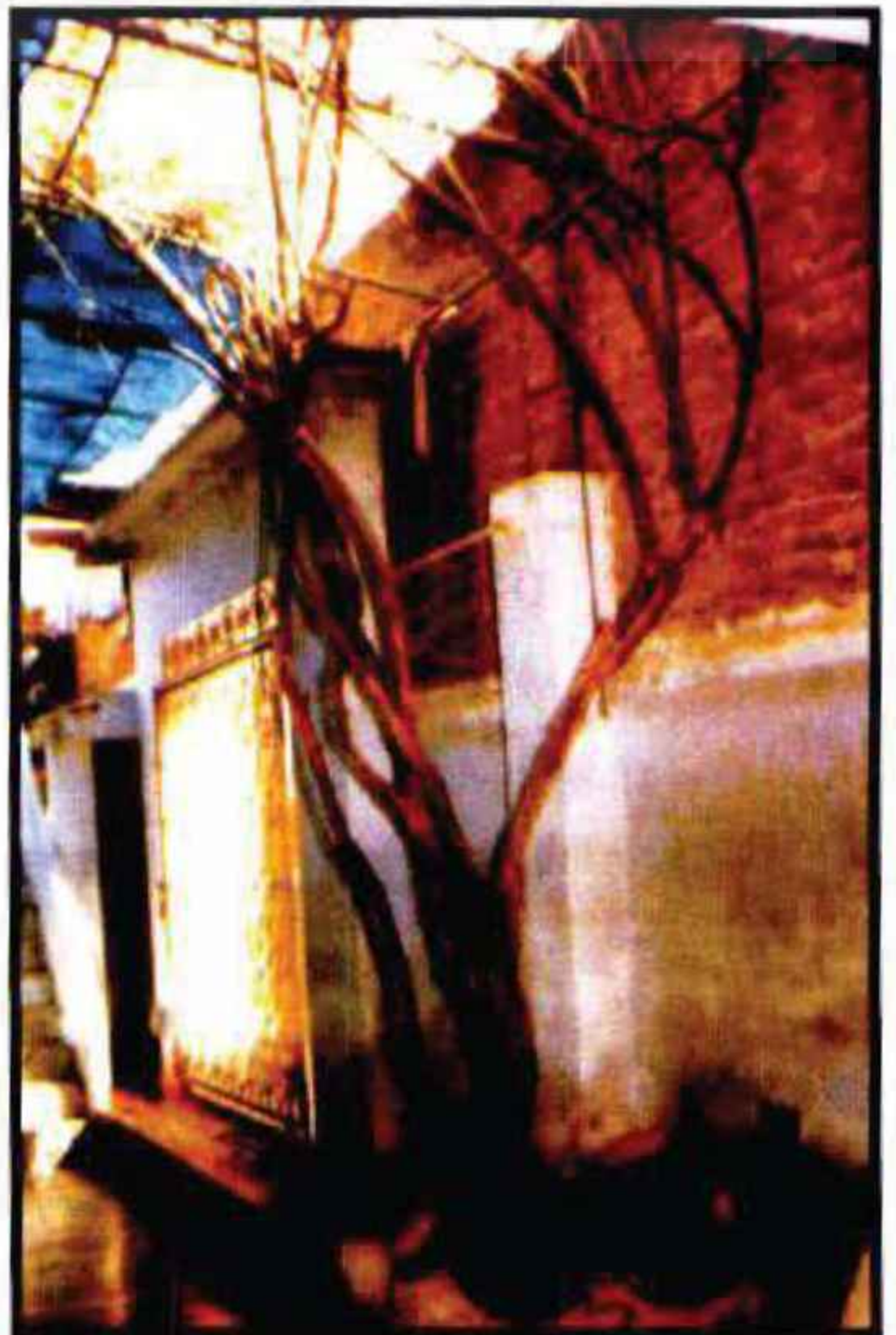
احاطۂ مولسری سے دارالعلوم کے دفتر اہتمام کا ایک منظر۔ نیچے دروازے کے ساتھ ”دیواری مجلّے“
نظر آرہے ہیں جو طلبۂ دارالعلوم دیوبند کے ادبی ذوق کا مظہر ہیں

دیوبند کا قبرستان جہاں بڑے بڑے اہل علم وفضل اور صاحب تقویٰ وفضل آسودۂ خاک ہیں۔
کیسے کیسے نورانی چہروں والے لوگ تھے جو تہ خاک ہوگئے۔ خود تو دنیا سے اوجھل ہوگئے‘
مگر اپنے علم وعمل اور تقویٰ وللّٰہیت کی روشنی سے ایک زمانے کو روشن کر گئے

دیو بند شہر کا عمومی منظر۔ دار العلوم کے دار التفسیر کے خوبصورت گنبد اور شہر کی مساجد کے مینار نظر آ رہے ہیں

- پاکستان کے اہم مدارس کا تعارف اور انکے بانیوں کے اخلاص پر مبنی ایمان افروز واقعات
- اہل علم کیلئے صحبت صالح و اصلاح نفس کی اہمیت پر اسلاف کا متواتر عمل اور گراں قدر ارشادات
- اہل مدارس اور طلباء کی سیاست میں شرکت کے نقصانات اور اکابر کی تنبیہات
- مدیر...مدرس اور طلبا کیلئے مکمل دستور العمل مع نصائح ❖ امراء سے استغناء اور اُس کی برکات
- شعبہ مالیات اور چندہ کے بارہ میں اکابر کی احتیاط ❖ اخلاص وللہیت کے انمول واقعات
- ۱۸۵۷ کے بعد برصغیر میں مدارس دینیہ کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ اور اکابر کی مخلصانہ کاوش اور اُسکے نتائج
- مدارس کی چار دیواری میں رہنے والے تمام افراد کی ضروریات پر مشتمل ایک مستند نصاب اور دستاویز جس کا مطالعہ اہل علم مدرسین اور طلباء کی دینی و دنیاوی کامیابی کی کلید ہے

تحفۃ المدارس

جلد اوّل

مرتب

محمد اسحٰق ملتانی

(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

مجموعہ افادات

قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ
حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ
شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ
حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ
استاذ العلماء مولانا خیر محمد صاحبؒ
مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ
حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ
و دیگر اکابرین رحمہم اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

تحفۃ المدارس

تاریخ اشاعت.................. ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ

ناشر............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت...............سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ.

ادارہ تالیفات اشرفیہ ...چوک فوارہ ملتان — مکتبہ الفاروق مصریال روڈ چوہڑ ہڑپال۔ راولپنڈی

ادارہ اسلامیات........ انارکلی.......لاہور — دارالاشاعت اردو بازار..........کراچی

مکتبہ سید احمد شہید.. اردو بازار لاہور — مکتبۃ القرآن......بنوری ٹاؤن.........کراچی

مکتبہ رحمانیہ....... اردو بازار لاہور — مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE (U.K.)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين وعلى اله واصحابه اجمعين ومن تبعهم الى يوم الدين

امابعد! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکی زندگی کے مجاہدات سے فراغت پا کر جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو قدرے اطمینان کے ساتھ عالمی سطح پر دین کی تعلیم و تبلیغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں سے آپ نے اپنی نبوت کا پیغام سلاطین عالم کے پاس بھیجا اور دینی ضروریات کو مقدم رکھتے ہوئے اُن نفوس قدسیہ کو اپنی فیض صحبت کے ذریعے علوم وعرفان سے منور فرمایا جو اپنے گھر بار کو خیر باد کہہ کر حصول علم کو مقصد بنا کر آپ کے پاس آ ٹھہرے۔ یہی حضرات اصحاب صفہ کے مبارک نام سے موسوم ہوئے جنہیں عہد نبوت کے پہلے مدرسہ کے اولین تلامذہ ہونے کا شرف حاصل ہوا آج عالم اسلام میں پھیلے دینی مدارس انہی اصحاب صفہ کا فیض ہے۔ جو ہر قرن میں نسلاً بعد نسلٍ رائج رہے اور عوام وخواص کو میراث نبوی سے سیراب کرتے رہے۔

غیر منقسم ہندوستان میں انگریز کی آمد سے پہلے یہی دینی مدارس تھے جو اپنے علم وفضل سے انسان کو انسانیت کا درس دیتے رہے اور عوام الناس کے ہاں گریجویٹ وہی طبقہ تھا جو ان مدارس سے مستفید ہو رہا تھا۔ لیکن برصغیر کی زمین پر جونہی فرنگی قدم پڑے تو مسلمانوں کی دینی و اخلاقی قدریں تبدیل کرنے کی نامبارک کوششیں کی گئیں اور مدارس دینیہ کا نظم کافی حد تک متاثر ہو کر رہ گیا۔ ان حالات میں دردمند مفکرین اسلام نے اپنے اپنے طور پر قوم کی خدمت کی اور انہیں انگریزی عفریت سے آزاد کرنے کی جدوجہد شروع کی۔ کچھ حضرات نے انگریزی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے عملی جہاد کیا۔ کچھ حضرات نے قوم کی ترقی کیلئے یہ راہ نکالی کہ قوم کو

بھی انگریزی تعلیم کیلئے ابھارا' تا کہ اس میدان میں مسلمانوں کی مغلوبیت کم ہو جائے۔
ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور چند نفوس قدسیہ نے براہ راست انگریز کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور 1857ء کی جنگ آزادی نے فرنگی سامراج کے تابوت میں پہلی میخ ٹھونک دی۔
سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' حضرت حافظ ضامن شہید' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جیسے حضرات نے شاملی کے میدان میں معرکہ حق وباطل برپا کیا اور خفافاً وثقالاً بے سروسامانی کے عالم میں دشمن سے نبرد آزما ہوئے اس وقتی ھزیمت کے بعد ان حضرات نے الہامی مبشرات اور اہل دل کے مکاشفاف کے بعد یہی طے کیا پایا کہ مسلمانوں کے ایمان وعقائد کے تحفظ کیلئے مدارس دینیہ کے متاثرہ نظام کو پھر منظم کر کے علمی وعملی اقدام اٹھائے جائیں۔ اس فیصلہ پر دیوبند' سہارنپور' دہلی' مرادآباد ودیگر اہم مقامات پر دینی مدارس کی تاسیس کی گئی۔ جسے خدائی نصرت تو حاصل تھی ہی اور ظاہری طور پر بھی عوام الناس نے ان مدارس کا خیر مقدم کیا اور یوں مدارس دینیہ کی تجدید کا کارنامہ انہی فاقہ مست حضرات کے ہاتھوں انجام پایا۔
آج تقریباً ایک صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے ہمارے اکابر نے مدارس دینیہ کے اجراء کا فیصلہ کس حد تک درست کیا تھا اس کا نتیجہ آج صدی گزرنے کے بعد یوں ظاہر ہوا کہ آج بھی سامراج کو انہی مدارس سے خطرہ ہے۔ گویا سو سال پہلے مدارس کا اجراء کر کے اکابر نے اپنے ترکش سے جو تیر چلایا تھا وہ ایک صدی بعد اپنے نشانہ پر یوں لگا کہ آج کا سامراج بھی یہی چلا رہا ہے کہ اگر ہمیں خطرہ ہے تو انہی دینی مدارس سے ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابر کے فیض کو عالم اسلام میں پھیلایا اور اکابر کے ذوق اور ان کی ہدایات کی روشنی میں مدارس دینیہ کا ایک مربوط نظام قائم ہوا۔ الحمدللہ آج بھی پاکستان میں دینی مدارس کا جو مربوط ومنظم نظام جاری ہے وہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ کے تلامذہ کا بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض ہے۔ بلکہ یہاں کے کامیاب مدارس کو دیکھا جائے تو واضح معلوم ہوتا ہے کہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ' شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ' مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ' مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے صحبت یافتہ حضرات ہی کا فیض ہے۔
کراچی میں دار العلوم ...... جامعہ بنوریہ ...... لاہور میں جامعہ اشرفیہ ...... ملتان میں جامعہ خیر المدارس ...... جامعہ قاسم العلوم ...... دار العلوم کبیر والا ...... اکوڑہ خٹک میں دار العلوم حقانیہ ...... سکھر میں مدرسہ اشرفیہ اور فیصل آباد میں جامعہ اسلامیہ امدادیہ ...... جیسے مشاہیر مدارس نے

اپنے موسسین کے اخلاص اور اکابرین وقت کی دعاؤں سے دین کی مثالی خدمات سرانجام دیں اور آج بھی ان حضرات کے لگائے ہوئے دینی گلشن اپنی آب و تاب کے ساتھ مہک رہے ہیں اور ہزاروں تشنگان علوم کو علم و عمل سے سیراب کر رہے ہیں۔جن دینی مدارس کے حالات ہمیں بآسانی میسر آسکے وہ جزو کتاب بنادیئے گئے اس لئے یہ سمجھنا کہ جن مدارس کا تذکرہ اس کتاب میں ہے صرف وہی مثالی مدارس ہیں۔تو یہ بعید از قیاس ہوگا۔اللہ کے فضل سے ملک کے طول و عرض میں ایسے غیر معروف مدارس بھی ہیں جو کسی تشہیر کے بغیر خدمت دین میں مصروف ہیں۔آج ہمارے معاشرہ میں جو دینی فضا اور اسلامی اقدار نظر آرہی ہیں وہ انہی مدارس کا فیض ہے۔اللہ تعالیٰ ان مدارس کے فیض کو جاری وساری رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج ہر جگہ مدارس دینیہ موجود ہیں۔ان حالات میں یہ تحرک پیدا ہوا کہ ہمارے اسلاف نے جو مدارس کے نظام کو بحسن وخوبی چلایا تو ان کی کامیابی کے اسباب کیا تھے؟ انہوں نے کس طرح بے سروسامانی میں مدارس کی ابتدا کی اور کس طرح تقویٰ وطہارت کے ساتھ مدارس کو منظم کیا؟ اسی جستجو میں اکابر کی سوانح زیر مطالعہ رہیں اور مفید علمی واصلاحی مضامین جمع کئے جاتے رہے۔الحمدللہ سینکڑوں کتب کے مطالعہ کے بعد جو علمی وعملی چیزیں اہل مدارس کیلئے نافع معلوم ہوئیں وہ جمع کی جاتی رہیں اور یوں یہ بکھرے ہوئے موتی یکجا کردیئے گئے۔اس لئے کتاب ہذا کا مطالعہ اسی نظریئے سے ہی کیا جائے اور اسے مستقل تصنیف نہ سمجھا جائے۔کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات اپنے اسلاف واکابر کے ذوق عالی کے خلاف نہ ہو اس لئے اپنے اکابر ہی کے فیوض وافادات اس کتاب کا مآخذ ہیں۔

جن میں قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ' حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی ' شیخ الہند مولانا محمود حسن ' حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی ' شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ' حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب ' استاذ العلماء مولانا خیر محمد صاحب ' مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ' علامہ محمد یوسف بنوری صاحب ' شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمہم اللہ جیسے اکابر کے فیوض وافادات ہی لئے گئے ہیں۔الحمدللہ ان اکابر کی مجرب تعلیمات وارشادات اہل مدارس کیلئے سرمہ بصیرت ہیں۔

مدارس کی تاریخ میں دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کیسے ہوئی اور کیسے اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال ہوئی۔اسلاف کا تقویٰ وطہارت کا معیار کیا ہے وہ ہر معاملہ میں کیسی احتیاط

فرماتے تھے۔اگر باہمی اختلاف ہوجائے تو معاملہ کو کس طرح سلجھاتے تھے۔مدرسین وطلباء کے حوالہ سے مدیر کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔

طلباء کی تربیت اور انہیں علمی ماحول مہیا کرنے میں مدرس کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے۔اہل علم کو اپنے علمی فضل وکمال کے باوجود وقت کے مشائخ اہل اللہ کی صحبت کس قدر ضروری ہے۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ جیسے اصحاب علم وفضل نے بظاہر ایک غیر عالم حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی اصلاح کرائی۔پھر دنیا نے دیکھا کہ ان اصلاح یافتہ حضرات کا فیض کیسے جاری ہوا کہ اب تک انکی نسبت کو سرمایہ افتخار سمجھا جاتا ہے۔اسی طرح شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی شیخ کامل کی صحبت اٹھائی اور پھر خود دوسروں کیلئے ذریعہ اصلاح وہدایت بنے۔حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب' مولانا مفتی محمد شفیع صاحب' مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی' حضرت مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا خیر محمد صاحب رحمہم اللہ جیسے حضرات نے اپنے اندر کس چیز کی کمی محسوس کی کہ علم وفضل کے باوجود حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری اور مکاتبت فرماتے رہے۔پھر وہ کیا سے کیا ہوئے کہ آج پورے عالم میں ان کا فیض جاری وساری ہے۔بلاشبہ وہ اصلاح نفس ہی کی مبارک غرض تھی۔اس لئے اصلاح کا فطری اصول یہی ہے کہ کتابوں سے علم نبوت تو حاصل ہوسکتا ہے لیکن نور نبوت کسی شیخ کامل کی صحبت ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ مدرسین واہل علم کو اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ کرنے کیلئے بھی اسلاف کے بہت سے واقعات اور موثر ہدایات پر مشتمل علیحدہ باب اس کتاب میں دیا گیا ہے۔تاکہ ظاہری علم کے ساتھ باطنی علوم اور اصلاح نفس کی طرف بھی توجہ رہے۔جو اس دور میں فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔

اصلاح یافتہ مدرسین کی تعلیم سے طلباء میں عملی ذوق بھی پیدا ہوگا اور علم بابرکت ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ دیندار استاد بچوں کو انگریزی اور دنیاوی فنون بھی پڑھائے تو اسکی دینداری کا طلباء پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے۔لیکن اگر خدانخواستہ معلم میں عملی واخلاقی کمزوریاں ہوں تو اس کا اثر بھی طلباء کی تعلیم پر ضرور ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ اپنے مدرسہ ہردوئی میں انہی علماء کو مدرس مقرر فرماتے جو کسی شیخ کامل سے اجازت یافتہ ہوں یا اہل اللہ سے تعلق رکھتے ہوں۔یہ معمول

دوسرے اکابرین کا بھی رہا ہے۔ آج کل ہر جگہ بچیوں کے جامعات کی بھی کثرت ہے جن میں نئے نئے مدرسین کا تقرر ہوتا ہے۔ اس پرفتن دور میں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ مدرسین ظاہری علم کیساتھ باطنی امراض کا بھی کسی روحانی معالج سے علاج کرا چکے ہوں۔

شیخ کامل کی صحبت سے جہاں اعمال صالحہ کا بجالانا سہل ہوجاتا ہے وہاں تمام گناہوں سے بچنے کی ہمت بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ دوران تدریس ہمارے اکابر مدرسہ کے تمام معاملات میں جو احتیاط اور کمال تقویٰ کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ یہ اسی اصلاح ہی کا کرشمہ ہے۔ آج کل جو نئے مدرسین اور خاص طور پر جامعات کے کم سن شیوخ الحدیث ہیں ان کیلئے اپنے اکابر کا طرز عمل سامنے آجائے تو ان شاء اللہ عمل کرنا آسان ہوجائے۔

الغرض یہ کتاب کیا ہے؟ گویا مدرسہ کی چار دیواری میں رہنے والے ارباب مدارس مدیر، مدرس اور طلباء کی ضرورت کے مطابق تمام مفید مضامین اس کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اسلاف کا نمونہ سامنے آنے پر خود کو انہی کے سانچے میں ڈھالا جاسکے۔

ماشاء اللہ ارباب مدارس ہمہ وقت اسی فکر میں رہتے ہیں کہ ہمارے مدارس معنوی وظاہری ترقی کریں اور اس کیلئے ہر قسم کی جدوجہد کرتے ہیں لیکن اسلاف کی مبارک زندگی کے وہ پہلو جو مدارس سے متعلق ہیں سامنے آجائیں تو پر وقار انداز میں دین کی خدمت کی توفیق مل سکتی ہے۔ اسی نیت کے پیش نظر "تحفۃ المدارس" مرتب کیا گیا ہے جو اپنے اسلاف واکابر کی تعلیمات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بلاشبہ اہل مدارس کیلئے تحفہ ہے۔

کتاب ہذا کی ترتیب میں عزیزم مولوی حبیب الرحمٰن سلمہ الرحمٰن (فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان) نے بھی معاونت کی ہے اللہ پاک انہیں علم نافع نوازیں۔

اللہ تعالیٰ اصحاب صفہ کے وسیلہ سے اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیں اور اکابر کی ان تعلیمات کو مدارس میں رائج فرمادیں آمین۔

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ

ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ بمطابق نومبر 2008ء

تحفۃ المدارس کے اہم عنوانات پر ایک نظر

مدارس دینیہ کے مقاصد اور اکابر کا اخلاص...... دینی مدارس کا مزاج اور نصب العین...... دار العلوم دیوبند کی تاسیس اور خدائی نصرت کا ظہور...... ملک بھر کے اہم جامعات کی تاسیس اور بتدریج ترقی کے مراحل...... بانیان مدارس کے اخلاص وللّٰہیت اور فقید المثال کردار کی جھلکیاں...... جامعہ دار العلوم کراچی ...... جامعہ بنوریہ کراچی...... جامعہ خیر المدارس ملتان...... جامعہ اشرفیہ لاہور...... جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد جیسے مشاہیر جامعات کا تذکرہ اور ان کے ابتدائی حالات۔ ارباب مدارس مدیر، مہتمم اور پرنسپل کیلئے رہنما اصول وقواعد۔ مدیر کے حوالے سے حقوق وفرائض۔ اساتذہ...... طلباء اور عملہ سے برتاؤ کا طریقہ...... مدارس کی سرپرستی کا مفہوم اور شرائط۔ مدرسین کے مثالی اوصاف۔ علم کی فضیلت، آداب اور تقاضے...... عصر حاضر میں اہل علم کیلئے دستور العمل، علماء کیلئے اسلاف کی گراں قدر نصائح۔ اسلاف کا علمی انہماک...... خیر القرون سے تاہنوز اکابر کے تحصیل علم پر مبنی سینکڑوں اثر انگیز واقعات۔

مدارس دینیہ کے مدرسین اور معلمین قرآن کیلئے شرعی احکام وآداب: طلباء کی صلاحیات کو اجاگر کرنے کیلئے مثالی واقعات...... سزا اور تادیب کے سلسلہ میں شرعی احکام۔ دوران تدریس حق الخدمت کے بارے میں اکابر کا نکتہ نظر۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اکابرین دیوبند تمام حضرات کی اہل علم کو نصائح۔ برصغیر کے اہل علم کے تواضع پر مبنی واقعات جو اصلاح کیلئے نسخہ کیمیا ہیں۔

مدارس دینیہ کی بقا کا ایک ظاہری سبب ''شعبہ مالیات'' کے بارے میں اکابر کا طرز عمل۔ چندہ کے احکام وآداب...... حدود شرعیہ کی تعین اور پروقار دستور العمل۔ امراء سے تعلق کے بارے میں اکابر کے استغناء اور توکل کے واقعات...... علماء کرام کے چندہ کرنے کے سلسلہ میں اکابر کی تعلیمات۔

مدرسین اور علماء کرام کیلئے اصلاح نفس کا دستور العمل۔ علم نبوت میں برکت ونورانیت اور علم کے مطابق عمل...... اخلاص اور اخلاق حمیدہ پیدا کرنے کیلئے اہل دل مشائخ کرام کی صحبت ومجالست کی ضرورت۔ اہل دل کی صحبت جو علم نبوت کو نور نبوت میں تبدیل کرنے کا نسخہ اکسیر ہے کی فرضیت پر بہترین مضامین۔

مدارس کے طلباء کیلئے علم کے آداب، اساتذہ کے حقوق اور ادب واحترام...... علم میں برکت کیلئے دستور العمل...... مطالعہ کتب کیلئے گراں قدر معلومات...... حقیقی طالب علم کے اوصاف جیسے اہم عنوانات پر مشتمل ایک مفید ترین دستاویز ہے جو اللہ کی توفیق سے مرتب کی گئی اور ان شاء اللہ اہل مدارس کیلئے بلاشبہ تحفہ ہے۔

اھم مآخذ و مصادر
مع مختصر تعارف

نام کتاب	مؤلف / مرتب	مطبوعہ
منتخب حیاۃ الصحابہ	حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ
علمائے دیوبند کی یادگار تحریریں	قاری محمد اسحٰق ملتانی	ادارہ تالیفات اشرفیہ
حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات	قاری محمد اسحٰق ملتانی	ادارہ تالیفات اشرفیہ
خطبات حکیم الامت	حضرت تھانویؒ کے مواعظ کامل 32 جلدیں	ادارہ تالیفات اشرفیہ
ملفوظات حکیم الامت	حضرت تھانویؒ کے گرانقدر ملفوظات کامل 30 جلد	ادارہ تالیفات اشرفیہ
آپ بیتی	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ	دارالاشاعت
توشۂ آخرت	حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کی آخری تصنیف	ادارہ تالیفات اشرفیہ
انمول موتی	سینکڑوں کتب سے اصلاح افروز مضامین کا مجموعہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ
اشرفی بکھرے موتی	حضرت تھانویؒ کے اصلاح افروز دو ہزار موتی	ادارہ تالیفات اشرفیہ
تاریخ دعوت وعزیمت	مولفہ مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ	نشریات اسلام
ارواح ثلاثہ	حکیم الامت رحمہ اللہ کے جمع فرمودہ اکابر کے واقعات	دارالاشاعت
نقوش رفتگاں	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے قلم سے	مکتبہ معارف القرآن
مکتوبات حکیم الاسلام	حکیم الاسلامؒ کے علمی اصلاحی نادر مکتوبات	ادارہ تالیفات اشرفیہ
ملفوظات فقیہ الامت	مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے ملفوظات	دارالھدیٰ
تاریخ دارالعلوم دیوبند	سید محبوب رضوی کی قلم سے	ادارہ اسلامیات
شرائیک	حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا مولفہ ایک مفید رسالہ	————
خزینہ	مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ کے جمع فرمودہ اہم نکات	————
مطالعہ کی اہمیت	مولانا روح اللہ نقشبندی مدظلہ	دارالھدیٰ

اصلاح انقلاب امت	حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ	ادارۃ المعارف
مثالی شاگرد	مولانا صدیق احمد سرحدی	مکتبہ حمادیہ کراچی
کاروان زندگی	مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی خودنوشت سوانح	نشریات اسلام
صحبت با اہل حق	از حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ اکوڑہ خٹک	ادارۃ العلم والتحقیق
علمی کشکول	مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے جمع فرمودہ اہم واقعات	دارالاشاعت
جواہر الرشید	مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ	----------
واقعات مولانا احمد علیؒ	حاکم علی	----------
خطبات حکیم الاسلام	حکیم الاسلام رحمہ اللہ کے خطبات	مجیدیہ کتب خانہ
حکایات اسلاف	اعجاز احمد خان سنگھانوی	کراچی
تذکرۃ الرشید	قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی سوانح	ادارہ اسلامیات
میرے والد میرے شیخ	شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ	مکتبہ معارف القرآن
مثالی استاد	مولانا محمد حنیف عبدالمجید	بیت العلم ٹرسٹ کراچی
خطبات شیخ الحدیث	شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ کے اصلاحی خطبات	مکتبہ العارفی
پچاس مثالی شخصیات	حکیم الاسلام رحمہ اللہ کے قلم سے اکابر کا تذکرہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ
مرد مومن	مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے مبارک احوال	فیروز سنز
اللہ والوں کی مقبولیت کا راز	مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدظلہ	مکتبہ قاسمیہ
دعوت فکر و عمل	مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدظلہ	ہندوستان
البلاغ مفتی اعظم نمبر	مفتی اعظم رحمہ اللہ کے حالات پر مشتمل	دارالعلوم۔ کراچی
البینات علامہ بنوری نمبر	حضرت علامہ سید بنوری رحمہ اللہ پر اشاعت خاص	مکتبہ معارف القرآن
تراشے	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے جمع فرمودہ اہم واقعات	مکتبہ معارف القرآن
اصلاحی خطبات	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے اصلاح افروز خطبات	میمن اسلامک پبلشرز
حقوق العباد اور معاملات	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ
واقعات و مشاہدات	شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ	مکتبہ لدھیانوی
شخصیات و تاثرات	شہید اسلام محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ	مکتبہ لدھیانوی

مسافران آخرت	مولانا محمد ازہر صاحب مدظلہ کے قلم سے ہم عصر اکابر کا تذکرہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ
مشعل ہدایت	فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ کے مضامین	جامعہ خیر المدارس
جواہر حکمت	حکیم الاسلام رحمہ اللہ کے گراں قدر ملفوظات	ادارہ تالیفات اشرفیہ
فضائل صدقات	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ	مکتبہ حقانیہ
مجالس حکیم الاسلام	حکیم السلام رحمہ اللہ کی مبارک مجالس کا مجموعہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ
فضائل اعمال	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ
ظفر المحصلین	مولانا محمد حنیف گنگوہی رحمہ اللہ	دارالاشاعت
غنیۃ الطالبین	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ	دارالاشاعت
تحفۂ معلم	قاری محمد اسحق ملتانی	ادارہ تالیفات اشرفیہ
آداب المعلمین	مولانا محمد صدیق باندوی رحمہ اللہ	نشریات اسلام
اکابر کا تقویٰ	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ کاللہ	--------
الاعتدال فی مراتب الرجال	شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ	--------
چراغ محمدؐ	سوانح شیخ الاسلام مولانا ناصر حسین احمد مدنی رحمہ اللہ	دارالارشاد۔ اٹک
خطبات مفکر اسلام	سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے خطبات	ادارہ تالیفات اشرفیہ

اسماء مواعظ حکیم الامت رحمہ اللہ

التعمیم تعلیم القرآن۔ غایۃ النکاح فی آیۃ النکاح۔ التبلیغ حقیقت تصوف وتقویٰ۔ کلمۃ الحق۔ الدین الخالص۔ مزید المجید۔ الافاضات الیومیہ۔ حسن العزیز۔ ملفوظات اشرفیہ۔ التبلیغ خیر الارشاد۔ مجالس الحکمۃ۔ ترجیح الاخرۃ۔ مظاہر الاقوال۔ انفاق المحبوب۔ مجالس حکیم الامت۔ اشرف العلوم۔ نسیان النفس۔ کوثر العلوم۔ حقوق القرآن۔ مظاہر الامال۔ حقوق وفرائض۔ ذم المکروہات۔ دار المسعود۔ الکلام الحسن۔ تجدید تعلیم وتبلیغ۔ کلمۃ الحق۔ التبلیغ اسباب الفتنہ۔ الحدود وقیود۔ العبد الربانی۔ حقیقت احسان۔ تعلیم البیان۔ انفاس عیسیٰ۔ فیوض الرحمٰن۔ تجدید تعلیم۔ طریق القلندر۔ طریق النجاۃ۔ اسواق الامال الاشواق۔ احکام المال۔ ملفوظات کمالات اشرفیہ۔ التحصیل والتسہیل مع التکمیل والتعدیل۔ ارضاء الحق۔ تجارت آخرت۔ حقوق العلم۔ القول الجلیل۔ امداد الفتاویٰ۔ الاتمام نعمۃ الاسلام۔ تقویم الزیغ۔ خیر المال للرجال۔ حرمات الحدود۔ حقوق القرآن۔ تاسیس البنیان۔ رفع الموانع۔ ذکر وفکر۔ تدبیر وتوکل۔ ارضیۃ المرغوب۔ اتباع العلماء۔ الفاظ القرآن۔ تکمیل الاسلام۔ آداب انسانیت۔ الباطن۔ تعظیم العلم۔ التبلیغ تواصی بالحق۔ آداب المعاشرت۔

فہرست عنوانات

علم اور اہل علم

اہل علم کیلئے منتخب اسلاف کے اہم واقعات ۴۷۵

☆ ☆ ☆ ☆

عکس تحریر

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی رحمہ اللہ

عکس تحریر ...... سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ

عکس تحریر

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

[illegible]

عکس تحریر ... حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ

الحمد لله بالمحبة والصلوة على حبيبه محمد حبيب الاحبة وعلى آله ومن صحبه
واحبه اما بعد فيقول العبد المسكين محمد رفيع الدين الحقه الله بسلفه الصالحين
ان المحبة وصف شريف وحال لطيف تنبعث النفس الناطقة فى الوجدان
غاية اللذة وهى ناشية عن كمال باهر فى المحبوب وكاشفة عن اندماج سر فائر
من ذلك الكمال فى المحب منبثة عن موضع معرفته الى ذلك الكمال من حيث هو
كمال وهى اذا وافقت محلها وقعت على اصلها بسبب لعدة مراتب اقترانية
والصفات فكرة وجودة روية ولتهذيب كثير من الاخلاق الفاضلة ولسياسة

عکس تحریر

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

یہ خط آپ نے حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ کے نام خلافت نامہ بھیجا

بشارت

بے اختیار قلب پر تقاضا ہوا کہ توکلاً علی اللہ
آپ کو اجازت دوں کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے
بیعت یا تلقین کی درخواست کرے
منظور کرلیں اس میں آپ کی بھی اصلاح میں مدد ملے گی

میں نے یہ مضمون اپنی خاص یادداشت میں بھی لکھ دیا ہے

بشارت: بے اختیار قلب پر تقاضا ہوا کہ توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دوں کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے بیعت یا تلقین کی درخواست کرے منظور کرلیں اس میں آپ کی بھی اصلاح میں مدد ملے گی۔

میں نے یہ مضمون اپنی خاص یادداشت میں بھی لکھ دیا ہے۔ اشرف علی

عکس تحریر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ

[illegible]

عکس تحریر

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ

سوالات بیضاوی شریف

عکس تحریر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ

(۱) والہدایۃ دلالۃ بلطف ولذالک تستعمل فی الخیر و[illegible] فاہدوہم الی صراط الجحیم علی التہکم. ومنہ الہدایۃ وہوادی الوحش لمقدماتہا - والفعل منہ ہدی واصلہ ان یعدی باللام او الی فعومل معاملۃ اختار فی قولہ تعالی واختار موسی قومہ

اس عبارت کا صاف مطلب اردو میں اور ہدایت کی [illegible] بیان کرو -

(۲) والعالم اسم لما یعلم بہ کالخاتم والقالب غلب فیما یعلم بہ الصانع وھو کل ما سواہ من الجواہر والاعراض فانہا لامکانہا وافتقارہا الی مؤثر واجب لذاتہ تدل علی وجودہ - اس عبارت کا صاف مطلب تحریر کرو -

(۳) والایمان فی اللغۃ عبارۃ عن التصدیق ماخوذ من الامن کان المصدق امن المصدق من التکذیب والمخالفۃ واما فی الشرع فالتصدیق بما علم بالضرورۃ انہ من دین محمد ﷺ کالتوحید والنبوۃ والبعث والجزاء -

اس عبارت کا صاف مطلب تحریر کرو -

محمد کفایت اللہ

عکس تحریر

شیخ المشائخ حضرت مولانا

شاہ عبدالقادر رائے پوری

رحمۃ اللہ علیہ

مکرم و محترم حضرت شاہ صاحب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عبدالقادر [illegible]

عکس تحریر

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

ہر گز نہ رسد ز خلق مرنج

[illegible]

از خدا داں خلاف دشمن و دوست

[illegible]

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

[illegible]

اجمالی فہرست

جلد اوّل

جلد دوم

مدارس دینیہ
اور
اکابر کا اخلاص

مدارس دینیہ کے مقاصد برکات وثمرات
دینی مدارس کا مزاج وضابطہ اخلاق
مدارس کا نصب العین اور رہنما اصول
دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور خدائی نصرت کا ظہور
مدارس کا موجودہ نظام وقت کی اہم ضرورت
جامعہ دارالعلوم کراچی۔ جامعہ بنوریہ کراچی
جامعہ خیرالمدارس ملتان۔ جامعہ اشرفیہ لاہور
اور جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
جیسے معروف دینی علوم کے مراکز کی تاسیس اور مثالی خدمات
مدارس کی اجراء کا آسان طریقہ۔ مدارس کی ناکامی کے اسباب
مدارس میں باہمی ربط کی ضرورت

مدرسے کا مقصد

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

نئے سال کے شروع میں آپ سے تعارف حاصل کرنا اور اپنے تجربات بیان کرنا ایک مناسب و برمحل بات ہے، آپ سے بات کرنا مشکل بھی ہے اور آسان بھی ظاہر بات ہے کہ باپ جب اپنے بیٹے سے ایک عزیز اپنے دوسرے عزیز سے بات چیت کرتا ہے تو نہ اس کے اندر کسی تصنع و بناوٹ کی ضرورت ہوتی ہے، نہ دقیق و ثقیل الفاظ کے استعمال کی، یہی میری باتوں کی بھی حیثیت ہے، جانی بوجھی باتیں، عمر بھر کے تجربے، راستہ کے نشیب و فراز، اس کی منزلیں، ان تمام باتوں کو آپ کے سامنے رکھنا، اس نوعیت کے اعتبار سے یہ بات بہت آسان ہے، اس میں مجھے زیادہ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں اور میں کیا یہاں آپ کے اساتذہ میں سے جو کوئی بھی آپ سے بات کرے اسے زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

لیکن آپ کے ساتھ ساتھ آپ سے بات کرنا مشکل بھی ہے، اس لئے کہ میں آپ سے اتنی باتیں کرنا چاہتا ہوں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہاں سے شروع کروں اور کہاں ختم کروں، باتوں کا ایک اتھاہ سمندر ہے اور اسکے اتنے محرکات ہیں، جن میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنا مشکل ہے، لیکن ہر مشکل کا ایک حل ہے اور اس کا حل یہ ہے کہ ان تمام باتوں کو مختلف اوقات میں آپ کے سامنے رکھا جائے۔

سب سے پہلے میں آپ سب کو مبارک باد دیتا ہوں، پرانے طلبہ کو اس لئے کہ وہ اب تک موجود ہیں، زمانے کی گردشیں اور اس کے الٹ پھیر نے الحمدللہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور وہ اس کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے مقصد کے حصول میں مشغول ہیں اور نئے طلباء کو

مبارکباد اس لئے دیتا ہوں کہ انہوں نے دینی تعلیم کا انتخاب کیا' اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل وکرم ہے کہ اس نے آپ کے والدین کو یہ توفیق دی کہ وہ آپ کو ایک دینی درسگاہ میں تعلیم کی غرض سے بھیجیں' بعض ایسے بھی طلباء ہیں جو زبردستی بھیجے گئے' لیکن وہ بھی اللہ کے منظور نظر ہیں' حدیث شریف میں وارد ہے کہ ''جنت میں بعض لوگ ایسے بھی جائیں گے' جن کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں گی'' یعنی وہ اللہ کے اتنے منظور نظر ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ خود جنت میں داخل ہونا نہیں چاہتے' ان کے بیڑیاں ڈال کر اور زبردستی داخل جنت کیا جائے گا اسی طرح دینی تعلیم کا حصول بھی اتنی بڑی نعمت ہے کہ جو اس پر زبردستی لگائے جائیں اور وہ بغیر اپنے مقصد کو سمجھے ہوئے جبراً وکرہاً یہاں پہنچائے جائیں وہ بھی مبارک باد کے مستحق ہیں' غرض یہ کہ جو جس طرح بھی یہاں آیا اور اس کے والدین لائق تحسین وصد مبارک باد ہیں۔

مگر یہاں آپ کو کیا ملے گا؟ آپ کیا پائیں گے؟ یہ بہت وسیع موضوع ہے' جس پر مفصل روشنی ڈالنے کا یہ موقع نہیں ہے' امام غزالی رحمہ اللہ کی ''احیاء العلوم'' اس موضوع پر بہترین کتاب ہے' آپ موقع نکال کر اس کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دینی درسگاہ میں طالب علم کو کیا کچھ ملتا ہے؟

کلام پاک کی نعمت

ابھی بھی قاری جب تلاوت کلام میں مشغول تھا تو مجھ پر صرف ایک کیفیت شروع سے آخر تک طاری رہی اور وہ یہ کہ ہم جیسے ناپاک ونجس انسان جس کی حیثیت لاشئی محض کی سی ہے' وہ اور اس ذات عالی کا کلام جس نے بحر وبر' آسمان اور زمین شمس وقمر کو وجود بخشا اس کا کلام سمجھ سکیں' اس کے مخاطب بننے کے مستحق بن سکیں' الٰہی کیا مقام ہے' وہ شخص جس کی اس صفحہ ہستی کے اوپر کوئی حیثیت نہیں' آخر وہ اس نعمت عظمیٰ کو پاکر دیوانہ کیوں نہیں ہو جاتا' گریبان کیوں نہیں پھاڑ لیتا' کیا ہم اس قابل ہیں کہ خلاق عالم کے مخاطب بن سکیں' جب تک قاری تلاوت میں مشغول تھا مجھ پر صرف یہی ایک تاثر قائم رہا' یہ فہم قرآن اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر اس پر کوئی شخص خوشی سے دیوانہ ہو جائے اور گریبان چاک کر کے مجنونانہ کیفیت اختیار کرلے تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں' کیا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھول

گئے۔ ذرا تاریخ کے اوراق کو الٹ کر ایک مرتبہ پھر نظر ڈالئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا خدا نے تمہارا نام لیکر کہا ہے کہ ان سے کلام پاک پڑھوا کر سنو تو سیدنا ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ پر والہانہ کیفیت طاری ہوگئی اور مارے خوشی کے چیخ نکل گئی اور فرمایا ''او سمانی ربی '' اللہ تعالیٰ کیا کہتا ہے خدا اور اس کے رسول سے محبت ووارفتگی کا جس کا عشر عشیر بھی ہمارے نصیب میں نہیں۔

میرے عزیزو! اگر یہاں آپ کو کچھ نہ ملے' سارا مال خرچ کرنے کے بعد صرف یہی ایک نعمت ملے کہ ہم خدا کے کلام کے مخاطب بننے کے اہل ہوجائیں' تو سچ جانئے دنیا کی ساری لذتیں وآرائشیں سب اس ایک نعمت پر قربان اور اس نعمت عظمیٰ کے ملنے کے بعد آپ کی ساری محنتیں وصول اور آپ کے والدین کی ساری کمائی حاصل۔

میرے عزیزو! یہ بات خوب ذہن میں بٹھا لیجئے کہ آپ یہاں کس لئے آئے ہیں' اپنی تعلیم میں لگنے سے پہلے اپنے مقاصد کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے' آپ کس نعمت کو حاصل کرنے آئے ہیں' اس کے لئے ذہن کو بیدار کر لیجئے۔ تمہارا قصہ صرف یہی نہیں کہ تم زبردستی لائے گئے ہو بلکہ تمہارے اور تمہارے خالق کے درمیان ایک سنہری زنجیر ہے۔ جس کا اگر ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے تو دوسرا سرا اللہ رب العزت کے قبضہ میں' گویا تمہارے اور اللہ کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جس کی بناء پر تم اس کے کلام کو سمجھ سکتے ہو اور اس کو اخذ کر سکتے ہو اس سے بات کرنے کا طریقہ تمہیں معلوم ہے۔

مدرسے کا مقصد

میں کسی بھی مدرسہ کی تعریف ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں کہ جب ایسی زبان سکھائی جاتی ہے جس کی بدولت عربی کتابیں پڑھی جاسکیں اور اس سے دوسرے دنیاوی فائدہ اٹھائے جاسکیں۔ عربی مدرسہ کی ہرگز ہرگز یہ تعریف نہیں بلکہ وہ تو وہ جگہیں ہیں جہاں طالب علم کے درمیان جیسا کہ میں نے پہلے کہا اور خدا کے درمیان ایک بلاواسطہ کی کڑی ہے جس کا ایک سرا ادھر ہے اور دوسرا سرا اللہ کے قبضہ میں ہے۔

ہمیں کیا کرنا ہے

میرے عزیزو! اس بات کو سمجھو کہ اس نعمت عظمیٰ کا اہل بننے کیلئے تمہیں کن باتوں کی ضرورت ہے، تمہیں کم سے کم کیا کرنا ہے؟ سب سے پہلے اپنے اندر شکر پیدا کرو ا کیلے میں بیٹھ کر سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں انبیاء عظام اور اولیاء کرام کے راستہ پر ڈال دیا اگر تم پھر اپنی سابقہ جگہ پر پہنچ جاؤ تو یہ تمہاری بڑی بد قسمتی ہے، اس راستہ میں اولیاء کرام اور انبیاء عظام کا نقش قدم نظر آئے گا اور اس سے بڑھ کر تمہیں علم نبوت کی روشنی ملے گی۔

دوسری چیز اس مدرسہ کی زندگی میں حسب استطاعت اپنے کو اس کے مطابق بنانا ہے، ہر راہ کے کچھ تقاضہ ہوتے ہیں اس راہ کے تقاضے یہ ہیں کہ فرائض کی پابندی کی جائے، مثلاً نمازوں میں مستعدی، جماعت کے وقت سے پہلے مسجد آجاؤ، نوافل و دعاء کا ذوق پیدا کرو۔

تیسری چیز، اپنے اخلاق کو بھی اسی کے مطابق بناؤ، تمہارے اندر صبر، زہد، استغنی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

چوتھی چیز تمہارے اخلاق و آداب، طور و طریق، رہن وسہن سب خالص، اسلامی ہو، تمہارا مظہر بھی اس راستہ کے پیشواؤں کے مطابق ہو۔

مجھے خدا کی قسم تمہارے متعلق یہ خطرہ ہر گز نہیں کہ تم یہاں سے جانے کے بعد فقر سے دو چار ہو گے۔ خطرہ جو ہے وہ صرف اس بات سے کہ کہیں اس نعمت عظمی کی ناقدری سے جو اللہ تعالیٰ تم کو عطا فرما رہا ہے تم پر ادبار نہ آجائے اور اگر تم نے شکر ادا کیا تو اس نعمت کے شکر کے عوض تمہاری استعداد کہیں زیادہ بڑھ جائے گی۔ ”لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید“

لیکن جب تک تم اپنے اندر جوہر ذاتی نہ پیدا کرو گے اور استعداد میں پختگی نہ حاصل کرو گے اس وقت تک تم کچھ بھی نہ ہو گے اور دنیا میں بھی جا کر تم کچھ نہ کر سکو گے۔

آخر میں اس امر کو پھر صاف صاف بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ اپنی تعلیم شروع کرنے سے پہلے اپنے مقاصد اور اپنے مقام کو پہچانو، پڑھنا اور استعداد پیدا کرنا ہی صرف اپنا مقصود اور نصب العین بناؤ، اس کے علاوہ کسی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو، ان شاء اللہ دنیا میں بھی کامیاب

وبامراد رہو گے۔ کامیابی وشادمانی تمہارے قدم چومے گی اور پھر اللہ رب العزت کے حضور میں حاضری کے وقت بھی سرخرو ہو گے اللہ آپ کو کامیاب کرے آمین۔ (خطبات مفکر اسلام)

مدارس میں ترفع کا مرض

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آج کل اکثر اہل مدارس میں ترفع کا بڑا مرض ہو گیا ہے مگر یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا خصوص مدارس دینیہ تو اگر سادہ ہی وضع میں رہیں یہ ہی ان کی خوبی ہے ان کی رفتار سے گفتار سے نشست و برخاست سے ان کے لباس سے اسلامی شان کی جھلک معلوم ہو رہی ہے۔ یہی خوبی کی بات ہے ایک مرتبہ ضلع کے انگریز کلکٹر نے کہلا کر بھیجا کہ ہم مدرسہ کا معائنہ کریں گے ہم نے کہا کر لو بھائی یہاں تو غریب لوگ رہتے ہیں اور میں ایک ضرورت سے ایک قصبہ قریب ہے۔ وہاں چلا گیا اور یہاں کے لوگوں کو سمجھا گیا کہ جو بات پوچھے بتلا دی جائے مگر ترفع کی کوئی بات نہ کی جائے مثلاً اگر وہ سوال کرے کہ یہ مدرسہ ہے تو کہنا کہ مدرسہ وغیرہ کچھ نہیں۔ ایک چھوٹا سا مکتب ہے اگر سوال کرے آمدنی کس قدر ہے تو کہنا کہ توکل پر معاملہ ہے کوئی آمدنی مستقل نہیں۔ کام بھی مختصر آمدنی بھی مختصر۔ غرض اسی طرح سب باتیں سمجھا گیا تھا اور واقعہ بھی یہی ہے یہاں پر تو غریبوں کا مجمع رہتا ہے۔ امیر ہونا کون سی فخر کی بات ہے۔ فخر کی بات یہ ہے کہ طالب صاحب صلاح ہو صاحب تقویٰ ہو صاحب استقلال ہو مگر کلکٹر کا آنا نہیں ہوا ایک اور مرتبہ بھی یہاں قصبہ میں کلکٹر آیا تھا۔ چند مکانات کے فوٹو لئے یہاں کا یعنی خانقاہ کا بھی فوٹو لینے کا ارادہ تھا مگر اس کو قصبہ میں اس قدر دیر لگ گئی کہ یہاں نہیں آ سکا۔ پھر ہم کو موالاتی کہا جاتا ہے حالانکہ خود رات دن ان سے خلا ملا رکھیں مصافحہ اور گفتگو کریں اور اپنے کو ترک موالات کا حامی رکھیں۔ عجیب فلسفہ ہے نرا سفہ ہے۔ (ملفوظات ج ۳)

مسجد دار العمل ہے اور مدرسہ دار العلم

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

فرمایا مسجد دار العمل ہے اور مدرسہ دار العلم سو جس طرح مساجد متعدد ہونے میں کوئی

حرج نہیں اسی طرح مدارس کے متعدد ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں چاہئے مگر حالت یہ ہے کہ مدرسوں کے متعدد ہونے سے گرانی ہوتی ہے سو ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ خوشی ہونی چاہئے کہ کام کرنے والے بہت ہو گئے۔ (ملفوظات ج ٢٦)

مدارس میں عمارتوں پر زور اور علم وعمل مفقود ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آج کل اکثر مدارس میں عمارتیں بڑی بڑی مگر اصل چیز علم وعمل گویا مفقود۔ پھر فرمایا کہ یہ بھی غنیمت ہے جو کچھ ان لوگوں کے ہاتھ سے ہو رہا ہے خدا نہ کرے وہ دن آئے جب یہ لوگ بھی نہ ہوں گے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا ایسا وقت بھی آئے گا فرمایا ضرور آئے گا مگر اس میں بھی ایک جماعت اعلاء کلمۃ الحق کرتی رہے گی حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

یعنی کہ ہمیشہ بلا فصل یہ جماعت رہے گی اور اصل حق کی تبلیغ کرتی رہے گی۔

یعنی قیامت تک اور اس جماعت کی دو شاخیں فرمائی ہیں ایک علی الحق جس کا مطلب ظاہر ہے دوسرے منصورین یعنی ان کی نصرت ہوگی اور ان پر کوئی شخص غلبہ پا نہیں سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو حق کے اظہار سے کوئی روک نہ سکے گا نیز ایک نصرت یہ ہے کہ جس طرح پہلے ادیان میں تحریف ہو چکی ہے اس میں نہ ہوگی یہ اس ہی جماعت کی برکت ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں باوجود اس کے کہ حضور کے زمانہ کو اس قدر عرصہ گزر چکا مگر ان کی برکت سے حق وباطل ایسا متمیز ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حق ہے اور یہ باطل اگر کوئی خالص دین اور اس کے احکام معلوم کرنا چاہے تو نہایت سہولت سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ (ملفوظات ج ٢)

مدرسہ کا مقام کائنات میں

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

دوستو! ہم سب کو پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایک دینی مدرسہ کا مقام اور منصب کیا ہے؟ مدرسہ کیا ہے؟ مدرسہ ایک بڑی کارگاہ ہے جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں۔ مدرسے عالم اسلام کا بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہیں

جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ نوع انسانی کو بجلی تقسیم ہوتی ہے۔ مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں قلب ونگاہ اور ذہن اور دماغ ڈھلتے ہیں۔ مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے۔ عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں' مدرسے کا تعلق کسی تقویم' کسی تمدن' کسی کلچر زبان وادب سے نہیں جس کی قدامت کا شبہ ہو یا اس کے زوال کا خطرہ ہو بلکہ اس کا تعلق براہ راست نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے جو عالم گیر بھی ہے اور زندہ اور جاوید بھی ہے اس کا تعلق اس انسانیت سے بھی ہے جو ہر دم جوان ہے اور اس زندگی سے بھی ہے جو ہمہ وقت رواں دواں ہے۔

مدرسہ دراصل قدیم وجدید کی بحثوں سے بالاتر ہے وہ ایسی جگہ ہے جہاں نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابدیت اور زندگی کا نمونہ اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔

لہٰذا ہر استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر علمی ذوق پیدا کرے اس کیلئے خوب دعائیں مانگے کہ اے اللہ! مجھے علمی ذوق وشوق نصیب فرمادے علم کی ایسی محبت عطا فرما جو دنیا کی سب محبتوں پر غالب آجائے' حصول علم کیلئے قربانی دینا آسان فرما' علم کیلئے راتوں کو جاگنا آسان فرما' علم حاصل کرنے اور اس کو ساری دنیا میں پھیلانے کے جو جو تقاضے ہیں ان سب پر عمل آسان فرمادے آمین۔ (مثالی استاد)

دینی مدارس کا مزاج

صدیوں سے دینی مدارس قائم ہیں اور اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہیں' دین کی جو بہاریں آج نظر آرہی ہیں وہ ان دینی مراکز کی برکات ہیں۔ حکومتی تعاون سے الگ تھلگ اپنے مزاج کے مطابق خاموشی سے اپنے کام میں یہ ادارے مگن ہیں۔

مدارس کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز اب سے ایک سو چالیس سال قبل محرم ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند اور پھر رجب ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۸ء میں مظاہر علوم سہارنپور سے ہوا۔ نشاۃ ثانیہ کے اس دور سے آج تک مدارس بڑے بحرانوں سے دوچار رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے غیروں کی بے پناہ سازشوں کے باوجود اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ ارباب مدارس اور علماء

کرام کی مساعی اپنی جگہ اہم ہیں لیکن اصحاب خیر مسلمانوں کا تعاون بھی انتہائی قابل رشک ہے۔ اسی لئے مدارس کبھی حکومتی تعاون کے دست نگر نہیں رہے۔ ارباب مدارس کے سامنے بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کے وہ آٹھ اصول ہیں جو آج بھی دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں حضرتؒ کے قلم سے محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک اصول نمبر ۸ یہ ہے کہ: ''اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں تب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی اس کو یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر' کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا''۔ القصہ آمدنی اور تعمیر میں ایک قسم کی بے سروسامانی رہی۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۰۶)

دور حاضر کی عظیم شخصیت' علم وروحانیت کا حسین امتزاج' زندگی کا بیشتر حصہ درس وتدریس میں گزارنے والے علماء وطلباء کیلئے قابل تقلید ہستی' تقریباً پونے صدی مدارس کے نظام سے وابستہ یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے اپنی خودنوشت اور دلچسپ معلوماتی اور اکابر کے ذکر پر مشتمل ''آپ بیتی'' میں مدارس کے مزاج اور طلباء وعلماء کیلئے بڑی فکر انگیز معلومات مہیا فرمائی ہیں۔ آجکل جب کہ سیکولر لابی اور مدارس دینیہ کے خلاف قوتیں وطاقتیں ان اسلامی مراکز کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف ہیں علماء وطلباء کیلئے ان اکابر کے تجربات قابل توجہ ہیں۔ ''آپ بیتی'' ص: ۳۵ میں ''طلباء کی تربیت اور اس کی اہمیت'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''میرے اکابرؒ کے ہاں طلباء کے آداب پر خصوصی نگاہ رہتی تھی۔ اول تو اس زمانہ میں اکابر اور اساتذہ کا احترام طلباء کے اندر مرکوز تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بھی اس کا بہت احساس تھا ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ ''فلاں مدرسہ میں ایک وقت میں اکابر کی ایک ایسی جماعت تھی کہ ہر قسم کی خیر وبرکات موجود تھیں' ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی' اس وقت تعمیر اتنی بڑی نہ تھی مگر ایک ایسی چیز اتنی بڑی تھی کہ مدرسہ خانقاہ معلوم ہوتا تھا ہر چہار طرف بزرگ ہی بزرگ نظر آتے تھے' اب سب کچھ ہے اور پہلے سے ہر چیز زائد ہے مگر وہی چیز نہیں جو اس وقت تھی

گویا جسد ہے روح نہیں"۔ مدرسہ میں انجمن قائم کرنے پر فرمایا "اب تعلیم و تربیت ختم اور نہ اب استاذ کا ادب رہا اور نہ مہتمم صاحب کا ادب رہا' نہ پیر کا ادب رہا نہ باپ کا" یہ نہایت مشہور مقولہ اور نہایت مجرب ہے کہ "شاگرد استاد کی بے حرمتی سے علم کی برکات سے ہمیشہ محروم رہتا ہے اور والدین کی بے حرمتی کرنے والا روزی سے ہمیشہ پریشان رہتا ہے"۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب "فرماتے ہیں کہ میرا تجربہ یہاں تک ہے کہ انگریزی طلبہ میں بھی جو لوگ طالب علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں وہ کافی ترقیاں حاصل کرتے ہیں۔ اونچے اونچے عہدوں پر پہنچتے ہیں غرض جس سے وہ علم حاصل کیا تھا وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے اور جو اس زمانہ میں استادوں کے ساتھ نخوت و تکبر سے رہتے ہیں وہ بعد میں اپنی ڈگریاں لئے ہوئے سفارشیں ہی کراتے ہیں کہیں اگر ملازمت مل بھی جاتی ہے تو آئے دن اس پر آفات آتی رہتی ہیں بہر حال جو علم بھی ہو اس کا کمال اس وقت ہوتا ہی نہیں اور اس کا نفع حاصل ہی نہیں ہوتا جب تک اس فن کے اساتذہ کا ادب نہ کرے چہ جائے کہ ان سے مخالفت کرے۔ (آپ بیتی ص ٦٢)

ایک اور مقام پر حضرت شیخ الحدیث مدارس کے طلبہ تنظیموں کے وجود کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ناکارہ مدارس عربیہ میں جمعیۃ الطلبہ کا انتہائی مخالف ہے۔ اس کی قباحت تو طالب علمی کی زمانہ ہی سے میرے دل میں پڑی ہوئی ہے۔ مگر دن بدن تجربات نے مجھ کو تو اس سے اس قدر متنفر بنا دیا کہ اس کے نام سے نفرت' اس کے شرکاء سے طبیعت میں انقباض ہوتا ہے۔ اس ناکارہ کا اپنے اکابر کے ساتھ ایک معمول ہمیشہ رہا ہے کہ یہ ناکارہ صحابہ کرامؓ کی طرح کہ وہ ہر فعل کو یوں فرماتے تھے **کیف افعل مالم یفعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** یعنی جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں اور علامہ منذری نے لکھا ہے کہ برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہوتی ہے۔ میرے اکابر جو حقیقی معنی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارثین و نائبین ہیں اور ان کے اقوال وافعال کو میں نے سنت کے بہت ہی زیادہ موافق پایا ہے اور اس کے خلاف میں ہمیشہ نقصان ہی پایا ہے۔ ان سب اکابر کو بھی میں نے ہمیشہ طلبہ تنظیموں کے خلاف ہی پایا...... ان تنظیمات سے وابستہ طلباء میں اکابر کی بے حرمتی' اکابر مدرسہ اور اساتذہ کرام کی حکم عدولی'

توہین وغیرہ کے مناظر گزرے جب سے تو اس سے بہت ہی نفرت بڑھ گئی۔ ان طلباء میں اکابر کا احترام تو بالکل ہی نہیں رہتا۔ علوم سے مناسبت بھی قائم نہیں رہتی' اچھی تقریر تو مشق سے پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ اپنے آپ کو عالم فاضل سمجھنے لگتے ہیں اور اساتذہ پر تنقیدات شروع کر دیتے ہیں جس سے علم سے محرومی طے شدہ ہے۔

ہمیں اس پر غور کرنا ہے

مدارس اسلام کے آخری مورچہ ہیں ان کا ختم ہونا پورے تمدن کا سقوط ہے۔ کفر جن خطرناک منصوبوں کے ساتھ مدارس کو ختم کرنے اور کمزور کرنے پر لگا ہوا ہے وہ ہم سب کیلئے قابل غور ہیں۔ انہی منصوبوں میں مدارس کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنا اور مدارس سے وابستہ حضرات کے درمیان خلیج برپا کرنا ان کا اہم مقصد ہے ان سب سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مدارس کے نظام کو اکابر کے نقش قدم پر چلانا ہماری زندگی کا اہم مشن ہونا چاہئے تاکہ اسلام کے یہ قلعے مزید مستحکم و مضبوط ہو سکیں۔

ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر علماء و طلباء کو یہ چیز مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ لادین طبقہ ہماری صفوں میں اختلاف برپا کر کے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے درپے ہے۔ کفر کو بھی اگر اس وقت خطرہ ہے تو دینی مدارس سے ہے کہ یہ دین کو اصلی حالت میں باقی رکھنے کا ذریعہ ہیں۔

سیموئیل ہینٹنگٹن جو تہذیبی تصادم کا مصنف ہے اپنی کتاب ''ہم کون ہیں''؟ میں کہتا ہے ہمارا دشمن اسلام ہے اور خطرہ صرف اسلام سے ہے۔ اس میں اس نے کہا ہے کہ اسلام کی طاقت کا منبع (Power House) اسلامی مدارس ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کو بند کر دیا جائے یا انکے نصاب کو جدیدیت اور مغربیت سے ہم آہنگ کر دیں۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

سب سے پہلا اسلامی مدرسہ

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مدینہ منورہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک شہر میں اسلامی یونیورسٹی قائم ہونے کی دل خوش کن خبریں آج کل اخباروں میں گشت کر رہی ہیں۔ لہٰذا

دیندار مسلمانوں کو بلدیہ طیبہ کے سب سے پہلے مدرسہ کا حال یاد دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے رسول خدا اور آپ کے صحابہ کی محبت میں اضافہ ہو کر اتباع کی تحریک ہوتی ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے مختلف ذرائع سے مختلف فرقے ایک اولوالعزم پیغمبر کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ مدینہ کے مشرکین اور یہود میں جب کچھ مخالفت اور جنگ ہو جاتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ ذرا ٹھہرو عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والے ہیں ان کے ساتھ مل کر ہم تم سے اپنا بدلہ لیں گے۔

حج کے ایام میں ایک مرتبہ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف قبائل اور مختلف اقوام کو پیام الٰہی پہنچا کر ''بلغ ماانزل الیک من ربک'' کی تعمیل فرما رہے تھے کہ اہل مدینہ کی ایک خوش قسمت جماعت سامنے آ گئی۔ آپ نے حسب عادت اصول اسلام پیش کر کے دین خداوندی میں داخل ہونے کی رغبت دلائی ان حضرات کے قلوب تو حق تعالیٰ نے نور ایمان سے منور ہونے کیلئے مستعد بنا ہی رکھے تھے۔ باہم کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا ہمارے ہم وطن یہودی ذکر کیا کرتے ہیں آپ کی تصدیق دل میں جاگزیں ہوگئی اور سات معزز آدمی اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں پہنچ کر ان لوگوں نے دین حق کی اشاعت شروع کر دی اور اپنے مقصد میں اچھی کامیابی حاصل کر کے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔

دوسرے سال حج کے موقع پر ان بزرگوں میں سے پانچ آدمی اپنے ہمراہ دوسرے نئے سات لوگوں کو لے کر حضور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہایت مخفی طریقہ سے حاضر ہوئے اور یہ بارہ شخص اسلام کی ضرورتوں باتوں پر بیعت کر کے رخصت ہوئے۔ واپسی میں آپ نے حضرت مصعب بن عمیر کو (جو کہ خدا و رسول کی محبت میں تمام مال و دولت چھوڑ کر نہایت فقیرانہ حالت میں قرآن و اسلام سیکھ رہے تھے) ان لوگوں کے ساتھ روانہ فرمایا کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور امور اسلام کی تلقین کریں۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے اور ان کے مشورے سے بنی ظفر کے ایک وسیع مکان میں سیدھے سادے

مگر اسلامی دنیا کے بہترین مدرسہ کا افتتاح ہوا' مدینہ منورہ کے مسلمان ان کے ارد گرد جمع ہو گئے اور احکام و مسائل کی تعلیم پانے اور ذوق شوق سے قرآن مجید یاد کرنے لگے۔

اس مدرسہ کا افتتاح اہل مدینہ کیلئے کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بہت جلد تمام شہر میں اس کی خبر پھیل گئی اور جہاں دین حق کے شیدائیوں کی امیدوں میں اس خبر نے تازہ جان ڈال دی وہاں مخالفان اسلام کی آتش بغض وعداوت کو بھڑکا بھی دیا۔

بنی عبدالاشہل مدینہ منورہ کا ایک بہت پر قوت قبیلہ تھا۔ اس کے دو بڑے سرداروں اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم نے یہ شہرہ سنا تو سعد نے اسید سے کہا کہ تم جا کر اس شورش کو موقوف کراؤ اور ان لوگوں کو روکو۔ مجھے اپنے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے لحاظ آتا ہے ورنہ میں خود جا کر روک دیتا' جناب اسید اپنا نیزہ لے کر اٹھے اور اسلامی مدرسہ میں پہنچ کر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو مصروف تعلیم پایا۔

اسید نے دھمکا کر مصعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو ہمارے بھولے بھالے لوگوں کو بہکاتے ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ کیا خوب ہو اگر آپ ٹھہریں اور ہماری بات سن لیں۔ اگر آپ کو پسند آجائے قبول کرلیں۔ ناپسند ہو تو اپنے پاس سے ہٹا دیں۔ اسید نے کہا کہ ہاں یہ معقول بات ہے اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اصول واحکام بیان کرنے لگے اور اسید رضی اللہ عنہ قربان ہونے لگے اور کہا کہ یہ تو نہایت اچھا دین اور جلیل القدر مذہب ہے۔ جب تم لوگ اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو۔

مصعب سمجھ گئے اور فرمایا ''تم غسل کرو اور کپڑے پاک کرو' کلمہ شہادت پڑھو اور دو رکعت نماز'' اسید نہایت خوشی اور جوش سے تمام افعال بجالائے اور مسلمان ہو گئے اور کہا کہ میں ایک شخص کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں اب جا کر اس کو بھیجتا ہوں۔ اگر وہ اس دین میں داخل ہو جائے تو پھر کوئی تم سے علیحدہ نہیں رہ سکتا۔ یہ کہہ کر اسید اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔

سعد نے جو منتظر بیٹھے تھے دور سے دیکھ کر کہہ دیا کہ ''خدا کی قسم ہے' اسید کی وہ حالت نہیں

رہی جس پر گئے تھے" قریب آئے تو پوچھا کہ کہو کیا بات دیکھی۔ اسید نے جواب دیا کہ میں نے دونوں سے خوب گفتگو کی معلوم ہوا کہ وہ کوئی بے موقع بات نہیں کہتے۔ مگر میں نے افسوس کے ساتھ سنا ہے کہ بنی حارثہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ ہو کر جا رہے ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر بہت غصہ آیا اور جلد وہاں پہنچنے کیلئے اٹھے اور آ کر دیکھا کہ سعد رضی اللہ عنہ اور مصعب رضی اللہ عنہ دونوں نہایت آزادی اور اطمینان سے اپنا کام کر رہے ہیں۔

سعد رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ گو ارادہ قتل کی خبر بھی بے اصل نہ تھی لیکن اسید کا مقصد صرف مجھ کو یہاں بھیجنا تھا اور سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم کو مجھ سے قرابت کا تعلق نہ ہوتا تو مجھ سے اس قدر مروت کی امید نہ رکھتے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی یہی کہا کہ یہ نہایت آسان بات ہے کہ آپ ہماری بات سن لیں۔ پھر اگر آپ قبول کر لیں تو بہت خوب ہے اور اگر برا سمجھیں تو ہم کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے۔

سعد رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے تو مصعب رضی اللہ عنہ نے اصول اسلام سنا کر قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ کا قلب تو خدا تعالیٰ نے نہایت ہی قابل بنا رکھا تھا سنتے ہی فریفتہ ہو گئے اور اس مبارک مذہب میں داخل ہونے کا طریقہ پوچھا۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے کپڑوں کی پاکی اور غسل وضو اور کلمہ شہادت اور دو رکعت نماز کا ارشاد کیا سعد نے بخوبی غسل و وضو کیا کپڑے پاک کئے اور صدق دل سے مسلمان ہو کر نماز پڑھی۔

اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نور ایمان سے منور ہو کر اور حضرت اسید کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے مجمع میں تشریف لائے اور کہا کہ بنی عبد الاشہل کو لوگو بتلاؤ میری نسبت کیا خیال رکھتے ہو؟ سب کہنے لگے کہ آپ ہمارے سردار ہمارے مقتدا ہم سب سے افضل ہو۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک اب میری وہ حالت ہو گئی ہے کہ تم میں سے کسی مرد و عورت سے بات کرنا بھی گوارا نہ کروں گا جب تک کہ تم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لے آؤ۔

قبیلہ کے سب لوگ سمجھ گئے کہ ایسے بڑے معتمد سردار نے بالوجہ ایسا بڑا تغیر اختیار نہ کیا ہوگا اور شام تک رفتہ رفتہ تمام مرد و عورت مشرف با ایمان و اسلام ہو گئے۔

یہ فخر المدارس چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرپرستی کا فخر رکھتا تھا اس لئے

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین کی تعلیم دعوت الی الحق سے چند ہی روز میں تمام مدینہ کو اسلام سے منور کردیا اور (سوائے چند جگہ کے) گھر گھر میں مسلمان نظر آنے لگا کہیں بیٹا مسلمان ہے باقی اور تمام مشرک کہیں ایک بھائی مسلمان ہے دوسرا اس کا دشمن۔ کہیں شوہر مسلمان ہے زوجہ بدستور۔

ہمارے فخر المدرسین حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اپنے کام میں مصروف رہے یہاں تک کہ معلم الاسلام والمسلمین مصداق علمت علم الاولین والاخرین نے خود مدینہ منورہ میں تشریف لاکر اس تعلیم گاہ کو تمام دنیا کیلئے سرچشمہ رحمت ہدایت بنادیا۔ (علماء دیوبند کی یادگار تحریر)

تعلیم وتربیت کے تین مدرسے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم وتربیت کی آپ ان کے استاد ہوئے اور استاد کا کمال اسی وقت سمجھا جاتا ہے کہ اپنے شاگردوں کو اپنے جیسا بنادے آپ کے ایک لاکھ چوبیس ہزار تلامذہ تیار ہوئے وہ نبی تو نہ تھے لیکن نبیوں کی نسبت پر ضرور تھے۔ ہر صحابی کے اندر کسی نہ کسی نبی کی صفت موجود تھی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام آئے اور اتنے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر نبوت کا جذبہ اور ذوق موجود تھا۔

اس لئے تعلیم کے ساتھ بچوں کی تربیت بھی ضروری ہے اگر تعلیم ہوجائے اور تربیت نہ ہو تو محض علم سے فائدہ نہ ہوگا اس لئے بچپن سے ہی ان کی تربیت بھی ہونی چاہئے۔

پہلا مدرسہ ماں کی گود

اگر ماں نے اپنے بچے کی تربیت کردی تو وہی بچہ دوسرے مدرسہ میں جاکر اچھے اخلاق کا بنے گا۔

دوسرا مدرسہ تعلیم

اس مدرسہ میں آنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کے ماں باپ کیسے ہیں اور انہوں نے اسکی کیسی تربیت کی ہے اگر استاد کو یہ معلوم ہوگیا کہ اس بچے کی تربیت ماں باپ نے نہیں کی ہے بلکہ پہلے مدرسہ میں یہ بگڑ چکا ہے تو اپنے مدرسہ تعلیمی میں استاد تعلیم کے ساتھ اس کی تربیت بھی کرتا ہے اگر استاد تربیت یافتہ ہے تو اپنے شاگردوں کی بھی تربیت کرتا ہے

ورنہ وہ بچہ یہاں پر بھی آکر محروم رہتا ہے اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت نہیں ہوئی۔

تیسرا مدرسہ صوفیا اور مصلحین کی صحبت

تیسرا مدرسہ صوفیا اور مصلحین امت کا رکھا گیا ہے کہ طالب علم فارغ ہوکر وہاں پر جائے اور اپنے ظاہر اور باطن کی اصلاح کرائے عموماً اس تیسرے مدرسہ میں آکر انسان کی تربیت ہو جاتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عام طور پر لوگوں کا یہ ذہن ہوتا ہے کہ جب بچہ پانچ چھ سال کا ہو جائے تو اس میں کچھ شعور ہو جاتا ہے اس وقت اس کی تربیت کرنی چاہئے یہ ذہن بالکل غلط ہے بلکہ بچے کی تربیت پیدا ہونے کے بعد ہی سے شروع کردینی چاہئے۔

اگر حمل کے زمانے سے ہی عورتیں احتیاط کریں اور پیدائش کے بعد ان کے سامنے نازیبا حرکتیں نہ کریں اور ان کی اسلامی طور وطریقے پر تعلیم وتربیت کریں تو آج بھی انہیں ماؤں کی گود میں اولیاء اللہ پیدا ہوسکتے ہیں۔

پیغمبر اسلام کی بعثت کی غرض وغایت دو چیزیں ہیں ایک تعلیم دوسری تربیت اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم وتربیت کو سب سے مقدم کیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ آدمی آدمی بنے جانور نہ بنے جانوروں کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی وہ ہر کھیت میں منہ مارتا چلتا ہے اس کو معلوم نہیں ہے کہ یہ کھیت ہمارے مالک کا ہے یا غیر کا ہے اس کو تو صرف کھانے سے غرض ہوتی ہے وہ حلال وحرام جائز وناجائز کو کیا جانے اسی طرح اگر آدمی کو تعلیم وتربیت کا سبق نہ پڑھایا گیا تو اس کو حلال وحرام کی تمیز نہیں ہوگی پھر وہ آدمی کیا ہے اچھا خاصہ جانور بیل ہے اس لئے آدمی اس وقت آدمی نہیں بنتا جب تک اس کی تعلیم وتربیت نہ ہو۔

تعلیم وہ چیز ہے کہ جس سے انسان کے دل ودماغ کی تعمیر ہوتی ہے پھر جس قسم کی تعلیم ہوگی اسی طرح انسان کا دل ودماغ بنے گا اور اسی کے مطابق وہ کام کرے گا۔

(ملفوظات حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ)

مدارس کیلئے ضابطہ اخلاق

اب مربوطہ مدارس اسلامیہ کے نظم ونسق کو درست اور بہتر بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ہر

مدرسہ رابطہ مدارس کے تجویز کردہ اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ ساتھ اپنا نظام اپنے طے شدہ دستور کے مطابق چلائے، نظم باضابطہ اور بہتر بنانے کیلئے مدرسہ کا اپنا دستور اور لائحہ عمل ہونا ضروری ہے۔

۲۔ مربوط مدارس کے ذمہ دار حضرات باہمی تعاون وتناصر کے جذبہ کو فروغ دیں اتحاد واتفاق کی فضا قائم کی جائے ہر قسم کی باہمی رساکشی اور مخالفت سے گریز کیا جائے کہ باہمی منافرت یوں بھی بری چیز ہے اور موجودہ حالات میں مدارس کے مخالفین کو مدارس میں مداخلت کا موقع مل سکتا ہے۔

۳۔ ذمہ داران مدارس آپس میں ایک دوسرے کے متعلق منفی اظہار خیال سے گریز کریں۔

۴۔ ارباب انتظام اور اساتذہ کرام میں اتحاد و یگانگت' باہمی رواداری اور اعتماد میں فضاء قائم رکھی جائے بدگمانی اور آپسی چپقلش سے مدرسے کا ماحول پراگندہ ہوتا ہے۔

۵۔ مدارس کا نظم ونسق ارباب شوریٰ کے مشورے اور دستور کے مطابق چلانے کی کوشش کی جائے۔

۶۔ اختلاف کی صورت میں مدرسے کے مفاد کو پیش نظر رکھا جائے اور ہر ایسی کوشش سے اجتناب کیا جائے جس سے مدرسے کا مفاد متاثر ہوتا ہو' مدرسے کے مفادات کو مقدم رکھ کر ایثار وقربانی کے جذبہ سے کام لیا جائے اور اپنی رائے اور نظریہ پر اصرار نہ کر کے خوش اسلوبی کے ساتھ جھگڑے کو ختم کر دیا جائے۔

۷۔ مدارس کے کردار کو ہر قسم کی خارجی مداخلت سے آزاد رکھنے کیلئے ہر قسم کی حکومتی امداد سے اجتناب کیا جائے۔

۸۔ مدارس اسلامیہ دین کی حفاظت کے قلعے اور اسلامی علوم کے سرچشمے ہیں ان کا بنیادی مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو ایک طرف اسلامی علوم کے ماہر' دینی کردار کے حامل اور فکری اعتبار سے صراط مستقیم پر گامزن ہوں' دوسری طرف وہ مسلمانوں کی دینی واجتماعی قیادت کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں اس لئے ضروری ہے کہ مدارس اپنے نظام تعلیم وتربیت کو مزید بہتر بنائیں طلبہ کی تربیت اور استعداد سازی پر بھرپور توجہ دی جائے' اساتذہ کے انتخاب میں

صلاحیت اور صالحیت اور طلبہ کے انتخابات میں کمیت سے زیادہ کیفیت کا لحاظ رکھا جائے۔

۹۔ دارالاقامہ کے نظام کو چست بنا کر طلبہ کی اخلاقی تربیت ونگرانی کا اہتمام کیا جائے' خصوصاً نماز باجماعت کے اہتمام اور وضع قطع کی درستی پر خصوصی توجہ فرمائی جائے۔ داخلہ کے وقت سابقہ مدرسہ کا تصدق نامہ لازم قرار دیا جائے اور اس معاملے میں احتیاط کو عمل میں لایا جائے۔

۱۰۔ اساتذہ کے عزل ونصب اور طلبہ کے اخراج وداخلہ کے بارے میں مدرسہ کے طے شدہ دستور کی پابندی کی جائے۔

۱۱۔ معاشرہ سے مربوط رہنے کی کوشش کی جائے' معاشرہ میں پیدا ہونے والی عقیدہ وعمل کی خرابیوں کی اصلاح کیلئے اپنے تمام وسائل استعمال کئے جائیں۔ فرق باطلہ کی تردید منظم انداز میں کی جائے۔

۱۲۔ موجودہ دور میں مدارس پر لگائے جانے والے دہشت گردی وغیرہ کے بے بنیاد الزامات کے ازالے کیلئے علاقہ کے غیر متعصب برادران وطن اور مقامی حکام سے رابطہ رکھا جائے' وقتاً فوقتاً ان کو مدعو کر کے مدارس کے حالات وخدمات اور مذہب اسلام کے امتیازات وخصوصیات سے روشناس کرایا جائے۔ خاص طور پر علماء ومدارس کی ملکی وملی خدمات سے ان کو واقف کرایا جائے۔

۱۳۔ اجمالی طور پر حدیث شریف "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته" کو پیش نظر رکھ کر نہایت دیانت وامانت' اخلاص وللّٰہیت' بیدار مغزی وحوصلہ مندی' مستعدی وجانفشانی کے ساتھ دین متین کی خدمت کے مبارک جذبہ کے ساتھ مدارس کا نظام چلایا جائے۔

۱۴۔ مدارس میں تحریر وتصنیف کا ماحول بھی بیدار کیا جائے اور تحریر کی راہ سے بھی دین متین کی خدمت انجام دی جائے۔

۱۵۔ طلبہ واساتذہ کے مسلک صحیح (مسلک دیوبند) پر کاربند ہونے کا لحاظ رکھا جائے۔

۱۶۔ امتحانات کے نظام کو چست اور درست نیز اصول پر مبنی بنایا جائے۔

۱۷۔ اسلامی مدارس اور مذہب اسلام کے دشمنوں کی سازشوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

موجودہ تعلیم دین کو برباد وغارت کرنے والی ہے

تعلیم معاش پر ہماری تو یہی شکایت تھی کہ اس میں انہماک افراط کے درجہ پر پہنچ جائے جس سے دین سے بے خبری ہوگئی ہے اور دوسری شکایت یہ ہے کہ وہ صرف دین سے غافل کرنے والا ہی نہیں بلکہ دین سے مخالف بنانے والا بھی ہے۔ غرض ہر چہار طرف سے دین سے غفلت ہے اور دین کو بگاڑنے کے سامان جمع ہیں۔ جب یہ حالت ہے کہ دین کے مد اسباب تو موجود نہیں اور دین کے مخالف اسباب موجود ہیں تو یہ زمانہ دین کی گرانی کا زمانہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ گرانی کے زمانہ میں تھوڑی چیز بھی بہت سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا اس وقت دین کی قیمت خدائے تعالیٰ کے یہاں بہت ہے یہ مضمون اس حدیث سے نکلتا ہے۔ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب زمانہ وہ ہے کہ اگر کوئی مامور بہ میں دسویں حصہ کی بھی کمی کرے تو ہلاک ہو جائے اور ایک زمانہ وہ آئے گا کہ اگر کوئی مامور بہ کا دسواں حصہ بھی بجا لائے گا وہ نجات پا جائے گا اس حدیث کا مضمون کافی طور سے بیان ہو چکا اور اس مضمون کی جیسا ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ وزیر نے پیشین گوئی کی کہ کل کو ایسی بارش ہوگی کہ جو شخص اس کا پانی پیوے گا وہ پاگل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے برتنوں میں پانی بھروا کر رکھ لیا اگلے دن بارش ہوئی تمام لوگوں نے اس کا پانی پیا سب کے سب پاگل ہو گئے بادشاہ اور وزیر نے جو پانی پہلے سے بھروا کر رکھ لیا تھا وہ پیا اس لئے وہ جنون سے محفوظ رہے۔ اب لوگوں میں جلسے ہونے شروع ہوئے کہ بادشاہ اور وزیر پاگل ہو گئے ہیں ان کو معزول کر دینا چاہئے بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اب کیا کرنا چاہئے وزیر نے کہا کہ تدبیر یہی ہے کہ ہم بھی بارش کا پانی پی لیں۔

غرض بادشاہ اور وزیر نے بھی وہ پانی پی لیا جیسے اور پاگل تھے ویسے ہی وہ بھی ہو گئے۔ اب لوگوں میں یہ بھی جلسے ہوئے کہ بادشاہ اور وزیر اچھے ہو گئے اب ان کو معزول کرنے کی ضرورت نہیں تو جیسے ان پاگلوں نے بادشاہ اور وزیر کو اپنی طرح نہ ہونے کی وجہ سے پاگل سمجھا تھا اسی طرح اب بددین لوگ دینداروں پر ہنستے ہیں کیونکہ بددینی کا مذاق غالب ہو گیا ہے اس کی برائی ذہن سے جاتی رہی ہے اور دینداری کم رہ گئی ہے اگر کسی میں وہ ہے بھی تو ایک نئی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ریل کے معاملات میں بعض دفعہ مشاہدہ ہوا کہ حقوق ادا کرنے والے پر لوگ ہنستے ہیں۔ حالانکہ

ادائے حقوق جملہ عقلاء کے نزدیک بھی اور شرعاً بھی مستحسن ہے اور اس کی ضد بالاتفاق قبیح ہے مگر طبائع میں خیانت اور حق تلفی کا مادہ غالب ہو رہا ہے اس واسطے ادائے حقوق پر بھی تعجب ہوتا ہے۔

مدارس کیلئے رہنما اصول

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمہ اللہ کے مدارس دینیہ کیلئے مفید باتیں مدارس کے لئے قابل تقلید اور انمول تحفہ ہیں۔

۱۔ فرمایا: دینی مدارس کے اصول میں دین کے وقار کا لحاظ اگر نہیں ہے تو صرف جسم ہے مگر روح نہیں ہے۔

۲۔ فرمایا: ہمارے مدرسین کی تعداد ۱۶۰ ہے مگر ان کے شرائط تقرری میں ہے کہ ان کا اکابر سے کسی کے ساتھ اصلاحی تعلق ضرور ہو۔ اس کا فائدہ اس وقت معلوم ہوتا ہے جب کوئی استاذ بغاوت اور بے تمیزی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ فوراً اس کے مصلح اور مرشد کو اطلاع کر کے اس کا اخراج آسان ہوتا ہے۔

اسی طرح ہر مدرس کا خواہ وہ عالم بھی ہو اس کا امتحان قاعدہ میں ضرور ہوتا ہے۔ اس میں بعض عالم صاحب کو عار محسوس ہوتی اور کہتا کہ میری سند دیکھ لیجئے کہ میں نے کتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ میں نے عرض کیا اس میں قاعدہ تو نہیں لکھا ہے پھر ان کے سامنے ایک قاعدہ پڑھنے والے بچے کو بلایا اور اس سے حروف ادا کرائے گئے تب انہوں نے اقرار کیا کہ یہ تو مجھ سے اچھا پڑھتا ہے پھر میں نے کہا کہ اگر آپ کو اس بچے کا امام بنادوں تو آپ کی اس بچے کے قلب میں کیا وقعت ہوگی؟ ماشاء اللہ اسی وقت نادم ہوئے اور قاعدہ شروع کر دیا۔

۳۔ فرمایا: ہمارا نام طالب العلم والعمل تھا مگر اختصار کے لئے صرف طالب علم بولا جاتا ہے لیکن ہم عمل کو اب مقصود ہی نہیں سمجھتے۔ طالب علمی ہی سے اعمال میں مشغول ہونے کا اہتمام اہل مدارس کو کرنا چاہئے۔ آج اساتذہ طلبہ کی تربیت اور اصلاح نفس کی فکر نہیں کرتے صرف اس کی رہائش اور روٹیوں کی فکر ہوتی ہے۔ پس صورت تو طالب علم کی ہے اور روح اور حقیقت غائب۔ یعنی تعلق مع اللہ اور خشیت اور اتباع سنت کے درخت نہ لگ ئیں

گے تو دوسرے صحرائی خاردار درخت نکلیں گے۔ مقصود نہ طلبہ کی تعداد ہے نہ عمارت ہے کام کے اگر چند بھی نکلیں گے تو غلغلہ مچادیں گے۔

۴۔ فرمایا: ہمارے یہاں قاعدہ میں آٹھ مرتبہ امتحان ہوتا ہے اور امتحان کا حق استاذ کو نہیں صدر مدرس کو ہوتا ہے۔ استاذ خود ترقی نہیں دے سکتا۔ اس اہتمام کی برکت سے الحمدللہ ہمارے یہاں قرآن پاک کی تعلیم قواعد سے معیاری ہونے میں مشہور ہے اور ہردوئی میں مختلف صوبوں سے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے مصارف سے آکر پڑھ رہے ہیں۔

۵۔ فرمایا: کبھی کبھی مدرسہ کے سب طالب علموں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے انہیں سنت کے مطابق کھڑا ہونا' ہاتھ ناف کے نیچے سنت کے مطابق باندھنا اور پاؤں کے آپس میں فاصلے کا چار انگلیوں کے برابر ہونا اور پاؤں کا قبلہ رخ ہونا اور اسی طرح پوری نماز کو عملی طور پر سنت کی راہ پر مشق کرادیں اور ان سے کہا جائے کہ تم لوگ اپنے گھروں میں اپنے ماں باپ اور بھائی بہن کو اسی طرح بتادو اور عورت و مرد کی نماز میں جو فرق ہے اس کی بھی مشق کرادیں یا بتادیں۔

۶۔ فرمایا: آج کل اس میں بڑی کوتاہی ہورہی ہے' علما کو سند دے دی جاتی ہے اور وہ قرآن مجید کو قواعد تجوید سے نہیں پڑھ سکتے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔ بعض وقت تھانہ بھون میں بعض شیخ الحدیث اور بعض شیخ التفسیر کو قاعدہ پڑھنا پڑا۔

۷۔ فرمایا: کسی بستی کا علم قبرستان' مساجد اور مدارس سے ہوسکتا ہے اگر یہاں اتباع سنت کے آثار ہیں تو یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس بستی کے اہل دیندار اور متبع سنت ہیں۔

۸۔ فرمایا: ایک ادارہ میں حاضری ہوئی۔ شرح تہذیب اور مقامات یاد ہے مگر کھانے پینے اور نماز کی سنتیں یاد نہیں۔

۹۔ فرمایا: آج ہمارے مدارس میں سبعہ معلقہ یاد کرنا آسان ہے اور مقامات یاد کرنا آسان ہے مگر مسجد میں آنے جانے کی سنتیں یاد نہیں۔

۱۰۔ فرمایا: اہل علم جو اہل مدارس کہلاتے ہیں ان کو حسب حیثیت کچھ چندہ دینا چاہئے۔ جب علمائے کرام انفاق کے فضائل بیان فرماتے ہیں اگر کسی وقت کوئی عاصی کھڑا ہوکر دریافت کرلے کہ مولانا آپ اپنی آمدنی سے کتنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے

ہیں تو کیا جواب ہوگا۔ شرم سے گردن جھک جائے گی۔ کچھ نہ کچھ ہر اہل علم کو خواہ قلیل رقم ہی ہو انفاق مالیہ کی سعادت حاصل کرنی چاہئے۔ اس عمل سے عوام کا حوصلہ بلند ہوتا ہے۔

۱۱۔ فرمایا: اگر علمائے کرام اپنا مال دیں تو اس میں زیادہ برکت بھی ہوگی۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنی آمدنی کا چوتھا حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرتے تھے۔

۱۲۔ فرمایا: جب وعظ کا اعلان دس منٹ کا ہو تو دس منٹ پر وعظ ختم کر دینا چاہئے کیونکہ یہ اعلان بھی ایک عہد اور وعدہ ہے۔ بعض لوگ مختصر وقت سمجھ کر شرکت کر لیتے ہیں اور دس منٹ بعد ان کو کوئی ضروری کام ہوتا ہے۔ اب اگر وعظ طویل ہوا تو مجمع سے اٹھتے ہوئے شرم محسوس کر کے بیٹھے رہ جاتے ہیں اور دوبارہ جب اس کا اعلان سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ محض زبانی اعلان ہے۔ عمل اس کے خلاف ہوگا۔ اس سے اہل علم کے وقار کو نقصان پہنچتا ہے اور ان کے ساتھ قول و فعل میں تطابق کا حسن ظن قائم نہیں رہتا۔ البتہ متعین وقت کے بعد دعا مانگ کر وعظ ختم کرنے کے بعد بھی لوگ شوق ظاہر کریں تو پھر مضمون کو سویل کیا جا سکتا ہے۔ جب تک وہ شوق سے بیٹھیں۔ (مجالس ابرار)

درس نظامی سے عقل میں خاص ترقی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو جو دینی دولت ملی یہ قرآن وحدیث کی بدولت ملی۔ فقہاء ہی کو لیجئے کہ ان حضرات کا کیا رنگ ہے بڑے بڑے فلاسفر ان کے سامنے گرد ہیں فقہ سے خاص طور پر سلامت فہم پیدا ہوتی ہے مولوی ناظر حسین وکیل تھے رام پور میں بڑے بڑے بیرسٹروں کے کان کترتے تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے فقہ سمجھ کر پڑھا ہے واقعی اگر کوئی کتابیں سمجھ کر پڑھ لے تو اس کا مقابلہ بڑے بڑے ڈگری یافتہ نہیں کر سکتے اس سے خاص ترقی ہوتی ہے۔ (ملفوظات ج ۲)

اہل مدرسہ کو توکل چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل مدارس امراء کے دروازوں پر جاتے ہیں یہ نہایت ہی ناپسندیدہ ہے علماء کو اس سے اجتناب سخت ضروری ہے اس میں دین اور اہل دین

سب کی تحقیر ہے خدا کی ذات پر بھروسہ ہونا چاہئے بقول ایک بزرگ کے جن سے میں نے اپنے مدرسہ کی بے سروسامانی کا ذکر کیا تھا انہوں نے فرمایا تھا کہ جس قدرت نے تمام عالم دنیا کو سنبھال رکھا ہے وہ آپ کی ذراسی مدرسی کو نہ سنبھال سکے گی کیا کم ہمتی کا خیال ہے۔ (ملفوظات ج ۲)

مدرسہ دار العلم ہے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مدرسہ دار العلم ہے اور دین کے لئے علم کی ضرورت ہے تو جتنے دار العلم زیادہ ہوں گے اتنے ہی دین کی قوت ہوگی اور اس کی نظیر بھی موجود ہے۔ دیکھئے ایک شہر میں بلکہ ایک قصبہ میں مسجدیں متعدد ہوتی ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا بلکہ کسی کا دل نہیں کھٹکتا پھر مدارس نے کیا قصور کیا ہے مسجد دار العمل ہے اور مدارس دار العلم تو جیسے دار العمل کا تعدد دین کے لئے مضر نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے آرام دہ ہے اور ترقی دین کی علامت ہے ایسے ہی دار العلم کا تعدد بھی دین کے لئے مفید اور علامت ترقی ہونا چاہئے لیکن عجیب بات ہے کہ مساجد کے تعدد سے کوئی نہیں کھٹکتا اور مدارس کے تعدد سے کھٹکتے ہیں۔ یہ بات دراصل بے بنیاد بھی نہیں ہے اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ عادۃً تعدد مساجد کی بنا ان باتوں پر نہیں ہوتی جن پر تعدد مدارس کی بنا ہوتی ہے یعنی باہمی مخالفت اور جاہ اور بڑائی' اس واسطے مساجد سے کوئی نہیں کھٹکتا اور مدارس سے کھٹکتے ہیں اور جہاں کہیں مساجد میں بھی یہ خرافات شامل ہو جاتی ہیں اور تعدد کی بنا جاہ اور بڑائی پر ہو جاتی ہے تو وہاں مساجد کی بھی یہی گت ہو جاتی ہے کہ ہر شخص ان کو بری نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۴)

دینی مدارس کے تزاحم کے خطرناک نتائج

بعض تکلیف دہ چیزیں بھی عادت ہو جانے سے لذیذ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اس قبیل سے وہ تکلیفیں بھی ہیں جو مدارس کے تزاحم سے پیش آتی ہیں۔ بعض دفعہ اس کی نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ دونوں مدرسوں کے مہتمموں کے خاندانوں میں عداوت ہو جاتی ہے اور اس پر بھی بس نہیں ہوتا کیونکہ یہ دینی کام ہے اس سے تمام سلمانوں کو تعلق ہوتا ہے اس لئے ان کے تزاحم کا اثر صرف دو خاندانوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ عام مسلمانوں پر پڑتا ہے اور مدرسوں کے

تزاحم کے وقت عام مسلمانوں میں فرقہ بندی ہو جاتی ہے اور بہت سے فریق بن جاتے ہیں جن میں عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں، پھر یہ عداوتیں بچے دیتی ہیں اور جس بات پر ان کی بنا ہوئی اس پر بھی محدود نہیں رہتیں بلکہ ذاتی عداوتیں طرح طرح کی پیدا ہو جاتی ہیں آپ جانتے ہیں کہ عداوت اتفاق کی ضد ہے اور سب جانتے ہیں کہ اتفاق تمام راحتوں کی جڑ ہے تو اس کی ضد تمام تکالیف کی جڑ ہوگی تو یہ تزاحم ایسی بری چیز ہوئی کہ تمام تکالیف کی جڑ ہے مگر آج کل ایسی بے حسی چھائی ہوئی ہے کہ ہر جگہ مدارس میں یہ تزاحم موجود ہے اور لوگوں کو اس سے ذرا بھی گرانی نہیں ہوتی۔ یہ بے حسی داخل عادت ہوگئی ہے گویا مدرسہ کے لئے یہ بات مان لی گئی کہ تزاحم بھی لازمی چیز ہے جب مدرسہ کا کام شروع کیا تو اسکو بھی شروع کر دیا اور سمجھتے ہیں کہ جہاں مدرسہ کے اور کاموں میں محنت مشقت ہے اسی جنس سے یہ بھی ہے۔ (خطبات حکیم الامت ۲۴۲)

دوسرا مدرسہ بنانے کی غرض

ایک کی جگہ دو مدرسہ اس واسطے نہیں ہوتے کہ مسلمانوں کی علمی قوت دو چند ہو جائے اس مدرسہ کو اس سے قوت پہنچے اور اس کو اس سے بلکہ اس واسطے ہوتے ہیں کہ ایک قوت دو جگہ بٹ جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو قوت رہتی ہے نہ اس کو۔ اس کی مثال یہ ہوئی کہ ایک روٹی ایک آدمی کے پاس ہے بجائے اس کے وہ اس کو اکیلا کھاوے دوسرا اور شریک ہو گیا تو ظاہر ہے کہ نہ اس کا پیٹ بھرے گا نہ اس کا' تو یہ تعدد اشخاص روٹی کے لئے تکسیر ہوئی یعنی دو حصے کر دینا تکثیر بمعنی کثیر کردن جب ہوئی کہ دوسرا آدمی اس روٹی میں حصہ دار بنتا بلکہ اور روٹی لا کر شامل کرتا تو ایک سے دو زیادہ روٹیاں ہو جاتیں۔ یہی حالت آج کل کے تعدد مدارس کی ہے کہ اس واسطے تعدد نہیں ہوتا کہ دوسرے کو علمی اور دینی قوت پہنچائیں بلکہ اس واسطے ہوتا ہے کہ اس کی علمی اور دینی قوت آدھی بانٹ لیں بلکہ یہ بھی نہیں ہر ایک کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اس کی سب قوت چھین لے۔ تو اب مثال یہ ہوئی کہ ایک روٹی والے کے پاس دوسرا آدمی آیا اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ کل روٹی اس سے چھین لے اور خود کھائے اور اس کو نہ دے بلکہ اس سے بھی ترقی کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ مثال بھی صحیح نہیں۔ ٹھیک مثال یہ ہے کہ وہ دوسرا صرف یہ چاہتا ہے کہ اس سے وہ روٹی چھن جانے چاہے اس کو

بھی نہ ملے جس کو حسد کہتے ہیں اسی طرح ہر مدرسہ والا یہ چاہتا ہے کہ دوسرا مدرسہ نہ رہے چاہے یہ مدرسہ بھی رہے یا نہ رہے۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۴)

اہل مدارس سے خطاب

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل مدارس کو طلبہ کا انتخاب کرنا چاہئے اور ان میں جو اہل نظر ہیں انہیں کو پوری تعلیم اور انہی کو سند فراغ دینی چاہئے مگر اب تو بلا یہ ہے کہ لوگوں کو انتساب کا جنون ہے کہ ہمارے یہاں سے اس سال اتنے آدمی فارغ ہوئے۔ اے صاحبو! طلبہ کا فارغ کرنا بہت عمدہ ہے مگر وہ پہلے اہل اللہ تو ہوں واللہ کس قدر افسوس ہوتا ہے جب بعض فارغین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ قرآن کے اعراب بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے حالانکہ اس پر اعراب لگے ہوئے ہیں وہ ان کو دیکھ کر بھی غلطی کرتے ہیں اور کتابوں کے اعراب تو وہ کیا خاک صحیح پڑھیں گے۔ بھلا ایسے نااہلوں کے فارغ کرنے سے کیا خوشی ہوسکتی ہے بجز اس کے کہ اپنے ذمہ خیانت کا وبال رہے اور کچھ نفع نہیں صاحبو! مجھ کو سخت اندیشہ ہے کہ علماء سے خصوصاً اہل مدارس سے کہیں اسکی باز پرس خدا تعالیٰ کے یہاں نہ ہو اس کی اصلاح کی جلد فکر کیجئے۔ یہ مضمون بہت طویل ہوگیا میں یہ بیان کرر ہا تھا کہ طلبہ کے فضول سوالات کا جواب نہ دینا چاہئے کیونکہ بعض طلبہ محض تنگ ہی کرنا چاہتے ہیں۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۷)

مدارس کا فیضان

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان یہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند قائم کر کے جہاں جہاں گئے مدارس قائم کرتے چلے گئے اور اپنے شاگردوں اور مریدین کو تاکید کی کہ جہاں رہو مدرسہ قائم کرو آج ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں مدارس ہیں وہیں کچھ علم کی روشنی پائی جاتی ہے جہاں مدارس نہیں ہیں وہاں جس کا جو جی چاہے کہہ دیتا ہے ظلمت پھیلی ہوئی ہے مستند علم کا نشان نہیں ہے''۔ (جواہر حکمت)

مدارس کا نصب العین

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دینی درسگاہوں

کا نصب العین اس دینی تعلیم سے نہ روٹی ہے اور نہ کرسی ہے بلکہ تہذیب نفس ہے کہ اس تعلیم سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو انسانیت کے سچے خدمت گزار ہوں اور عالم بشریت کی بہی خواہی میں اپنی جان، مال اور آبرو کی کوئی پرواہ نہ کرے ظاہر کہ ہمیں ان افراد کی کامیابی اور ناکامی اور ان اداروں کے کمال ونقصان کو اسی معیار اور نصب العین سے جانچنا ہوگا جس کو لے کر یہ ادارے کھڑے ہوئے ہیں بلاشبہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہیں۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم ان کو سرکاری معیار سے جانچیں اور پھر ان کی تنقیص کریں۔''

مدارس دینیہ کی ضرورت واہمیت

شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ اسلامی مدرسے اس تاریکی کے زمانہ میں کہ جہل عالمگیر ہے بمنزلہ آفتاب وماہتاب ہیں جو اپنے نور سے عالم کو منور کررہے ہیں۔ غور کرکے دیکھو کو آج یہ اسلامی مدارس صفحہ عالم پر نہ ہوتے تو کیا علوم اسلامیہ عدم کو نہ سدھار جاتے اور بڑے بڑے شہروں میں بھی مسائل کا بتلانے والا نہ ملتا اور اب ان مدارس کی بدولت شہر شہر، قصبہ قصبہ بلکہ گاؤں میں بھی علماء موجود ہیں۔ جو دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اشاعت کررہے ہیں اور خلقت کو گمراہی سے بچارہے ہیں۔ تو ایسے مدارس کو جو خلافت نبوت کی خدمت بجا آوری کررہے ہیں کون ایسا مسلمان ہے جو عزت اور محبت کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گا ایسا شخص تو وہی ہوسکتا جس کو نہ اسلام سے تعلق ہو اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علاقہ ہو، نہ خداتعالیٰ سے سروکار ہو، شقاوت ازلی اس کے سر پر سوار ہو، ان کا پکا دشمن اور مخالف ہو تو کچھ تعجب انگیز نہیں۔ ورنہ ان دینی مدارس کے وجود سے جس محلہ میں ہوں اس کی عزت، جس شہر میں ہوں اسکی عزت، بلکہ جس ملک میں ہوں اس کی عند اللہ اور عند الناس عزت وحرمت ہے، کیونکہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک سچا خلیفہ وجانشین ہے جو آپ کے دین کی تبلیغ وتعلیم کررہا ہے۔ تو جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ذرا سی بھی سچی محبت ہوگی اس کو بالضرور ان مدارس کے ساتھ محبت اور دلچسپی ہوگی اور مدارس کے طلباء وعلماء کے ساتھ ارتباط اور الفت نہ ہوگی اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے ساتھ جھوٹی محبت کا دعویٰ ہوگا اسکو بے شبہ مدرسہ اور مدرسہ کے طلباء سے دلچسپی نہ ہوگی بلکہ تنفر ہوگا۔ پس ہر شخص جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اندازہ کرنا مدنظر ہو وہ ان مدارس کے ساتھ اپنی محبت کا اندازہ کر کے دیکھ لے' جس قدر ان مدارس کے ساتھ علاقہ محبت کا ہوگا اسی قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ علاقہ محبت کا ہوگا' اس لئے کہ یہ مدارس گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں اور نائب اور منیب کا عقلاء کے نزدیک ایک ہی حکم ہوتا ہے۔ (تاریخ مظاہر جلد اول)

عمارت پکی تعلیم کچی

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کو مدرسہ کی ظاہری حالت اور تعمیر کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ آپ کے رفیق قدیم حاجی عبدالرحمٰن نومسلم مرحوم کی سعی پر مولانا کی طبیعت کے خلاف دہلی کے بعض حضرات نے کچھ حجرے تو تعمیر کروا دیئے۔ مولانا واپس تشریف لائے تو سخت ناراض ہوئے' مدت تک حاجی صاحب سے نہیں بولے اور فرمایا کہ اصل چیز تعلیم ہے کہ جب سے مدرسوں کی عمارت پکی ہوئی تعلیم کچی ہوگئی۔ (آپ بیتی)

دینی جماعتیں اور ان کی ذمہ داریاں

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جو لوگ دینی کام کرتے ہیں وہ خالص دینی کاموں میں بھی مسبب یعنی اللہ تعالیٰ کی بجائے اسباب پر نظر رکھتے ہیں کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ دینی کام کرنے والوں پر تو فرض تھا کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی تبلیغ کرتے اور انہیں اس پر تنبیہ کرتے کہ اپنے تمام کاموں میں اسباب پر نظر رکھنے کی بجائے مسبب پر نظر رکھیں۔ دین و دنیا کی کامیابی کی بنیاد یہی ہے۔

میں اس وقت چار طبقوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جو دین کے کام کر رہے ہیں۔ مجھے ان حضرات سے محبت ہے۔ اس لئے انکی اصلاح کی فکر رہتی ہے میں ان حضرات کی خیر خواہی کی خاطر کہہ رہا ہوں۔ جو شخص کسی سے محبت کا دم بھرتا ہے مگر اس کے عیوب اور خامیوں پر اس کو مطلع نہیں کرتا تو یہ اس کا خیر خواہ نہیں۔ وہ چار طبقات یہ ہیں۔

دینی مدارس

اہل مدارس کی نظر اسباب پر لگی ہوتی ہے۔ مسبب پر یعنی اللہ پر نہیں جاتی۔ بس ہر وقت اس دوڑ میں لگے ہوتے ہیں کہ کسی طرح پیسہ ہاتھ آجائے (الا ماشاء اللہ) کیوں؟ اس لئے کہ پیسے کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ یہ سوچ سوچ کر پریشان رہتے ہیں کہ پیسہ نہ ملا تو یہ کام کیسے چلے گا۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ کام کس کا ہے؟ یہ مدرسہ چلانا دین کی خدمت کرنا اپنا ذاتی کام ہے یا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ان کو منظور ہوا تو یہ کام چلے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تو تم کون ہو چلانے والے۔ یہ بات یاد رکھیں ''ما کان للہ یبقی'' جو کام اللہ تعالیٰ کیلئے ہوگا وہ باقی رہے گا۔ چونکہ مدرسہ کو اپنا ذاتی کام سمجھ لیا ہے اس لئے اہل ثروت کی خوشامد کرتے ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق کام کرے۔ اگر زیادہ اسباب ممکن نہیں تو جیسے ہیں جس حال میں ہے کام شروع کر دے۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرمادیں تو ان سے فائدہ اٹھائے اور کام کو ترقی دے۔ مسبب کو چھوڑ کر صرف اسباب پر نظر رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی مدد چھن جاتی ہے۔ اس کی رحمت چلی جاتی ہے۔ پھر اسباب جمع کرنے میں اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا جائے تو سوچئے اس کا کیا انجام ہوگا؟

اہل سیاست

اہل سیاست کا یہ حال ہے کہ سیاسی مصالح کی خاطر حدود شریعت سے تجاوز کر جاتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ کا یہ فعل سراسر شریعت کے خلاف ہے۔ آپ یہ کیوں کر رہے ہیں تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم یہ کام لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے کر رہے ہیں۔ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی حمایت حاصل ہو جائے۔ اب بتایئے کہ نظر اللہ تعالیٰ پر ہے یا لوگوں پر؟ جس کی خاطر جائز و ناجائز کی تمیز بھی اٹھادی ہے۔

اگر واقعۃً آپ اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیوں کرتے ہیں۔ دوسرے اگر آپ واقعۃً دعوائے اسلام میں سچے ہیں تو پہلے یہ بتایئے کہ جس حد تک آپ خود اسلام نافذ کر سکتے ہیں اس حد تک اسے نافذ کیوں نہیں کرتے۔ اپنے بیوی بچوں پر تو آپ کو

مکمل اختیار ہے کیا ان پر آپ نے اسلام نافذ کر دیا؟ اگر بیوی بچوں پر بھی کسی کا اختیار نہیں چلتا مگر اپنے جسم پر تو آپ کو پورا اختیار ہے تو پہلے اپنے جسم پر تو اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کیجئے پھر آپ کے دعوؤں کا اعتبار کریں گے۔

اہل خانقاہ

خانقاہوں کا مقصد یہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے قریب کیا جائے۔ ان کے قلوب میں اللہ کی محبت پیدا کی جائے۔ لیکن اکثر مشائخ کا حال یہ ہے کہ مریدوں کو راضی رکھنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کی نظر مسبب کی بجائے اسباب پر ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ مریدوں کی بھیڑ جمع ہونے سے ہی انکے کام بنیں گے۔ (الا ماشاء اللہ)۔

اہل تبلیغ

اہل تبلیغ کا جوڑ پیدا کرنے کی خاطر کبیرہ گناہوں میں شریک ہو جانا اور اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی نظر مسبب کی بجائے اسباب پر ہے اگر مسبب پر نظر ہوتی تو کبھی یہ طریقہ اختیار نہ کرتے۔

میں نہایت محبت اور خلوص کے ساتھ اہل تبلیغ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ واقعۃ اللہ کے دین کی کچھ خدمت کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کے مقرر کئے ہوئے دائرے میں رہ کر کام کریں پھر چاہے کوئی ایک فرد بھی آپکے ساتھ نہ جڑے تو کوئی پروا نہیں کیونکہ مقصد لوگوں سے نہیں اللہ سے جڑنا ہے۔

دینی جماعتوں سے گزارش

جو لوگ دنیا میں دین کا کام کر رہے ہیں انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے دین کو گرانے کی کوشش نہ کریں اور دل میں بٹھا لیں ”لا یمکن اقامة الدین بھدمه“۔ یعنی دین کو گرا کر اسے قائم نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسباب کی بجائے اپنی ذات پر کامل یقین عطا فرمائیں۔ آمین۔ (رسائل الرشید)

مدارس کی خوشحالی کیلئے تین اہم کام

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ جو حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب

ہردوئی رحمہ اللہ کے خلیفہ فرماتے ہیں۔ فرمایا: ارے میاں! سب در چھوڑو! ایک ہی در پکڑو تمام مصائب ان شاء اللہ حل ہو جائیں گے کسی کے در جانے کی ضرورت نہیں۔ حکیم الاسلام حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مقولہ میں بار بار مدرسہ والوں کو سنایا کرتا ہوں کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی مدرسہ میں تنگی کی شکایت ہو تو تین چیزوں کا اہتمام کریں' میں ضمانت دیتا ہوں کہ تنگی دور ہو جائے گی۔ فرمایا کوئی تو کر کے دیکھ لے وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ تصحیح قرآن

یعنی قرآن کریم کی تلاوت اس طرح کی جائے کہ صفات لازمہ اور صفات محسنہ کی رعایت کے ساتھ حروف اپنے صحیح مخارج سے ادا ہوں۔ ہمارے مدرسے کے بڑے بڑے مفتیان کرام محدثین عظام ہردوئی جا کر قرآن کریم صحیح کر کے آئے ہیں۔ الحمد للہ وہ لوگ قرآن غلط تو نہیں پڑھتے تھے لیکن صحیح بھی نہیں پڑھتے تھے۔ میں نے تو دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں ایک عرصہ تک امامت کی ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے نائب کی حیثیت سے نماز پڑھاتا تھا' لیکن تصحیح قرآن کی طرف کبھی خیال بھی نہیں گزرا۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے مرشد حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ کو کہ ہمیں تصحیح قرآن کی طرف متوجہ فرمایا۔

۲۔ تعظیم قرآن

یعنی قرآن پاک کی عظمت واحترام۔ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کبھی ننگے بدن رہتے ہیں؟ کم از کم بنیان تو جسم پر رکھتے ہیں۔ آپ کو اپنے جسم کا ننگا رہنا ناپسند ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کا مساجد میں بغیر غلاف کے پڑے رہنا آپ کو کیسے پسند ہے؟ کیا کلام پاک کی یہی تعظیم ہے؟ کہ اس کے اوپر ایک کپڑا بھی نہ پہنایا جائے؟ غیرت کی بات ہے۔ سوچنا چاہئے۔

۳۔ تکریم حامل قرآن

یعنی حامل قرآن کی قدردانی کی جائے۔ آج کل تو مکتب میں پڑھانے والوں کی کوئی قدر نہیں کرتا' حالانکہ وہ معلم قرآن ہیں۔ ان کی تکریم وتعظیم ہونی چاہئے ان کی تنخواہ محدث

صاحب سے زیادہ ہونی چاہئے یا کم از کم برابر تو ہو۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ کوئی کر کے دیکھ لے میں نے تو کر کے دیکھ لیا اور تجربہ بھی کر لیا کہ قرآن کریم کی تعظیم وتصحیح اور حامل قرآن کی تکریم کے جو فوائد وثمرات ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہمارے مدرسہ میں آکر مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔

چنانچہ میں نے حفظ خانہ کھول دیا چاہے حفاظ پیدا ہوں یا نہ ہوں البتہ تلاوت صحیح ہونی چاہئے۔ تکریم حامل قرآن کیلئے میں نے حفظ خانے میں قالین بچھوادی ہے اور ایک صحیح قرآن پڑھنے والے حافظ بھی مل گئے جن کی تنخواہ دو ہزار روپے مقرر ہوئی لیکن میں نے محاسب کو کہا کہ ان کی تنخواہ دو ہزار مقرر ہوئی ہے لیکن انہیں تین ہزار دیدو اگر دو ہزار دو گے تو وہ تنخواہ ہوگی اور اگر تین ہزار دو گے تو وہ حامل قرآن کی تکریم ہوگی۔ الحمد للہ اب ۱۴۲۲ھ میں تقریباً پانچ ہزار روپے حافظ صاحب کو دیئے جاتے ہیں جبکہ بعض محدث ومفتی صاحبان کی تنخواہ چار ہزار رہی ہے۔

میرے دوستو! میں یہ قصہ نہیں سنا رہا ہوں بلکہ اپنے تجربہ کی بات آپ کے سامنے اس لئے بول رہا ہوں تاکہ آپ کو مدرسہ میں تنگی کی شکایت دور کرنے کا ایک راستہ مل جائے۔ ایسا کون سا مدرسہ ہے جس میں تنگی نہیں تنگی ہٹانے کیلئے اپنے کو سلفی کہنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے در پر آجاؤ' جس کے خزانے میں کسی قسم کی کمی نہیں۔ اگر کمی ہے تو مانگنے کی کمی ہے' رونے کی کمی ہے۔ (مجالس ابرار)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ارشادات

تبلیغ واشاعت کیلئے مدارس بہت ضروری ہیں

فرمایا یہ شبہ نہ ہو کہ جب انبیاء علیہم السلام نے مدرسہ نہیں بنایا تو بیکار ہیں۔ یہ بیکار نہیں ہیں یہ نماز کیلئے بمنزلہ وضو کے ہیں کہ جس طریقہ سے نماز کے لئے وضو ضروری ہے اسی طرح تبلیغ واشاعت کے لئے مدارس کا وجود ضروری ہے۔ (التبلیغ)

مدارس کی ضرورت کیوں پیش آئی

اب نہ تو سلف کا سا تقویٰ رہا نہ حافظہ رہا اگر ایسے ہی رہنے دیا جاتا تو یہ اطمینان نہ تھا کہ سنے ہوئے مسائل یاد رہیں گے۔ دوسرے تقویٰ کی کمی سے دیانت بھی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ اس حالت میں یہ بھی اعتماد نہ تھا کہ جو نقل کرتا ہے یہ ٹھیک بھی ہے یا اپنی طرف سے کچھ کمی بیشی کر رہا ہے جب یہ آثار ظاہر ہونے لگے تو سلف صالحین کو توجہ ہوئی کہ دین ضبط کرنا چاہئے۔ چنانچہ حدیثوں سے احکام مستنبط کر کے مدون کر دیئے کہ احکام سمجھنے میں گڑبڑ نہ ہو تو تبلیغ واشاعت کے لئے علم صحیح کی ضرورت تھی اور اس کے محفوظ رہنے کیلئے کتابوں کے لکھے جانے کی ضرورت ہوئی پھر یہ ضرورت ہوئی کہ ایک باقاعدہ جماعت ہو جن کا کام صرف اس طریق سے دین کی حفاظت ہو اس کیلئے پڑھانے والوں کی ضرورت ہوئی۔ اور اس کی ایک تو یہ صورت تھی کہ جہاں موقع مل گیا کسی سے پوچھ لیا راستہ میں کسی سے ایک سطر کسی سے دو سطر حل کر لیں تو اس طرح باقاعدہ تحصیل نہیں ہو سکتی اس لئے مستقل

جماعت کی ضرورت ہوئی کہ وہ ہر وقت اس کے لئے تیار رہیں جوان سے پوچھنے آئے اسے قاعدہ سے بتائیں پھر اس جماعت کیلئے سامان فراغ کی ضرورت ہوئی کہ کھانے پینے رہنے سہنے کا ان کیلئے کافی انتظام ہو اس طرح مدارس کی ضرورت پیدا ہوگئی۔ (الدعوۃ الی اللہ التبلیغ)

نام کے مدارس بھی کام کے اور ضروری ہیں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ مدرسے تو اب نام ہی کے رہ گئے ہیں ان سے کچھ نفع نہیں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہیں صاحب میں بالکل اس کے خلاف ہوں مدارس کا وجود خیر کثیر اور بڑی برکت کی چیز ہے۔ اس پر مجھے شیخ سعدی کی حکایت بہت ہی پسند ہے۔ لکھا ہے کہ ایک شہزادہ کے تاج کا لعل (ہیرا) کسی شکارگاہ میں کھو گیا اور رات کا وقت ہو گیا تھا تلاش سے نہیں ملا اس نے خدام کو حکم دیا کہ یہاں کے سب کنکر و پتھر جمع کر کے لے چلو اطمینان سے تلاش کر لینا۔ چنانچہ انہیں میں سے لعل نکل آیا اسی طرح ان مدارس میں ایسے ایسے لوگ نکل آتے ہیں جو سارے دین کا کام سنبھال لیتے ہیں۔ (مزید المجید)

ایک فارغ العلم کی دستار بندی

فرمایا کہ کانپور میں تقریباً ایک درجن مدرسے ہیں ایک طالب علم دو مدرسوں میں مشترک تھے ایک میں کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں دوسرے میں انتہا ہوئی تھی جب سند دینے اور دستار باندھنے کا وقت آیا تو مستحق وہی مدرسہ تھا جہاں کہ انتہا ہوئی تھی مگر پہلے مدرسہ والوں نے ان طالب علم کو کچھ روپیہ وغیرہ کا لالچ دے کر کچھ نیم راضی سا کر لیا کہ تم اپنی دستار بندی ہمارے مدرسہ میں کراؤ اس مدرسہ میں نہ کراؤ جب اس مدرسہ والوں کو یہ معلوم ہوا کہ قصہ یہ ہے تو انہوں نے ان طالب علم صاحب کو بلایا اور ایک کوٹھڑی وغیرہ میں بٹھلا کر ان کی خوب خاطر کی اور مہتممین کسی بہانے سے کوٹھڑی سے باہر چلے گئے اور کوٹھڑی کی کنڈی بند کر دی وہ طالب علم بے چارے بند ہو گئے نماز وغیرہ بھی بے چارے نے وہیں پڑھی ہو گی مگر پاخانے کی سخت مصیبت ہوئی ہو گی کیسی واہیات بات کی۔

پھر اگلے دن صبح کو جب جلسہ کا وقت ہوا اور لوگ جمع ہو گئے اور سب طالب علموں کی

دستار بندی ہو چکی تو ان طالب علم کو بھی کوٹھڑی سے نکال کر لائے اور مجمع بٹھایا اور انکی دستار بندی کرا کر کہا اب جہاں تمہارا دل چاہے جاؤ۔

اس پر مفتی محمد فضل اللہ صاحب نے عرض کیا کہ اگر وہ طالب علم سب حال کھول دیتے تو کیا ہوتا حضرت والا نے جواب دیا کہ کہہ دیتے کہ جھوٹ کہتے ہیں اس پر مفتی صاحب نے کہا کہ یہ اور برائی تھی کہ جن کی دستار بندی ہو رہی ہے انہوں نے ابھی سے جھوٹ بولنا شروع کر دیا تو آئندہ کیا کریں گے اس پر حضرت نے فرمایا کہ وہ فارغ العلم تھے نہ کہ فارغ العمل۔

عوام کیلئے مدارس کی ضرورت

میں نے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ تم اگر علماء کو اپنا محتاج سمجھتے ہو تو ان کو دینا بند کر دو سب لوگ اتفاق کر کے اپنی امداد روک لو الحمدللہ ہم کو کچھ پرواہ نہیں ہے ہم میں سے کچھ چاول کی دکان کر لیں گے کچھ آٹا دال کی کچھ اور چیزوں کی مگر اس حالت میں تم اپنی اولاد کی فکر کر و پچاس سال بعد تمہاری اولاد کا کیا حشر ہوگا کچھ یہودی ہوگی کچھ نصرانی کچھ آریہ معاذ اللہ! کیونکہ ان آفات سے مانع تعلیم ہے اور اس صورت میں علماء تعلیم کے لئے فارغ نہ ہونگے۔ (کلمۃ الحق ص ۳۶)

مدارس کے ذریعے علم

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس دنیا کی ساخت اور بناوٹ پر ہم غور کریں تو اس سے یہ اندازہ اور مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس میں دو سلسلے جاری ہیں۔ ایک خیر اور بھلائی کا دوسرا شر اور برائی کا۔ لیکن شر اور برائی تو ہر چیز کی ذات میں رکھی ہوئی ہے اور خیر اور بھلائی باہر سے لا کر اس میں داخل کی جاتی ہے اپنی ذات میں کوئی بھلائی موجود نہیں۔ جدوجہد اور محنت کریں تو خوبی آتی ہے اگر محنت نہ کریں تو خود بخود خرابی آئے گی۔ اس کے لئے کسی محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مثلاً کسی کو عالم بنانا ہو تو لاکھوں مدرسے قائم ہیں جدوجہد اور محنت کرے گا تو عالم بن جائے گا لیکن جاہل بنانے کے لئے کوئی مدرسہ دنیا میں موجود نہیں ہے۔“

تین مدرسے

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں تعلیم کے ساتھ بچوں کی

تربیت بھی ضروری ہے اگر تعلیم ہو جائے اور تربیت نہ ہو تو محض علم سے فائدہ نہ ہوگا اس لئے بچپن سے ہی ان کی تربیت بھی ہونی چاہئے اور اس کی تربیت کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے اگر ماں نے اپنے بچے کی تربیت کردی تو وہی بچہ دوسرے مدرسہ میں جا کر اچھے اخلاق کا بنے گا دوسرا مدرسہ تعلیم کا ہے اس مدرسہ میں آنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کے ماں باپ کیسے ہیں اور انہو ں نے اس کی کیسی تربیت کی ہے اگر استاذ کو یہ معلوم ہوگیا کہ اس بچے کی تربیت ماں باپ نے نہیں کی ہے بلکہ پہلے مدرسہ میں یہ بگڑ چکا ہے تو اپنے مدرسہ تعلیمی میں استاذ تعلیم کے ساتھ اس کی تربیت بھی کرتا ہے اگر استاذ تربیت یافتہ ہے تو اپنے شاگردوں کی بھی تربیت کرتا ہے ورنہ وہ بچہ یہاں پر بھی آکر محروم رہتا ہے اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت نہیں ہوئی تو تیسرا مدرسہ صوفیا اور مصلحین امت کا رکھا گیا ہے کہ طالب علم فارغ ہو کر وہاں پر جائے اور اپنے ظاہر اور باطن کی اصلاح کرائے عموماً اس تیسرے مدرسہ میں آکر انسان کی تربیت ہو جاتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عام طور پر لوگوں کا یہ ذہن ہوتا ہے کہ جب بچہ پانچ چھ سال کا ہو جائے تو اس میں کچھ شعور ہو جاتا ہے اس وقت اس کی تربیت کرنی چاہئے یہ ذہن بالکل غلط ہے بلکہ بچے کی تربیت پیدا ہونے کے بعد ہی سے شروع کردینی چاہئے۔

اگر حمل کے زمانے سے ہی عورتیں احتیاط کریں اور پیدائش کے بعد ان کے سامنے نازیبا حرکتیں نہ کریں اور ان کی اسلامی طور وطریقے پر تعلیم وتربیت کریں تو آج بھی انہیں ماؤں کی گود میں اولیاء اللہ پیدا ہو سکتے ہیں۔

پیغمبر اسلام کی بعثت کی غرض وغایت دو چیزیں ہیں ایک تعلیم دوسری تربیت اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتربیت کو سب سے مقدم کیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ آدمی آدمی بنے جانور نہ بنے جانوروں کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی وہ ہر کھیت میں منہ مارتا چلتا ہے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ کھیت ہمارے مالک کا ہے یا غیر کا ہے اس کو تو صرف کھانے سے غرض ہوتی ہے وہ حلال وحرام جائز وناجائز کو کیا جانے اسی طرح اگر آدمی کو تعلیم وتربیت کا سبق نہ پڑھایا گیا تو اس کو حلال وحرام کی تمیز نہیں ہوگی پھر وہ آدمی کیا ہے اچھا خاصہ جانور بیل ہے اس لئے آدمی اس وقت آدمی نہیں بنتا جب تک اس کی تعلیم وتربیت نہ ہو۔

تعلیم وہ چیز ہے کہ جس سے انسان کے دل ودماغ کی تعمیر ہوتی ہے پھر [illegible] قسم کی تعلیم ہوگی اسی طرح انسان کا دل ودماغ بنے گا اور اسی کے مطابق وہ کام کرے گا۔ (جواہر حکمت)

مدارس کے وجود کی برکات

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خود پڑھو، دوسروں کو پڑھاؤ اس میں مدد کرو، علماء کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ الدال علی الخیر کفاعلہ نیک کام کا بتانے والا بھی کرنے والے کے حکم میں ہوتا ہے۔ بتا دینا ذرا سی امداد ہے جب اس کا یہ حکم ہے تو پوری امداد کرنے والے کا حکم ظاہر ہے روپے سے مدد کرو، بہت سے کام ایسے ہیں کہ روپے سے ہوتے ہیں اس میں روپے سے شریک ہو۔ اگر کسی کے پاس روپے نہ ہوں اور ہاتھ پاؤں سے بھی مدد نہ دے سکے تو دعا سے مدد کرو کہ اللہ میاں اس میں سعی کرنے والوں کی مدد فرمائیں۔ یہ تو کہیں نہیں گیا اس سے تو کوئی بھی معذور نہیں۔ غرض ہر طرح کی مدد کرو اور اس کا خیال رکھو کہ آپس میں اختلاف نہ کرو سب مل کر خلوص سے کام کرو۔ یہ قرآن شریف کی خدمت ہے۔ (دعوات عبدیت)

معاونین کی اصلاح

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آج کل یہ بھی خبط ہو گیا ہے کہ ہر چندہ دینے والے کا یہ حوصلہ ہے کہ میری رائے کیوں نہیں لی جاتی۔ میں انضباط قواعد کا راز بتائے دیتا ہوں کہ ہر شخص کی رائے لینا کیوں مناسب نہیں۔ سنیے دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں ایک آلات و ذرائع دوسرے مقاصد، مقاصد مقصود بالذات ہوتے ہیں اور آلات ذریعہ ہونے کی وجہ سے مقصود ہوتے ہیں۔ خود مقصود نہیں ہوتے۔ یہ صرف اس واسطے ہیں کہ درس کا انتظام رہے گا تو گویا یہ درس کے آلات ہیں اور مقصود اصلی درس ہے۔ اب میں ایک مثال میں پوچھتا ہوں کہ بڑھئی کا کام جاننے والا بڑھئی کے اوزاروں کی تعداد اچھی طرح جان سکتا ہے یا کوئی بہت پڑھا لکھا قابل آدمی، اس کا جواب یہی ہے کہ بڑھئی ہی جان سکتا ہے۔ بس افسوس ہے کہ بڑھئی کے آلات کے انتخاب کیلئے تو بڑھئی کی ضرورت ہے اور دیگر بڑے بڑے علوم کی قابلیت کچھ کام نہیں آئی۔ اور علم دین کے انتخاب کے لئے علماء کی ضرورت نہیں اور ہر چھوٹے سے چھوٹے علم کی قابلیت رکھنے والا اس میں رائے دینے کیلئے کافی ہے۔ علماء کو ان کے کام میں ان کی رائے پر چھوڑ دو، وہی درست کرتے ہیں وہی اس کی ضروریات

کو سمجھ سکتے ہیں۔قواعد کے انضباط میں ہر کس و نا کس کی رائے محض اس وجہ سے کہ چندے میں شریک ہے لینے کی ضرورت نہیں۔(دعوات عبدیت حقوق القرآن)

مدرسہ میں بنیاد ڈالنے کا طریقہ

تم اپنا کام شروع کر دو، لڑکے لے کر بیٹھ جاؤ اور پڑھانا شروع کر دو۔کہا کہ حضرت کیا ویرانہ میں پڑھانا شروع کر دوں؟ فرمایا ہاں، ویرانہ ہی میں لڑکوں کو۔ا۔ب۔ت، پڑھانا شروع کر دو جب کوئی پوچھے کہہ دو کہ اتنا ہی ہمارے اختیار میں تھا وہ ہم نے کر لیا آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے بس آپ اپنا کام کیجئے اللہ تعالیٰ عمارت بھی سب بنوا دے گا۔ اور مدرسہ بھی جاری کرادے گا۔(القول الجلیل)

مدرسہ شروع کرنے کا آسان طریقہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک سہل ترکیب آپ کو بتلاتا ہوں کہ جو کام شروع کرنا ہو اتنا شروع کیجئے جو آپ اپنی ذات سے کر سکیں۔تم لوگ یہ کرتے ہو کہ اول ہی سے کام کو بڑے پیمانہ پر اٹھاتے ہو اس کیلئے لابدی (یقیناً) زیادہ اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے مجبوراً ناگوار کوششیں تم کو کرنا پڑتی ہیں۔

کام کو چھوٹے پیمانہ پر شروع کرو۔ جب کام شروع ہو جائے گا اور دوسرے دیکھیں گے خود بخود تمہاری مدد کریں گے۔ دیکھئے اسلام کا کام بھی یوں ہی ترقی پذیر ہوا۔اگر اسلام کا کام متعارف ضابطے سے ہوتا تو کم از کم ایک جماعت تو ہوتی حالانکہ وہاں صرف ایک تن تنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک دم تھا۔خدا تعالیٰ اسلام کی ترقی کو بیان فرماتے ہیں کزرع اخرج شطاہ فازرہ۔ تو اسلام کی ترقی ہمیشہ یوں ہی ہوئی ہے۔(دعوات عبدیت فضائل علم)

مدارس کی ناکامی کے اسباب

آج کل انجمن کے قوانین اور عہدیداروں کی فہرست میں تو رجسٹر سیاہ کئے جاتے ہیں مگر کام نہیں ہوتا ہم کو کام کرنا چاہئے جتنا جس سے ہو سکے بڑے پیمانہ کی فکر نہ کرو چھوٹے ہی پیمانہ پر کام شروع کر دو۔ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو کام کرتے ہیں ٹیپ ٹاپ سے ورنہ کچھ نہیں کرتے۔

آج کل مشکل یہ ہے کہ کام تو شروع نہیں ہوتا اور پہلے ہی سے سوجھتی ہے کہ اس تجویز کو اخبار میں شائع کرائیں، اشتہار چھپوائیں۔ کیا یہ ریا نہیں ہے۔ کیا ریا وغیرہ سے ممانعت نہیں۔ وہ ممانعت کس کیلئے ہے؟ کیا یہ احکام کفار کے واسطے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ مسلمانوں ہی کو ریا وغیرہ سے منع کیا گیا ہے۔ ذرا دل کو ٹٹول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ بجز شہرت اور نام کے کچھ مقصود نہیں۔

آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اجتماعی کام میں ہمیشہ گڑبڑ ہوتی ہے جس کام میں جتنا زیادہ اجتماع ہوگا اتنا ہی جھگڑا ہوگا۔ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ جس کام میں جتنا زیادہ ہنگامہ ہوتا ہے جو لوازم اجتماع سے ہے وہ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے بقاء اسی کام کو ہوتا ہے جو تدریج کے ساتھ بڑھے اور اعتدال کے ساتھ چلتا رہے۔

جو لوگ ابتداء ہی سے بڑی لمبی چوڑی تجویزیں کرتے اور انجمن اور عہدہ دار مقرر کرتے اور جلسے کرتے ہیں ان سے کچھ کام نہیں ہوتا چار دن کے بعد سب باتیں ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔ لیکن آج کل کچھ مذاق ایسا بدلا ہے کہ اظہار و اشتہار اور ٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے۔ (التبلیغ تواصی بالحق)

حکیم الامت رحمہ اللہ کا اہل مدارس سے خطاب

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل مدارس کو طلبہ کا انتخاب کرنا چاہئے اور ان میں جو اہل نظر آئیں انہی کو پوری تعلیم اور انہی کو سند فراغ دینی چاہئے مگر اب تو بلا یہ ہے کہ لوگوں کو انتساب کا شوق ہے کہ ہمارے یہاں سے اس سال اتنے آدمی فارغ ہوئے۔ اے صاحبو! طلبہ کا فارغ کرنا بہت عمدہ ہے مگر وہ پہلے اہل تو ہوں واللہ کس قدر افسوس ہوتا ہے جب بعض فارغین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ قرآن کے اعراب بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے حالانکہ اس پر اعراب لگے ہوئے ہیں وہ ان کو دیکھ کر بھی غلطی کرتے ہیں اور کتابوں کے اعراب تو وہ کیا خاک صحیح پڑھیں گے۔ بھلا ایسے نااہلوں کے فارغ کرنے سے کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ بجز اس کے کہ اپنے ذمہ خیانت کا وبال رہے اور کچھ نفع نہیں صاحبو! مجھ کو سخت اندیشہ ہے کہ علماء سے خصوصاً اہل مدارس سے کہیں اس کی باز پرس خدا تعالیٰ کے یہاں نہ ہو اس کی اصلاح کی جلد فکر کیجئے۔

اسی ضمن میں فرمایا کہ کلکتہ کے ایک عالم نے مسئلہ رضاع غلط لکھا علماء نے بالاتفاق

اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

آخر میں ان کو اپنی غلطی کا علم ہو گیا مگر بات کی پیچ بری بلا ہے انہوں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھ مارا اور واہی تباہی سے اصل مطلب ثابت کرنا چاہا اور پھر اس رسالہ کو اپنے استاد کے پاس لے گئے کہ اس مسئلہ میں کوئی میرے ساتھ نہیں آپ ہی میرا ساتھ دیجئے استاد نے کہا یہ تو غلط مسئلہ ہے اس میں ساتھ کیونکر دوں انہوں نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ غلط ہے مگر اب تو زبان وقلم سے نکل گیا اب تو جس طرح بھی ہو میرا ساتھ دیجئے مگر استاد نے ساتھ نہیں دیا غرض ایسے لوگ مقتدا بنتے ہیں تو دین کو کھیل بنا دیتے ہیں۔ (تعظیم العلم)

ہندوستان میں دینی علوم کے مراکز

لکھنؤ دیوبند رام پور کانپور علی گڑھ دہلی اور سہارن پور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے۔

لکھنؤ میں مولانا عبدالحی متوفی ۱۳۰۴ھ مرجع خلائق تھے جن کی ذات محتاج تعارف نہیں دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں ہو چکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی زیر سرپرستی یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا۔ ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی خلف مولوی مملوک علی صاحب مدرس اعلیٰ تھے جو اجمیر شریف میں بھی مدرس رہ چکے تھے۔ مولوی مملوک علی موصوف مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مولوی ذوالفقار علی صاحب اور مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ علمائے دیوبند کے استاد تھے۔ رام پور میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے فرزند مولانا عبدالحق مدرسہ عالیہ نواب صاحب کے پرنسپل تھے۔ ان کے حواشی یعنی نوٹ کتب ہائے معقول قاضی وغیرہ پر قابل دید ہیں۔ (مہر منیر)

مدرسہ دیوبند کا مقصد فقط فکر آخرت ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے جلسہ دستار بندی میں یہ مضمون فرمایا کہ اکثر لوگوں کو اس مدرسہ کی حالت دیکھ کر خیال ہوگا کہ یہاں علوم معاش کا کچھ انتظام نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدرسہ اس لئے ہے ہی نہیں نہ ہم نے دعویٰ کیا کہ اس میں تمام علوم کی تعلیم ہوگی یہ تو صرف ان کیلئے ہے جن کو فکر آخرت نے دیوانہ بنایا ہے۔ (ملفوظات ج ۱۸)

مدرسہ دیوبند کا مایہ ناز

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ایسے خلوص سے رکھی تھی کہ اب تک اس کا اثر ہے بڑے بڑے مدرسے دیکھے مگر آخر کار کچھ بھی نہ دیکھا مدرسہ دیوبند کی تعلیم کی بابت بڑے بڑے انگریزوں کی یہ تحریر ہے کہ اگر اس مدرسہ کی مذہبی تعلیم میں دنیاوی تعلیم شامل کی گئی تو اس کا مذہبی خالص رنگ باقی نہ رہے گا جو اس مدرسہ کا مایہ ناز ہے پھر فرمایا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب فرماتے تھے کہ مدرسہ دیوبند میں جمہوریت کی شان ہے اس میں چاہے کوئی خاص شخص نہ ہو مگر یہ باقی رہے گا چنانچہ اس کی حفاظت کا کچھ مستقل انتظام نہیں جو کوئی اس کی خدمت کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اس کی حالت اسلام کی سی ہے۔ اگر کوئی بادشاہ بھی مسلمان ہو جائے تو اپنے لئے اس نے بہتری کی۔ اسلام کا کیا بڑھ گیا کچھ بھی نہیں۔ رام پور میں ایک مرتبہ ایک بزرگ کا وعظ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلام اس وقت ایسا ہو گیا ہے جیسے بیوہ عورت کہ وہ ہر طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہے کہ میری کوئی دستگیری کرنے والا ہے پھر جب میرا بیان ہوا تو میں نے کہا کہ اسلام کو کسی کی امداد کی حاجت نہیں وہ نہ عورت ہے اور نہ بیوہ ہے۔ وہ مرد ہے جو کوئی اس کی خدمت کرے گا اپنی سعادت کیلئے کرے گا۔ اسلام کو حاجت نہیں یہ سن کر پٹھان جوش میں آ گئے اور مدرسہ کیلئے خوب چندہ جمع ہوا پھر فرمایا کہ جو کچھ بیان کیا گیا تھا وہ خلوص سے بیان کیا گیا تھا نیت دونوں بیان کرنے والوں کی اچھی تھی۔ (ملفوظات ج ۸)

مدارس عربیہ کی روح

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم تو علوم درسیہ مروجہ مدارس عربیہ کو بھی جبکہ وہ صرف الفاظ کے درجہ میں ہوں اور عمل ساتھ نہ ہو علم نہیں کہتے اور ہم کیا خود حق تعالیٰ نے ایسے علما کو جاہل فرمایا ہے چنانچہ علماء یہود کی نسبت ارشاد ہے ''لو کانوا یعلمون'' کاش کہ وہ علم رکھتے یعنی وہ علم سے کورے ہیں پس مراد علم سے وہ علم دین ہے جو خوف وخشیت کے ساتھ ہو۔ (آداب المعاشرت ص ۳۴۸)

دارالعلوم دیو بند کا افتتاح

۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء برصغیر کے مسلمانوں کیلئے وہ مبارک ومسعود سال ہے جس میں شمال ہند کی اس قدیم تاریخی بستی میں ان کی دینی وعلمی اور ملی وتہذیبی زندگی کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ چھتے کی قدیم مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سائے میں نہایت سادگی کے ساتھ کسی رسمی تقریب یا نمائش کے بغیر دارالعلوم کا افتتاح عمل میں آیا۔ حضرت مولانا ملا محمود دیو بندی جو علم وفضل میں بلند پایہ عالم تھے مدرس مقرر کیا گیا۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے وہ اولین شاگرد تھے جنہوں نے استاد کے سامنے کتاب کھولی' یہ عجیب اتفاق ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں کا نام محمود تھا' اس وقت رب السموات والارض کے التفات اور چشم کرم پر بھروسہ کرنے کے سوا اور کوئی ظاہری ساز وسامان نہ تھا' اخلاص وخدمت دین اور توکل علی اللہ کے جذبات کے سوا ہر سرمائے سے ان حضرات کا دامن خالی تھا' چنانچہ اس بے سروسامانی کے ساتھ افتتاح عمل میں آیا کہ نہ کوئی عمارت موجود تھی اور نہ طلباء کی جماعت' صرف ایک طالب علم اور ایک استاذ یہ تھی کل کائنات اس ادارے کی جو آج کل از ہر ہند دارالعلوم دیو بند کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ومعروف ہے۔

اگر چہ بظاہر یہ ایک مدرسہ کا بہت ہی مختصر اور محدود پیمانے پر افتتاح تھا مگر درحقیقت ہندوستان میں دینی تعلیم کی ایک عظیم تحریک کے نئے دور کا آغاز تھا جس کو پورے غور وفکر کے ساتھ شروع کیا گیا تھا جیسا کہ بعد میں دارالعلوم کی عظیم الشان ترقی سے واضح ہوتا ہے' دارالعلوم کے بزرگوں نے برصغیر میں ملت کی دینی اور اجتماعی زندگی کی بقاء اور تحفظ کیلئے کتاب اللہ کی مشعل روشن کی اور تفسیر وحدیث' فقہ اور اسلامی علم وادب اور عقائد واعمال کے ذریعے اس تاریک دور کے چھا جانے والے خطرات سے بچانے کیلئے ایک ایسا مضبوط دفاعی حصار تیار کیا جس نے مسلمانوں کی روحانی اور علمی شکست سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں پیش کی جائے گی۔

دار العلوم دیوبند کی حیرت انگیز کامیابی

قیام دار العلوم کا زمانہ بڑی بے سروسامانی کا تھا' نہ پڑھانے کیلئے مناسب جگہ تھی اور نہ طلباء کے رہنے کا کوئی انتظام تھا مگر تہی دستی اور بے مائیگی میں بھی فراغ بالی اور اس پریشان حالی میں بھی عجب دل جمعی تھی۔ چنانچہ دار العلوم نے قائم ہوتے ہی حیرت انگیز طور پر ترقی کی جانب قدم بڑھانا شروع کر دیا۔ قرب و جوار کے علاوہ دور دراز مقامات بنارس' پنجاب اور افغانستان سے طالبان علم آنے شروع ہو گئے اور چند ہی دنوں میں یہ معمولی مدرسہ اللہ کا شکر ہے کہ مثل دیگر تائیدات غیبی کے اس آرزو دیرینہ میں بھی جس کی سالہا سال سے امید تھی تائید غیبی نے جوش مارا اور رحمت الٰہی شامل حال ہوئی' یعنی ارباب شوریٰ کی رائے میں یہ تجویز قرار پا گئی کہ ایک مکان وسیع تعلیم وسکونت و دیگر حاجات طلبہ مدرس کیلئے تیار کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ عین جلسہ انعام طلبہ میں اس کیلئے گزارش کیا' اسی وقت بہت سے ذی ہمتوں نے ایک فرد چندہ تیار کی اور بہت سے عالی ہمتوں کے نام اس میں تحریر کئے گئے' برابر فرد چندہ پر دستخط ہوتے جاتے ہیں جس میں بہت سا روپیہ وصول ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک قطعہ نہایت وسیع واسطے تعمیر مکانات کے خرید لیا گیا۔ اب حضرات باہمت کی ہمت درکار ہے تاکہ روپیہ فراہم ہونے پر کار تعمیر جاری ہو اور یہ صدقہ جاریہ آپ کا جاری رہے' کوئی صاحب قلیل وکثیر پر نظر نہ فرمائیں' قطرہ قطرہ ہمی شود دریا توجہ اور ہمت شرط ہے آپ صاحبوں کی ہمت ہوئی تو فضل الٰہی سے یہ کام بہت سہل انجام پائے گا۔

ایک انگریز جاسوس کے دلچسپ مشاہدات

دار العلوم دیوبند جس زمانے میں قائم ہوا اس وقت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پر صرف ۹ سال گزرے تھے چونکہ عام مسلمان اور دار العلوم کے اکابر جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف صف آرا رہ چکے تھے اس لئے انگریزی حکومت مسلمانوں کے سخت خلاف اور ان سے بدظن وبرگشتہ تھی' مسلمانوں کی حرکات وسکنات پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی' اس بناء پر دار العلوم کی نسبت مدت تک خفیہ وعلانیہ تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ۱۲۹۱ھ' ۱۸۷۵ء

میں صوبہ متحدہ (اتر پردیش) کے گورنر سر جان اسٹریچی نے اپنے ایک معتمد جان پامر کو اس غرض سے دارالعلوم میں بھیجا کہ وہ خفیہ طور پر تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے کہ دارالعلوم کے قیام کا مقصد کیا ہے؟ اور مسلمان علماء دارالعلوم کے پس پردہ کس فکر و عمل میں مصروف ہیں' جان پامر نے دارالعلوم کو دیکھ کر جو رپورٹ تیار کی اور جو تاثرات اس نے اخذ کئے وہ اس نے اپنے ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ جان پامر نے دارالعلوم کی تعلیمی کیفیت کا انگریزی یونیورسٹیوں سے موازنہ کرتے ہوئے اپنے مشاہدات و تاثرات کا جس دلچسپ اور عالمانہ انداز میں اظہار کیا ہے وہ دارالعلوم کے علمی موقف کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔ یہ واقعہ دارالعلوم کی ابتدائی زندگی کا ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی معیار شروع ہی سے کیا رہا ہے۔ یہ خط جہاں دارالعلوم کی تعلیمی اور بعض دوسری جزئیات کی تفصیل اور نقد و تبصرے پر مشتمل ہے' وہیں ایک ایسے شخص کی زبان سے جو مخالفانہ نقطہ نظر رکھتا تھا دارالعلوم کی تعلیمی خصوصیات اور اس کے خدوخال کا ایک دلچسپ مرقع سامنے آجاتا ہے۔ جو نہایت گہرے تاثرات پر مبنی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خط کا پورا متن پیش کر دیا جائے۔

جان پامر لکھتا ہے کہ: لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی کے ساتھ دورے میں ۳۰ جنوری ۱۸۷۵ء کو دیوبند میں قیام ہوا' گورنر نے مجھ سے کہا کہ یہاں دیوبند میں مسلمانوں نے گورنمنٹ کے خلاف ایک مدرسہ جاری کیا ہے۔ تم اجنبیانہ طور پر اس مدرسہ میں جا کر پتہ لگاؤ کہ کیا تعلیم ہوتی ہے اور مسلمان کس فکر و خیال میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ۳۱ جنوری کو اتوار کے دن میں آبادی میں پہنچا قصبہ نہایت صاف ہے' یہاں کے باشندے خلیق اور نیک ہیں مگر غریب اور فلاکت زدہ ہیں' پوچھتے پوچھتے مدرسہ میں پہنچا یہاں پہنچ کر میں نے ایک بڑا کمرہ دیکھا جس میں چٹائی کے فرش پر لڑکے کتابیں سامنے رکھے ہوئے بیٹھے تھے اور ایک بڑا لڑکا ان کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا میں نے لڑکوں سے دریافت کیا کہ تمہارا استاد کون ہے؟ ایک لڑکے نے اشارہ سے بتایا' معلوم ہوا کہ جو شخص درمیان میں بیٹھا ہوا تھا وہی استاد ہے' مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا استاد ہوگا۔ میں نے اس سے پوچھا آپ کے لڑکے کیا پڑھتے ہیں۔

جواب دیا یہاں فارسی پڑھائی جاتی ہے یہاں سے آگے بڑھا تو ایک جگہ ایک صاحب میانہ قد نہایت خوبصورت بیٹھے ہوئے تھے سامنے بڑی عمر کے طلبہ کی ایک قطار تھی' قریب پہنچ کر سنا تو علم مثلث کی بحث ہورہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ مجھے اجنبی سمجھ کر یہ لوگ چونکیں گے' مگر کسی نے مطلق توجہ نہ کی' میں قریب جا کر بیٹھ گیا اور استاد کی تقریر سننے لگا' میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ علم مثلث کے ایسے ایسے عجیب اور مشکل قاعدے بیان ہورہے تھے جو میں نے کبھی ڈاکٹر اسپرنگر سے بھی نہیں سنے تھے' یہاں سے اٹھ کر دوسرے دالان میں گیا تو دیکھا کہ ایک مولوی صاحب کے سامنے طالب علم معمولی کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے ہیں' یہاں اقلیدس کے چھٹے مقالے کی دوسری شکل کے اختلافات بیان ہورہے تھے اور مولوی صاحب اس برجستگی سے بیان کررہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اقلیدس کی روح ان میں آگئی ہے۔ میں منہ تکتا رہ گیا۔ اسی دوران میں مولوی صاحب نے جبر و مقابلہ ٹاڈ ہنٹر سے مساوات درجہ اول کا ایک ایسا مشکل سوال طلبہ سے پوچھا کہ مجھے بھی اپنی حساب دانی پر پسینہ آگیا اور میں حیران رہ گیا بعض طلبا نے جواب صحیح نکالا' یہاں سے اٹھ کر میں تیسرے دالان میں پہنچا ایک مولوی صاحب حدیث کی کوئی موٹی سی کتاب پڑھا رہے تھے اور ہنس ہنس کر تقریر کررہے تھے یہاں سے میں ایک زینے پر چڑھ کر دوسری منزل میں پہنچا۔ اس کے تین طرف مکلف مکان تھے' بیچ میں ایک چھوٹی سی صحنچی تھی جس میں دو اندھے بیٹھے بڑبڑا رہے تھے۔ میں یہ سننے کیلئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں دبے پاؤں ان کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ علم ہیئت کی کسی کتاب کا سبق یاد کررہے ہیں' اتنے میں ایک اندھے نے دوسرے اندھے سے کہا بھائی ! کل کے سبق میں شکل عروسی اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر تم سمجھے ہو تو بتلاؤ۔ دوسرے اندھے نے پہلے دعویٰ بیان کیا اور اس کی ہتھیلی پر لکیریں کھینچ کر ثبوت شروع کیا پھر جو آپس میں ان کی بحث ہوئی تو میں دنگ رہ گیا' اور مسٹر بریگر پرنسپل کی تقریر کا سماں میری آنکھوں میں پھر گیا۔ وہاں سے اٹھ کر ایک سہ دری میں گیا' چھوٹے چھوٹے بچے صرف و نحو کی کتابیں نہایت ادب سے استاد کے سامنے بیٹھے پڑھ رہے تھے' تیسرے درجہ میں علم منقول کا درس ہو رہا تھا۔

میں دوسرے زینے سے اتر کر نیچے آیا' میرا خیال تھا کہ مدرسہ بس اسی قدر ہے' اتفاق سے ایک شخص سے ملاقات ہوئی' میں نے اس سے اپنے خیال کی تصدیق چاہی' اس نے کہا نہیں! قرآن شریف دوسری جگہ پڑھایا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہاں؟ وہ مجھ کو مسجد میں لے گیا' مسجد کے دالان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ایک نابینا حافظ کے سامنے قرآن شریف پڑھ رہے تھے حافظ نے ایک چھوٹے سے بچے کو پکڑ کر بڑی بے رحمی سے پیٹا' بچہ چلایا۔ میں نے اپنے رہنما سے کہا کہ ننھے ننھے بچوں سے ایسی سخت محنت لینا بڑا ظلم ہے۔ اس نے ہنس کر جواب دینا بظاہر تو یہ ظلم نظر آتا ہے مگر درحقیقت یہ شفقت ہے! بچوں کو شروع ہی سے محنت شاقہ کا عادی بنا دیا ان کے حق میں عین حکمت اور آئندہ زندگی میں پیش آنے والی مشکلات پر قابو پانے کیلئے بہت ضروری ہے۔ آج کل مسلمانوں میں یہی تو ایک بات ہمت اور محنت کی رہ گئی ہے اور اسی لئے کچھ ٹوٹا پھوٹا دین ان کے پاس باقی ہے۔

میں نے پوچھا گزشتہ سال اخباروں میں دیکھا تھا کہ چار طالب علموں کے دستار فضیلت باندھی گئی تھی۔ ان میں سے یہاں کوئی موجود ہے وہ بولا کہ ہاں ایک صاحب ہیں چلئے میں آپ کو ان سے ملائے دیتا ہوں۔ وہ مجھے ایک مکان میں لے گیا جہاں ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا ایک موٹی سی کتاب سامنے رکھی تھی اور دس بارہ طالب علم بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ ایک طرف دو بندوقیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے سلام کیا' اس نے کمال اخلاق سے جواب دیا' میں نے پوچھا کہ سال گزشتہ آپ ہی کے دستار فضیلت بندھی ہے' بولے کہ اساتذہ کی عنایت ہے میں نے کہا کہ یہ کیا کتاب ہے؟ فرمایا کہ عربی زبان میں ایک فنی کتاب ہے ایک مطبع کے مہتمم نے ترجمے کیلئے بھیجی ہے اس کی اجرت ایک ہزار روپے ٹھہری ہے۔ مجھے ترجمہ کرتے ہوئے تین مہینے ہوئے ہیں اور تین چوتھائی کے قریب ہو چکا ہے' بقیہ ان شاء اللہ ایک مہینے میں ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا یہ بندوقیں کیسی ہیں؟ کہنے لگے مجھے شکار کا شوق ہے۔ سات بجے سے دس بجے تک پڑھاتا ہوں گیارہ سے ایک تک شکار کھیلتا ہوں اور دو سے چار بجے تک ترجمہ کرتا ہوں۔

میں نے دریافت کیا آپ نوکری کیوں نہیں کرتے؟ بولے کہ خدائے تعالیٰ گھر بیٹھے بٹھائے ڈھائی سو روپے مہینہ دیتا ہے پھر کس لئے نوکری کروں۔

یہاں سے اٹھ کر کتب خانہ میں آیا' منتظم کتب خانہ نے میرا خیر مقدم کرتے ہوئے فہرست دکھلائی۔ میں حیران رہ گیا' کوئی فن ایسا نہ تھا جس کی کتاب موجود نہ ہو' ایک دوسرا رجسٹر دکھلایا جو طلبہ کی حاضری کا تھا اور نہایت صاف' خوش خط لکھا ہوا تھا من جملہ ۲۱۰ طلبہ کے ۲۰۸ طلبہ حاضر تھے۔

میں اٹھنے والا ہی تھا کہ ایک صاحب سبزہ رنگ آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا آپ کی تعریف؟ بولے کہ میں مہتمم ہوں اور تین بڑے بڑے رجسٹر میرے سامنے رکھ دیئے اور بتلایا کہ یہ سال بھر کے آمد و صرف کا حساب ہے۔ ملاحظہ کیجئے!

میں نے دیکھا تو تاریخ وار نہایت صحت کے ساتھ حساب لکھا ہوا تھا گوشوارے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ سال کے آخر میں خرچ کے بعد کچھ روپیہ بچ گیا تھا۔

طبیعت چاہتی تھی کہ کتابوں کی کچھ سیر کروں مگر وقت تنگ ہو گیا تھا اور شام ہونے کو تھی مجبوراً واپس ہوا۔

میری تحقیقات کے نتائج یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ' نیک چلن اور نہایت سلیم الطبع ہیں کوئی ضروری فن ایسا نہیں جو یہاں پڑھایا نہ جاتا ہو جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے میں کر رہا ہے مسلمانوں کیلئے اس سے بہتر کوئی تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی اور میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پائے تو نفع سے خالی نہیں۔ انگلستان میں اندھوں کا سکول سنا تھا مگر یہاں آنکھوں سے دیکھا کہ دو اندھے تحریر اقلیدس کی شکلیں کف دست پر اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ باید و شاید! مجھے افسوس ہے کہ آج سر ولیم میور موجود نہیں ہیں ورنہ بکمال ذوق و شوق اس مدرسہ کو دیکھتے اور طلبہ کو انعام دیتے۔

دارالعلوم دیوبند کا جلسہ تقسیم اسناد

ابتداء میں دارالعلوم کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی طالب علم تحصیل علم سے فارغ ہوتا تو علماء کے مجمع میں اس کا امتحان لیا جاتا تھا اور کامیابی کے بعد کسی بڑے عالم سے دستار فضیلت بندھوائی جاتی تھی۔ چنانچہ اس سال ۲ ذی الحجہ یوم جمعہ کو ایک بڑا جلسہ جامع مسجد میں منعقد ہوا۔ یہ جلسہ دارالعلوم کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا جلسہ تھا' دیوبند کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ قال اللہ

وقال الرسول کی آوازوں سے معمور نظر آتا تھا۔ ہر جگہ تفسیر و حدیث کا چرچا تھا جامع مسجد کے صحن میں طلبا کیلئے بانسوں کا احاطہ بنایا گیا تھا مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی، بعد نماز جمعہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی ایک موثر تحریر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے پڑھ کر سنائی جس میں قیام دارالعلوم کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ

اس آخری زمانے میں بایں وجہ کہ اہل اسلام کے سر پر کوئی دردمند اسلام نہ رہا یہ علم خاص کر اس ملک سے بالکل اٹھ گیا۔ اس علم کے سب سامان گم ہوگئے اول تو معیشت میں عام امیر وغریب ایسے پریشان کہ اس علم کی تحصیل کی ان کو فرصت کہاں امیروں کو اپنے اموال کا مشغلہ ہی بہت اور غریبوں کو نان شبینہ کا خیال جان کا وبال، باوجود اس کے کسی نے کچھ ہمت بھی کی تو کوئی ٹھکانہ ایسا نہ تھا جہاں سبق ہو تو طبق بھی ہو اس لئے جتنا زوال آیا اسی علم پر آیا۔

پھر آگے چل کر دارالعلوم میں علوم دنیوی کے داخل نصاب نہ کئے جانے کی نسبت فرمایا۔

اگر یہ خیال سد راہ ہے کہ یہاں علوم دنیویہ کی تعلیم کا چنداں اہتمام نہیں تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ مرض کا علاج چاہئے۔ جو مرض نہ ہو اس کی دوا کھانی فضول ہے دیوار کے رخنہ کو بند کرنا چاہئے۔ پھٹے کا بھرنا لازم ہے، جو اینٹ ابھی گری ہی نہیں اس کا فکر بجز نادانی کیا ہے؟ مدارس سرکاری اور کس لئے ہیں؟ ان میں علوم دنیوی نہیں پڑھائے جاتے تو اور کیا ہوتا ہے؟ یہ مدارس اگر قدر ضرورت سے کم ہوتے تو مضائقہ بھی نہ تھا، مگر سب جانتے ہیں کہ سرکار کی توجہ سے شہر تو شہر گاؤں گاؤں میں مدرسے جاری ہوگئے، ان کے ہوتے ہوئے اور مدارس دنیوی کا اہتمام کرنا اور علوم دینی سے غفلت کار عقل دور اندیش نہیں۔

بعد ازاں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے دست مبارک سے فارغ التحصیل طلبہ کے سروں پر دستار فضیلت بندھوائی گئی شرکائے چندہ اور حاضرین جلسہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا آج انکے چندوں کا صحیح مصرف اور مالی اعانتوں کا لائق فخر و مسرت نتیجہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

دارالعلوم کی اولین عمارت کا سنگ بنیاد

جلسہ تقسیم اسناد کے بعد مجمع جامع مسجد سے اٹھ کر اس جگہ پہنچا جہاں دارالعلوم کی

عمارت کیلئے بنیاد رکھی جانے والی تھی' سنگ بنیاد حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ کے دست مبارک سے رکھوایا گیا۔ اس کے بعد ایک ایک اینٹ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ' حضرت گنگوہی رحمہ اللہ' حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہ اللہ نے رکھی' یہ نام تو روداد میں مذکور ہیں' ارواح ثلثہ کی روایت میں مزید دو نام حضرت میانجی منے شاہ رحمہ اللہ اور حضرت حاجی محمد عابد رحمہ اللہ کے بھی لکھے ہیں۔

اس موقع کی ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ جب بنیاد رکھی جا چکی تو سب لوگوں نے دارالعلوم کی بقاء و ترقی کیلئے نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دعا کی' حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''عالم مثال میں اس مدرسہ کی شکل ایک معلق ہانڈی کے مانند ہے جب تک اس کا مدار توکل اور اعتماد علی اللہ پر رہے گا یہ مدرسہ ترقی کرتا رہے گا۔

اس واقعے کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ نے ذیل کے اشعار میں نظم کیا ہے۔

اسکے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کیلئے — کوئی سرمایہ بھروسے کا ذرا ہو جائیگا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ — یہ سمجھ لینا کہ بے نور وضیا ہو جائے گا
ہے توکل پر بنا اسکی تو بس اسکا معین — ایک گر جائے گا پیدا دوسرا ہو جاء گا

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ نے تعمیر کا مادہ تاریخ اشرف عمارات سے نکالا۔

آٹھ سال کی مدت میں ۲۳۰۰۰ روپے کے صرف سے یہ عمارت ''نودرہ'' کے نام سے بن کر تیار ہوئی' اس عمارت کے دو درجے ہیں ہر ایک درجے میں نو نو دروازے ہیں' اس کا طول ۲۶ گز اور عرض ۱۲ گز ہے دارالعلوم کی یہ سب سے پہلی عمارت ہے' نودرے کی یہ عمارت سادہ ہونے کے باوجود شاندار ہے' روداد میں لکھا ہے کہ اس عمارت میں سادگی اور راستواری کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کا نقشہ منجانب اللہ قلوب پر الہام ہوا تھا۔

بارگاہ رسالت سے تعمیر کی نشاندہی

حضرت مولانا رفیع الدین نے (جن کے زمانہ اہتمام میں یہ عمارت تعمیر ہوئی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے۔ یہ فرما کر خود عصائے مبارک سے ایک طویل وعریض

نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ ان نشانات پر تعمیر کی جائے' چنانچہ اسی کے مطابق بنیاد کھدوا کر تعمیر شروع کرائی گئی' نودرے کی تعمیری خصوصیات کی نسبت روداد میں لکھا ہے۔

اس کی تعمیر میں ہندوستانی اور انگریزی عمارتوں کا لطف موجود ہے' اس کی پشت پر ایک عمدہ تالاب اور جانب جنوب سبزہ زار اور بجانب شمال باغ مدرسہ ہے اور وسط صحن میں ایک مختصر اور نفیس چمن نہایت خوش نما جنگلے کے بیچ میں شگفتہ ہے اور جنگلے کے چاروں طرف گملوں میں ہر قسم کے مختلف الالوان پھولوں کے درخت موجود ہیں۔

دارالعلوم کا یہ مقام احاطہ مولسری کے نام سے موسوم ہے اسی احاطے میں وہ تاریخی کنواں جو نودرے کے ساتھ بنا تھا' یہ کنواں بڑا بابرکت سمجھا جاتا ہے۔ اس کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے' مشہور عالم و مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اس کنویں کے پانی کی نسبت اپنا یہ تاثر بیان کیا ہے کہ ''اتنا لذیذ'' اتنا خوش گوار' اتنا شیریں' صاف وسبک اور خنک پانی میں نے اس سے پہلے نہیں پیا تھا۔

حضرت مولانا رفیع الدین ہی نے ایک دوسرے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیالے سے دودھ تقسیم فرمارہے ہیں' بعض لوگوں کے پاس چھوٹے برتن ہیں اور بعض کے پاس بڑے ہر شخص اپنا اپنا برتن دودھ سے بھروا کر لے جارہا ہے' مولانا نے برتنوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی یہ تعبیر دی کہ اس سے ہر شخص کا ''ظرف علم'' مراد ہے۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

برصغیر کی مرکزی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کا طرز اعتدال

علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ العالی اعلیٰ تعلیم یافتہ ایک ذی علم شخصیت ہیں۔ انہیں اردو اور انگریزی تقریر و تحریر میں بڑی دست گاہ حاصل ہے۔ علامہ موصوف نے علمائے دیوبند کی نسبت اپنے جن وقیع اور متوازن تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

علمائے دیوبند دین کے سمجھنے سمجھانے میں نہ تو اس طریق کے قائل ہیں جو ماضی سے یکسر کٹا ہو کیونکہ وہ مسلسل رشتہ نہیں ایک نئی راہ ہے اور نہ وہ اس افراط کے قائل ہیں کہ رسم ورواج اور تقلید آباء کے تحت ہر بدعت کو اسلام میں داخل کردیا جائے جن اعمال میں تسلسل نہ ہو اور وہ تسلسل خیر القرون

تک مسلسل نہ ہو وہ اعمال اسلام نہیں ہو سکتے' یہ حضرات اس تقلید کے پوری طرح قائل اور پابند ہیں جو قرآن و حدیث کے سرچشمہ سے فقہ اسلام کے نام پر چلتی آئی ہے۔ قرآن کریم تقلید آباء کی صرف اسی بناء پر مذمت کرتا ہے کہ وہ آباء عقل و اہتداء کے نور سے خالی ہوں۔

''بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ راہ کو جانتے ہوں''۔

آئمہ سلف اور فقہائے اسلام جو علم و اہتداء کے نور سے منور تھے۔ ان کی پیروی نہ صرف یہ کہ زموم نہیں بلکہ عین مطلوب ہے اور ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ صرف پیغمبروں ہی کی نہیں۔ صدیقین شہداء اور صالحین کے راستے پر چلنے کی بھی ہر نماز میں رب العزت سے درخواست کریں کیونکہ یہی صراط مستقیم ہے۔

''اے اللہ! چلا ہمیں سیدھی راہ پر' راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا''۔

اس مسلک اعتدال کی وجہ سے علمائے دیوبند دینی بے قیدی اور خود رائی سے بھی محفوظ رہے اور شرک و بدعت کے اندھیرے بھی انہیں اپنے جال میں نہ کھینچ سکے ان کے اعمال وافکار سے اسلام کا تسلسل بھی قائم رہا اور کوئی غیر مسلسل نظریہ علم وعمل کے تسلسل سے اسلام کے چراغ روشن کرتے گئے اور تاریخ دیوبند پر نظر کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام واقعی ایک زندہ دین ہے جو ان حضرات سے لے کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد سعادت مہد تک مسلسل ہے۔

اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کا طبقہ علمائے دیوبند کی رو سے امت کیلئے روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اس امت کی باطنی حیات وابستہ ہے جو اصل حیات ہے' اس لئے علمائے دیوبند ان کی محبت و عظمت کو تحفظ ایمان کیلئے ضروری سمجھتے ہیں مگر غلو کے ساتھ اس محبت و عقیدت میں انہیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے' انکی تعظیم شرعاً ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے معنی عبادت کے نہیں لیتے کہ انہیں یا ان کی قبروں کو سجدہ ورکوع یا طواف ونذر یا منت وقربانی کا محل بنالیا جائے' حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ' حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ' حضرت شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ' حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمہ اللہ' حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت الامام المحدث شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ

کے صحیح جانشین اور ان کے فیوض سے زندگی کے خاکوں میں اتباع سنت کا رنگ بھرنے والے یہی بزرگان کرام ہیں ان حضرات کا فیض روحانی اعمال تسخیر سے نہیں۔ اعمال سنت سے قائم ہے اور یہ حضرات باقاعدہ چشتی سہروردی' نقشبندی اور قادری نسبتوں سے انتساب رکھتے ہیں بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو حکمت اور تزکیہ نفوس کا یہ راستہ اب صرف اسی مسلک کے لوگوں سے آباد ہے۔ یہ حضرات علم و عمل ہر دو ابواب میں اسنادی پہلو قائم رکھتے ہیں۔ بدعات کی روک تھام میں بھی یہی حضرات اسی لئے پیش پیش رہے ہے کہ ان کے اعمال کا اسنادی پہلو کہیں موجود نہ تھا اور یہ تردید بھی نئی نہیں بلکہ حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) رحمہ اللہ بھی اسی رنگ میں بدعات کی تردید فرماتے رہے ہیں۔

"بدعت کے نام اور عمل سے بھی پرہیز لازم ہے جب تک بدعت حسنہ سے بھی اسی طرح پرہیز نہ کرے جس طرح بدعت سیہء سے پرہیز کی جاتی ہے روحانیت کی بو طالب کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ بات آج بہت مشکل ہوگئی ہے ایک جہان بدعت کے دریا میں ڈوب رہا ہے اور لوگ بدعت کے اندھیروں میں آرام لے رہے ہیں کس کی مجال ہے کہ بدعت کے خلاف دم مارے اور احیائے سنت کیلئے زبان کھولے اس وقت اکثر مولوی بدعتوں کو رواج دے رہے ہیں اور سنتوں کو مٹا رہے ہیں۔ رواج یافتہ بدعتوں کو تعامل قرار دیکر ان کے جائز بلکہ بہتر ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی راہ دکھا رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے جن علماء ربانی کی تمنا کی تھی کہ احیائے سنت کیلئے زبان کھولنے والے اور بدعات کے خلاف دم مارنے والے کہاں ہیں؟ ان کی یہ تمنا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان اور اسی تحریک کی نشاۃ ثانیہ حضرات اکابر دیوبند سے پوری ہوئی۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند)

قیام دار العلوم اسباب و محرکات

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دار العلوم دیوبند کا قیام رسمی طور سے عمل میں نہیں آیا کہ چند آدمی شہر کے ذمہ دار حضرات جمع ہوئے اور ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ صورت نہ تھی بلکہ صورت یہ تھی کہ انگریزوں

کا تسلط واقتدار ہندوستان میں آیا دین کی کسمپرسی کا حال سب کے سامنے ہوا۔ خدشہ یہ ہوا کہ اسلام شاید اب باقی رہے یا نہ رہے تو اس وقت جتنے اولیاء اور اکابر تھے یک دم ان کے قلوب میں وارد ہوا کہ ایسا کوئی ادارہ ہونا چاہئے کہ اسکے ذریعہ سے دین اور علم دین باقی رہے۔ دین کی حفاظت کی جاسکے۔ اگر یہ باقی رہے تو تمام چیزیں اسلام اور مسلمان کی باقی رہ سکتی ہیں اور اگر دین وعلم دین باقی نہ رہے تو خدانخواستہ مسلمان مسلمان نہ رہ سکیں گے۔

دین کا بقاء علم دین کے بقاء سے ہوسکتا ہے اور اگر یہ باقی نہ رہے اور مسلمانوں کی قوت وشوکت باقی بھی ہو تو قابل اعتناء نہیں۔ تو وقت کے تمام اہل اللہ کے قلوب میں وارد ہوا کہ ایسا ادارہ ضروری ہے ایک مجلس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہؒ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ وغیرہ اکابر جمع ہوئے تھے دین کے بارے میں فکر دامن گیر تھی۔ تو کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے کہ مدرسہ قائم ہو کسی نے کہا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ مدرسہ قائم ہونا چاہئے۔ غرض تمام اولیاء اللہ کا اجماع منعقد ہوا کہ ادارہ قائم ہو تو ایک رسمی صورت نہ تھی بلکہ غیبی اور باطنی صورت تھی۔ الہامی اور کشفی صورت تھی۔ چنانچہ الہام خداوندی کے تحت اس مدرسے کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت مولانا یٰسین صاحب دیوان جی حضرت قاسم العلوم کے خادم خاص اور معتمد علیہ تھے جب حج کو گئے مکہ معظمہ میں حضرت امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں جانا ہوا جو پورے مشائخ کے شیخ اور مرشد طریقت تھے تو رخصت کے وقت عرض کیا کہ ہمارے مدرسہ کیلئے بھی دعا کریں۔ حضرت حاجی صاحب نے یہ سن کر تعجب سے جواب میں فرمایا چہ خوب پیشانیاں تو برسوں ہم نے رگڑیں راتوں بھر سجدے ہم نے کئے۔ دعائیں ہم نے مانگیں اب جب مدرسہ قائم ہوا تو مدرسہ آپ کا ہوگیا اور پھر فرمایا کہ ہمارا خیال مدرسے کا تھانہ بھون یا نانوتہ میں قائم کرنے کا تھا۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ دیوبند والے یہ غنیمت لے اڑیں گے تو مدرسہ دیوبند کا قیام ہنگامی حالات اور مشورہ سے نہیں ہوا بلکہ اکابر کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں سجدے کئے جارہے تھے راتوں کو دعائیں مانگی جارہی تھیں۔ حق تعالیٰ نے قبول فرمایا معلوم ہوا کہ الہام غیبی سے مدرسہ قائم ہوا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۶)

دارالعلوم دیوبند کی خشت اول

دارالعلوم دیوبند کی عمارت کی سب سے پہلی اینٹ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دارالعلوم کے جلیل القدر استاد کے نانا میاں جی منے شاہ نے رکھی۔ ان کا نام محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ میاں جی صاحب مرحوم کے بارے میں حضرت مولانا محمد قاسم نے فرمایا کہ میں آج پہلی اینٹ ایک ایسے شخص سے رکھواؤں گا کہ جسے کبھی بھی عمر بھر صغیرہ کے درجہ میں بھی گناہ کا تصور نہیں ہوا۔ استغراق اور ربودگی کی یہ کیفیت طاری تھی کہ اپنی اولاد تک کو نہ پہنچانتے ان کے داماد تھے۔ اللہ بندہ نام تھا۔ جب ان کی خدمت میں آتے تو پوچھتے کون؟ تو جواب دیتے اللہ کا بندہ۔ پھر پوچھتے کون؟ تو جواب دیتے آپ کا داماد ہوں۔ دس منٹ بعد پھر وہی استغراق۔ یہ کیفیت استغراق کی جاری رہتی نہایت ہی پاک طینت بزرگ تھے۔ جب انتقال ہوا اور غسل کیلئے تختے پر لٹائے گئے۔ تو چشم دید واقعہ مولانا محمد یٰسین صاحب نے سنایا جو میرے فارسی کے استاد تھے اور آپ پاکستان کے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے والد ماجد تھے۔ انہوں نے خود سنایا کہ تختے پر لٹاتے ہی میاں صاحب ایک دم کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔ شور مچ گیا تو لوگ دوڑ پڑے۔ جب مجمع زیادہ ہوا تو ہنسنا بند ہوا تو اس قماش کے لوگ تھے جنہوں نے دارالعلوم کی پہلی اینٹ رکھی پھر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت قاضی محمد اسماعیل صاحب منگلوری رحمہ اللہ اور دوسرے اکابر نے بعد میں اینٹ رکھی۔ ظاہر ہے کہ اینٹ رکھنے والے ایسے اولیاء اللہ اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ایسے لوگ ہوں تو اس مدرسہ کی بنیادیں کتنی مضبوط ہوں گی۔ آج بحمد اللہ اس پر سو برس کے قریب زمانہ گزر گیا ہے۔ ہزاروں مصائب آ آ کر ختم ہوئے اور وہ مدرسہ ترقی کرتا گیا برابر بڑھتا جا رہا ہے اور آج تک اسی آب و تاب سے قائم ہے یہ ایک رسمی بات ہے کہ فلاں شخص وہاں کا مہتمم ہے عہدیدار ہے یا مدرس ہے اور اسے ترقی دیتا ہے یہ غلط ہے اور محض ایک تہمت ہے۔ ترقی دینے والی غیبی طاقت ہے سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کرتا ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ٦)

مرکز روحانیت

میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی سے سنا فرماتے تھے کہ دارالعلوم

آدمیوں کو بناتا ہے آدمیوں نے دار العلوم کو نہیں بنایا۔

یہ ایک کسوٹی ہے' پرکھ ہے۔ یہاں دار العلوم کے ہزاروں فضلاء ہیں اور مدارس قائم کئے ہوئے ہیں میں برما گیا تو دار العلوم کے فیض یافتہ موجود افغانستان گیا تو سینکڑوں علماء موجود اور قصبہ قصبہ آباد ہے۔ مدارس قائم کر چکے ہیں۔ یہاں کثرت سے فضلاء سرگرمی سے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سب کا رجوع دار العلوم کی طرف ہے۔ یہ اس ماحول کے آثار ہیں وہاں کی غیبی طاقت ہے کہ سب کا تعلق اور رجوع اس مرکز کی طرف ہے۔ وہاں کے فضلاء کہتے ہیں کہ جب ہم دار العلوم سے جدا ہوئے تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے ماں کی گود سے جدا ہونے کی حالت ہے گویا ایک جاذبیت ہے' روحانیت ہے اور دار العلوم مرکز روحانیت بن گیا ہے۔

دار العلوم کی شان تجدید

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جو حدیث شریف میں آتا ہے "ان اللہ یبعث لھذالامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" (الحدیث) ہر ایک صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد آئے گا جو دین کو نکھارے گا۔ عقائد و اعمال اور کلیات دین میں لوگ جو فرق و خرابی ڈالیں گے۔ مجدد ہر صدی میں آکر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دے گا۔ تو فرمایا کہ مجدد کیلئے فرد واحد ہونا شرط نہیں جماعت بھی مجدد بن سکتی ہے اور فرمایا کہ دار العلوم کے بانی حضرات حضرت نانوتوی رحمہ اللہ' حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ ان سب کی حیثیت مجدد کی سی ہے اور ان حضرات کا مظہر اتم دار العلوم ہے۔ گویا دار العلوم کی حیثیت مجدد کی سی ہے جس نے بدعت سنت کو الگ الگ کیا دین کو خلط ملط وغل' وغش سے پاک صاف کر دیا۔ مسائل میں جو خلط لوگوں نے کیا تھا۔ اسے نکھار' نکھار کر پاک صاف رکھ دیا یہ ایک کیفیت ہے دار العلوم کی۔

مرکز اتحاد

مادی چیزوں میں تغیر اور انتشار ہوتا ہے روحانیت میں قدرتی طور پر اجتماع ہوتا ہے اور دار العلوم کی بنیاد روحانیت پر ہے مادہ کا خاصہ ہی تغیر ہوتا ہے اور روحانیت میں ایسا نہیں ہوتا ایک

شخص کے مرید ایک استاد کے شاگرد قدرتی طور پر مجتمع رہتے ہیں۔ آپس میں جڑے رہتے ہیں اسی طرح دارالعلوم کے فضلاء کے قلوب ایک مرکز سے وابستہ ہیں اور حقیقی طور سے وابستہ ہیں۔

جو اتحاد کا مرکز ہے تو قدرتی طور پر ان کا آپس میں اتحاد قائم ہے۔ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے سنا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ جب تک حیات تھے ان کی سرپرستی دارالعلوم کو حاصل تھی تو کیفیت یہ تھی اور ہماری حالت یہ تھی کہ لوگ اختلاف کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے ہمارے دلوں میں افتراق کا خیال بھی نہیں آتا تھا اور جب ان کی وفات ہوئی اور حضرت گنگوہی کی سرپرستی آئی تو اگر کچھ اختلافات اٹھتے بھی مگر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی روحانیت کی وجہ سے ختم ہو جاتے ان کی روحانی طاقت انہیں دبا دیتی اور قوت مجتمع رہتی۔

تنظیم کی ضرورت

پھر خلفاء کے زمانے میں مراکز الگ الگ ہوئے مرکز خلفاء بن گئے مگر قوت مجتمع تھی۔ مریدین آپس میں مجتمع تھے۔ اس وقت سوال پیدا ہوا کہ مراکز کے اختلافات کی وجہ سے رسمی طور سے تنظیم ہونی چاہئے تاکہ رسمی طور پر بھی ایک اتفاق پیدا ہو جائے۔ ایک نظام اور تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مرکز پر سب متحد رہیں ورنہ مشائخ کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے صورت اختلاف تشتت وظاہری پراگندگی کی نمایاں ہو جاتی ہے گو وہ درحقیقت مذموم نہ ہو۔

اس وقت بزرگوں کے دلوں میں وارد ہوا کہ تنظیم ابنائے دارالعلوم دیوبند ہونی چاہئے۔ یہ تنظیم ابنائے قدیم آج کی نہیں ہاں زیادہ قوت اس تنظیم میں ابھی چند سال ہوئے کہ پیدا ہوئی ورنہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے میرے والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب مرحوم کے زمانہ میں جبکہ دارالعلوم ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی ضرورت محسوس کی۔ زیادہ قوت سے ان کی ضرورت اب محسوس کی گئی۔ یہ تنظیم کوئی سیاسی تنظیم نہیں نہ سیاسی مقاصد اسکے ساتھ متعلق ہیں۔

مقصد تنظیم

بلکہ اس تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ فضلاء دینی علمی قابلیتوں سے عظیم کام انجام دے رہے تھے ان کو منظم کیا جائے تاکہ زیادہ موثر ثابت ہو سکیں۔ آج ہزاروں کی تعداد میں دارالعلوم کے فضلائے

ہیں۔ فیض یافتہ ہیں جو دین کو سنبھالے ہوئے ہیں مختلف ممالک میں اس کے فضلاء پھیلے ہوئے ہیں۔

جہاں تک مدارس کا تعلق ہے کوئی قصبہ ایسا نہیں جو ان سے خالی ہو ان سو برس میں جتنی خدمت اس ادارے نے کی کوئی نظیر اس کی نہیں۔ جہاں تک تصانیف کا تعلق ہے ہزار ہا ہزار تصانیف اس جماعت کی مختلف مسائل پر موجود ہیں۔ ایک حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا جائے تو ایک ہزار تصانیف اپنے ترکے میں چھوڑ گئے۔ ہر زبان میں تصانیف ہر علم میں ہر فن میں تصنیفات موجود ہیں نظم میں موجود ہیں' نثر میں موجود ہیں۔ اسکے علاوہ ایک ہزار کے قریب مواعظ الگ چھوڑ گئے۔ کچھ چھپ گئے ہیں کچھ باقی ہیں۔ گویا ایک ایک فرد نے ایک ایک امت کے برابر کام کیا ہے۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مرید و متوسل ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ اسی طرح حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے ہزار ہا ہزار شاگرد' مریدین اور متوسلین ملک کے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مریدین ہزاروں' لاکھوں کی تعداد میں الگ پھیلے ہوئے ہیں۔ سب اپنے رنگ میں دین کا کام کر رہے ہیں۔ حدیث' فقہ' فتویٰ' تفسیر' عمل جہاد ہر میدان میں اس جماعت کے لوگ نمایاں نظر آئیں گے۔ غرض یہ کہ ہزاروں لاکھوں افراد کے ایمان کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ کام سب سے بڑھ کر خدمت کے میدان میں تمام جماعتوں سے آگے اور زیادہ۔ ہر دیہات میں کوئی نہ کوئی فاضل موجود ہے۔ شہرت نہیں' اخباروں اور رسالوں میں نام نہیں مگر ہزاروں کے ایمان کو سنبھالے اور خود بھی سنبھلے ہوئے ہیں۔

تنظیم خدمات

لہٰذا اسی مقصد کیلئے شعبہ تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی تا کہ دارالعلوم کی روحانی ذریت کے کارنامے منضبط ہو سکیں۔ مقصد خدمات کی تنظیم ہے افراد کی تنظیم نہیں۔ اس کیلئے ایک فارم تیار کیا گیا جس کی سرخیاں میں نے خود لکھیں کہ ہر فاضل اس کی خانہ پری کر کے بھیج دے اس کی مدت فراغت اور کہاں اقامت ہے۔ تصنیف و تالیف کے کیا اور کون سے کام کئے جائے سکونت اور بیعت وارشاد کے بارے میں سوالات لکھے گئے۔ الحمدللہ کہ ڈھائی تین ہزار فارم پر ہو کر آ گئے اور یہ خدمت اور کارنامے اگر کتابی شکل میں شائع ہو گئے تو

معلوم ہو جائے گا کہ ان حضرات نے دنیا کو دین و ایمان سے بھر دیا ہے اور پھر ان حضرات کے وعظ و ارشاد، تعلیم و تبلیغ سے اور ہزاروں متکلم، خطیب، شیخ طریقت، واعظ مبلغ تیار ہوئے۔

وسعت دار العلوم

دار العلوم اس چار دیواری کا نام نہیں اس تمام نظام، مسلک تحریک اور خدمات کا نام ہے جو ہند و بیرون ہند میں قائم ہے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے ذکر کیا کہ بریلی میں ایک مدرس ہیں۔ جو دار العلوم کے نمایاں فاضل ہیں انہیں دار العلوم میں بلالیں مولانا خاموش رہے، چپ ہو گئے۔ تین دفعہ عرض کیا گیا، پھر عرض کیا کہ آپ کیوں رکاوٹ کرتے ہیں فرمایا ان کو بلانا غلط ہے۔ اس لئے کہ جو فاضل جہاں بیٹھا ہے۔ وہاں دار العلوم دیوبند قائم ہے اسی طرح گویا ہر شہر و قصبہ میں دار العلوم قائم ہے یہ دار العلوم دیوبند کی وسعت ہے آپ فاضل کو بلا کر دار العلوم کے دائرے کو سمیٹ کر محدود کر رہے ہیں اور میں سمیٹنا نہیں چاہتا یہ ساری روحانی اولاد اسی دار العلوم کی ذریت ہے کسی کا ایک بچہ رہ جاتا ہے کسی کے دو کسی کے تین۔ دار العلوم کے لاکھوں بیٹے ہیں۔ لاتعداد اولاد ہے اور جائز اولاد ہے۔ ترکے اور میراث کے وارث ہیں اور یہ ترکہ اخلاق ہیں۔ اعمال ہیں، علوم ہیں، معارف ہیں جو انبیاء کا ترکہ ہوتا ہے اور اس ترکہ میں ہر ایک کو بقدر ظرف حصہ ملا ہے۔

معیار اہتمام

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ جو دار العلوم دیوبند کے مہتمم اور امی محض تھے منقطع عن الخلائق صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے بلا کر مجبور کیا دار العلوم کے اہتمام کیلئے فرمایا! میں تو محض امی ہوں نہ لکھنا جانتا ہوں، نہ پڑھنا۔ فرمایا اس کا تعلق لکھنے پڑھنے سے نہیں بلکہ قلب سے اس چیز کا تعلق ہے۔ چنانچہ مولانا اہتمام کیلئے بیٹھ جاتے اور جو کچھ لکھواتے لکھ دیا جاتا اور اس پر مولانا کی مہر لگائی جاتی تھی بہر حال حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ ادارہ بڑا ہے میں اس ذمہ داری کو کس طرح سنبھال سکوں گا اور اتنا تحمل کس طرح کر سکوں گا۔

معیار طلبا

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے اہتمام کے زمانے میں دار العلوم میں پچاس ساٹھ طالب علم تھے چوبیس پچیس طلبہ مطبخ سے کھانا لیتے تھے۔ یہ کل کائنات تھی۔ حضرت مولانا دار العلوم کے احاطہ مولسری میں کھڑے تھے ایک طالب علم شوربہ کا پیالہ لایا اور غصہ سے مولانا کے سامنے پٹخ دیا اور کہا کہ یہ سالن ہے یا پانی ہے یہ کھانا مطبخ سے کھلاتے ہو؟ بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال کیئے۔ کہا کہ یہ ہے آپ کا اہتمام؟ مولانا نے تین مرتبہ سر سے پاؤں تک اس طالب علم کو دیکھا اور فرمایا یہ مدرسہ کا طالب علم نہیں۔

لوگوں نے کہا مدرسہ کا طالب علم ہے' یہاں مقیم ہے' مطبخ سے کھانا لیتا ہے فرمایا کچھ بھی ہو مدرسہ کا طالب علم نہیں' طلبہ چپ رہے دو تین دن کے بعد تحقیق سے معلوم ہوا کہ واقعی مدرسہ کا طالب علم نہیں تھا۔ اس نام سے دھوکہ دے کر مدرسہ سے کھانا لینے کیلئے داخل ہوا تھا اہل مدرسہ نے آپ سے پوچھا۔ حضرت آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ مدرسہ کا طالب علم نہیں۔ فرمایا کہ جب مدرسہ کا اہتمام میرے سپرد ہوا پریشانی ہوئی کہ کس طرح یہ کام سنبھالوں گا اس عالم میں رات کو خواب دیکھا۔

صاحب دل اور عارف ربانی تھے اور صاحب دل کا خواب آدھا خواب اور آدھا کشف ہوتا ہے۔

تو فرمایا کہ میں نے مولسری کے کنویں کو دیکھا کہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی من پر بیٹھ کر دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔

کسی کو لوٹا بھر کر دے رہے ہیں' کسی کو دیگ میں' کسی کو بالٹی میں مل رہا ہے اور کوئی پیالہ بھر رہا ہے اور جس کے ساتھ برتن نہیں تو چلو میں ہی پی کے چلا گیا۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق لوگ دودھ بھر کے لے جا رہے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد ہے آنکھ کھل گئی تو میں نے مراقبہ کیا تعبیر کیلئے منکشف ہوا کہ یہ کنواں صورت مثالی ہے علم کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صورت مثالی ہیں قاسم العلم کی جو تقسیم کر رہے ہیں علم کی اور یہ لے جانے والے طلبہ ہیں جو بقدر ظرف لیتے جا رہے ہیں۔ اب اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا نے فرمایا کہ جب شوال کا داخلہ ہوتا ہے تو میں فوراً طلبہ کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ طلبہ کے اس مجمع میں موجود تھا اب جب یہ

طالب علم آیا تو میں نے اوپر سے نیچے تک اس پر نگاہ ڈالی معلوم ہوا کہ یہ اس مجمع میں نہیں تھا۔

الہامی طریقے سے اس کا علم ہوا معلوم ہوا کہ دارالعلوم کے طلبہ کا انتخاب بھی خدا کی طرف سے ہوتا ہے جہاں بھی کام کرتے ہیں غالب آتے ہیں۔ غلبہ پر ایک واقعہ یاد آیا مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانے میں چودہ طالب علم دورہ حدیث میں تھے۔ دستار بندی کی تجویز ہوئی۔ یہ دارالعلوم کا دوسرا جلسہ تھا ہمیں بھی پگڑی باندھنے کا ارادہ کیا گیا تو ان چودہ طالب علموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جلسہ کو رکوانے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ ہم امیوں کو پگڑی بندھوائی جائے گی اور ہم اہل نہیں جس سے مدرسہ کی بدنامی ہوگی۔ غرض ان چودہ طالب علموں نے مولانا تھانوی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ جا کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی سے جلسہ رکوانے کی درخواست پیش کریں۔ حضرت مولانا یعقوب دارالعلوم کے اول صدر مدرس تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ جب ان کی خدمت میں پہنچے تو مولانا محمد یعقوب صاحب مطالعہ فرمارہے تھے کتابوں کا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ہیئت بھی اس وقت کی بتلادی کہ میں جب حجرہ میں گیا تو ڈسک پر کتاب رکھی ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور بہت گہرے طریقے سے مطالعہ کررہے تھے کتابوں کا نگاہ اٹھائی ان کا رعب اتنا تھا کہ ہر ایک برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ پوچھا خیر تو ہے کیسے آنا ہوا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے درخواست پیش کی کہ دیوبند میں جلسہ دستار بندی کا ہورہا ہے اگر یہ حکم ہو تو تعمیل سے انکار نہیں اور اگر کہنے کا موقع ہو تو ہماری درخواست ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں۔ نالائق ہیں پورا مدرسہ اور ہمارے اکابر واساتذہ بدنام ہوجائیں گے جلسہ روک دیا جائے اور ہماری نالائقیوں سے پردہ نہ ہٹایا جائے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عیوب پر پردہ ڈالا جائے سن کر حضرت محمد یعقوب صاحب کو جوش رحمت آیا فرمایا یہ تمہاری نالائقی کا احساس تمہاری سعادت مندی کی علامت ہے۔

جب آدمی میں اپنی نالائقی کا احساس آجائے تو یہ اس کے کمال وفضیلت اور سعادت مندی کی دلیل ہے اور ہم جو یہ جلسہ کریں گے تو وہاں اعلان کریں گے کہ فیما بیننا وبین اللہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہمارے نزدیک اہل ہیں قابل ہیں اور جس کی مرضی ہو ان کا کسی فن میں بھی امتحان لے لے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم لوگ اور بھی ڈر گئے کہ

آئے تھے جلسہ رکوانے کیلئے اور یہاں امتحان دینے کا الگ کہا گیا بہر حال ہم وہاں سے چلے گئے۔ جاتے وقت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے ایک جملہ فرمایا کہ دنیا گدھوں سے بھری پڑی ہے جہاں بھی تم جاؤ گے وہاں تم ہی تم ہو گے تمہارا ہی غلبہ ہو گا حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تجربہ کیا کہ جہاں گئے ہمیں ہم نظر آئے جہاں گئے غالب ہی غالب رہے کیونکہ حق ہی کو غلبہ ہے۔ "الحق یعلوا ولا یعلی" غالبیت کیلئے حق ہے اور مغلوبیت کیلئے باطل ہے بہر حال یہ ہے فضلاء دیوبند کی تنظیم جو دراصل خدمات کی تنظیم ہے۔

تنظیم کے فوائد

دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ کچھ خدمات مرکز کی ہیں کچھ فضلاء کی دونوں کے سامنے خدمات ہیں۔ اس واسطے بھی تنظیم ہونی چاہئے کہ مرکز کو فضلاء کی خدمات کا پتہ لگے اور فضلاء کے سامنے مرکز کی خدمت آتی رہیں اگر فضلاء کو کسی مدد کی ضرورت وحاجت ہو تو ادھر مرکز کو پتہ لگے اور اس کیلئے سوچے اور مرکز کی ضرورتوں کا علم فضلاء کو ہو غرض جانبین سے ایک رابطہ قائم رہے گا ہندوستان میں دیکھا گیا کہ فتنے اٹھتے ہیں علمی فتنے، عملی فتنے اور ہر قسم کے فتنے اٹھتے ہیں فضلاء دیوبند نے مقامی طور پر ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور ان فتنوں کو مغلوب کیا۔ مرکز کو پتہ نہیں کہ فضلاء نے کیا خدمات انجام دیں اور فضلاء کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ہم بڑے بڑے کام کر رہے ہیں۔ لیکن مرکز ہماری خبر نہیں لیتا، ہماری تحسین نہیں کرتا تو اس غرض سے تنظیم کا سلسلہ قائم کیا گیا کہ اگر ضرورت پڑے گی تو آپس میں اجتماعی آواز ہو گی ان کی حمایت میں آواز اٹھے گی یا مرکز کوئی شخص ان کی امداد کیلئے بھیج سکے گا۔ جماعتی آواز کا اثر اور طاقت ہو گی، دین کا فائدہ ہو گا، قوم کو فائدہ ہو گا تو یہ تنظیم خدمات کی ہے اور افراد کی نہیں۔ اس صورت میں خدمات زندہ جاوید رہیں گی۔ منظم ہونا قوم کو ہر حیثیت سے مفید رہے گا باہمی تعاون جاری رہے گا۔ خدمات کا انضباط کیا جاسکے گا کہ کہاں کہاں اور کیا کیا خدمات انجام دی جارہی ہیں اس کی ضرورت اس وجہ سے بھی پیش آئی کہ مختلف چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے دعوے بڑے بڑے کئے اور کام بہت تھوڑا کیا بالکل نہیں کیا معمولی خدمات مگر نمائش زیادہ ہمارے ہاں کام ہوتا ہے مگر نہ اخبارات، نہ اشتہارات اور دعویٰ یہ

لوگ کرتے ہیں کہ ہندوستان کو ہم نے سنبھالا ہے ہمارے اکابر کے ہاں کام ہے نام نہیں' پروپیگنڈہ نہیں لوگ چھوٹی چھوٹی خدمات اخبارات میں دیتے ہیں' میں سوچا کرتا ہوں کہ دارالعلوم میں روزانہ جلسے ہوتے ہیں لیکن کسی کو خبر نہیں ہوتی جتنے لوگ اشتہارات منصوبوں اور پروگرام کے بعد کسی جلسے میں جمع ہوتے ہیں وہاں بلا کسی منصوبہ آئے دن اتنے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں مگر پروپیگنڈہ بہت ہے کام کے درجہ میں صفر ہوتے ہیں کئی لوگ دارالعلوم کو جاننے والے نہیں کہ کیا خدمات انجام دیں اس تنظیم میں ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مرکز میں بھی انبساط ہوگا اور فضلاء کا دل الگ بڑھے گا۔ خدمتیں نمایاں ہو کر سامنے آئیں گی اور بھی کئی قسم کے فوائد ہیں یہ صورت پیش آئی کہ تنظیم ہونی چاہئے اس کیلئے کئی قواعد وضوابط منضبط کئے گئے تنظیم کو صوبہ وار پھر ضلع وار رکھا گیا کہ فضلاء دارالعلوم علاقہ وار جمع ہو کر ایک کو ذمہ دار مقرر کریں' صدر بنائیں۔ سیکرٹری منتخب کریں یہ خیال زیادہ اس وجہ سے بھی پیدا ہوا کہ اکابر نے ارادہ کیا۔ ایک جلسہ دستار بندی کا بھی ہوجائے۔

اجلاس صد سالہ

تقریباً پچاس برس سے جلسہ دستار بندی نہیں ہوا۔ ۱۳۲۸ھ سے لے کر اب تک درج رجسٹر فضلاء کی تعداد چھ ہزار تک ہے۔ ان چھ ہزار علماء کی دستار بندی کرائی جائے اس واسطے اشتہارات جاری کئے گئے ایک مستقل دفتر قائم کیا گیا اس تنظیم کے نظم ونسق کو سوچیں ترتیب دیں۔ اس کے اعلانات جاری کئے گئے تو ملک میں اس کا شہرہ ہوا۔ ملک میں اس کا شدید انتظار ہے۔ بیرون ملک کے لوگ بھی منتظر ہیں کیونکہ ان میں حجازی بھی ہیں۔ ایشیاء' سماٹرا' ملایا' چینی' ترکستانی' ایسٹ افریقہ' افغانستان کے فضلاء ہزاروں کی تعداد میں ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں جب جلسہ ہوگا تو ایسی صورت میں گورنمنٹ کے سامنے ویزوں کیلئے درخواست دینی ہوگی۔ متعلقہ حکومتوں سے اجازت لینی ہوگی اس کے ساتھ مصارف کا تخمینہ اور ساتھ ہی ساتھ آمدنی کا اندازہ وغیرہ اہم امور ہیں کیونکہ حاضرین کا اندازہ ڈیڑھ دولاکھ سے کم نہ ہوگا پورے ملک میں انتظار ہوگا ہم لوگ اس پریشانی میں مبتلا ہیں کہ دیوبند کی آبادی تیس ہزار ہے اور اگر دولاکھ آدمی آجائیں تو اس مختصر آبادی میں کس طرح سماسکیں گے کہاں بسیں گے۔ ہر ایک فاضل کو پگڑی

باندھنی ہوگی اور اگر دس روپے فی پگڑی ہو تب بھی پچاس ساٹھ ہزار روپے صرف پگڑیوں کے مصارف ہوں گے اور اگر یہ بھی آسان ہو جائے تو اس کے باندھنے کا مسئلہ ہے تو یہ تقریباً پانچ ہزار پگڑیاں باندھنا آسان کام نہیں۔ کل دستاری بندی کے وقت ہمارے مولانا عبدالحنان صاحب (ہزاروی) نے خوب جملہ چسپاں کیا کہ یہ پگڑیاں ہیں۔ یا سوٹہ بازی ہے میں نے کہا کہ پگڑیاں بھی کلف دار ہیں اور باندھنے والے بھی مکلف ہیں اور پگڑیاں بھی ذرا مکلف ہونی چاہئیں۔ کلف لگا ہوا ہو' یہ بھی صورت ہے کہ اس وقت پیچ و خم نہ ہو بلکہ پہلے سے باندھ کر رکھ دی جائیں (یہ جملے حضرت نے مزاحاً فرمائے) خیر ان حالات کی وجہ سے یہ جلسہ ذرا موخر کیا گیا مجلس شوریٰ میں یہ بھی بحث میں آیا کہ دارالعلوم کے سو سال پورا کرنے میں ایک سال باقی ہے تو پورا ہونے پر سو سالہ جشن منایا جائے۔ بہر حال منصوبہ ہے' تجویز ہے باقی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد پر منحصر ہے۔ وسائل جمع کرنے کیلئے سوچ رہے ہیں کہ ہند و بیرون ہند کے دو ڈھائی لاکھ افراد جمع ہو سکیں اور انعقاد کیا جا سکے۔ یہ تنظیم کی غرض و غایت ہے۔

یہ چند باتیں تنظیم کے بارے میں ذکر کی گئیں۔ یہاں آج اس مجلس میں اس صوبہ کے فضلاء اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ مقاصد پر غور کیا جائے میں تو دیکھ کر خوش ہونے والوں میں ہوگا۔ اب کام کرنا ان حضرات کو ہوگا کام آپ حضرات ہی کا ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام)

الہامی درسگاہ

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بھائی! یہ مدرسہ الہامی مدرسہ ہے اس کا آغاز بھی الہام سے ہوا ہے اس کی تعمیر بھی الہام سے ہوئی اور طلبا کا داخلہ بھی الہام سے ہی ہوتا ہے بلکہ بعض واقعات سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس کے اساتذہ کا تقرر اور تعین بھی خاص زاویوں میں ہوتا ہے اور یہاں کی خدمت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔ اس مدرسہ کا آغاز اور مدرسوں کی طرح کسی رسمی مشورے سے نہیں ہوا بلکہ وقت کے اکابر و مشائخ کا ایک اجماع سا ہے۔

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ دارالعلوم کی تاسیس کے وقت میں کسی کو کشف ہوا کہ یہاں پر ایک دینی مدرسے کی بنیاد ڈالنی چاہئے۔ کسی نے خواب میں دیکھا کہ یہاں

پر ایک مدرسہ کا قیام ہونا چاہئے کسی پر القا ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام کا تحفظ دینی اداروں سے ہی ہوسکتا ہے اسی طرح تعمیر کے وقت بنیاد کھودنے کیلئے کچھ نشانات لگا دیئے گئے جتنا احاطہ اب ہے اس سے آدھے پر نشان لگایا گیا تھا۔ (ج ۹)

الہامی اہتمام

دارالعلوم کے سب سے پہلے مہتمم حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ تارک الدنیا اور نہایت ہی قوی النسبت بزرگ تھے۔ نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ کتاب پڑھ سکتے تھے۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے انہیں بلایا اور اہتمام پیش کیا آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ میں نہ تو لکھنا جانتا ہوں نہ پڑھنا مجھے مہتمم بنا کر کیا کیجئے گا۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا نہیں۔ منجانب اللہ یہی مقدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی اہتمام قبول کریں۔ چنانچہ آپ نے قبول فرمالیا۔ (ج ۹)

دارالعلوم دیوبند کے انتظام وانصرام کا امتیاز

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس ادارہ کے اصول وفروع بھی الہامی طور پر واقع ہوئے ہیں۔ مجھے اپنے ۲۵'۲۶ سال کے زمانہ اہتمام کا تجربہ ہے اس دوران میں یہ چیز نہایت شدت سے محسوس ہوتی رہی ہے کہ کوئی غیبی طاقت ہے جو اس ادارہ کو چلا رہی ہے اور اس کا دارومدار ظاہری جدوجہد سے بالاتر کوئی باطنی قوت ہے جو اس کو تھامے ہوئے ہے' ہمارے اندر بہت سی خامیاں ہیں مگر اکابر کا فیض ہے کہ کام برابر چل رہا ہے ورنہ آج کے دور میں علوم دینیہ کا ذوق رکھنا ایسا ہی ہے جیسے پہلے زمانہ میں ملامیہ فرقہ تھا۔ اسی طرح آج جس کو ملامت سننی ہو وہ مولوی ہوجائے۔ عدم اعتناء دین کے اس دور میں جبکہ علوم دینیہ سے شدید بعد پیدا ہوچکا ہے۔ اس دارالعلوم کا قائم رہنا اور ترقی کرتے رہنا یہ اس کی علامت ہے کہ یہ منجانب اللہ قائم ہے چنانچہ جب کبھی مخالفین کی جانب سے ایسی سعی کی گئی کہ چندہ نہ آئے تو اس سال نسبۃً زیادہ آیا اور مخالفین کو اپنے مقصد میں شرمندگی اٹھانی پڑی۔ یہ واقعہ ہے کہ اس دور پرفتن میں دارالعلوم کا قائم رہنا

اسباب کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ غیبی امداد واعانت ہے جو اس کو چلا رہی ہے۔

مدرسین کا اخلاص

غالباً ۱۳۴۹ھ کا واقعہ ہے اور یہ پہلا سال ہے میرے اہتمام کا' مولوی گل محمد خان صاحب جو خزانہ کے تحویلدار اور تقسیم تنخواہ کے ذمہ دار تھے۔ رجب کی آخری تاریخ میں میرے پاس آئے اور بتلایا کہ خزانہ میں ایک پائی نہیں ہے اور کل پرسوں کو ڈھائی ہزار روپیہ تنخواہ کی صورت میں تقسیم کرنا ہے۔ میں نے کہا فکر کی کیا بات ہے جس کا کام وہ خود چلائے گا۔ ان کو رخصت کر کے حضرات مدرسین کو میں نے کوٹھی پر بلا کر دریافت کیا کہ آپ دارالعلوم میں کیوں پڑے ہوئے ہیں اور کیا مقصد ہے؟ آیا دین کی خدمت مقصود ہے یا تنخواہ حاصل کرنا۔ سب نے بیک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہمارا مقصد اس مقدس امانت کی خدمت ہے جو اکابر نے ہمیں سونپی ہے۔ حاشا وکلا تنخواہ پر کبھی ہماری نظر نہیں رہی۔ میں نے کہا اگر تنخواہ نہ ملے تو آپ کیا کریں گے؟ جواب دیا کہ فاقے کریں گے اور پڑھائیں گے۔ میں نے کہا الحمدللہ اب آپ مطمئن رہیں۔ دارالعلوم بھی انشاء اللہ چلے گا اور آپ کی تنخواہیں بھی ملتی رہیں گی۔ خزانہ میں اس وقت ایک پیسہ نہیں ہے۔ دعا کیجئے کہ اکابر کی اس امانت کے باقی رکھنے میں اللہ تعالیٰ ہمیں رسوائی سے بچائے۔ سب نے مل کر خشوع خضوع کے ساتھ دعا کی جس کا اگلے دن یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ ابھی تقسیم تنخواہ کا وقت نہ آیا رکاوٹ اور موانع اتنے ہوں گے کہ کوئی ایمان میں شک ڈال رہا ہے کوئی دل میں تردد پیدا کر رہا ہے کہیں کفار' کہیں منافقین' کہیں نفس کے جذبات ہزاروں رکاوٹیں موجود اور دواعی جو تھے ایمان کے کہ وحی اور رسول کا سامنے ہونا وہ ہے نہیں پھر بھی ایمان پر جمے ہوئے ہیں تو ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۹)

علماء کے ذمہ طلباء کی نگہداشت ضروری ہے

فرمایا مدرسہ بناؤ اور اس میں تربیت اخلاق اور تعلیم سلوک کا کام کرو کہ وہی حقیقی مدرسہ بھی ہوگا اور وہی خانقاہ بھی ہوگی۔ پس حقیقی مدرسہ وہ ہے جس میں علم کے ساتھ عمل کی بھی تعلیم اور نگہداشت ہو۔ پس اے مدرسہ والو! تم اپنے مدرسوں کی سنبھال کرو اور ان کو حقیقی

مدرسہ بناؤ یعنی طلبا کے اعمال کی بھی نگہداشت کرو ورنہ یاد رکھو "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" کے قاعدہ پر آپ سے اس کے متعلق سوال ہوگا کیونکہ آپ طلبا کے نگہبان ہیں اور وہ آپ کی رعایا ہیں۔ پس یہ جائز نہیں کہ آپ طلباء کو سبق پڑھا کر الگ ہو جائیں بلکہ یہ بھی دیکھتے رہو کہ ان میں سے کون علم پر عمل کرتا ہے اور کون عمل نہیں کرتا جس کو عمل کا اہتمام ہو اسے پڑھاؤ ورنہ مدرسہ سے نکال باہر کرو جب تو آپ کا مدرسہ واقعی دارالعلوم ہوگا ورنہ دار علم بلغت فارسی ہوگا کہ اس میں علم کو سولی دی گئی ہے۔ (مظاہر الامال)

دارالعلوم دیوبند کی خدمات کا مختصر تذکرہ

دارالعلوم دیوبند نے ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء تا ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء تک صرف سو سال میں ۵۳۶ مشائخ طریقت، ۵۸۸۸ مدرسین، ۱۱۶۴ مصنفین، ۱۷۸۴ مفتی، ۱۵۴۰ مناظر، ۶۸۴ صحافی، ۴۲۸۸ خطیب و مبلغ، ۲۸۸ طبیب، ۴۷۸ ماہرین صنعت و حرفت، ۸۹۳۶ مدارس و مکاتب قائم کئے۔

یہ وہ حضرات تھے جو ہر فن میں اعلیٰ اور عملی صلاحیتوں کے حامل تھے اور مذکورہ خاص عنوانات پر ان کی خدمات رہتی دنیا تک امت کیلئے رہنما ہوں گی۔

اس کے برعکس دارالعلوم دیوبند نے علم و ادب کے ہر شعبے میں وہ نامور ہستیاں پیدا کیں جو اپنے وقت میں اپنے فن کے امام ہیں، دارالعلوم دیوبند نے اشاعت اسلام میں جو کردار ادا کیا آج دنیا کا کونہ کونہ اور ہر مسلمان کا دل اس عظیم ادارہ کی خدمات پر جذبات تشکر سے لبریز ہے۔ (چراغ محمد)

دارالعلوم دیوبند اور نصرت خداوندی

دارالعلوم دیوبند کی آمدنی میں ہمیشہ مدوجزر رہتا آیا ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دارالعلوم میں اتنی زیادہ آمدنی ہوتی ہو جس کو دیکھ کر منتظمین دارالعلوم مطمئن ہو جائیں اور نہ کبھی ایسی کمی ہوئی کہ آمدنی نہ ہونے سے دارالعلوم کے ضروری کام رک جائیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے رجب ۱۳۶۶ھ کے جلسہ تقسیم انعام میں اپنے زمانہ اہتمام کا جو تجربہ بیان کیا وہ حضرت ممدوح کے الفاظ میں یہ ہے:۔

''مجھے اپنے ۲۵۔۲۶ سال کے زمانہ اہتمام کا جو تجربہ ہے اس میں یہ چیز نہایت شدت کے ساتھ مجھے محسوس ہوتی رہی ہے کہ کوئی غیبی طاقت ہے جو اس ادارے کو چلا رہی ہے اور اس کا دارومدار ظاہری جدوجہد سے بالاتر کوئی غیبی قوت ہے جو اس کو تھامے ہوئے ہے گو ہمارے اندر بہت سی خامیاں ہیں مگر اکابر کا فیض ہے کہ کام برابر چل رہا ہے عدم اعتناء دین کے اس دور میں جب کہ علوم دینیہ سے شدید بعد پیدا ہو چکا ہے اس دارالعلوم کا نہ صرف قائم رہنا بلکہ ترقی کرتے رہنا بلاشبہ اس کی علامت ہے کہ یہ من جانب اللہ قائم ہے۔ چنانچہ جب کبھی مخالفین کی جانب سے ایسی سعی کی گئی کہ چندہ نہ آئے تو اس سال میں چندہ نسبتاً زیادہ ہی آیا اور مخالفین کو اپنے مقصد میں شرمندگی اٹھانی پڑی یہ واقعہ ہے کہ اس دور پرفتن میں دارالعلوم کا قائم رہنا اسباب کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ غیبی امداد واعانت ہے جو اس کو چلا رہی ہے غالباً ۱۳۴۹ھ کا واقعہ ہے اور یہ میرے اہتمام کا پہلا سال تھا۔

مولوی گل محمد خاں صاحب جو خزانہ کے تحویل دار تھے اور تنخواہ کی تقسیم کا کام اُن سے متعلق تھا رجب کی آخری تاریخ میں میرے پاس آئے اور بتلایا کہ خزانہ میں ایک پائی نہیں ہے اور پرسوں کو ڈھائی ہزار روپے تنخواہ کا تقسیم کرنا ہے میں نے کہا ''اس میں فکر کی کیا بات ہے جس کا کام ہے وہ خود چلائے گا''

اُن کو رخصت کر کے میں نے حضرات مدرسین کو بلا کر دریافت کیا کہ آپ دارالعلوم میں کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ اور کیا مقصد ہے؟ آیا دین کی خدمت مقصود ہے یا تنخواہ حاصل کرنا؟ سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہمارا مقصد اس امانت کی خدمت ہے جو اکابر نے ہمیں سونپی ہے حاشا وکلاء تنخواہ پر کبھی ہماری نظر نہیں رہی'' میں نے کہا'' اگر تنخواہ نہ ملے تو آپ کیا کریں گے؟'' جواب دیا کہ فاقے کریں گے اور پڑھائیں گے! میں نے کہا الحمد للہ! آپ مطمئن رہیں دارالعلوم بھی ان شاء اللہ چلے گا اور آپ کو تنخواہ بھی ملتی رہے گی خزانے میں اس وقت ایک پیسہ نہیں ہے دعا کیجئے کہ اکابر کی اس امانت کے باقی رکھنے میں اللہ تعالیٰ ہمیں رسوائی سے بچائے''

سب نے مل کر خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کی جس کا اگلے ہی دن یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ ابھی تنخواہ کی تقسیم کا وقت بھی نہ آیا تھا کہ حق تعالیٰ نے ڈھائی ہزار روپے بھیج دیئے دو ہزار

کلکتہ کے ایک تاجر نے بیمہ کے ذریعہ سے بھیجے تھے اور پانچ سو میرٹھ کے ایک مشہور آرمی کنٹریکٹر خاں صاحب رشید احمد خاں نے خود دارالعلوم میں تشریف لا کر عطا فرمائے۔

غرضیکہ دارالعلوم کی بناء بھی غیبی امور کے اوپر ہے اور کاموں کا انصرام بھی من جانب اللہ ہے۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔

فیض دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ (بانی دارالعلوم دیوبند) سات برس کی عمر تھی۔ حضرت نے خواب دیکھا کہ:۔

''میں بیت اللہ شریف کی چھت پر کھڑا ہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں کی دسوں انگلیوں سے اطراف عالم میں نہریں جاری ہیں اور پانی بہہ رہا ہے''

حضرت نانوتویؒ کے ماموں مولوی عبدالسمیع مرحوم جو فارسی کے بڑے اچھے عالم اور متقی تھے حضرتؒ نے ان کے سامنے اپنا یہ خواب بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم سے علوم نبوت اطراف عالم میں پھیلیں گے۔

اب اس وقت کوئی کیا سمجھ سکتا تھا کہ نانوتہ ایک معمولی سی بستی جہاں نہ کوئی عالم نہ فاضل اس میں ایک سات برس کا بچہ خواب دیکھ رہا ہے اور اتنا بڑا خواب کہ دنیا جہان میں میرے سے علم پھیل رہا ہے۔ حضرت نے جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تب لوگوں نے یاد دلایا کہ یہ اس خواب کی تعبیر ہے جو آپ نے سات برس کی عمر میں دیکھا تھا۔

ف: دارالعلوم دیوبند فی الحقیقت علم کا ایک سمندر ہے جس کی نہریں اطراف عالم میں جاری ہیں اور پھیل رہی ہیں اور لوگ اپنی اپنی بساط کے مطابق فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام)

دیوبند میں مدرسہ کا قیام

اللہ تعالیٰ نے ایک بندے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے دل میں بات ڈالی کہ مال مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا تاہم ملنے کی امید ہے' حکومت ہاتھوں سے نکل

گئی۔ ملنے کی امید باقی ہے اگر دین ہاتھوں سے چلا گیا تو نہیں ملے گا لہٰذا انگریز کے اس ظلم وستم کا توڑ دینی مدارس کا قیام ہے۔ کیوں نہ کسی ایسی جگہ پر مدرسہ بنایا جائے کہ جہاں انگریز کی نظر ہی نہ پڑے اور خاموشی سے کام ہوتا رہے۔ حضرت قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے سسرال دیوبند کے رہنے والے تھے۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ دیوبند پہنچے اور وہاں جا کر چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے خاموشی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ ایک استاد اور ایک شاگرد۔ استاد کا نام ملاں محمود اور شاگرد کا نام محمود الحسن۔ دونوں محمود تھے۔ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رحمہ اللہ کے شاگرد مولانا مملوک علی کو استاد کامل کا خطاب ملا کیونکہ انہوں نے سب کو پڑھایا مولانا شاہ رفیع الدین نقشبندی پہلے مہتمم بنے۔

دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دارالعلوم کی عمارت کی پوری حدود کا تعین فرما دیا۔ اسی لئے ترانہ دارالعلوم کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

یہ علم وہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
خود ساقی کوثرؐ نے رکھی میخانہ کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں
کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
یہ علم وہنر کا گہوارا تاریخ کا وہ فن پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے

چنانچہ بنیادیں رکھنے کا وقت آیا تو حضرت قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اعلان فرمایا کہ آج دارالعلوم کا سنگ بنیاد میں ایسی شخصیت سے رکھواؤں گا جس نے پوری زندگی کبیرہ گناہ تو کیا کرنا

کبھی گناہ کرنے کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت شاہ حسین احمد رحمہ اللہ جو میاں اصغر حسین رحمہ اللہ کے ماموں تھے ان کو بلایا اور کہا کہ حضرت آیئے اور دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھئے۔

حضرت شاہ حسین احمد رحمہ اللہ کی فنائیت قلبی

شاہ حسین احمد رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ نے فنائیت کا ایسا پرتو ڈال دیا تھا کہ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے ایک داماد کا نام اللہ بندہ تھا۔ دو سال تک وہ ان کے پاس رہا۔ جب سامنے سے گزرتا تو حضرت شاہ حسین احمد رحمہ اللہ پوچھتے' ارے میاں! تم کون ہو؟ کہتا' حضرت میں آپ کا داماد اللہ بندہ ہوں۔ فرماتے' ارے میاں! سبھی تو اللہ کے بندے ہیں۔ دو سال تک داماد کا نام یاد نہ ہوا۔ ذکر کی فنائیت ایسی تھی کہ دل میں ایک اللہ تعالیٰ کا نام بس چکا تھا۔ ایسی نابغہ روزگار شخصیت نے دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔

ایک حسین خواب

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ دارالعلوم کے دوسرے مہتمم بنے۔ ایک دفعہ دارالعلوم میں تشریف لائے تو ایک طالب علم نے آ کر کہا' حضرت! آپ کے مطبخ میں یہ سالن پکتا ہے' ذرا دیکھیں تو سہی' اس سے تو وضو بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اگر مہتمم صاحب کے سامنے ایک طالب علم ایسی بات کرے تو یہ معمولی بات تو نہیں تھی۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ نے اس لڑکے کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور فرمایا لگتا ہے یہ ہمارے مدرسے کا طالب علم نہیں ہے۔ یہ بیرونی لڑکا ہے جو یہاں آیا ہوا ہے۔ استاد کہنے لگے' حضرت! دیکھ لیتے ہیں۔ اس نام رجسٹر میں لکھا ہوا ہے۔ جب باورچی سے پوچھا تو اس نے کہا روزانہ کھانے کے وقت آ کر کھانا بھی کھاتا ہے لیکن جب مزید تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ بازار میں کام کرتا تھا اور کھانے کے وقت مدرسہ میں آ کر کھانا کھا لیتا تھا۔

استاد بڑے حیران ہوئے۔ کہنے لگے' مہتمم صاحب! ہم لوگ بچوں کو پڑھاتے ہیں' اس لڑکے کو نہ پہچان سکے' آپ تو بچوں کو دیکھتے ہی نہیں' آپ نے کیسے پہچان لیا؟ مولانا رفیع الدین رحمہ اللہ نے فرمایا' جب میں اس مدرسہ کا مہتمم بنا تو میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ یہاں ایک کنواں ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں میں سے پانی کے

ڈول نکال رہے ہیں۔ دارالعلوم کے طلبا آتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو پانی ڈال کر دے رہے ہیں۔ میں نے خواب میں اس لڑکے کو نہیں دیکھا تھا اس لئے میں سمجھ گیا کہ یہ ہمارے مدرسے کا طالب علم نہیں ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی جامعیت

انگریز نے برصغیر میں نو سال تک خوب قدم جمائے رکھے جب اسے یقین ہو گیا کہ اب میرے قدم اچھی طرح جم چکے ہیں تو اس نے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا چنانچہ دارالعلوم دیوبند ان تینوں مراکز کے علوم کا جامع بن کر ابھرا۔ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات)

فضلائے دیوبند کے لئے بشارت

ایک بات حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ نے بڑے جوش کے ساتھ فرمائی تھی کہ مجھ سے میری درخواست پر وعدہ ہو گیا ہے کہ مدرسہ دیوبند کے پڑھے ہوئے کو دس روپیہ ماہوار سے کم آمدنی نہ ہو گی مگر اس وقت گرانی اتنی نہ تھی۔ وگرنہ اگر یہ زمانہ ہوتا تو درخواست میں کہتے کہ پچاس روپیہ سے کم میں کام نہیں چلتا۔ مگر اس زمانہ میں دس بہت تھے اسی لئے اکثر اہل علم کی تنخواہ پانچ دس روپیہ ماہوار ہوا کرتی تھی۔

ختم بخاری شریف پر اجرت لینا

فرمایا اہل دیوبند پر ختم بخاری شریف کے متعلق لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ خود تو ختم لا الہ الا اللہ (اور قرآن وغیرہ) کو تو منع کرتے ہیں اور کبھی کبھی خود اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ختم بخاری شریف حصول ثواب کیلئے (یعنی ایصال ثواب کیلئے) پڑھ کر نذرانہ نہیں لیا جاتا بلکہ مریض کی شفاء کیلئے یا حق مقدمہ میں غلبہ حاصل کرنے کیلئے پڑھا جاتا ہے (جو عبادت نہیں بلکہ دنیوی مقصد ہے) اور دنیوی مقاصد پر اجرت لینا جائز ہے۔ (ملفوظات دعوت عبدیت) فرمایا دنیاوی حاجتوں کیلئے دعا پر اجرت لینا جائز ہے اور دینی حاجت پر اجرت جائز نہیں۔ (الکلام الحسن)

دارالعلوم کے اصول وفروع

فرمایا: ''اس ادارہ (دارالعلوم دیوبند) کے اصول اور فروع بھی الہامی طور پر واقع

ہوئے ہیں مجھے اپنے پچیس چھبیس سال کے زمانہ اہتمام کا تجربہ ہے اس دوران میں یہ چیز نہایت شدت سے محسوس ہوتی رہی کہ کوئی غیبی طاقت ہے جو اس ادارہ کو چلا رہی ہے اور اس کا دارو مدار ظاہری جدوجہد سے بالاتر کوئی باطنی طاقت ہے جو اس کو تھامے ہوئے ہے۔ ہمارے اندر بہت سی خامیاں ہیں مگر اکابر کا فیض ہے کہ کام برابر چل رہا ہے ورنہ آج کے دور میں علوم دینیہ کا ذوق رکھنا ایسا ہی ہے جیسے پہلے زمانے میں ملامیہ فرقہ تھا۔ اسی طرح آج جس کو ملامت سننی ہو وہ مولوی بن جائے"۔ (جواہر حکمت)

دارالعلوم اور غیبی اعانت

فرمایا: "عدم اعتناء دین کے اس دور میں جب کہ علوم دینیہ سے شدید بعد ہو چکا ہے اس دارالعلوم کا قائم رہنا اور ترقی کرتے رہنا یہ اس کی علامت ہے کہ یہ منجانب اللہ قائم ہے چنانچہ جب کبھی مخالفین کی جانب سے ایسی سعی کی گئی کہ چندہ نہ آئے تو اس سال نسبتاً چندہ زیادہ آیا اور مخالفین کو اپنے مقصد میں شرمندگی اٹھانی پڑی۔ یہ واقعہ ہے کہ اس دور پرفتن میں دارالعلوم کا قائم رہنا اسباب کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ غیبی امداد و اعانت ہے جو اس کو چلا رہی ہے۔" (جواہر حکمت)

مقصد تعلیم

فرمایا: "مجاہدات باطنیہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ مدارس میں طلباء تعلیم پاتے ہیں ان کے لئے بھی کثرت علائق بری چیز ہے اگر وہ بری دوستیاں کرے تو مطالعہ کون کرے گا ان کی استعداد کس طرح پیدا ہوگی؟ غرض کسی بھی مقصد کے لئے ضروری ہے کہ دل میں مقصد کی لگن ہو اور مقصد کے لئے عشق ہو اور غیر مقصد سے تنفر اور بعد ہو پھر جا کے مقصد حاصل ہوتا ہے"۔ (جواہر حکمت)

ناقص تعلیم اور اس کے اثرات

فرمایا: آج کے ناقص اور ناتمام کورسوں ناقص تعلیم و تربیت اور اس سے تیارہ شدہ ناقص شخصیتوں سے پورا نظام ناقص اور مضرت رساں بنا ہوا ہے اور ہر شعبہ زندگی میں اس کے گندے اثرات نمایاں ہو رہے ہیں جس سے نظم کی گاڑی چل نہیں رہی ہے بلکہ گھسیٹی جا رہی ہے اگر اس نقصان تعلیم و تربیت اور ناتمامی کورس کے رخنہ کو بند کر دیا جائے تو دوسرے

رخنے خود بخود بند ہو جائیں گے۔ (جواہر حکمت)

نصاب تعلیم اور درس نظامی

فرمایا: جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ درس نظامی سے بہتر دوسرا نہیں ہے سو برس سے اس کا تجربہ کیا جارہا ہے اور اسی سے اس سو سال میں بڑے بڑے معیاری اور مثالی علماء وفضلاء تیار ہو کر قوم کے لئے فائدہ رساں ثابت ہو چکے ہیں۔ کسی ملک اور خطہ کی خاص ضروریات یا وقت کے تقاضوں سے اگر جزوی ترمیم ہو تو مضائقہ نہیں لیکن نوعی طور پر اس کی تبدیلی مفید نہ ہوگی۔ (جواہر حکمت)

دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کو کیا دیا

فرمایا: دارالعلوم دیوبند آپ کی مرکزی اور قدیم الایام درسگاہ ہے جسے ۵۷ء کے ہنگامہ انقلاب کے بعد وقت کے اکابر اولیاء اللہ نے علم اور دین کی بقاء کے لئے قائم کیا تھا۔ اس درسگاہ نے اس مقصد کو بحمد للہ اپنے بانیوں کی حسن نیت اور اخلاص وللّٰہیت کے زیر اثر بکمال حسن وخوبی انجام دیا اور اس نوے سال کی مدت عمر میں اس نے ہزار ہا علماء، فضلاء، مفتی مناظر، مدرس واعظ، خطیب اور مصنف تیار کر کے ملک کو دیئے اور جو کچھ ملک کی جیب سے لیا اس سے بدرجہا زائد ہی نہیں بلکہ بالا نرخ ہو کر بلا قیمت وعوض لاکھوں گنا حصہ علم اور دین کا ان کے جیب و گریبان کو عطا کیا۔ مسلمانان ہند و بیرون ہند کا دین سنبھالا۔ عقائد اور دین کی حفاظت کی۔ خیالات کا راستہ سیدھا کیا، عملی زندگی کو دینی رنگ پر ڈالا معاندین وماولین اور مبطلین کی تلبیس اور ابلہ فریبیوں کے پردے چاک کئے خدا کی زمین پر لاکھوں نفر قال اللہ وقال الرسول کا وردر کھنے والے پیدا کر کے زمین کو منور کر دیا اور اشرقت الارض بنور ربھا کا منظر ملک کو دکھلا دیا ملک سے وقتی دولت کے چند پیسے لئے اور کروڑوں کی بے بہا دولت ایمان انہیں بخشی یہ فخر نہیں ہے تحدیث نعمت ہے اور شکر الٰہی کا اظہار ہے۔ (جواہر حکمت)

حضرت کا دارالعلوم سے تعلق

فرمایا: دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے آج کے لادینی دور میں دین کے ہر شعبہ میں امت کی رہنمائی اور عوام امت کی خدمت اس کا نصب العین رہا

ہے آج اس کا کیا حال ہے؟ اور ہم اللہ کے سامنے مسئول ہیں۔ یہ ہے وہ سوز جس سے میرا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے' میں دہلی میں پنت ہسپتال رہا۔ اب دیوبند میں ہوں میرا کھانا پینا صرف دوا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی مرض نہیں اور حال یہ ہے کہ دوسروں کے ہاتھوں میں ہوں' نہ اپنی ذات کا غم ہے نہ اپنے عزیزوں کا بلکہ دارالعلوم کا ہے۔ جماعت جو ۱۶ برس تک اوروں کے لئے ہدایت وتقویٰ اور توحید کی علامت تھی بکھر کر رہ گئی یہی بیماری ہے۔ (جواہر حکمت)

مدارس دینیہ عربیہ کی خاص اہمیت

حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جوں جوں آزادی اور الحاد و بے دینی پھیلتی جاتی ہے اسی طرح میرے خیال میں مدارس دینیہ کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ منجانب اللہ ہے کہ مجھے مدرسہ دیوبند سے ایسی محبت اور تعلق بڑھ گیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا نہ تھا اسی طرح دوسرے مدارس دینیہ کی بھی اہمیت دل میں بڑھ گئی ہے۔ یہاں تک کہ فنون عقلیہ' منطق' فلسفہ' ریاضی وغیرہ جو ان مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں ان کو بھی مفید اور ضروری سمجھنے لگا۔ کیونکہ موجودہ دہریت اور سائنس پرستی کا علاج اس کے سوا نہیں کہ علماء خود ان فنون سے واقف ہوں تاکہ تعلیم یافتہ لوگوں کے شبہات کا جواب ان کی نفسیات کے مطابق دے سکیں اور ان کی نظروں میں کم حیثیت نہ سمجھے جائیں۔ یہ فنون خود کوئی دین نہیں ہیں مگر ان سے دین کی خدمت بھی لی جاسکتی ہے۔

حال میں ایک صاحب نے قرآن کریم کی دو آیتوں کے ظاہری تعارض کے متعلق مجھ سے سوال کیا تو ریاضی کی مدد سے ہی اس کا جواب دیا اور ان کی تسلی ہوگئی۔

سوال یہ تھا کہ قیامت کے دن کا طویل ہونا ایک آیت میں بقدر ایک ہزار سال کے آیا ہے۔ دوسری آیت میں خمسین الف سنة یعنی پچاس ہزار سال کے برابر آیا ہے۔ اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے ریاضی کے اصول پر فرمایا کہ اس میں کیا بعد ہے کہ ایک افق کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہو اور دوسرے افق کے اعتبار سے پچاس ہزار سال کے برابر اس کی پوری تفصیل بیان القرآن میں لکھ دی گئی ہے۔ (ملفوظ ج ۲۴)

مدارس اسلامیہ کیلئے ایک مفید مشورہ

عام طور سے مدارس اسلامیہ کے منتظمین ان کی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں اور خزانہ وقف سے قرض دینا درست نہیں۔ حضرت قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام کو یہ مشورہ دیا کہ اس کام کیلئے الگ چندہ کر کے ایک قرضہ فنڈ قائم کرلیا جائے اسی میں سے قرض دیا جائے اور خود پیش قدمی کر کے اپنی طرف سے پانچ سو روپیہ اس مد کیلئے عطا فرمادیئے حضرت رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو سب اہل مدارس سے کہتا ہوں کہ مدرسین، ملازمین، طلباء کے متعلق جتنے معاملات اور حالات پیش آتے ہیں اہل فتویٰ علماء سے استفتاء کر کے ان سب کے احکام جمع کرلئے جائیں وہی مدارس اسلامیہ کا قانون ہوجائے۔ ان میں سب سے بڑی مصلحت تو اتباع شریعت ہے اور اہل انتظام کیلئے بھی یہ سہولت ہے کہ جس شخص کی منشاء کے خلاف ان کو کچھ کرنا پڑے گا۔ وہ شرعی قانون پیش کر کے اپنا عذر بتاسکیں گے اور دوسروں کیلئے بھی حجت ہوگا۔ (ملفوظات ج ۲۴)

مدرسہ کے بارے میں اکابر کا طرز عمل

حکیم الامت رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میری طالب علمی کے زمانے میں ایک انگریز کلکٹر مدرسہ دیوبند میں آنے والا تھا۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ اگر وہ چندہ دیں تو آپ قبول کرلیں گے؟ فرمایا ہاں میں نے عرض کیا کہ پھر اس کو کہاں صرف کریں گے؟ فرمایا ہمارے پاس بہت سے ایسے مصارف ہیں، ہم بھنگیوں کو تنخواہ میں دے دیں گے۔

میں نے پھر عرض کیا کہ اگر وہ کوئی مشورہ دیں تو کیا آپ قبول کریں گے؟ فرمایا نہیں ہم ان سے کہہ دیں گے کہ ہمارا تمام کام ایک مجلس شوریٰ کی رائے سے ہوتا ہے ہم آپ کا مشورہ اس مجلس میں پیش کردیں گے۔

ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ باوجود بانی دارالعلوم ہونے کے چندہ کے واسطے کبھی امراء کی خوشامد گوارا نہ کرتے تھے اس طرح حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ مدرسہ کے مصالح پیش نظر ہونے کے باوجود کبھی کسی سے چندہ حاصل کرنے کیلئے نہ ملتے تھے۔ (ملفوظات ج ۲۴)

بقدر ضرورت علم کے بعد اصل چیز عمل ہے

ایک صاحب نے دیو بند میں حضرت سے سوال کیا کہ آپ لوگ (مراد اس سے حضرت گنگوہی نانوتوی اور دوسرے اکابر دیو بند سب تھے) بڑے علماء فضلاء ہیں اور آپ سب جا کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کے مرید ہوئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں وہ کیا چیز تھی جس کیلئے آپ حضرات نے ان کی خدمت اختیار کی حضرت نے فرمایا کہ:

ہاں ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو سب اقسام کی مٹھائیوں کے نام اور فہرست پوری یاد ہو مگر چکھا ایک کو بھی نہ ہو اور دوسری کوئی ایسا شخص ہے جس نے سب مٹھائیاں کھائی ہیں مگر نام کسی کا یاد نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جو شخص مٹھائیاں کھا رہا ہے اس کو تو کوئی ضرورت نہیں کہ ان کے نام معلوم کرنے کیلئے کسی کے پاس جائے۔ مگر جس کو صرف نام اور الفاظ یاد ہوں وہ اس کا محتاج ہے کہ صاحب ذوق کی خدمت میں جائے اور ان مٹھائیوں کا ذوق حاصل کرے۔ (ملفوظات ج ۲۴۳)

مدرسہ کی مادی ترقی کی مثال

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مدرسہ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی مریض اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کی صحت اور حیات سے مایوس ہو جائے تو اسکو خدا کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور پرہیز توڑ وادیا جاتا ہے تو یہ مدرسہ اسی درجہ تک پہنچ گیا ہے اس کی روح ختم ہو چکی ہے گو مادی ترقی باقی بھی ہو اسی مضمون کے متعلق میں نے فلاں بزرگ مہتمم مرحوم سے کہا تھا کہ اگر مدرسہ ان مفاسد کے ساتھ باقی بھی رہا اور مادی ترقی بھی کی اور روح باقی نہ رہی تو اس کی ترقی اس حالت میں ایسی ترقی ہوگی جیسے مرنے کے بعد لاش پھول جاتی ہے مگر تھوڑے ہی دنوں میں پھٹ بھی جاتی ہے اس وقت تماشا ہوگا کہ محلہ بھر کو کیا بلکہ بستی تک کو اور بستی سے بھی آگے بڑھ کر قرب وجوار کو بدبو سے خراب کرے گی ہاں! اگر روح باقی ہو اور ساتھ ہی مریض کا جسم کمزور اور لاغر ہو گیا ہو تو اس کا علاج ہونا بھی ممکن فربہ ہونا بھی ممکن اور ایسا فربہ اور موٹا ہونا محمود ہے نہ کہ آماس کی فربہی۔ (ملفوظات ج ۴)

مدارس میں تہذیب کی تعلیم نہیں

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پر ایک بی اے آئے تھے انہوں نے اس

قدر ستایا اور پریشان کیا جس کا کوئی حد وحساب نہیں پھر فرمایا کہ تہذیب جدا فن ہے مدارس میں ان کتابوں کی تعلیم تو ہوتی ہے مگر تہذیب نہیں سکھلائی جاتی۔ (ملفوظات ج ۴)

قوانین مدرسہ تھانہ بھون

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہر مدرسہ میں خاص قوانین علیحدہ علیحدہ ہیں میرے یہاں تو خاص دو قانون ہیں۔ ایک تو یہ کہ بلا قید کسی خاص لیاقت کے اگر امداد طلبہ کیلئے کچھ ہوگا دوں گا نہ ہوگا نہ دوں گا۔ توکل کا کارخانہ ہے دوسرے یہ کہ اگر طالب علم امرد ہو تو مدرسہ کے باہر رہے بدوضعی کے ذمہ داری کون کرے یہ اس کے سرپرست کا کام ہے کہ وہ کسی کو ذمہ دار بنادے۔ یہاں غیر اوقات درس میں امرد کے رہنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہاں بشر رہتے ہیں جن میں بعض باہ جارہ کے ساتھ ہیں یعنی متلبس بالشر۔ (ملفوظات ج ۱۴)

مدرسہ وخانقاہ

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر غور کیا جائے تو علم مدارس میں سکھلایا جاتا ہے اور تربیت اخلاق خانقاہ میں ہوتی ہے مدرسی ہونے کے ساتھ جب تک آدمی خانقاہی نہ بنے تکمیل نہیں ہوتی محض خانقاہ میں جائے گا تو آدمی وجدی بن جائے گا اسے خانقاہ میں خوب وجد آئے گا اور کورا مدرس بنے گا۔ تو نجدی بن جائے گا تو اس راہ میں نہ وجدی ہونا کافی نہ نجدی ہونا کافی نجد اور وجد دونوں کو آدمی جمع کرے تبھی کامل بنے گا ایک طرف آدمی علم لے جس کیلئے مدرسہ جانا پڑے گا اور ایک طرف تربیت بھی لے اس کیلئے خانقاہ جانا پڑے گا۔ بہرحال دونوں چیزوں کو جمع کرنا یہ محقق ہونے کی علامت ہے۔

یہ جو مولویوں اور صوفیوں کی لڑائی ہے میں کہا کرتا ہوں کہ ایک طرف کورے مولوی جن میں عشق کی کمی ہے اور ایک طرف کورے عاشق جن میں علم کی کمی ہے محقق اور کامل کبھی نہیں لڑا کرتا اسکے ظرف کے اندر وسعت ہوگی تو کامل بننے کی کوشش کیجئے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن

ایک ہاتھ میں جام شریعت ہونا چاہئے اور ایک ہاتھ میں جام عشق ہونا چاہئے۔ آگ

بھی ہو اور پانی بھی ہو جلالی بھی ہو اور جمال بھی جب جا کے آدمی میں کمال پیدا ہوتا ہے ورنہ کمال کی کوئی صورت نہیں اور اعتدال بھی تبھی ہوگا جب جلال و جمال جمع ہو جائیں گے۔
(خطبات حکیم الاسلام ج ۵)

مدارس میں تعلیم کی کمی

مولانا مفتی محمود گنگوہی رحمہ اللہ نے فرماتے ہیں آج کل مدارس میں چھٹیاں زیادہ ہوگئیں اور تعلیم کم ہوگئی اور ہر جگہ دیکھ لیجئے اساتذہ تنخواہیں برابر لیتے ہیں اور چھٹیاں بھی برابر لیتے ہیں اس کے باوجود پڑھاتے بھی نہیں کالجوں اور مدرسوں میں سب جگہ یہی حال ہوگیا۔
(ملفوظات مفتی محمود حسن ج ۲)

پیشگی تنخواہ پر حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کی تنبیہ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ نے ایک صاحب کو راندیر مدرس بنا کر بھیجا ان صاحب نے مدرسہ میں آ کر ناظم صاحب کے نام پرچہ لکھا کہ مجھے ایک سال کی پیشگی تنخواہ دیدیجئے اور ہر ماہ تھوڑی تھوڑی وضع کرتے رہئے' اس پر ناظم صاحب نے انکو تو کچھ جواب نہیں دیا۔ وہ پرچہ بعینہ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کے یہاں بھیج دیا۔ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے ناظم صاحب کو جواب لکھا کہ ایک پائی بھی مت دینا اور ان صاحب کو لکھا کہ تم کو وہاں گئے ہوئے کتنے روز ہوگئے' جو اتنے روپے طلب کئے کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ تم ایک سال تک زندہ رہو گے۔ وہ صاحب ناظم صاحب پر بہت خفا ہوئے کہ بندہ خدا نے وہیں بھیج دیا مجھ سے کہہ دیا ہوتا' جن صاحب کا یہ واقعہ ہے' انہوں نے خود ہی مجھے سنایا تھا' وہ بے چارے اب بھی حیات ہیں اور ہمیشہ پریشان ہی رہتے ہیں۔ (ملفوظات مفتی محمود حسن ج ۲)

مدارس میں باہم ربط کے فوائد

ارشاد فرمایا کہ مدارس میں ایک دوسرے سے ربط ہونا چاہئے' پھر فرمایا کہ میں چاہ رہا تھا کہ ہوائی اڈہ (کلکتہ) کے پاس مولانا محمد طاہر صاحب کا مدرسہ ہے' وہیں کو چلیں گے اور وہ مدرسہ دیکھیں گے تو مولوی ابراہیم صاحب نے کہا کہ شنبہ کو چلیں گے تو اس پر فرمایا کہ مہمانوں کو لے جاؤ' میں شاید آپریشن روم میں رہوں گا' پھر فرمایا کہ مدارس کے آپس میں ربط وضبط

رکھنے میں بہت سے فائدے ہیں۔ مثلاً یہ کہ طلباء کا تکرار ان کی تہذیب صفائی رہن سہن طریقہ تعلیم معلوم ہوگا پھر جو چیز پسند آئے اس کو اپنے مدرسہ میں جاری کردیں وہ مدرسہ والے آپ کے مدرسہ میں آئیں تو آپ کے مدرسہ میں جو چیز اچھی لگے اس کو اپنے مدرسہ میں جاری کردیں۔ لیکن آج کل مدارس میں ایسا تعلق ختم ہوگیا۔ (ملفوظات مفتی محمود حسن ج ۲)

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ کے مدرسہ کا حال

ارشاد فرمایا کہ بہاولپور (پاکستان) میں مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ جس مدرسہ میں پڑھایا کرتے تھے وہ عیدگاہ میں تھا' عمارت بھی نہیں تھی' بلکہ عیدگاہ میں درختوں کے نیچے بیٹھ کر پڑھایا کرتے تھے' ایک درخت کے نیچے ایک استاد بیٹھ کر پڑھا رہے ہیں دوسرے درخت کے نیچے دوسرے استاد پڑھا رہے ہیں۔ حالانکہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ انتہائی نازک مزاج آدمی تھے حق تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے اسی وجہ سے حدیث پاک میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کا دو مد گیہوں کا دینا بعد والوں کے ایک پہاڑ سونے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ خدا کے یہاں اخلاص کی قدر ہے خدائے پاک کیفیت کو دیکھتے ہیں۔ (ملفوظات مفتی محمود حسن ج ۲)

ہر مدرسہ میں دورہ حدیث

فرمایا ہمارے یہاں یوپی میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اس بات سے ناخوش تھے کہ ہر مدرسہ میں دورہ ہو مگر اب تو یہ حال ہے کہ قابلیت ہو یا نہ ہو عبارت صحیح پڑھنا جانیں یا نہ جانیں' دورہ ضرور پڑھایا جائے' اس پر ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت کی کیا رائے ہے اس کے متعلق؟ فرمایا جو آپ کی رائے ہو' مطلب یہ ہے کہ ارباب مدارس کو طلبہ کی تعلیم وتربیت پر سخت نظر رکھنی چاہیے' ان کا معقول انتظام کرنا چاہیے' خالی نام نہ ہو کہ ہمارے یہاں فلاں جماعت یا فلاں درجہ تک تعلیم ہے اس سے کیا فائدہ۔ (ملفوظات مفتی محمود ج ۲)

لڑکیوں کیلئے مدارس

عرض۔ لڑکیوں کے مدرسہ کے متعلق حضرت کی کیا رائے ہے؟

ارشاد۔لڑکیوں کی کئی قسمیں ہیں ایک قسم لڑکیوں کی وہ ہے جو اپنے گھروں میں پردے کی حالت میں رہتی ہیں، ماں بھی کچھ پڑھی لکھی ہے باپ نے قرآن شریف بہشتی زیور وغیرہ دیگر ضروری مسائل رات دن کے اپنی بچی کو پڑھا دیئے ماں نے بھی اس میں تعاون کیا ایسی بچیاں گھر میں رہیں گھر سے باہر نہ نکلیں سیانی ہو جائیں تو ان کی شادی کردی جائے ایسی لڑکیوں کیلئے مدارس کی کوئی ضرورت نہیں ایک قسم لڑکیوں کی وہ ہے جو دوکانوں میں بیٹھیں گی تجارت کریں گی ملازمتیں کریں گی جس قسم کی آفت مدارس میں پھیلی ہوئی ہیں اس سے زیادہ میں وہ مبتلا ہیں ایسی لڑکیوں کیلئے مدرسہ ہو اور ان کو دین کی ضروری ضروری چیزیں سمجھائی جائیں چاہے دور تک تعلیم دے کر ہو یا کسی اور طریقے سے تو وہ ٹھیک ہے۔

دینی مدارس میں بگاڑ کا سبب

بعض مدارس کے حالات خراب ہونے کی اطلاع ملنے پر فرمایا کہ دینی مدارس پر آفت آرہی ہیں یہ سب خرابی ایسے ویسے پیسے کی ہے پہلے ایسا ویسا پیسہ نہیں تھا حلال اور اخلاص کی کمائی تھی اس کے اثرات اچھے ہوتے تھے فتنے نہیں ہوتے تھے اور اب وہ بات نہیں اس لئے فتنے رونما ہو رہے ہیں پھر فرمایا کہ جس تقویٰ پر اکابر نے مدارس کی بنیاد رکھی بہت دن تک اس نے کام کیا بلائیں ٹلتی رہیں اور جب اندرون مدرسہ سے تقویٰ جاتا رہا اس کے بعد بالمقابل دوسری چیزیں آگئیں تو انہوں نے اپنا اثر کرنا شروع کر دیا۔ (ملفوظات مفتی محمود حسن ج ۲)

نصاب کے تین ارکان

تبدیلی نصاب کا ذکر آنے پر ارشاد فرمایا کہ حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ نصاب کے تین ارکان ہیں طلبہ اساتذہ کتابیں طلبہ کو کچھ کہو گے تو وہ اسٹرائک کر بیٹھیں گے اساتذہ کو کچھ کہو گے تو وہ ناراض ہو جائیں گے پڑھانا چھوڑ دیں گے رہی کتابیں سو وہ بے زبان ہیں ان کو جو چاہے کہہ لو۔

مدارس کا لب لباب

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم

سہارنپور نے فرمایا کہ ہمارے مدارس کا لب لباب فتویٰ ہے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی مولوی سے عمر بھر کوئی منطق پڑھنے نہ آئے' حدیث وتفسیر پڑھنے نہ آئے لیکن مسئلہ تو کوئی پوچھ ہی لے گا۔ (ملفوظات مفتی محمود حسن ج ۲)

مدارس بقاء انسانیت کا ذریعہ ہیں

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں آج جو مدارس ومکاتب قائم کئے جارہے ہیں یہ دراصل انسانی خصوصیت کو اجاگر کیا جارہا ہے' انسان کی افضلیت کو برقرار رکھنے کیلئے یہ سب کچھ کیا جارہا ہے۔ اگر یہ مدارس قائم نہ کئے جائیں یہ جوامع قائم نہ کی جائیں اور تعلیم نہ دی جائے اور فرض کیجئے کہ تعلیم مٹ گئی تو انسانیت مٹ گئی۔ یہ تعلیم وتعلم کا سارا جھگڑا انسان کی بقاء کیلئے ہے کیونکہ یہ خصوصیت ہے۔

اس لحاظ سے جامعہ قاسمیہ کا قائم ہونا یہ ایک سعادت ہے اور مبارک علامت ہے یہ انسانیت کے برقرار رکھنے کا ایک سلسلہ ہے۔ جتنا مضبوط ہوگا اتنی انسانیت مضبوط ہوگی۔ جتنی نیک نیتی اور اخلاص سے تعلیم دی جائے گی اتنا ہی فی الحقیقت آدمیت کو اونچا بنایا جائے گا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۶)

افادیت مدارس

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان یہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند قائم کرکے جہاں جہاں گئے مدارس قائم کرتے چلے گئے۔ امروہہ میں مدرسہ قائم کیا۔ مراد آباد میں مدرسۃ الغرباء قائم کیا۔ انبیٹہ' شاہجہان پور اور بریلی میں مدارس قائم کئے۔ اسی طرح گلاؤٹھی میں قائم کیا اور اپنے شاگردوں اور مریدین کو تاکید کی کہ جہاں رہو مدرسے قائم کرو! آج ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں مدارس ہیں وہیں کچھ علم کی روشنی پائی جاتی ہے۔ جہاں مدارس نہیں ہیں جس کا جو جی چاہے کہتا ہے۔ ظلمت پھیلی ہوئی ہے مستند علم کا نشان نہیں ہے یا موضوع روایتیں ہیں جو لوگ پڑھ دیتے ہیں یا غیر مستند باتیں ہیں لیکن محدثانہ اور معلمانہ طرز پر بیٹھ کر سند صحیح کے ساتھ علم کو پہنچانا اور پرکھ کر دینا یہ چیز نہیں پائی جاتی۔ جہاں مدارس ہیں وہاں پائی جاتی ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۶)

حکیم الاسلام رحمہ اللہ کا مدارس کی صورت حال پر ایک فکر انگیز انٹرویو

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے پوتے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز ہی نہیں بلکہ جملہ اکابرین دیوبند کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے مزاج اور مذاق کے امین بھی تھے اور تقریباً ساٹھ سال تک وہ دارالعلوم دیوبند جیسی نامور دینی درس گاہ کے مہتمم اعلیٰ کے منصب پر فائز رہے ہیں اس لئے مدارس کی صورت حال اور ان سے متعلق اصلاحی تدابیر پر حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی رائے گرامی انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور بیس سال کی مدت گزرنے کے باوجود اس انٹرویو کی تازگی' نافعیت اور شفاء بخشی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا بلکہ مدارس کی موجودہ فضا میں اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

اس انٹرویو کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے وقت تحریری انداز اختیار کرنے کے بجائے کوشش کی گئی کہ حتی الامکان حضرت کے الفاظ اور فقرے بعینہ نقل ہوں تا کہ ان کے مفہوم اور تاثر میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

امید ہے کہ ارباب مدارس میں اسے پوری توجہ سے پڑھا جائے گا اور اساتذہ وتلامذہ اس کی روشنی میں اپنے لئے لائحہ عمل طے کرسکیں گے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱۱)

طلباء کی اخلاقی حالت

سوال۔ حضرت! ابھی آپ نے طلباء کی اخلاقی حالت کا ذکر فرمایا ہے تو ہم یہ بات اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ مدرسہ اور خانقاہ کوئی علیحدہ علیحدہ چیز نہیں ہوتی تھی بلکہ ایک ہی چیز ہے' مدرسہ خانقاہ بھی ہوتا تھا' طلباء کو تعلیمی طور پر بھی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ اخلاق بھی درست کئے جاتے تھے' تو اب یہ صورتحال کیوں بدل گئی اور اس کی اصلاح کی کیا تدابیر ہیں؟

جواب۔ یہ چیز بالکل صحیح ہے کہ قدیم زمانہ میں مدرسہ ہی خانقاہ ہوتا تھا جس کے اوپر

تعلیم کا پردہ تھا۔ نام تو نہیں آتا تھا کہ ہم تصوف سکھلا رہے ہیں یا طریقت سکھلا رہے ہیں' لیکن ان بزرگوں کا طرز عمل' ان کا کردار' کریکٹر وہ تھا کہ ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر خود بخود اخلاق درست ہو جاتے ہیں تو اب ظاہر بات ہے کہ کچھ تو اساتذہ میں بھی کمی ہے اور کمی کی بناء پر۔ جو کچھ بھی ہو' مگر صورتحال یہ ہے کہ عام طور پر اساتذہ کی تکمیل اور تزکیہ اخلاق کی طرف توجہ نہیں ہے۔ جتنے نئے اساتذہ ہیں ان کی توجہ ادھر نہیں ہے۔

اساتذہ کرام کا معیار

ہم لوگوں نے تعلیم پائی اس وقت اساتذہ علمی اعتبار سے بھی معیاری تھے اور تقویٰ وطہارت کے لحاظ سے بھی معیاری تھے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ (مولانا انور شاہ کشمیری) پر اتباع سنت کا اتنا غلبہ تھا کہ ان کے طرز عمل کو دیکھ کر ہم مسئلہ معلوم کر لیتے تھے اور وہی مسئلہ نکلتا تھا جو ان کا طرز عمل تھا' اس درجہ گویا وہ منہمک تھے اور ہمہ وقت انہیں فکر آخرت ضرور رہتا تھا۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دو پہر کو چھوٹی مسجد میں آ کے قیلولہ کرتے تھے تو عموماً گھٹنے پیٹ میں دے کر لیٹا کرتے تھے' یعنی سکڑ کے' یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ پیر پھیلا کے لیٹے ہوئے ہوں' تو میرے خسر مولوی محمود صاحب رامپوری مرحوم' طالب علمی کے زمانہ میں مفتی صاحب کے ساتھ چھوٹی مسجد ہی میں رہتے تھے تو ابتداء میں وہ یہ سمجھے کہ امر اتفاقی ہے لیکن جب دیکھا کہ عادت ہی یہ ہے تو انہوں نے ایک دن پوچھا کہ آپ پیر پھیلا کے کبھی نہیں سوتے؟ فرمایا کہ بھائی پیر پھیلا کے سونے کی جگہ قبر ہے' دنیا نہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اوپر ہر وقت فکر آخرت سوار تھا۔

حضرت مفتی صاحب ہی کا واقعہ ہے' جلالین شریف ہم نے ان کے یہاں پڑھی آیت یہ آئی کہ "لیس للانسان الا ماسعی" آدمی کو وہی ملے گا جو اس نے سعی کی ہے یہ نہیں کہ کسی غیر کی سعی اس کے کام آ جائے۔ ادھر تو یہ آیت اور ادھر روایت میں ایصال ثواب ثابت جس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کی سعی کام آ گئی' اب آیت اور روایت میں ایک قسم کا تعارض' جب یہ آیت پہنچی تو حضرت مفتی صاحب نے کتاب میں مثبت پہلو میں مطلب سمجھا

دیا اور بعد میں یہ فرمایا کہ میں اس میں الجھا ہوا ہوں اور ابھی رفع تعارض کی صورت سمجھ میں نہیں آئی کہ حدیث بتلاتی ہے کہ دوسرے کی سعی کارآمد ہے اور آیت بتلاتی ہے کہ قطعاً کارآمد نہیں تو فرماتے تھے کہ کتابیں دیکھیں، رجوع کیا کتابوں کی طرف، مگر تشفی نہیں ہوئی، ایک دن گھر تشریف لائے، رات کا وقت، گرمی کا زمانہ چارپائی پر لیٹے تو خیال یہ بندھ گیا کہ تجھے ایک آیت میں شک ہے اگر اسی حالت میں موت آگئی تو آیت خداوندی میں شک لے کر جائے گا تو تیرا ایمان کہاں رہے گا؟ یہ تو ریب کی کیفیت ہے بس یہ جذبہ آنا تھا کہ اسی وقت کھڑے ہوگئے اور پیدل سفر شروع کر دیا گنگوہ کا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے پاس جا کر تحقیق کروں گا پہلا جذبہ تو اس سے معلوم ہوا فکر آخرت کا کہ وہ (اس علم کو) محض ریسرچ یا تحقیق نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی آخرت سمجھتے تھے جب آیت میں ایک قسم کا شک ہے تو وہ ریب ہوا اور ایمان میں اگر ذرا سا بھی ریب ہو تو ایمان کی بقاء مشکل ہے۔ یہ جذبہ تھا اصل میں محض علمی تحقیقات نہیں تھیں، پیدل سفر کر لیا گنگوہ کا ساری رات چلتے رہے حالانکہ عادت نہیں تھی پیدل سفر کرنے کی، آخر شب میں گنگوہ پہنچے، صبح کی نماز کا وقت تھا، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ وضو فرما رہے تھے انہوں نے سلام کیا، فرمایا، کون؟

عرض کیا کہ عزیز الرحمٰن فرمایا کہ اس وقت! کیا رات آئے تھے؟ کہا کہ رات بھر سفر کیا بس ابھی پہنچا ہوں فرمایا ایسی کیا ضرورت پیش آئی جو ساری رات سفر کیا۔ انہوں نے کھڑے کھڑے وہ اشکال پیش کر دیا کہ حضرت یہ ایک اشکال ہے کہ آیت میں نفی ہے کہ کسی کی سعی کسی کے کام نہیں آئے گی اور احادیث میں اثبات ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کے کام آجائے گا ایصال ثواب کی صورت میں یہ تعارض رفع نہیں ہو رہا۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے وہیں کھڑے کھڑے فرمایا کہ ”لیس للانسان الا ماسعی“ میں سعی ایمانی مراد ہے۔ یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہیں آئے گا یعنی نجات کا ذریعہ نہیں بنے گا عمل کی نفی نہیں تو حدیث ثابت کر رہی ہے عمل کو کہ عمل کا فائدہ پہنچے گا اور آیت نفی کر رہی ہے سعی ایمان کی کہ ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہیں آئے گا اس میں کوئی تعارض نہیں تو یہاں ایمان مراد ہے وہاں عمل مراد ہے، آیت میں جس چیز کی نفی کی جارہی ہے حدیث میں اس کا

اثبات نہیں اور حدیث جسے ثابت کر رہی ہے قرآن میں اس کی نفی نہیں تو تعارض کہاں سے آ گیا؟

تو مفتی صاحب یہ کہتے تھے کہ کھڑے کھڑے یہ معلوم ہوا کہ جیسے علم کا ایک دریا میرے اندر سے پھوٹ گیا تو یہ غزیر (وسیع) اور گہرا علم تھا ان اکابر کے ایک ایک لفظ میں۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱۱)

کیا مدارس کا موجودہ نظام بدعت ہے

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت، حدیث میں بدعت کی ممانعت فرماتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد" جو ہمارے دین میں احداث کرے اور دین کے ذوق کی چیز نہ ہو تو وہ چیز مردود ہے۔

اس پر کسی نے کہا کہ پھر یہ مدارس بھی مردود ہونے چاہئیں یہ قرن اول میں کہاں تھے؟ اور یہ مدرسوں کیلئے گھنٹوں کا تعین اور گھنٹا بجانا یہ کہاں تھا؟ اور یہ جماعت بندی (کلاس بندی) یہ سارے بدعات و محدثات ہیں تو حدیث کی رو سے ممنوع ہونے چاہئیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ایک مختصر سا جواب دیا فرمایا کہ

احداث فی الدین کی ممانعت ہے، احادیث للدین کی ممانعت نہیں۔

ان دو لفظوں میں (مسئلہ) کھول دیا یعنی یہ احداث جو ہے "لتقویۃ الدین لاعانۃ الدین لنصرۃ الدین" ہے عین دین کے اندر اضافہ نہیں ہے کسی مدرسہ میں صبح کے گھنٹے مقرر ہیں کسی میں شام کے یہ نہیں ہے کہ اس کو دین سمجھ رہے ہیں کہ یہی چار گھنٹے ہونے چاہئیں، دوسرے نہ ہوں۔ ایک تدبیر ہے ایک معالجہ ہے، تو احداث للدین اور فی الدین کے فرق سے حضرت نے سارے اشکالات رفع فرما دیئے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱۱)

اکابر کے علوم کی گہرائی جس کا اب فقدان ہے

مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کوئی عرب ہندوستان پہنچ گئے تو ہندوستان میں عربوں کی آمد و رفت اس زمانہ میں تھی نہیں، کوئی عرب آ گیا تو لوگ چیلوں کی طرح سے اس کے پیچھے دوڑتے تھے کہ عرب صاحب عرب صاحب! اور عقیدت و محبت سے

ہر ممکن مدارات کرتے تھے' ان عرب صاحب کا بھی خیر مقدم ہوا' شافعی تھے' اتفاق سے کسی مسجد میں جہاں سارے جاہل جمع تھے۔ انہوں نے نماز پڑھی اور رفع یدین کیا جیسا شوافع کرتے ہیں وہاں سارے جاہل جمع تھے' وہ سمجھے کوئی بددین ہے اسے نماز پڑھنی نہیں آتی' تو نماز کے بعد تو تو میں میں شروع ہوئی حتی کہ ان عرب پر ہاتھ ڈالا اور انہیں پیٹ دیا۔ اب وہ مہمان تھے' مولانا شہید کو غصہ آیا فرمایا کہ اول تو زدوکوب! پھر عرب سے آیا ہوا مہمان جو واجب التعظیم ہے۔ کچھ اساتذہ کے ترقی نہ کرنے کی کہ وہ پڑھ رہے ہیں کہ بس پڑھا دیں گے' پیشہ سا سمجھ لیا ہے' یہ وجہ ہو رہی ہے استعدادوں کی کمی کی۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱۱)

طلبہ کی سیاسیات میں شرکت کے آثار

اور ادھر طلبہ کو ملک کے حالات جمہوریت کے نام پر ایسے ہو گئے ہیں کہ جو یکسوئی تھی وہ باطل ہو گئی' ہر طالب علم کو فکر کہ تھوڑا سا سیاسیات میں شریک ہو اور تھوڑا سا اجتماعیات میں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"العلم لایعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک"

"علم اپنا بعض اس وقت نہیں دے گا جب تک تم اپنا کل اسے نہ دے ڈالو"

اب تم تو جز دو اور اس کا کل لینا چاہو تو یہ ہوگا کیسے تو طالب علم کہیں ادھر متوجہ' کہیں ادھر متوجہ' کہیں معاش ادھر کیا کیا اسی میں ضمناً اس نے علم کی طرف بھی توجہ کر لی تو استعداد بنے گی کہاں سے؟

اس لئے میں نے عرض کیا کہ کچھ لوہا کھوٹا کچھ لوہار کھوٹا کچھ اساتذہ آگے نہیں بڑھنا چاہتے' کچھ طالب علموں میں محنت کی کمی' اب وہ قصور بتا دیتے ہیں نصاب کا۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب ہمارے استاد رحمۃ اللہ علیہ بہت مختصر گو تھے کسی نے ان سے ذکر کیا کہ حضرت انصاب میں کچھ تغیر تبدل ہونا چاہئے' تو جیسے ان کی عادت تھی' ایک لمبی سی "ہوں" کر کے فرمایا! دیکھو تعلیم کے سلسلہ میں تین چیزیں ہیں۔ ایک اساتذہ' ایک تلامذہ' ایک نصاب تعلیم۔ تو اساتذہ کی جماعت تو ہے بڑوں کی جماعت' چھڑی ہاتھ میں' کوئی بولے تو اسی وقت گردن زدنی قرار پائے اور طلباء اس زمانے کے بھائی وہ بھڑوں کا چھتہ ہیں۔ کوئی

نہیں چھیڑے گا تو وہ آ کے لپٹ جائیں گے' آدمی ڈرتا ہے بس صاحب اب بے چارہ بے زبان نصاب رہ گیا ہے اسی میں کتر بیونت کرتے رہو نصاب میں یہ کمی ہے یہ کمی ہے۔

کمی ہے استاد میں اور طالب علم میں' نصاب میں کمی نہیں ہے' مگر بے زبان چیز ہے' اسی پر سب مشق آزمائی کرتے رہتے ہیں تو یہ ہے اصل میں بنیاد بہرحال کچھ جدید معلومات کی تو ضرورت ہے کہ طلباء نابلد نہ رہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱۱)

فکر معاش نے علمی ترقی روک دی

سوال۔ حضرت! تیسرا سوال یہ تھا کہ محسوس یہ کیا جارہا ہے کہ جو طلباء مدارس سے فارغ ہوتے ہیں ان میں کام کرنے کا وہ جذبہ نہیں جو پہلے موجود ہوتا تھا باطل سے ٹکرانے' خود اعتمادی اور خود آگے بڑھ کر کام کرنے کی جو صلاحیت تھی وہ اب نظر نہیں آتی' اس کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب۔ اول تو یہ ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے

"الناس کابل مائة لاتکاد تجد فیھا راحلة"

سو اونٹوں کی ایک جماعت ہے (لیکن) سواری کے قابل ایک ہی نکلتا ہے؟

تو ان پچاس ہزار طلباء میں یہ تو ناممکن ہے کہ کوئی جوہر قابل نہ ہو' لیکن سو میں سے ایک آدھ نکلے گا تو وہ نہ ہونے کے برابر دکھائی دے گا۔ تو اب بھی ایسے نکلتے ہیں جو اپنی استعداد پر کام کرتے ہیں' لیکن ہمارے سامنے چونکہ وہ ننانوے ہیں جو اپاہج بن کر پھوہڑ رہتے ہیں' تو ان کی قدر و منزلت بھی جاتی رہتی ہے۔ جو کام کرنے والے ہیں مگر ہیں اگر نہیں ہیں تو اس وقت (دین کا) یہ کام کیسے چل رہا ہے' بحثیں بھی ہیں' مناظرے بھی ہیں باطل پرستوں کا مقابلہ بھی ہے' لوگ کام کر رہے ہیں اور اس میں نوجوان بھی کرنے والے ہیں' مگر بہت کم ہیں' گنے چنے۔

زیادہ تر اس کی بناء یہ ہے کہ معاشی حالات ایسے کمزور ہو چکے ہیں کہ طالب علم کو پڑھنے کے زمانے میں فکر یہ ہے کہ جلدی سے پڑھوں تاکہ گھر کا بندوبست کرسکوں باپ ضعیف ہو گیا' ماں کا انتقال ہو گیا فلاں گزر گیا' چار پیسے کماؤں تو بچوں کو کھلاؤں' فکر تو یہ رہتی ہے تو وہ ترقی کہاں سے کرے؟ اکثر و بیشتر اسی میں مبتلا ہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱۱)

پست فکر بھی علمی ترقی نہیں کرسکتا

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان مدارس میں آنے والے بلند فکر کم ہیں زیادہ تر وہ ہیں جن کی فکر کی حالتیں پست ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ روٹیاں ادھر بھی ملتی ہیں' آٹھ نو برس یہاں کچھ مل جائے گا۔ وہ نصاب پر عبور تو کر لیتے ہیں مگر جتنی دماغ کی افتادہ ہے' ساخت ہے اس سے باہر تو نہیں جاسکتے' وہ جوان کی پست فکری ہے وہ علم کو بھی پست بنا دیتی ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں بتلاؤں کہ اس علم کی ذلت کا کون سا وقت ہوگا؟ عرض کیا گیا' فرمائیے کہ جب اراذل ناس اس کو حاصل کرنے لگیں جو خود پست ہیں اور پست فکر ہیں' وہ جب عمل کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کی پستی علم میں نمایاں ہوں گی اور علم بھی پست نظر آئے گا۔ ورنہ بلند فکر اور اونچے طبقہ کے لوگ اگر علم حاصل کریں تو وہ آج بھی وہ کام کریں گے جو پچھلے کرتے ہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱۱)

علم پیدا شدہ بلندیوں کو اونچا کر دیتا ہے

سوال۔ حضرت! جو بلند فکر ہیں اور اچھی سمجھ والے ہیں اور اونچے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں وہ اپنے بچوں کو ادھر نہیں بھیجتے' ان طلباء کے حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟

جواب۔ بات یہ ہے کہ دنیا غالب آچکی ہے' پہلے فکر آخرت غالب تھی اب جو بلند فکر ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ حکومت میں کرسی ملے' عہدہ ملے' وہ سارے ادھر متوجہ ہیں' ادھر آتے ہیں کم' ادھر وہ لوگ آتے ہیں جو ادھر کی استعداد نہیں رکھتے۔ انہوں نے سوچا کہ چلو دین ہی استعداد بناؤ۔ مدارس میں تو بھائی دین ہے جو آئے گا ہم سکھا دیں گے' وہ جس درجہ کا بھی ہو لیکن سلف کے زمانے میں پرکھتے تھے کہ اسے کس علم سے مناسبت ہے' جس فن سے مناسبت ہوتی تھی اسی میں ترقی دیتے تھے تو وہ طبعی رفتار ہوتی تھی اس لئے اس علم وفن کے اندر وہ ماہر ہو جاتے تھے۔

میں جب افغانستان گیا تو سردار نعیم وزیر معارف (تعلیم) تھے۔ انہوں نے مجھ سے شکایت کی صاحب ہم نے یہ کیا' ہم نے وہ کیا مگر ہماری تمنائیں پوری نہیں ہوتیں' میں نے کہا صاحب! وہ کیا؟

انہوں نے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کسی عالم دین کو وزیر خارجہ بنائیں' وزیر داخلہ

بنائیں، وہ چلتا نہیں۔

میں نے کہا کہ اس کا جواب تو میں بعد میں دوں گا لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کی یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہوگی۔ میں نے جواب میں دوسری لائن اختیار کی۔ ورنہ سیدھا جواب یہ تھا کہ بھائی آج کل کی سیاست تو مستقل فن ہے، جو اسے حاصل کرے گا وہ چلے گا، مگر میں نے یہ جواب اختیار نہیں کیا۔ میں نے کہا آپ کی یہ تمنا میرے خیال میں کبھی پوری نہیں ہوگی۔ کیوں؟ میں نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ جو افغانستان سے طلبا بھیجتے ہیں وہ معلوم نہیں کون سے جنگل سے پکڑ کے بھیجتے ہیں۔ کھُلِ دماغ کے، کہ دس برس چاہئیں، ان کا ذہن بدلنے کیلئے پھر دس برس چاہئیں انہیں پڑھانے کیلئے، اگر آپ وزارت کے خاندان، شاہی خاندان اور شاہی کنبہ کے افراد بھیجتے تو ہم آپ کو دکھلاتے کہ علم کیا چیز ہے؟ اب آپ نے جنگل سے پکڑ کر بھیج دیئے جنگلی اور پہاڑی لوگ ان پر علم کیا اثر کرے گا؟ صدر عالم کہنے لگے۔ جناب مولانا حق می فرمائید، حق فرمائید۔

اس کے بعد میں نے کہا میں مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کیسے ہیں آپ کی نظر میں؟ کہنے لگے نہایت بلند فکر اور ہندوستان میں انہوں نے وہ وہ کام کیا میں نے کہا کہ وہ دارالعلوم کے فاضل ہیں کسی یونیورسٹی سے گریجویٹ نہیں۔ میں نے کہا کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کیسے ہیں؟ کہنے لگے سبحان اللہ بہت اونچا مقام ہے۔ میں نے کہا دارالعلوم کے طالب علم ہیں کسی یونیورسٹی کے فاضل نہیں۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ جو پاکستان چلے گئے؟ کہنے لگے نہایت بلند فکر ہیں میں نے کہا وہ کسی یونیورسٹی کے گریجویٹ نہیں۔ میں نے دس بیس نام گنوائے تو میں نے کہا کہ یہ لوگ بلند فکر تھے، تو علم نے ان کی فکر کو اور زیادہ بلند کر دیا، تو علم کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا جو پیدا شدہ چیز ہے انہیں اجاگر کر دیتا ہے۔ اب اگر کسی میں پستیاں ہی بھری ہوئی ہوں وہ اجاگر ہو جائیں گی، علم کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرے گا۔ تو صدر عالم نے کہا بالکل حق بات ہے اور اسکے بعد کہنے لگے کہ اب ہم وعدہ کرتے ہیں کہ شاہی گروپ اور وزارتی گروپ کے ہر سال گیارہ لڑکے بھیجیں گے، میں نے کہا پھر ہم آپ کو دکھلائیں گے کہ ان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مگر مجھے اب فکر یہ ہوئی کہ وہ جو بادشاہی خاندانی کے آئیں گے ان کی خادمی کون کرے

گا؟ ان کا تمدن، ان کی معاشرت علیحدہ اور یہاں غریب طلباء کی جگہ ہے تو ان کی مہمانداری کیلئے سینکڑوں روپیہ چاہئے کوئی وزیر کا بیٹا ہوگا کوئی بادشاہ کا بیٹا...... یہ فکر پڑی تو میں نے یہ فقرہ کہا کہ ہم ان کو اپنے خرچ پر تعلیم دیں گے؟ کہنے لگے نہیں نہیں آپ کو خرچ اٹھانے کی ضرورت نہیں حکومت برداشت کرے گی میں نے دل میں کہا اور مجھے کیا چاہئے تھا میں نے اسی لئے کہا تھا۔ اس کے بعد میں نے کہا نہایت مبارک خیال ہے، ہم ان کو تعلیم دیں گے۔ اب ہماری ایک اور درخواست ہے، گیارہ لڑکے ہم آپ کے یہاں بھیجیں گے، اس لئے کہ آپ کے یہاں مختلف زبانوں کے مختلف کالج ہیں، افغانستان میں نجات کالج خالص جرمنی زبان کا کالج ہے، استقلال کالج یہ خالص فرانسیسی زبان کا کالج ہے، کا کول پے طب یہ خاص ترکی زبان کا کالج ہے اور انگریزی زبان کا مستقل کالج ہے، تو میں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ جب مبلغ تیار ہوں تو غیر ممالک میں جا کر تبلیغ کریں مگر زبان سے عاجز ہیں آپ کے یہاں کالج میں تو گیارہ لڑکے آپ بھیجیں گے اور گیارہ لڑکے ہم بھیجیں گے آپ انہیں زبان سکھلائیں گے کہنے لگے ہم مستقل بندوبست کریں گے اور اپنے خرچ پر تعلیم دیں گے اور نصاب بھی مختصر مقرر کریں گے کہ زیادہ وقت بھی نہ لگے اور زبان میں مہارت پیدا ہو جائے۔ یہ ہمارا اور ان کا معاہدہ ہو گیا مگر وہ جنگ چھڑ گئی تو سب الٹ پلٹ ہو گیا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱۱)

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا دارالعلوم میں تقرر

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور آپ کے رفقاء کے استعفاء کے بعد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا تقرر بعہدہ صدر مدرسی دارالعلوم دیوبند میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند کے مشورہ سے عمل میں آیا اور حسب ذیل تجویز مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند تحریر کی گئی:۔

''حضرت مولانا مولوی حسین احمد کا تقرر بعہدہ صدر مدرس بمشاہرہ ماصہ ۱۵۰ ماہوار تاریخ کارکردگی سے مجلس شوریٰ کو منظور ہے۔ حضرت ممدوح کی اعلیٰ شخصیت اور علمی تبحر کے لحاظ سے مشاہرہ مذکور بالکل ناقابل ہے مگر حضرت ممدوح کی اخلاص نیت و خدمتِ دارالعلوم کے جذبات سے ہم کو توقع ہے کہ حضرت ممدوح اس کو منظور فرما کر مجلسِ شوریٰ کی شکر گذاری کا موقع دیں گے اور دارالعلوم کی حالت پر اپنی توجہات اور اخلاق بزرگانہ سے نظر التفات فرما کر حسبۃ للہ

پورے طور پر سنبھالنے کی کوشش فرمائیں گے جیسا کہ حضرت ممدوح کے استاد بزرگ حضرت شیخ الہندؒ کا طریقہ عمل تھا"۔ فقط، اشرف علی ۲۰ رجب ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء

تاہم چونکہ دیو بند اور اس کے اہتمام کے مزاج سے آپ پوری طرح واقف تھے، اپنے مشن اور جدوجہد آزادی کے تقاضے بھی آپ کے سامنے تھے، نیز ہندوستان میں قیام کا مقصد بھی متعین اور مقرر تھا اس لئے آپ نے دارالعلوم کے اہتمام کے سامنے حسب ذیل شرائط رکھیں:۔

۱۔ سیاسی مسلک اور نظریات میں پوری آزادی ہوگی اور مدرسہ کو کسی اختلاف واعتراض کا حق نہ ہوگا۔

۲۔ سیاسی سرگرمیوں اور تحریکات آزادی میں شرکت پر مدرسہ کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

۳۔ ہر ماہ ایک ہفتہ بلا کسی رخصت اور منظوری کے سفر ہو سکے گا اور اسکی تنخواہ وضع نہ ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

خود مدرسہ کو بھی ایسے ہی صاحب عزیمت وجرأت، حامل شریعت وسنت، مجاہد آزادی و سیاست کی ضرورت تھی۔ دیو بند والوں سے زیادہ حضرتؒ کے مزاج، طبیعت اور نفسیات سے کون واقف ہوسکتا تھا۔ انہوں نے ہر پہلو پر غور کر کے ہی آپ کو یہ پیشکش کی ہوگی، چنانچہ پورے انشراح وانبساط کے ساتھ یہ شرائط منظور کر لی گئیں اور حضرت ۱۹۲۸ء میں دیو بند کی مسندِ صدارت وحدیث پر تشریف لے آئے، اور اس کے ساتھ وہ تمام خطرات، انتشار اور اضطراب جو وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا ختم ہو گیا اور موافقین ومخالفین کو جمعیت خاطر حاصل ہوگئی۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ورود سے دارالعلوم میں برکات کا نزول

حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگرچہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے جانے پر دارالعلوم کی علمی اور دینی بلکہ روحانی فضا بھی مکدر ہو چکی تھی مگر حضرت مدنی رحمہ اللہ کی تشریف آوری پر برکات کا نزول شروع ہوا جس کی مختصر کیفیت درج کی جاتی ہے۔

طلباء کی روز افزوں ترقی اور دینی تعلیم میں ایسا انہماک پیدا ہو گیا کہ تمام فضاء علمی اور دینی انوار سے منور ہوگئی' اساتذہ میں ہم آہنگی اور اتفاق نے ساری کمی دور کردی بلکہ ایک لحاظ سے پہلے سے بھی زیادہ علمی رونق ہوگئی۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی جاذب شخصیت نے طلباء کے اذہان

اور قلوب کو حضرت رحمہ اللہ کا ایسا شیدا بنا دیا تھا کہ ہر وقت حضرت رحمہ اللہ کی قیام گاہ پر طلباء کا ہجوم رہتا۔ دورہ حدیث کے طلباء خصوصیات کے ساتھ حضرت رحمہ اللہ کے سبق میں والہانہ پہنچتے۔ حالانکہ بعض دفعہ سفر سے واپسی رات کے بارہ بجے ہوتی جبکہ یہ گہری نیند کا وقت ہوتا مگر جونہی مدرسہ کا گھنٹا بجتا طلباء کشاں کشاں دارالحدیث میں پہنچ جاتے۔ دورہ حدیث کے بعض اساتذہ کبھی کبھی طلباء سے شکوہ بھی فرماتے کہ ہمارے اسباق میں تو تم لوگ دن میں بھی نہیں آتے مگر حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سبق میں بے وقت دوڑے جاتے ہو۔ یہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی اپنی جاذب شخصیت تھی اور ان کی طلباء پر شفقت کا بھی اس میں بڑا دخل تھا۔

جس دن حضرت رحمہ اللہ کا قیام دارالعلوم میں ہوتا نماز عصر کے بعد جلیل القدر اساتذہ کرام خصوصاً حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اور حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب (جن کو حضرت مدنی استاد کہہ کر یاد فرماتے تھے) حضرت کی خانقاہ کے صحن میں رونق افروز ہو جاتے اور دل لگی کی ایسی محفل جم جاتی جس سے اساتذہ کرام کی باہمی محبت کا عجیب نقشہ پیدا ہو جاتا۔ اساتذہ کا ایسی مجالس میں بیٹھنا صرف وقتی تفریح طبع نہیں ہوتی بلکہ اس سے کسی ادارہ کے نظم ونسق پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ وہ منظر دیدنی ہوتا۔ جب حضرت مدنی رحمہ اللہ خود یا ان کے اشارے سے بعض اساتذہ مولانا اعزاز علی؛ مولانا عبدالسمیع کے جیب سے پیسے نکالنے کی کوشش کرتے ان کی روک تھام کے باوجود یہ حضرات کامیاب ہو جاتے اور فوراً بازار سے بالوشاہی منگوائی جاتی اور طلباء ودیگر حاضرین میں تقسیم کی جاتی۔ کبھی کبھی حضرت مدنی رحمہ اللہ مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ سے فرماتے کبھی اپنی عینک مجھے بھی عنایت فرمادیں تاکہ مجھ سے طلباء اس طرح ڈریں جس طرح آپ سے ڈرتے ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمہ اللہ کی جماعت ''قاضی مبارک'' کا نتیجہ اچھا نہ نکلا تو حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا کہ آپ تو امام المعقولات ہیں پھر آپ کے طلباء کیوں فیل ہوئے۔ آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا ''امام المعقولات میں ہوں طلباء تو نہیں ہیں''۔

اتنے بڑے ادارے میں کبھی کبھی کوئی نہ کوئی واقعہ خلاف توقع پیدا ہو جاتا تھا مگر اسے فوراً حل کر دیا جاتا تھا جو حضرت مدنی رحمہ اللہ کی بصیرت کا نتیجہ ہوتا۔ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد ابراہیم

بلیاوی رحمہ اللہ نے کسی وجہ سے دارالعلوم آنا چھوڑ دیا' حضرت مدنی رحمہ اللہ کو جب سلہٹ سے واپس آنے پر علم ہوا تو فوراً مولانا کے مکان پر تشریف لے گئے اور ان سے یوں فرمایا کہ اگر قیامت کے دن حضرت استاد شیخ الہند رحمہ اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے دارالعلوم کو کیوں چھوڑ دیا تھا تو میں عرض کردوں گا کہ محمد ابراہیم نے چھوڑ دیا تھا اس لئے میں نے بھی چھوڑ دیا یہ سن کر حضرت بلیاوی رحمہ اللہ آبدیدہ ہو کر اسی وقت دارالعلوم تشریف لے آئے اور پڑھانا شروع کر دیا۔

اسی طرح دارالعلوم کراچی کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ ''اسلام اور نسبی امتیازات'' کی اشاعت پر بڑا ہنگامہ برپا ہوا' اس کے جواب میں مولانا حبیب احمد حلیمی صدر مدرس مدرسہ مخزن العلوم سہارنپور نے ایک رسالہ ''القول الاسلم'' لکھا اور دیوبند میں پیشہ ور طبقات نے مفتی صاحب کے خلاف ایک عظیم الشان جلسہ کیا جس میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کو بھی اس لئے دعوت دی کہ مفتی صاحب کے خلاف کہلوادیں گے مگر بقول مولانا محمد تقی عثمانی صاحب حضرت مدنی نے اپنی تقریر میں والد ماجد صاحب کے رسالہ کی اول سے آخر تک ایسی تائید وحمایت فرمائی کہ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں خود بھی ایسی نہ کرسکتا تقریباً چار گھنٹے تقریر اور ایک گھنٹہ مسلسل لوگوں کے سوال و جواب کا سلسلہ رہا' حضرت مدنی رحمہ اللہ سب کا جواب اسی رسالہ کی عبارت پڑھ پڑھ کر دیتے رہے۔ (ماہنامہ البلاغ)

درسِ حدیث میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کی پرکشش شخصیت

آپ کے تلمیذِ رشید حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ لکھتے ہیں :۔ ''یہ حقیقت ہے کہ مجھے فنِ حدیث سے تعلق اور مناسبت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ، کے تلمذ کے طفیل نصیب ہوئی، حضرتؒ کا ترمذی شریف کا درس روزانہ دو اڑھائی گھنٹے اس شان سے ہوتا تھا کہ نظروں کو پھر وہ خوشگوار منظر کہیں دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ وہ شیخ زمانہ جس کی دینی وملی، سیاسی وسماجی، اصلاحی اور انتظامی اور درسی خدمات کی کوئی حد نہ تھی، وہ استقامت کا جبلِ اعظم تھا، مسندِ درس کو جب وہ زینت بخشتا تھا تو چہرے پر شگفتگی کے آثار نمایاں ہوتے، شخصیت اس قدر پرکشش اور دلربا تھی کہ دل ان کی طرف کھچے جاتے تھے، سال

بھر درس میں حاضری دینے والے طالب علموں کے لئے حضرت مدنیؒ کی ذاتِ گرامی میں پہلے دن کی طرح نیا پن اور جاذبیت ہوتی تھی، خیال آتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کی جب یہ شان ہے تو خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا کیا کیا حال ہوگا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے درسِ بخاری کی جھلکیاں

مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی اسلامی علوم کے مرکزِ تحقیق وتصنیف ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث ہیں، آپ نے ابتدائی علوم محدثِ جلیل شارح حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی سے پڑھے اور پھر دورہ کی موقوف علیہ کتب دارالعلوم میں پڑھنے کے بعد دورۂ حدیث میں شرکت کی سعادت حاصل کی، آپ نے اس مضمون میں اپنے تاثرات کو بیان فرمایا ہے۔

شوال ۱۳۷۶ھ کا تقریباً پورا مہینہ حضرت کی تشریف آوری کے انتظار میں سراپا شوق بن کر گذرا تا آنکہ وہ روزِ سعید آہی گیا جو ہم جیسے مہجوروں کے لئے ''عید'' سے کم نہ تھا کہ اس ماہتابِ علم وتقویٰ کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا شرف حاصل ہوا جس کی دید ہلال عید سے کم نہ تھی اور پھر پانچ ذیقعدہ کو وہ مبارک گھڑی بھی آہی گئی جس کے لئے گھڑیاں گنی جارہی تھیں، یعنی شیخ الاسلام استاذ العرب والعجم محدثِ جلیل اور جنیدِ وقت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوکر ہم جیسے تہی دامنوں کو مالا مال کرنے کے لئے علم کے موتی اور تحقیق کے لعل جواہر لٹانے شروع کئے اور اس علم شریف کے آدابِ تعلیم وتعلم پر ایک مختصر مگر پر مغز وجامع تقریر کرنے کے بعد دلوں کو موہ لینے بلکہ دلوں میں اُتر جانے والے موثر عربی لہجہ اور مترنم آواز میں یوں لب کشا ہوئے۔ **وبالسند المتصل منا الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المومنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ ونفعنا بعلومہ۔ امین۔** ہر سبق کی ابتداء میں ہر قاری کے لئے خواہ حضرت خود ہوں یا کوئی طالب علم، اس پوری عبادت کا پڑھنا ضروری تھا، اس میں تخلیف نہ ہوتا۔ اسی طرح ہر قاری کے لئے یہ ادب بھی ضروری قرار دیا کہ سند کے اختتام پر راوی حدیث صحابی کا نام آئے تو رضی اللہ عنہ وعنہم پڑھے تاکہ اس دعا میں صحابی کے ساتھ دوسرے رواۃ بھی شامل ہوں۔ اس کی حکمت

بیان کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس طرح قاری بھی رحمت و برکت کا مستحق بن جائے گا۔ سبق شروع ہونے سے پہلے دورۂ حدیث کے طلبہ میں سے ایک طالب علم حضرت کے دولت کدہ سے کتابوں کی ایک عظیم تعداد لاکر حضرتؒ کی مسند درس پر لگا دیتا، کیونکہ بوقت ضرورت دورانِ درس کبھی کبھی موصوف ان کتابوں سے عبارتیں بطور حوالہ واستناد پڑھ کر سناتے۔ اکثر طلبہ حضرت کی درسی تقریر قلمبند کرتے جن میں یہ راقم آثم بھی تھا۔

اسلافِ کرام کے طریقے تدریس کے مطابق شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کتاب شروع کرانے سے پہلے علمِ حدیث کی مبادی ومتعلقات نیز اس کی فضیلت بیان فرماتے تھے، اسی ذیل میں فضیلت حدیث بیان کرتے ہوئے قرآن مجید کی آیت (اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ) (آل عمران ۳:۳۱) کی تلاوت وتفسیر کی اور فرمایا کہ ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پیارے پیغمبر ہیں، آپ کی ہر چال ڈھال اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اسی لئے تو فرمایا (اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ) اس لئے کہ محبوب کی نقل بھی محبوب ہوتی ہے،‘‘ مزید فرمایا کہ امتِ محمدیہ کو یہ شرف بخشا گیا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کا عاشق ہے، عاشق کو معشوق کی خطائیں قابلِ مواخذہ نہیں معلوم ہوتیں، اس لئے آخر میں وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط فرمایا۔ پھر موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ارشاد ہوا کہ: ’’اس تمام شرف وبزرگی کا ذریعہ صرف علمِ حدیث ہے، اس لئے اس کی اہمیت کس قدر بڑھ جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اكثرهم عَلٰى صلٰوة (او كما قال عليه الصّلوٰة والسّلام) اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اشرف علوم ہے کیونکہ اس میں ذکرِ خیر نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہوتا ہے اور ہر مرتبہ نام آنے پر درود شریف پڑھا جاتا ہے تو اس طرح اكثرهم على صلوة بھی محدثین ہی ہوئے، اسلئے کہ کسی اور علم میں اتنا درود نہیں پڑھا جاتا‘‘۔ اس کے بعد کیا خوب اور پتہ کی بات فرمائی: ’’اسی سے اندازہ لگائیے کہ دارالعلوم دیوبند میں جب ہر وقت حدیث کی کتابیں پڑھی جاتی رہتی ہیں تو کس قدر یہاں بارش رحمتِ خداوندی ہوتی رہتی ہے، پھر اسی طرح کثرتِ درود کی بنا پر سب سے زیادہ قرب دارالعلوم ہی کو آنحضور سے ہے‘‘۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ یوں تو سب ہی کے لئے ہمہ وقت سراپا شفقت ورحمت تھے لیکن دورانِ درس یہ صفت اپنے منتہی کو پہنچتی نظر آتی تھی، بالخصوص طلبہ کے لئے کہ ان کے ہر جا و بے جا سوالات نیز تک اور بے تک کے اعتراضات کے جوابات نہایت ہی انبساط اور خندہ پیشانی کے ساتھ دیتے اور بیچ بیچ میں کبھی کبھی خوش نصیب مزاح بھی فرمالیتے، خاص طور پر رات کے وقت سبق پڑھاتے ہوئے یہ وصف اتنا بڑھ جاتا کہ تھوڑے وقفہ کے بعد مجلسِ درس قہقہہ زار بن جاتی، خاص طور پر جب کسی طالب علم کے بارہ میں حضرتؒ کو مطلع کیا جاتا یا وہ خود دیکھ لیتے کہ فلاں اونگھ یا سو رہا ہے تو حضرتؒ نہایت ظریفانہ انداز میں بآوازِ بلند اس طالب علم کا نام لے کر مخاطب فرماتے اور حکم دیتے کہ اٹھئے، جایئے وضو کیجئے، اگر کوئی زیادہ گہری نیند میں ہوتا تو اسے صدر النائمین جیسے القاب سے بھی یاد کیا جاتا، اس طرح دوسرے اونگھنے یا سونے والے بھی پوری طرح چوکنا اور بیدار ہو جاتے اور گویا **السعید من وعظ بغیرہ** کا مصداق بن جاتے۔

حضرتؒ کا یہ انداز بے تکلفی بسا اوقات اتنا زیادہ ہو جاتا کہ تھوڑی دیر کیلئے اس بات کے ذہول کا خطرہ ہو جاتا کہ یہی عظیم الشان اور جلیل القدر ہستی ہے جس کی عظمت کے سامنے بڑے بڑے فضلائے روزگار سر جھکاتے ہیں، یہ سب کچھ سنتِ نبوی کی پیروی کے جذبہ کے ساتھ یہ اس لئے بھی تھا تا کہ طلباء میں انبساط رہے اور تکلف و رعب کا حجاب استفادہ سوالات سے مانع نہ بن جائے گا۔

سب واقف جانتے ہیں کہ حضرتؒ بحرِ تصوف واحسان کے کیسے شناور تھے۔ تو جب کسی حدیث میں ایسا کوئی پہلو نکلتا جس سے تصوف واحسان کا اثبات ممکن ہوتا تو حضرتؒ کی تقریری روانی اور طبیعت کی جولانی دیدنی ہوتی، ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے عنبر (مچھلی) کو تیرنے کے لئے دریا مل گیا ہو، یا شاہین کو کھلی فضا۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث، جسے اہل علم "حدیث جبریل" کے نام سے جانتے ہیں، کی تشریح کے وقت طلبہ کو ایسا لگا کہ "بلبل چہک رہا ہو جیسے گلشن میں"۔

حضرتؒ دورانِ درس دلچسپ حکایات اور تاریخی واقعات سے بھی محظوظ فرماتے۔

درسِ حدیث کی اہم خصوصیت بلکہ ضرورت، مختلف اور بظاہر متعارض احادیث کے درمیان تطبیق وتوفیق بھی ہے، کیونکہ اختلاف کو من عند غیر اللہ ہونے کی علامت قرآن مجید ہی

میں بتایا گیا ہے (وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافاً کَثِیْرًا) (النساء ۸۲:۴) اس لئے نبوت کی عصمت کا تقاضا اور وحی کے من اللہ ہونے کی امت کے خواص پر یہ حق ہے کہ تعارض واختلاف اگر نظر آتا ہو تو وہ دور کیا جائے، چنانچہ علمائے امت بالخصوص فقہائے کرام اور شراحِ حدیث نیز اساتذہ فن نے ہمیشہ اپنی ذمہ داری سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی ہے اور یہ کہنا غالبًا مبالغہ نہیں ہوگا بلکہ حقیقت کی سچی ترجمانی ہوگی کہ دارالعلوم کی تدریسی خصوصیات وامتیازات میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں اس امر کا اہتمام زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ حضرت قدس سرہ کے درس میں بھی یہ پہلو بہت نمایاں ہوتا تھا ،اسکی بابت بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ شیخؒ دور دراز کے پُر مشقت سفر سے تھکے ہارے واپس آتے اور تھوڑی دیر بھی آرام کئے بغیر دارالعلوم آجاتے ،گھنٹہ بجتا، طلباء جمع ہوجاتے اور سبق شروع ہوجاتا۔ حیرت کی کچھ یہ بات نہیں ہے کہ شیخؒ اس طرح انتھک محنت کیونکر کر لیتے تھے اور بسا اوقات ۲۴ گھنٹوں میں صرف ۳/۴ گھنٹے آرام کر کے بقیہ ۲۰/۲۱ گھنٹے مسلسل کام کر لیتے تھے کہ یہ مجاہدہ شیخؒ کی ذاتی کرامت قرار پائے گا، اور جہادِ بالنفس تو اللہ والوں کا کام ہے ہی، حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ وہ طالب علم کسی مٹی کے بنے ہوئے تھے جو گرمیوں کے دنوں کی لو اور جھلسا دینے والی دھوپ کے بعد آنے والی راتوں کی ٹھنڈی ہواؤں کو نظر انداز کر کے اور جاڑوں کے گرم گرم لحافوں کو چھوڑ کر آنکھیں ملتے اور نیند کو بھگاتے ہوئے گھنٹے کی آواز سنتے ہی شیخؒ کے درس میں حاضر ہوجاتے تھے۔ شیخؒ تو اپنے احساسِ فرض وذمہ داری سے مجبور ہو کر اپنے آرام کو تجتے تھے لیکن ان کے شاگردوں کے دل میں بھاگتے درسگاہ میں پہنچ جاتے تھے۔ ایسا ہونا بلکہ بار بار ہوتے رہنا کیا اس بات کی غمازی نہیں کرتا کہ شیخؒ کے شاگردوں کو اپنی میٹھی میٹھی نیند سے بھی زیادہ اپنے شیخؒ کی زیارت، ان کی مصاحبت اور ان کے درس میں شرکت محبوب تھی۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کی طلباء پر شفقت

اسی طرح ایک دن کے بارہ (۱۲) بج چکے تھے اور حضرتؒ کی تقریر جاری تھی، طلبہ گوش برآواز تھے اور حضرت بھی پورے انہماک کے ساتھ حدیث پر کلام فرما رہے تھے، گھڑی کی

سوئیاں جوں جوں آگے بڑھ رہی تھیں ہمارے ایک طالقانی ساتھی کی بے چینی بھی بڑھتی جارہی تھی لیکن ہم میں سے کسی کو اس کا احساس نہ تھا۔ جب اس احادیث پر کلام ختم کرنے کے بعد حضرت نے تلاوت حدیث کرنے والے طالب علم کو آگے پڑھنے کا حکم دیا تو طالقانی ساتھی نے اپنی گرجدار آواز میں شیخؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''سبق بند کرو''۔ شیخؒ کے ساتھ تمام طلباء کی نگاہیں بھی طالقانی کے چہرے پر جم گئیں ایک طرف طلباء کے چہروں سے طالقانی کی اس گستاخی اور حد سے بڑھی ہوئی جرأت پر ناگواری کے آثار نمایاں تھے تو دوسری طرف حضرت شیخ الاسلامؒ کا چہرہ ہر قسم کی ناگواری و گرانی کے تاثر سے پاک، بلکہ ردعمل یہ کہ شیخؒ نے مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں طالقانی سے سوال کیا ''سبق کیوں بند کروں''؟

طالقانی نہ سمجھ نہ تھا وہ اپنے شیخ کی عظمت سے بے خبر نہ تھا نہ ہی اس کی اس ''جرأت رندانہ'' کے پس پردہ گستاخی کا کوئی جذبہ کارفرما تھا بلکہ وہ اپنے شیخ کا مزاج آشنا تھا، اسی لئے اس نے طلبہ کی گھورتی ہوئی نگاہوں کی پرواہ کئے بغیر شیخ کے استفسار کے جواب میں اسی کڑک کے ساتھ کہا ''ہم بھوکا ہے''۔

شیخ نے مسکراہٹ کچھ اور گہری کرتے ہوئے فرمایا: ''میں بوڑھا آدمی ہو کر بھوکا بیٹھا پڑھا رہا ہوں، تم جوان ہو کر بھوکے نہیں پڑھ سکتے''؟

طلبہ نادم و شرمسار مگر شیخ کے لحاظ میں طالقانی کو روک بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن طالقانی کو بھی حال دل سنانے کا بہترین موقع ملا تھا، پھر بھلا وہ طلبہ کی برہمی کو خاطر میں لاکر ''شیخ کی عنایتوں'' سے اپنے کو محروم کیوں کرتا؟ طالقانی نے شیخ کے جواب میں کہا: ''تم صبح اچھا اچھا ناشتا کر کے گھر سے آتا ہے ہم صبح سے بھوکا پڑھتا ہے''۔ طالقانی کا جواب سنکر شیخ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، کتاب بند ہوگئی اور سبق ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ پھر شیخ اپنے ساتھ طالقانی طالب علم کو مدنی منزل لے گئے، اس کو اپنی خصوصی نگرانی میں کھانا کھلایا اور تاکید کے ساتھ یہ حکم فرمایا کہ کل سے تم صبح کا ناشتہ میرے ساتھ ہی کرو گے''۔ (حیات و کارنامے ص ۴۴۰)

شبانہ درس بخاری شریف کا ایک راہنما واقعہ از قلم مولانا سید محمد انظر شاہ کاشمیری تلمیذ رشید حضرت مدنی کے قلم سے ملاحظہ ہو:۔

''بخاری شریف کا سبق سال کے آدھے حصے میں شب میں بھی ہوتا، گرمیوں کی مختصر راتیں اور شب کی مشغولیت کی بناء پر کچھ طلبہ مصروف خواب ہوتے، قریب کا کوئی طالب علم حضرتؒ کو مطلع کرتا تو ایک خاص لہجے میں رئیس النائمین کو ارشاد ہوتا کہ اٹھئے اٹھئے مٹکے میں غوطہ لگا کر آیئے، غریب طالب علم اپنی جگہ سے اٹھا تو اس کے عقب سے مزید یہ حملہ ہوتا کہ ہائے کیا بھری مجلس میں رسوائی ہوئی اس پر پوری درسگاہ زعفران بن جاتی۔

طلبا سے بے تکلفی

اتفاقاً ایک روز ایسا ہی خود حضرت والا کو بھی پیش آ گیا۔ ہوا یوں کہ ایک طویل سفر سے واپسی کے بعد فوراً ہی درسگاہ میں تشریف لے آئے، سفر کی صعوبتوں کی بناء پر نیم جان ہو رہے تھے (جبکہ عمر مبارک بھی ستر سال سے زیادہ کی تھی) چند ہی منٹ اس قرینے وسلیقے سے بیٹھے بیٹھے مصروفِ خواب ہو گئے کہ جسم میں جنبش کا نام ونشان نہ تھا۔ معمول یہ تھا کہ حدیث پر کچھ ارشاد فرمانا ہوتا تو تقریر شروع ہو جاتی اور اگر سابق میں یہ مضمون گذر چکا ہوتا تو فرماتے ''چلئے''۔ اور اس روز حدیث ہوتی رہی اور حضرتؒ کا مسلسل سکوت! طلبہ محسوس کر گئے کہ حضرتؒ مصروفِ خواب ہیں، قرأت روک دی گئی تاکہ آپ کے آرام میں خلل نہ آئے، پھر اس سکوت پر حضرتؒ بیدار ہو گئے، طلباء کا بھی اصرار تھا کہ حضرت والا بھی اٹھ کر وضو فرمائیں، بہت دیر رد وقدح ہوتی رہی بالآخر کھانے کی دعوت پر اس دلچسپ جنگ کا اختتام ہو گیا''۔ (حیات وکارنامے ص ۲۴۲)

درس مدنی کی خصوصیات

اب میں حضرت مدنیؒ کے درس کی چند وہ خصوصیات درج کرتا ہوں جن کی وجہ سے حضرتؒ کا درس تلامذہ پر عمیق اثر چھوڑ جاتا تھا اور جو خصوصیات ان کی ذات کے ساتھ ختم ہو گئیں۔

(۱) حضرت مدنیؒ کی ذات میں وقار اور تواضع دونوں کا اجتماع تھا اس لئے ان کے درس میں شاگرد ادب واحترام کیساتھ ہمہ تن متوجہ بھی رہتا تھا اور اگر اس میں یہ ہمت ہوتی کہ تلامذہ کے عظیم مجمع (تقریباً دو سو کے مجمع) میں زبان کھول سکے تو حضرتؒ کی ہیبت تشفی طبع

کے لئے سوال کرنے میں اس کے لئے مانع نہ تھی، اس لئے کہ حضرتؒ کا تواضع طالب علم کو ہر قسم کے مناسب یا نامناسب سوال کرنے کی جرأت دلا دیتا تھا۔

(۲) حضرتؒ کا چہرہ نہایت بارعب اور لباس نہایت سادہ اور اس کے باوجود نہایت باوقار تھا، بہت موٹے کھدر کا لباس اور عربی جبہ زیب تن ہوگا لیکن لباس کی صفائی بارعب چہرے کو چار چاند لگاتی تھی اور تلمیذ کی خواہش رہتی تھی کہ پرجلال چہرے کے نظارہ جمال میں مصروف رہے اور لب مبارک سے جو موتی نکلیں ان کو سمیٹتا رہے۔

(۳) حضرت مدنیؒ نے عمر کا ابتدائی حصہ مدینہ منورہ میں گذارا تھا اس لئے عربی زبان کا لہجہ ایسا فصیح تھا کہ جس کی نظیر علماء ہند میں نہیں ملتی تھی، جو حدیث حضرتؒ کی زبان سے سننے میں آتی وہ اپنے عربی لہجہ کے ساتھ عرصہ تک تلامذہ کے کانوں میں گونجتی رہتی تھی۔

(۴) حضرتؒ کی تقریر بہت صاف اور اس کی رفتار بہت آہستہ ہوتی تھی، ایک ایک کلمہ اور ہر کلمہ ایک ایک حروف نہایت متین آواز میں زبان مبارک سے نکلتا اور سامع نواز ہو جایا کرتا تھا، مشکل مقامات کو نہایت سادہ طرزِ بیان میں مثالیں دے کر حل فرماتے تھے اس لئے ان کے درس سے ذہن اور متوسط بلکہ غبی طالب علم بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق مستفید ہو جاتا۔

(۵) حضرتؒ جب کسی مسئلہ میں حدیث کی توجیہ بیان فرماتے اور توجیہات متعدد ہوتیں تو ان کو شمار کر کے بیان فرمایا کرتے تھے اس لئے ضبط کرنے والا اس کا اہتمام کرتا کہ کوئی نمبر درمیان میں رہنے نہ پائے، اس لئے پوری تقریر منضبط ہو جاتی تھی۔

(۶) سال کے ابتداء میں صحیح بخاری و جامع ترمذی میں سے ہر کتاب کو شروع کرتے وقت مصنف کتاب تک اپنی سند پوری بیان کر دیتے تھے (یہ اکابر کا طریقہ تھا) اس سند کے تین حصے تھے: (۱) حضرت مدنیؒ سے شاہ محمد اسحٰقؒ تک (۲) شاہ محمد اسحٰقؒ سے شیخ عمر بن طبرز بغدادیؒ تک جو اصح المطابع کے نسخہ کی ابتداء میں درج ہے (۳) عمر بن طبرزؒ سے امام ترمذی تک جو جامع ترمذی کی ابتداء میں درج ہیں۔

پھر جب حضرتؒ روزانہ کے اسباق میں احادیث سناتے تو مندرجہ ذیل طریقے سے فرمایا کرتے تھے: الحمد الله رب العلمين والصلوٰة والسلام علىٰ سيدنا محمد صلى الله عليه واله واصحابه اجمعين ۔ (اور کبھی خطبہ مسنونہ الحمد الله نحمده ونستعينه..... الخ ارشاد فرماتے)

امابعد فان اصدق الحدیث کتاب اللہ واحسن الھدی ھدی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشرالا مور محمد ثاتھا وکل محمد ثہ بہ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار وبالسند المتصل الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المومنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمد ابن اسمعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی البخاری رحمھم اللہ تعالیٰ ونفعنا بعلومہ. امین قال

(اس کے بعد صحیح بخاری کی حدیث بیان فرماتے)اور جب اس کے بعد دوسری حدیث کی سند کی نوبت آتی تو ابتداء میں وبہ قال کے الفاظ بڑھاتے۔

جامع ترمذی کے سبق میں ابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل ......الخ کی جگہ ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن موسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمھم اللہ تعالیٰ...... بیان فرماتے۔

(۷)حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضوان اللہ عنہم اور ائمہ رحمہم اللہ کے تذکرہ کے ساتھ دعائیہ کلمات ضرور شامل فرماتے۔

حضرتؒ ''نقشِ حیات'' میں فرماتے ہیں۔''میں نے اپنی عادت ہمیشہ سے یہ کر رکھی تھی کہ جب کسی پیغمبر کا اسمِ گرامی آئے تو علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام یا علیہ السلام کہوں، اور اگر کسی صحابی کا نام تنہا آئے تو رضی اللہ عنہ کہوں، اور اگر سندِ حدیث میں دوسرے اکابر کے ساتھ آئے تو رضی اللہ عنہ وعنہم کہوں، اور اگر ائمہ مذاہب اور علماء واولیاء سلف کا نام آئے تو اگر تنہا ایک کا نام آئے رحمہ اللہ اور اگر چند کا نام آئے تو رحمہم اللہ کہوں خواہ وہ اپنے مذہب کے ہوں یا شافعی ، مالکی ، حنبلی وغیرہ ہوں بشرطیکہ وہ اہل سنت والجماعت ہوں''۔(یہ عادت مبارکہ حضرتؒ سے راقم الحروف اور دیگر اکثر تلامذہ نے اخذ کرلی ہے)۔

(۸)حضرت مدنیؒ کے فیوض علمی بھی تھے روحانی بھی اور سیاسی بھی۔ علمی فیوض کا خصوصی میدان درسِ حدیث تھا، روحانی میدان کے مخصوص اوقات ذکر وشغل اور رمضان المبارک ، اور سیاسی میدان میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس اور اسفار تاہم ہر میدان میں دوسرے دائروں کی کچھ باتیں بھی آجایا کرتی تھیں۔حضرتؒ کے درس کی علمی خصوصیات کے متعلق ''الجمعیۃ'' شیخ الاسلام نمبر سے مولانا قاسم علی بجنوری کے ایک مضمون کا کچھ اقتباس درج کرتا ہوں:۔

''قرأتِ حدیث کے معاً اسنادِ حدیث کے متعلق تحقیق فرماتے، رواۃ پر فن اسماء الرجال کی حیثیت سے بحث فرماتے اور جرح وتعدیل فرماتے، مناسب مواقع پر رواۃِ حدیث کے حالات بیان فرماتے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جب کسی صحابی کا ذکر آتا تو ان کی خصوصیات ذکر فرماتے، اس کے بعد متنِ حدیث کا مفہوم اس طرح سمجھاتے کہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجاتا تھا، حدیث میں جو مشکل الفاظ آتے تھے ان کی لغوی تحقیق فرماتے حدیث کے مراتب صحیح، حسن وغیرہ بیان فرماتے، اس حدیث پر اگر کوئی اعتراض وارد ہوتا تو اس اعتراض کو بوضاحت بیان فرماتے اور اس کے چند قوی جوابات جو مستند ہوں بیان فرماتے تھے۔ تراکیب نحویہ، تشریحِ مقامات، خصائصِ کتب، فنِ حدیث کی اصطلاحات کی تشریح، احادیث منسوخہ کی مکمل بحث، فرضیتِ احکام کی تواریخ وشانِ نزول، فرق حقہ وفرق باطلہ کے عقائد کی تشریح مع دلائل، تفسیر آیات، تشریح معجزات، مستند قصصِ انبیاء ابحاث متعلقہ ایمان، وجہ تسمیہ سور قرآنی، عصمتِ انبیاء احوال ائمہ حدیث، شرائط معمول بہا محدثین، تراجم ابواب سے احادیثِ مرویہ کی مطابقت، شعبِ ایمان وغیرہ کو بالتفصیل بیان فرماتے، اگر کوئی حدیث اختلافی مسئلہ سے متعلق آتی تو تفہیم حدیث کے بعد اختلاف ائمہ بیان فرماتے اور پھر ہر امام کے جملہ دلائل بالتفصیل بیان فرماتے اور سب سے آخر میں مذہب حنفیہ کو حدیث کے مطابق فرماتے تھے، اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ حنفی مذہب احادیث نبویہ کے بالکل مطابق ہے اور امام ابوحنیفہؒ کو تفقہ فی الدین میں دستگاہ کامل حاصل ہے۔ اسی طرح مراتب صحابہؓ و تابعینؒ، مذاہب محدثین، اسامی محدثین، بلدان رواۃِ حدیث، انسابِ محدثین، کنیاتِ صحابہؓ وتابعین واتباعہم، قبائل رواۃ، اعمار محدثین ولادتہم ووفاتہم، القاب محدثین فی الاسانید، اولادِ صحابہ علل حدیث، رواۃِ شاذہ، طبقات محدثین، ذکر مدرسین، مغازی رسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ جملہ لوازم درسِ حدیث کا آپ دورانِ درس التزام فرماتے تھے''۔

(۹) دورانِ درس تصوف کے بہت سے مسائل بھی حل ہوجاتے تھے، حضور کے غار حرا میں تشریف لیجانے کے بارے میں فرماتے ہیں: جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تشریف لاتے تھے اور لوگوں سے نفرت تھی اور نفرت کرائی تھی، کیونکہ جب کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کو تمام اطراف سے موڑ لیتے ہیں اور ایک طرف اس کا طبعی میلان کردیتے ہیں تو

جناب باری تعالیٰ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اپنی محبت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور تمام مادیات سے ہٹا کر اس کی توجہ اپنی طرف کر دیتے ہیں، جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تمام چیزیں عالمِ رؤیا میں دکھائی گئیں اور عالمِ مجردات اور عالمِ علویہ کی طرف ان کی توجہ اٹھائی گئی"۔

(۱۰) حضرت مدنی" اخلاقی اور معاشرتی درس بھی مناسب موقع پر دیا کرتے تھے کیونکہ حضرت" کے پیشِ نظر طلبہ کی اخلاقی تربیت اور ان کے واسطہ معاشرہ کی اصلاح اہم ترین ضرورت تھی، مثلاً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے زفاف کے قصہ میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کا انتظام یوں فرمایا کہ صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ "من کان عندہ شی فلیجئی بہ۔ جس کے پاس کوئی چیز ہو تو اسے لے آئے۔ حضرت" نے پہلے بطور لطیفہ فرمایا کہ شوافع کی نماز کی طرح تھا کہ اجتماع ہے لیکن ہر ایک اپنے اپنے طور سوۃ فاتحہ پڑھ رہا ہے ضمنا اس مسئلہ کی توجیہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تکلفی کے ساتھ صحابہؓ کی لائی ہوئی چیزیں اکٹھی کیں اور اس سے حیس (کھجور، گھی، پنیر اور گرم آٹے وغیرہ سے ایک خاص قسم کا طعام جو لذیذ اور تمام عرب میں مقبول ہے) تیار کیا، یہی ولیمہ ہوا، اس کے برعکس یہاں بہار، یوپی، سرحد وغیرہ تمام اطراف میں ولیمہ پر نہایت اسراف سے کام لیا جاتا ہے۔ مظفر نگر کے ایک صاحب نے ولیمہ کے لئے مکان گروی رکھا جسے بعد میں قرض ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے بیچ دیا، بہتر یہ ہے کہ زیادہ اسراف کرنے کی بجائے اس رقم سے اولاد کے لئے مکان یا کوئی اور چیز خریدو۔

(۱۱) سیاست کے میدان میں حضرت مدنی" کو ہمیشہ تمام عالم اسلام کی حریت اور آزادی ملحوظِ خاطر رہتی تھی اسلئے وہ اپنے شاگردوں کو یہ تعلیم بھی دینا چاہتے تھے کہ وہ تمام عالمِ اسلام کے مفاد پر نظر رکھیں، کرمکِ کتابی نہ بنیں بلکہ عالمی مسائل کو سمجھ کر عالمِ اسلام کے استحکام کی راہ میں جدوجہد کے قابل بھی بنیں،

(۱۲) حضرت" کے درس میں سالہا سال یہ معمول رہا کہ شعبان کی آخری تاریخوں میں یا بعض اوقات رمضان کی ابتدائی تاریخوں میں رات کے بارہ بجے کے قریب قریب ریل کے وقت سے کچھ پہلے صحیح بخاری اختتام پر پہنچتی، پھر حضرت" مکان پر پہنچتے اور تانگہ میں سوار

ہو کر ریل پر پہنچتے تا کہ رمضان شریف سلہٹ میں گذاریں، ختم کی رات جب حضرتؒ رات کے سناٹے میں علماء کے مجمع میں صحیح بخاری کی تلاوت بلند آواز میں فرماتے تو نہایت پر لطف سما بندھتا تھا اور پھر جب ختم کے وقت حضرتؒ اپنے پر ترنم لہجے میں صحیح بخاری کی آخری حدیث (و بہ قال) **حدثنا احمد بن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارة بن القعقاع عن ابی زرعة عن ابی هريرة رضی الله عنه وعنهم قال قال النبی صلی الله علیه و آله وسلم كلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتانِ الی الرحمن ط سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم ط** پڑھ کر کتاب ختم کرتے تو مجمع پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی جس میں خشوع اور انابت و توجہ کے آثار نمایاں نظر آتے تھے اور اس کے بعد تاثیر میں ڈوبی ہوئی دعا ہوتی تھی۔ اللھم نور مرقدہ۔ امین۔

ختم بخاری شریف کا ایمان افروز منظر

اصح الکتب بعد کتب اللہ صحیح بخاری شریف کے ختم کے موقع پر جب آپ اپنے مخصوص لہجہ میں آخری حدیث **حد ثنا احمد بن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارة بن القعقاع عن ابی زرعة عن ابی هريرة (رضی الله عنه وعنهم) قال قال النبی صلی الله علیه واله وصحبه وسلم كلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم ط** کی تلاوت شروع فرماتے تو قلوب پر رقت طاری ہونے لگتی تھی، اور آپ حاضرین پر روحانی توجہ فرماتے تھے تمام لوگ زار و قطار رونے لگتے تھے اور دل کانپ جاتے تھے اور لوگ توبہ استغفار اس طرح سے کرتے تھے گویا کہ دربار خداوندی میں حاضر ہیں اور رو رو کر اپنے گناہوں سے معافی چاہ رہے ہیں، اور اس موقع پر جو دعاء مانگی جاتی تھی۔ وہ مقبول ہوتی تھی آنکھیں اشکبار، دل تڑپتا ہوا، زبان لڑکھاتی ہوئی، رونگٹا رونگٹا کانپتا ہوا، غرض مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپتا تھا اور توبہ استغفار اور دعا کرتا تھا، عجیب منظر ہوتا تھا، اس کا بیان کس طرح سے کیا جائے؟ اس کے اظہار کے لئے الفاظ کہاں سے لائے جائیں؟

خدا گواہ ہے کہ دارالعلوم کے ہر دور میں بخاری ختم ہوئی مگر اس انداز کی ختمِ بخاری کہاں؟ دارالعلوم کی تاریخ میں اس کی نظیر ملنا ممکن نہیں، روحانیت کا یہ عظیم الشان منظر شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ کے ساتھ ختم ہو گیا، آپ کی وفات کے ساتھ تاریخ کا ایک دور ختم ہو گیا۔ (چراغ محمد)

ختم بخاری میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کا معمول

مولانا عبدالرحمٰن مظاہری مدظلہ لکھتے ہیں ہمارے حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ عام لوگوں کو ایسا موقع بہت کم دیا کرتے تھے کہ وہ اختتام بخاری کیلئے جمع ہوں حتی کہ طلباء کو بھی واضح طور پر یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ حضرت شیخ کس دن اختتام کرنے والے ہیں۔ بس طلبا اپنے اپنے اندازوں پر اہل شہر کو اطلاع دے دیا کرتے تھے۔ یہ شیخ الحدیث کا اپنا مخصوص مزاج تھا کہ وہ ہجوم اور شہرت سے دور رہنا پسند کرتے تھے۔ (کاروان حیات)

مولانا اصغر حسین دیوبندی رحمہ اللہ کا مخالف سے برتاؤ

ایک مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ برملا فرماتے رہے لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی سے تنبیہ فرماتے۔ اختلاف بھی اختلاف امتی رحمۃ کی تشریح پر تھا اختلاف کی حدود سے سرمو تجاوز ان کی فطرت ہی نہیں تھی۔

انہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باراں کی شدت دیکھ کر نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا میاں صاحب رحمہ اللہ کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی لیکن اس کے باوجود والد صاحب سے فرمایا کہ میاں بارش تو ہوتی نہیں البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کیلئے چلنا ضرور ہے چنانچہ والد صاحب نے ان کی معیت میں نماز استسقاء ادا کی بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی ان بزرگ نے دوسرے روز کیلئے بھی نماز کا اعلان فرمایا تو اس دن بھی وہی پہلے والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے اور بغیر بارش

ہوئے واپس آ گئے تیسرے روز کیلئے پھر نماز کا اعلان ہوا تو میاں صاحب رحمہ اللہ تیسرے دن بھی نماز کیلئے میدان میں پہنچ گئے اور خود ان بزرگ سے کہا کہ آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھا دوں ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحب تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی؟

بہر کیف نماز استسقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی۔ میاں صاحب رحمہ اللہ کی عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعہ معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی۔ لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور بھی نام ونشان نہ تھا۔ مجبور پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔

والد صاحب نے اس خلاف عادت عمل پر استفسار کیا کہ آپ نے کبھی نماز پنجگانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا؟ تو فرمایا میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر ہی بدگمانی نہ ہو میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر نہیں کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے اب اگر بدنامی ہونی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو۔

سوچیے! ان اہل اللہ اور ہم دنیا داروں میں کس قدر بعد المشرقین ہے؟ ہماری تمام کوشش اور سعی کا مجموعہ صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر کے اس کو مجروح کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کیلئے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمایا جائے اور اگر قابو چل جائے تو اس کو پوری طرح ذلیل و رسوا کیا جائے۔ (چالیس بڑے مسلمان)

دارالعلوم کراچی کے ابتدائی حالات

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم رقمطراز ہیں: حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو جھگڑوں، تنازعات اور نزاع وجدال سے طبعاً نفرت تھی اور جب تک کوئی واقعی دینی ضرورت داعی نہ ہو آپ اپنے حق کے لئے بھی کبھی جھگڑوں میں پڑنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ نہ جانے زندگی میں کتنے مواقع ایسے آئے کہ آپ نے تنازعات سے بچنے کے لئے اپنا جائز اور قیمتی سے قیمتی حق چھوڑ دیا۔ اس سلسلے میں آپ ایک حدیث اکثر سنایا کرتے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا زعیم بیت فی وسط الجنۃ لمن ترک المراء وھو محق (او کما قال)

میں اس شخص کے لئے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔

اس حدیث پر عمل کی حیرت انگیز مثال وہ واقعہ ہے جو دارالعلوم نانکواڑہ کی جگہ تنگ پڑنے پر نئی جگہ دارالعلوم قائم کرنے کے وقت پیش آیا۔ یہ واقعہ ''اصلاحی تقریریں'' از مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم میں اس طرح مذکور ہے۔

''والد صاحب اور ہم ۱۹۴۸ء میں پاکستان آ گئے۔ دو تین سال تو اسی کوشش میں گزر گئے کہ نظام تعلیم میں تبدیلی آ جائے لیکن جب مایوسی ہوئی تو والد صاحب نے ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں پورے کراچی کے اندر دینی تعلیم کا کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا مدرسہ ''کھڈہ'' میں تھا جو بہت پرانا چلا آ رہا تھا لیکن اب وہ بھی گمنام سا ہو گیا تھا۔ والد صاحب نے نانک واڑہ کے محلے میں ایک مدرسہ قائم کیا۔

جیسے ہی یہ مدرسہ قائم ہوا تو مشرقی و مغربی پاکستان کے تمام صوبوں بلکہ دوسرے ملکوں

سے بھی جوق در جوق طلبہ آنا شروع ہو گئے کیونکہ اس وقت مدارس کے اعتبار سے پورے ملک کی کیفیت یہ تھی کہ ایک مدرسہ ملتان میں تھا۔ ایک مدرسہ لاہور میں تھا اور ایک مدرسہ اکوڑہ خٹک میں تھا اور شاید چھوٹے چھوٹے دو چار مدرسے اور ہوں گے۔

طلبہ کی کثرت کی وجہ سے یہ جگہ تنگ پڑ گئی۔ اب اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی کشادہ جگہ حاصل کر کے وہاں دارالعلوم منتقل کیا جائے کیونکہ اس مدرسہ میں بہت تنگی تھی طلبہ جہاں پڑھتے تھے انہی کمروں میں ان کے بستر لگے ہوتے تھے۔ صبح کو اٹھتے تو بستر لپیٹ کر رکھ دیتے یہ درسگاہ بن جاتی۔ سبق ختم ہونے کے بعد دوپہر یا رات کو لیٹنے کا وقت ہوتا تو بستر بچھا دیتے' یہ سونے کے کمرے بن جاتے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جہاں ان کا مزار بنایا گیا وہ ایک بہت بڑا میدان تھا۔ ہم بچپن میں جب حضرت کے ہاں جاتے تو ان کے نواسوں کے ساتھ مل کر اس میدان میں کھیلا کرتے تھے۔ یہ میدان خالی پڑا تھا۔ حضرت والد صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی شخصیت تھے حکومت نے ان کے لئے کوئی یادگار قائم نہ کی' ہم کوشش کر کے وہ میدان حاصل کر لیں اور اس میں علامہ عثمانی کی یادگار کے طور پر بڑا دارالعلوم قائم کریں۔ اس مقصد کے لئے والد صاحب نے کوشش کی اور بالآخر یہ میدان مل گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج اسلامیہ کالج (کراچی) بنایا ہوا ہے۔ وہاں دارالعلوم کے لئے نقشہ منظور کرایا گیا اسی میدان کے اندر علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی اہلیہ اور ان کے دو بھائیوں کے لئے چھ چھ سو گز کے پلاٹ مالکانہ حقوق کے ساتھ منظور کرائے گئے۔ یہ سب کچھ مشوروں سے ہوا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے بھائی بھی اس مشورہ میں شریک تھے۔

والد صاحب رحمہ اللہ نے اس مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تین روزہ کانفرنس اس میدان میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس میں مشرقی ومغربی پاکستان اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور اکابر کو دعوت دی گئی۔ دارالعلوم کے طلبہ اور اساتذہ نے اس میدان میں اپنا کیمپ ڈالا ہوا تھا اور دن رات ہم اس کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔

بالآخر کانفرنس شروع ہوگئی۔ بنیادیں بھی کھد گئیں۔ ان میں روڑی بھی ڈال دی گئی

اور بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا۔ کانفرنس کے ایک روز بعد اچانک یہ ہوا کہ ایک طرف کچھ لوگ جمع تھے۔ ان میں اخباری نمائندے بھی شامل تھے۔ وہ تصویریں اتار رہے تھے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سیاسی لیڈر علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ کو بہلا کر یہاں لے آیا' ان سے کہا کہ دیکھئے علامہ عثمانی کے نام پر انہوں نے اس میدان پر قبضہ کرلیا ہے۔ لہٰذا آپ اس کی مخالفت کیجئے۔ وہ اسی لئے آئی تھیں۔ اخبار میں اگلے دن یہ ساری تصویریں اور خبریں لگ گئیں۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو اس کا بڑا غم ہوا۔ آپ علامہ عثمانی کی اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ والد صاحب نے اپنی ٹوپی ان کے قدموں میں ڈال دی۔ (علامہ عثمانی والد صاحب کے قریبی رشتہ دار بھی تھے' بزرگ بھی تھے اور استاذ بھی تھے) والد صاحب نے ان سے کہا کہ اگر آپ راضی نہیں ہوں گی تو میں یہاں دارالعلوم نہیں بناؤں گا۔ یہ شخص آپ کو بہکا رہا ہے۔ آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں۔ علامہ عثمانی کے نام ہی پر تو یہ سارا دارالعلوم قائم ہوا ہے۔ مگر وہ خاتون تھیں' عورت زاد تھیں۔ علامہ عثمانی اسی سیاسی لیڈر کے ہاں رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ بھی وہاں رہتی تھیں۔ یہ اسکے بہکاوے میں آچکی تھیں۔ والد صاحب کے سمجھانے کے باوجود ان کی سمجھ میں نہ آیا اور انہوں نے والد صاحب کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ اسی حال میں تین دن گزر گئے۔ تیسرے روز والد صاحب نے اس جلسہ میں اعلان کیا کہ جب تک علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ راضی نہیں ہوں گی' میں یہاں دارالعلوم نہیں بناؤں گا۔

دارالعلوم کے تمام اساتذہ وطلبہ اور دور دراز سے آنے والے اکابر اور علماء حیرت میں پڑ گئے۔ جن طلبہ اور اساتذہ نے دن رات لگ کر اس انتظام کو سنبھالا تھا وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے انکار فرمایا۔ اس زمانے میں کراچی کا چیف کمشنر ابوطالب نقوی تھا۔ یہ شیعہ تھا۔ یہ بڑا مضبوط اور سخت گیر شخص تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک خط والد صاحب کی طرف لکھ کر بھیجا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ کچھ لوگ آپ کی مخالفت کررہے ہیں۔ قانون کی پوری طاقت آپ کے ساتھ ہے کیونکہ آپ نے زمین کا باقاعدہ

الاٹمنٹ کرایا ہے اور اس کے نقشے پاس کرائے ہیں، آپ تعمیر کرائیں کوئی طاقت آپ کو روک نہیں سکتی۔ والد صاحب اس کے باوجود بھی دار العلوم کی تعمیر پر آمادہ نہ ہوئے اور وجہ یہ بتلائی کہ دار العلوم بنانا فرض عین نہیں ہے جبکہ مسلمانوں کو خلفشار سے بچانا فرض عین ہے۔ علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ اگر مطمئن نہیں ہوں گی تو کچھ لوگ میرا ساتھ دیں گے اور کچھ لوگ ان کا ساتھ دیں گے جس سے مسلمانوں میں خلفشار پیدا ہوگا۔ میں امت کو خلفشار میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

ایک دو مہینے گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین دار العلوم کے لئے دے دی، جنوبی افریقہ کا ایک تاجر اس پوری زمین کا مالک تھا۔ یہ پورا علاقہ ریگستان تھا۔ یہاں سے سات میل دور تک زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ نہ کوئی سڑک تھی، نہ آبادی، نہ بجلی، نہ پانی، نہ گیس اور نہ کوئی سہولت۔ یہاں سے کلفٹن تک درمیان میں کوئی آڑ نہیں تھی، صرف ریت کے ٹیلے تھے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو تردد ہوا کہ اگر اس ریگستان میں جا کر میں طلبہ کو ڈال دوں تو یہ زندہ کیسے رہیں گے مگر احباب نے کہا کہ آپ زمین قبول فرمالیں، تعمیر ہم کرائیں گے، جب تعمیر ہو جائے گی تو پھر آپ منتقل ہو جائیں۔ والد صاحب آمادہ ہو گئے۔'' (اصلاحی تقریریں)

مختصر حالات و واقعات

شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ

مدیر جامعہ اسلامیہ امدادیہ۔فیصل آباد

علوم دینیہ کی تدریس کا آغاز

مولانا مفتی محمد عالمگیر صاحب مدظلہ لکھتے ہیں کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے محبوب استاذ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے آپ نے کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں واقع ایک مدرسہ جامعہ نعمانیہ میں تدریس کا سلسلہ شروع فرمادیا۔ آپ نے تقریباً سات سال یہاں تدریس کی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہونہار شگرد کی تدریسی صلاحیتوں کا جائزہ لینے کیلئے کمالیہ تشریف لاکر طلبہ سے اپنے شاگرد کی پڑھائی ہوئی کتب کا امتحان لیتے رہتے تھے جس سے حضرت کا آپ کی تدریسی وانتظامی صلاحیتوں پر اعتماد بڑھتا گیا۔ چنانچہ حضرت نے آپ کو ۱۳۸۳ھ بمطابق ۱۹۶۴ء میں اپنی زیر نگرانی خیر المدارس میں تدریس پر مامور فرمادیا آپ تقریباً بارہ سال یہاں تدریس فرماتے رہے۔ خیر المدارس کی تدریس کے دوران ہی آپ کو معقولات میں تکمیل کا شوق پیدا ہوا تو ایک سال کی رخصت لے کر مدرسہ انہیہ ضلع گجرات تشریف لے گئے اور جامع المعقولات حضرت مولانا ولی اللہ صاحب سے فنون کی کتب عالیہ پڑھ کر معقولات میں مہارت حاصل کی۔ معقولات کے اس دورے سے آپ کی فراغت ۱۳۹۰ھ بمطابق ۱۹۷۰ء میں ہوئی۔

اس کے بعد آپ خیر المدارس واپس تشریف لے آئے اور شعبان ۱۳۹۵ھ بمطابق اگست

۱۹۷۵ء تک تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ خیر المدارس میں تدریس کے اس عرصہ میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوۃ شریف کا سبق مستقلاً آپ کے سپرد فرمادیا تھا۔ ان دنوں شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ حیات تھے اور سندھ کے علاقے ٹنڈوالہ یار میں واقع مدرسہ دار العلوم الاسلامیہ میں علمی و تحقیقی خدمات انجام دے رہے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کے سانحہ ارتحال کے بعد آپ کو ٹنڈوالہ یار میں تدریس کی پیش کش کی گئی۔ چنانچہ آپ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت اقدس مفتی رشید احمد رحمہما اللہ کے ارشاد پر شوال ۱۳۹۵ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۷۵ء میں وہاں تشریف لے گئے اور تقریباً دو سال تک تدریس کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کے ذاتی مکان میں قیام کی سعادت بھی حاصل رہی۔ اس کے بعد مبلغ اسلام حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر شوال ۱۳۹۷ھ بمطابق ۱۹۷۷ء میں دار العلوم فیصل آباد تشریف لے آئے اور تقریباً چھ سال تک بحیثیت شیخ الحدیث یہاں خدمات انجام دیں۔

شیخ الحدیث کا لقب آپ کو سب سے پہلے حضرت مفتی زین العابدین صاحب رحمہ اللہ نے ہی دیا تھا جو آخر کار آپ کے نام کا جزو لاینفک بن گیا۔ دوران تدریس آپ کو تمام علوم و فنون اور خاص طور پر حدیث و تفسیر کے اسباق پڑھانے کا موقع ملا جس سے آپ کے علوم میں مزید پختگی پیدا ہوتی چلی گئی۔

جامعہ اسلامیہ امدادیہ کی تاسیس و خدمات

تقریباً بائیس سال قبل اپنے بزرگوں کے مشورے سے آپ کے دل میں دینی علوم کا ایک ادارہ قائم کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس وقت آپ دار العلوم فیصل آباد میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ چنانچہ بزرگوں کی اجازت اور دعاؤں سے آپ نے رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۳ء میں جامعہ اسلامیہ امدادیہ کے نام سے کرائے کی عمارت میں یہ ادارہ قائم فرمایا۔ اس ادارے کو ابتداء سے ہی ملک کے اکابر علماء، اولیاء اور بزرگوں کی سرپرستی و اعتماد حاصل رہا۔ حضرت شیخ الحدیث کی انتھک جدوجہد، شبانہ روز محنت، اخلاص و للہیت اور سرپرستی کرنے والے بزرگوں اور اکابر علماء کی دعاؤں کے نتائج جلد ہی سامنے آنا شروع ہو گئے۔

چنانچہ تین سال کے بعد یہ جامعہ کرائے کی جگہ سے ستیانہ روڈ پر واقع اپنی موجودہ جگہ منتقل ہو گیا اور ملک بھر سے طلبہ کی بڑی تعداد کھچ کھچ کر اپنی علمی پیاس بجھانے کیلئے آنا شروع ہو گئی اور یہ نوزائیدہ جامعہ ظاہر و باطنی ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا۔ اس وقت یہ جامعہ اپنے اعلیٰ تعلیمی وانتظامی معیار کی بدولت ملک کے اونچے درجے کے باوقار جامعات میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جامعہ کی تاسیس سے مقصود طلبہ میں صرف تعلیمی ذوق پیدا کرنا نہیں تھا بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت اور اصلاح اخلاق و اعمال بھی پیش نظر تھی۔ چنانچہ ابتداء سے ہی جہاں طلبہ کی تعلیمی ضروریات کا خیال رکھا گیا وہیں ایسے اقدامات بھی کئے گئے جن سے طلبہ کی تربیت عمدہ ہو اور فارغ التحصیل ہونے والا ایک طالب علم نہ صرف یہ کہ وہ ایک عالم ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ بہترین تربیت یافتہ' معاشرے کا ایک سنجیدہ اور باوقار فرد اور عام لوگوں کی صحیح خطوط پر دینی رہنمائی کے قابل ہو۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان دونوں مقاصد کے حصول کیلئے متعدد اقدامات کئے اور کبھی بھی طلبہ' منتظمین یا کسی بھی دوسرے شخص کے کسی ایسے اقدام کو پسند نہیں کیا جس سے ان اہداف پر زد پڑتی ہو۔

تعلیمی معیار کو بلند کرنے کیلئے حتی الامکان انہی اساتذہ کو تدریس کی ذمہ داریاں سونپتے جن کی علمی یا انتظامی صلاحیتوں پر آپ کو مکمل اعتماد ہوتا' طلبہ سے مطالعہ اور تکرار کی پابندی کراتے اور ان میں ایسا جذبہ بھر دیتے کہ وہ اپنی علمی مصروفیات و مشاغل کو ہی سب سے اہم سمجھیں۔ آپ طلبہ یا اساتذہ کیلئے کسی بھی ایسی مصروفیت کو زہر سمجھتے تھے جس سے علمی مشاغل متاثر ہوتے ہیں حتی کہ امامت کو بھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔

سبق کی خصوصیات

حق تعالیٰ نے آپ کو تفہیم کا ملکہ وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا۔ آپ کا سبق پر مغز' دلچسپ اور سہل اسلوب بیان پر مشتمل ہوتا تھا۔ آپ دقیق سے دقیق علمی تحقیقات اور مسائل کو اتنا آسان کر کے طلبہ کے سامنے پیش کرتے کہ غبی طالب علم بھی اسے بآسانی سمجھ لیتا۔ پھر آپ سبق کی تقریر صرف ایک مرتبہ نہیں کرتے تھے بلکہ اسے بار بار دہراتے رہتے حتی کہ

آپ کو اطمینان ہو جاتا کہ تمام طلبہ سمجھ گئے ہوں گے۔

تقریر کا انداز اتنا شاندار ہوتا تھا کہ بعض اسباق کی حلاوت ابھی تک محسوس ہوتی ہے۔ آپ یہ بات بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ ذہین طلبہ تو استاد کی تقریر سمجھ ہی لیتے ہیں استاد کا کمال تو یہ ہے کہ ایسی تقریر کرے کہ جماعت میں شریک غبی سے غبی طالب علم بھی سمجھ لے۔

آپ کا درس خاص طور پر پاکستان کے دروس حدیث میں اہم اور مقبول ترین سمجھا جاتا تھا اسی وجہ سے طلبہ حدیث کثیر تعداد میں اپنی علمی پیاس بجھانے کیلئے جامعہ امدادیہ میں درجہ موقوف علیہ اور دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیتے اور آپ کے درس سے اپنی علمی تشنگی کو دور کرتے۔

آپ کے درس حدیث کی اسی مقبولیت کی وجہ سے آپ کی تقریر بخاری' تقریر ترمذی اور تقریر مشکوۃ شریف طلبہ اور علماء کے طبقہ میں کافی مقبول ہے۔ آپ کے درس مشکوۃ کی تقریر تو آپ کے فاضل فرزندوں نے کتابی شکل میں مرتب کردی ہے جو "اشرف التوضیح" کے نام سے علماء وطلبہ میں معروف ہے۔ یہ تقریر دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے جو کتاب کی ابتداء سے "کتاب الصید والذبائح" کے اختتام تک ہے۔ بقیہ ابواب میں تقریر حضرت کے لائق اور قابل رشک صاحبزادے حضرت استاد مکرم مولانا محمد زاہد صاحب مدظلہم مرتب فرمارہے ہیں۔ ایک معتدبہ حصہ بحمدہ تعالیٰ مکمل ہو چکا ہے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ عافیت وسہولت کے ساتھ یہ علمی ذخیرہ مکمل فرما کر اسے نافع اور اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔ البتہ صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی تقریر ابھی کاپیوں کی شکل میں ہے اور علماء وطلبہ انہی کاپیوں کی فوٹوسٹیٹ کروا کر ان سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

آپ کے درس کی چند نمایاں خصوصیات یہ تھیں:

۱۔ حق تعالیٰ نے آپ کو طریقہ تفہیم ایسا عطا فرمایا تھا کہ مشکل سے مشکل مباحث بھی طلبہ کو انتہائی سہل اور دل نشین انداز سے سمجھا دیتے تھے۔

۲۔ طویل مباحث کو آخر میں اس انداز سے سمیٹ دیتے تھے کہ طلبہ انہیں درس گاہ ہی میں یاد کر لیتے۔

۳۔ درس اتنا دلچسپ اور پرکشش ہوتا تھا کہ گھنٹوں سبق جاری رہنے کے باوجود طلبہ اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔

۴۔ دوران سبق علم حدیث سے متعلق اہم اور بنیادی کتب کا تعارف بھی کراتے رہتے تھے۔

۵۔ موجودہ دور کے اہم فتنوں پر مناسب اور علمی انداز میں تبصرہ بھی فرماتے تھے۔

۶۔ موضوع سے متعلق صرف روایتی مباحث پر اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ زیر درس حدیث کا طلبہ کی عملی زندگی کے ساتھ تعلق واضح کر کے اصلاح نفس اور تصوف وسلوک کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے رہتے تھے۔

۷۔ موقوف علیہ اور دورہ حدیث شریف کے طلبہ چونکہ تعلیم کے آخری مراحل میں ہوتے ہیں اور فارغ ہونے کے بعد انہوں نے اہم دینی ذمہ داریاں سنبھالنی ہوتی ہیں اس لئے آپ اپنے طویل تجربات اور اکابر کے ارشادات کی روشنی میں مستقبل میں احسن انداز سے دینی وعلمی خدمات انجام دینے کیلئے مفید ہدایات سے طلبہ کو نوازتے رہتے تھے۔

یہ چند خصوصیات بطور مثال پیش کی گئی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے درس کی خصوصیات اور اس کی چاشنی کا اندازہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے ہوں اور جسے براہ راست آپ کے درس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہو۔

طلبہ پر شفقت ومحبت

آپ کی ذات طلبہ کیلئے سراپا شفقت تھی۔ طلبہ کی راحت رسانی اور ان کی آسائش و مراعات کا آپ کو بہت زیادہ اہتمام ہوتا تھا۔ اسی جذبہ راحت رسانی کی وجہ سے آپ جامعہ کے مطبخ و مطعم کا نظم اور کھانے کا معیار جانچتے اور اس کی نگرانی فرماتے رہتے تھے۔

جامعہ میں ٹھنڈے پانی کا وسیع انتظام، درسگاہوں اور دار الاقامہ کے تمام کمروں میں ائیر کولر کا انتظام وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بے شمار مثالیں ہیں جو طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت کی روشن دلیلیں ہیں۔

ویسے تو آپ کے طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت کے بے شمار واقعات ہیں، لیکن یہاں صرف ایک دو واقعات ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ سخت سردی کے موسم میں ایک طالب علم نے رات کے وقت آپ کے دروازے پر دستک دی۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ رات کو سونے کیلئے میرے پاس رضائی وغیرہ نہیں ہے۔ آپ فوراً اندر تشریف لے گئے اور ایک موٹا کمبل لا کر اس طالب علم کو

دے دیا۔ اگلے دن وہ طالب علم کمبل واپس کرنے کیلئے لایا تو آپ نے فرمایا کہ اب یہ تمہارا ہے اور میں نے اسی وقت تمہیں دینے کی نیت کرلی تھی۔

طلبہ کے ساتھ آپ کو قلبی محبت تھی۔ آپ طلبہ کو ہی اپنی برادری کہا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرا جینا مرنا طلبہ کے ساتھ ہے۔ طلبہ کے ساتھ اس قلبی لگاؤ اور محبت کا اظہار ایک دفعہ اس طرح ہوا کہ راقم الحروف ۸۸۔۱۹۸۷ء میں غالبًا درجہ ثانیہ میں پڑھتا تھا۔ اس زمانے میں ملک میں بم دھماکے اور اس طرح کی دیگر کارروائیاں دشمنان ملک وملت کی طرف سے جاری تھیں۔

ایک دن دوپہر کے وقت جبکہ تمام طلبہ کھانا کھا کر آرام کر رہے تھے جامعہ کے دفتر میں کسی نے فون پر یہ اطلاع دی کہ آپ کے جامعہ میں بم نصب کر دیئے گئے ہیں اور وہ کسی بھی وقت پھٹ سکتے ہیں۔ خبر دینے والے کا مقصد مدرسہ میں افراتفری اور انتشار پھیلانا تھا۔ چنانچہ فوری طور پر بم ڈسپوزل سکواڈ کو اطلاع دی گئی۔ وہ فوری طور پر چیک کرنے والے آلات لے کر پہنچ گئے۔ لیکن انہوں نے پہنچتے ہی یہ کہا کہ ان شاء اللہ یہاں کوئی بم وغیرہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جہاں اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت اور اتنے نیک لوگ موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ خود ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ بہرحال انہوں نے پورے مدرسہ کو آلات کی مدد سے چیک کیا۔ چیک کرنے والے عملہ نے حضرت سے کہا کہ آپ اطمینان سے آرام فرمائیں ہم اچھی طرح جائزہ لے لیں گے۔ لیکن حضرت نے اس سے انکار فرمادیا اور آخر تک مسلسل عملے کے ساتھ رہے چونکہ طلبہ سوئے ہوئے تھے اس لئے انہیں اس صورتحال کا علم نہیں تھا اور نہ ہی چیکنگ کے وقت طلبہ کو بیدار کیا گیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً نے طلبہ کی نیند خراب کرنے اور انہیں بے آرام کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ آپ کو حق تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد اور بھروسہ تھا۔ بعد میں آپ نے طلبہ سے خطاب فرما کر تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ میں چیک کرنے والے عملے کے ساتھ ساتھ اس لئے رہا کہ اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ ہونا ہی ہے تو میری جان اپنی برادری یعنی طلبہ کے ساتھ ہی نکلے۔ اس لئے میں نے گھر جا کر آرام نہیں کیا۔ بحمد اللہ! اندازوں کے مطابق یہ افواہ جھوٹی ثابت ہوئی لیکن اس سے حضرت کا طلبہ کے ساتھ تعلق نمایاں ہو کر سب کے سامنے آگیا۔

طلبہ کے ساتھ اسی تعلق شفقت کی وجہ سے آپ بہت سے نادار اور غریب طلبہ کا تعاون اپنی جیب سے بھی فرمادیتے تھے اور یہ معاملہ صرف طلبہ کے ساتھ ہی نہیں تھا بلکہ جامعہ کے اساتذہ کرام میں سے بھی اگر کوئی زیادہ ضرورت مند ہوتا یا وقتی طور پر اسے کوئی شدید مجبوری لاحق ہوتی تو خفیہ طور پر ان کا تعاون فرمادیتے تھے۔

انتظام وانصرام

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت میں اعلیٰ درجے کا ملکہ انتظام وانصرام ودیعت فرمایا تھا۔ آپ ہر کام نظم وضبط کے ساتھ انجام دینے کو پسند فرماتے۔ بدنظمی وبدانتظامی سے آپ کو شدید نفرت تھی۔ اسی وجہ سے آپ جامعہ کا ہر کام نظم وضبط کے ساتھ انجام دینے کی کوشش فرماتے اور اساتذہ ومنتظمین کو بھی اسی کی تاکید فرماتے تھے۔ طلبہ کیلئے ہفتہ وار اصلاحی بیانات میں بھی آپ بارہا اس پر تنبیہ فرماتے اور طلبہ کو یہ ترغیب دیتے کہ اپنی زندگی کو نظم وضبط کے ساتھ گزارنے کا عادی بنائیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک عالم دین کو بہترین منتظم بھی ہونا چاہئے۔

حق تعالیٰ نے آپ کی طبیعت میں انتظام کا سلیقہ ابتداء سے ہی ودیعت فرمایا ہوا تھا۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب آپ دار العلوم ربانیہ میں درجہ اولیٰ میں زیر تعلیم تھے تو اس وقت مدرسہ کا مطبخ کا نظام درست نہیں تھا اور کھانے کا معیار کافی ہلکا ہوتا تھا۔ اس وقت آپ کے اساتذہ نے آپ کی انتظامی صلاحیتوں کو بھانپ کر مطبخ کا نظام آپ کے سپرد فرمادیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے تھوڑے ہی عرصہ میں پہلے سے جاری خرچ میں کمی کردی اور کھانے کا معیار پہلے سے بہت بہتر بنادیا جس پر آپ کے اساتذہ اور مدرسہ کے منتظمین بہت خوش ہوئے۔ آپ کے اسی جذبہ انتظام کا اثر ہے کہ جامعہ امدادیہ میں طلبہ کے چوبیس گھنٹے کے اوقات انتہائی منظم انداز میں مرتب ہیں۔ تعلیم کا نظام، مطالعہ، تکرار کا نظم، سونے جاگنے کا نظم، کھانے کا نظم، غرضیکہ تمام امور بہترین نظم وضبط کے ساتھ انجام پاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے جامعہ امدادیہ کی شہرت اور ترقی کے اسباب میں جہاں اس کا تعلیمی معیار اس کا اہم سبب ہے وہیں اس کا نظم وضبط اور انتظام وانصرام بھی ایک اہم سبب

ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ علیہ کی زندگی کا ایسا گوشہ ہے جس پر مستقلاً لکھنے کی ضرورت ہے اور اگر اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ کچھ لکھا جائے تو ایک طویل مضمون تیار کیا جاسکتا ہے۔

مالیات میں کمال احتیاط

آپ کا ایک نمایاں امتیازی وصف اور خصوصیت یہ تھی کہ آپ جامعہ کے مالی معاملات میں بہت زیادہ محتاط تھے۔ مدرسہ کا پیسہ اپنی ذات پر خرچ کرنا تو دور کی بات ہے جہاں کہیں مدرسے کے مفادات بے جا ذاتی استعمال میں آنے کا شائبہ بھی ہوتا اس سے بھی اجتناب فرماتے۔

مدرسہ کے مال میں اسی احتیاط کا نتیجہ تھا کہ جامعہ کے ابتدائی سات آٹھ سالوں میں جبکہ آپ کی رہائش جامعہ سے فاصلے پر تھی ایک ٹوٹی پھوٹی پرانی سائیکل خود چلاتے ہوئے جامعہ میں آتے تھے حالانکہ آپ ایک بڑے جامعہ کے مہتمم ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس سرہ کے خلیفہ تھے' آپ کا حلقہ احباب و مریدین بھی وسیع تھا۔ اگر آپ جامعہ سے یا اپنے خاص احباب سے اپنی آمدورفت کیلئے سواری کا انتظام کروانا چاہتے تو یہ آپ کیلئے کچھ مشکل نہیں تھا۔ لیکن آپ نے اسے گوارا نہیں فرمایا اور شدید گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت اور شدید سردی کے موسم میں صبح و شام سائیکل پر ہی آتے جاتے رہے۔ سائیکل پر سواری کا یہ سلسلہ آپ نے اس وقت تک جاری رکھا جب تک آپ کو ڈاکٹر حضرات نے ہرنیوں کے آپریشن کے سبب اس سے منع نہیں فرمادیا۔

مالیات میں آپ کے کمال احتیاط کا ہی ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے جامعہ امدادیہ کے اہتمام کے عرصہ میں ایک انچ بھی ذاتی جائیداد نہیں بنائی۔ آخر وقت جامعہ کے مکان میں ہی رہے اور وہیں سے آپ کا جنازہ اٹھا۔ ورنہ اگر آپ چاہتے تو اپنے لئے یا اپنی اولاد کیلئے شاندار کوٹھی' بنگلے تیار کروالیتے۔ لیکن آپ کے قلب و دماغ میں چونکہ فکر آخرت اور امانت کی گراں بار ذمہ داری کا احساس مستحضر تھا اس لئے آپ نے اپنے دامن کو مالیات میں خیانت یا بے احتیاطی سے بچائے رکھا۔

اپنے بیانات میں آپ طلبہ کو بھی مالیات میں احتیاط کی بہت زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے اور مدرسہ کے مال کو مالِ غنیمت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے غنیمت میں خیانت (غلول) کی وعیدیں سنا کر ان کی امانت و دیانت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش فرماتے۔

تربیت المعلمین

حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ مدارس کے نظام تعلیم و تربیت کو بہت زیادہ مستحکم دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ مدارس ہر قسم کی سرگرمیاں چھوڑ کر صرف اور صرف اپنے مقصد یعنی تعلیم و تدریس اور تربیت کی طرف متوجہ ہوں تا کہ امت کو صحیح رجال کار میسر ہوں۔ اس مقصد کیلئے آپ مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ کی تربیت کو بہت ضروری خیال فرماتے تھے کیونکہ یہ اساتذہ ہی وہ شخصیات ہیں جن کے ہاتھوں سے نسل نو تیار ہوتی ہے۔ چنانچہ کئی سالوں سے آپ کا معمول تھا کہ شعبان رمضان کی تعطیلات میں دورہ حدیث شریف سے فارغ ہونے والے طلبہ کیلئے تربیتی دورہ رکھا کرتے تھے۔ اس دورے میں چند ابتدائی بنیادی کتب درساً پڑھانے' انداز تدریس' تدریس کے لوازمات مطالعہ وغیرہ' مدرسہ کے مہتمم اور انتظامیہ کے ساتھ اور مہتمم کے مدرسین کے ساتھ تعلقات اور مدرسہ چلانے کیلئے رہنما اصول بتاتے تھے۔ امامت اور خطابت کے متعلق بھی رہنمائی فرماتے تھے۔ ان دوروں میں حضرت کے بیان کردہ اصول مرتب ہو کر "امداد المدرسین" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

تحریکات و سیاست سے کنارہ کشی

چونکہ آپ کا ہدف اور تمام محنتوں اور کاوشوں کا نچوڑ نظام تعلیم و تربیت کا استحکام تھا اس لئے آپ ہر ایسے اقدام یا عمل کو سخت ناپسندیدہ سمجھتے تھے جو طلبہ کی تعلیم و تربیت میں کمزوری کا ذریعہ ہو۔ اسی لئے آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کو ملکی سیاسیات اور ملک میں موجود ہر قسم کی مذہبی اور سیاسی جماعتوں سے عملاً بالکل الگ تھلگ رہنا ضروری ہے۔ مدرسہ میں رہتے ہوئے کسی تنظیم یا جماعت کی عملاً موافقت یا مخالفت' اس کا لٹریچر' سٹکر' پمفلٹ یا بیج وغیرہ اشیاء کو ایک لمحے کیلئے بھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔

آپ طلبہ سے فرمایا کرتے تھے کہ ملک میں جتنی بھی دین کا کام کرنے والی مذہبی یا سیاسی تنظیمیں یا جماعتیں ہیں یہ سب ہماری اپنی ہیں' ان کے رہنماؤں کے ساتھ ہمارے قریبی اور گہرے ذاتی تعلقات بھی ہیں اور وہ بھی دینی خدمات انجام دے رہی ہیں وہ سب ان کا ہم پر احسان بھی ہے لیکن ان سب کے باوجود مدرسہ کی چار دیواری میں رہتے ہوئے آپ کو اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں صرف اور صرف علم پر لگانی چاہئیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ان تحریکات یا تنظیموں میں حصہ لینے کے لئے بہت وقت ہے۔ فراغت کے بعد جس کا میلان جس طرح ہو وہ ادھر چلا جائے' لیکن تعلیم حاصل کرنے' علم میں رسوخ حاصل کرنے اور علمی استعداد بڑھانے کا یہی ایک وقت ہے۔ اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو اس کی تلافی ناممکن ہے۔ آپ نے پوری زندگی خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا ہے اور طلبہ واساتذہ کو بھی اسی کی تاکید کی ہے۔ (مع تلخیص واختصار از خطبات شیخ الحدیث)

جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے مثالی نظام پر ایک نظر

استاد محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ کی یادگار علمی درس گاہ ''جامعہ اسلامیہ امدادیہ'' فیصل آباد یوم اول سے تاہنوز علمی وعملی شاہراہ پر گامزن ہے۔ جو یقیناً استاد محترم کی حسنات جاریہ میں سے ہے۔ اللہ پاک اس عظیم درس گاہ کو آباد رکھیں اور اس کے فیوض و برکات کو اطراف عالم میں جاری فرمائیں۔

آج سے تقریباً 15 برس قبل بندہ مولوی حبیب الرحمٰن ملتانی غفرلہٗ نے جامعہ میں داخلہ لیا اور درجہ ثانیہ سے تعلیم کا آغاز کیا اس دور میں بندہ نے جامعہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے مثالی نظم کا جو مشاہدہ کیا وہ تحریر کیا جاتا ہے تاکہ تمام مدارس دینیہ کیلئے مشعل راہ ثابت ہو۔ بندہ نے یہ مضمون لکھ کر استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کیا۔ آپ نے نہایت شفقت کا معاملہ کرتے ہوئے مکمل مضمون کو پڑھا اور بعض جگہ اصلاح بھی فرمائی۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے نظر فرمانے کے بعد یہ مضمون جزو کتاب بنایا گیا ہے اگر کوئی سقم ہو تو اسے بلا تکلف بندہ ہی کی طرف منسوب کیا جائے۔

مثالی نظم وضبط

ایک عام شخص کو جامعہ میں داخلہ کے بعد جو چیز سب سے پہلے اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ جامعہ کا نظم وضبط ہے۔ پورے جامعہ میں اجتماعیت کی شان غالب رہتی ہے کہ تمام امور میں سب معلمین وطلباء وعملہ دفتر اپنے اپنے نظم الاوقات کے تحت خدمت دین میں

مصروف نظر آتے ہیں۔

یومیہ پنج وقتہ نماز جس طرح ہر مسلمان کو اجتماعیت کا درس دیتی ہے عام زندگی میں اس کا مشاہدہ جامعہ کے نظم کو دیکھ کر کیا جاسکتا ہے کہ اذان کے بعد تمام اساتذہ وطلبہ نماز کی تیاری میں مصروف ہیں۔ ہر طالب علم اسی کوشش اور شوق میں ہے کہ میری تکبیر اولی فوت نہ ہو جائے اور تمام طلباء ایک دوسرے کو نماز کی ترغیب دیتے ہوئے مسجد کی طرف جاتے نظر آتے ہیں۔ نماز فجر کے چند منٹوں کیلئے حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کی مبارک کتاب تبلیغ دین پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ اس کے بعد طلباء کی اکثریت تلاوت قرآن یا دیگر مسنون اذکار میں مصروف نظر آتے ہیں۔

اجتماعی ناشتہ

تھوڑی دیر کے بعد اجتماعی ناشتہ کیلئے گھنٹی بجتی ہے اور تمام طلبا سکون و وقار کے ساتھ مطعم کی طرف جاتے ہیں۔ مطعم میں ہر درجہ کے طلباء کے مقررہ جگہ دستر خوان بچھے ہوتے ہیں اور پھر ہر درجہ کے تمام طلباء کی نشستیں بھی دستر خوان پر مقرر ہوتی ہیں۔ اس لئے بغیر کسی شوروغل کے چند لمحوں میں تمام طلبا ناشتہ سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ ناشتہ میں فی طالب علم چار کیک رس اور حسب ضرورت چائے دی جاتی ہے۔

جامعہ کی طرف سے طلبا کو دیا جانیوالا ناشتہ کا آغاز بھی جامعہ ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ طلبا کا وقت بچ جائے۔

آغاز اسباق

ناشتہ اور اسباق شروع ہونے میں گھنٹہ سے زائد وقفہ ہوتا ہے جس میں طلباء اسباق کی تیاری، غسل اور دیگر اپنی ضروریات کا نظم کر لیتے ہیں۔

اسباق کا پہلا دور چار گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے عموماً اسباق شروع ہونے کی گھنٹی بجنے سے پہلے ہی طلباء کی اکثریت درس گاہ میں اپنی اپنی نشست پر موجود ہوتی ہے دوران اسباق تمام طلباء باوضو سبق پڑھنے کا از خود خیال رکھتے ہیں۔ دوران اسباق طلباء اپنی درس گاہ ہی میں رہتے ہیں اور سبق کا گھنٹہ تبدیل ہونے پر اساتذہ خود ہی درس گاہ تشریف لے آتے

ہیں۔ ہر سبق کے شروع میں باقاعدہ حاضری ہوتی ہے۔

اصطلاح......صاحب ترتیب

صاحب ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ آغاز سال سے آخر سال تک جس طالب علم نے مکمل سال کسی بھی گھنٹہ میں غیر حاضری نہیں کی اور نہ بیماری یا دیگر عوارض کی وجہ سے رخصت لی۔ گویا سال بھر کسی بھی گھنٹہ میں غیر حاضری یا رخصت نہیں لی گئی۔ ایسے خوش نصیب طلباء صاحب ترتیب کہلاتے ہیں اور ماشاء اللہ کئی طلباء سال کے آخر میں اس پر انعام حاصل کرتے ہیں۔ یقیناً یہ مشقت طلب امر ہے لیکن جامعہ کے عمومی ماحول میں ڈھل جانے والے طلباء کیلئے یہ مجاہدہ انتہائی سہل ہے۔

جامعہ کے عملی ماحول میں طلباء کی بنائی ہوئی یہ اصطلاح کافی مقبول ہے اور اس کی برکت سے کئی طلباء اسباق سے ناغہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

تکرار اسباق

چار گھنٹے مسلسل اسباق کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ پڑھے گئے اسباق کا تکرار کیا جاتا ہے۔ تاکہ انہیں ضبط کرنے میں آسانی ہو۔ چار پانچ طلباء ٹولیوں کی شکل میں درس گاہ میں بیٹھے بیٹھے چاروں اسباق کا تکرار کر لیتے ہیں اور بعض طلبا استاد صاحب کی تقریر کی تکمیل کر لیتے ہیں۔

جس طرح اسباق کے دوران کوئی طالب علم درس گاہوں سے باہر نظر نہیں آتا اسی طرح اس تکرار کے دوران بھی طلباء کو ادھر ادھر آنے جانے سے روکا جاتا ہے اور اس نگرانی کیلئے بھی ایک استاد صاحب مقرر ہیں جو صحن مدرسہ اور درس گاہوں میں چلتے پھرتے طلباء کی تادیب فرماتے رہتے ہیں۔

نظم طعام

جامعہ میں مطعم اور مطبخ کے درمیان قدرے فاصلہ ہے۔ ہزاروں طلباء کیلئے روٹیاں مشین پر پکائی جاتی ہیں اور سالن بھی دیگوں میں تیار ہوتا ہے۔ یومیہ پکنے والا سالن بھی ہر روز چیک کیا جاتا ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمانوں کے اکرام میں

بشری ہمت وقدرت کے مطابق نقص نہ رہ جائے۔

کھانا تیار کرنے پر عملہ مقرر ہے لیکن اسے مطبخ سے مطعم تک منتقل کرنے اور طلبا کو کھلانے کا پورا نظم جامعہ کے اساتذہ کی نگرانی میں طلباء اپنی مدد آپ کے تحت کرتے ہیں۔ ہر درجہ سے چند طلباء کی ایک ہفتہ کیلئے باری مقرر کی جاتی ہے جو مکمل ہفتہ یہ خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ ان خدام طلباء میں سے کچھ عملہ روٹیوں کی گنتی کر کے مطعم میں پہنچاتے ہیں اور انہیں طلبا میں تقسیم بھی کرتے ہیں۔ باہمت طلبا سالن کی تیار شدہ دیگوں کو مطعم تک لے جاتے ہیں اور وہاں موجود دیگر طلباء شوربہ اور بوٹیوں کو علیحدہ علیحدہ بالٹیوں میں نکال لیتے ہیں اور کمال مہارت سے چند منٹوں میں ہزاروں پلیٹوں میں سالن ڈال دیا جاتا ہے۔ مختصر جگہ میں ہزاروں پلیٹوں میں سالن ڈال کر قرینہ سے رکھنے کا منظر قابل دید ہوتا ہے۔ اسباق کے بعد تکرار کے ان آدھے گھنٹہ میں خدام طلباء بسہولت کھانے کا مکمل نظم کر لیتے ہیں جن کی ایک استاد صاحب مکمل نگرانی فرماتے رہتے ہیں۔

جامعہ میں تیار کیا جانیوالا کھانا ایسا عمدہ ہوتا ہے کہ آنے والے معزز مہمانوں کو بھی وہی پیش کیا جاتا ہے اور بعض مہمانوں کا اصرار ہوتا ہے کہ ہماری ضیافت اسی کھانے سے کی جائے ارباب جامعہ کی نگرانی ہی کا نتیجہ ہے کہ عرصہ گزر جانے کے بعد بھی کھانے کا معیار اور ذائقہ وہی ہے۔

کھانے کی گھنٹی بجنے پر تمام طلباء ہاتھ دھو کر مطعم میں اپنی اپنی مقررہ نشست پر بیٹھ جاتے ہیں اور تقریباً دس منٹ میں ہزاروں طلباء کی جماعت کھانے سے فارغ ہو جاتی ہے۔ گرمیوں میں کھانے کے بعد تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ طلبا قیلولہ کرتے ہیں اور مکمل خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے بستروں پر قیلولہ کرتے ہیں۔ دوران قیلولہ اگر کسی طالب علم نے مدرسہ سے باہر جانا ہو تو وہ مقررہ استاد صاحب سے تحریری اجازت لیکر جاتا ہے اور اجازت نامہ گیٹ کیپر کو دکھا کر باہر جانے کی اجازت ہوتی ہے اور وہ اجازت نامہ بھی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔ دوران قیلولہ ایک استاد صاحب اپنے آرام کو تج دیکر طلباء کی نگرانی اور خدمت پر مامور رہتے ہیں۔ نماز ظہر کے بعد (گرمیوں میں) جامعہ کی جانب سے طلبا و اساتذہ کرام کیلئے سستے داموں شربت فراہم کیا جاتا ہے جو کہ استاد محترم علیہ الرحمۃ کی طلباء پر کمال شفقت کی دلیل ہے۔

اسباق کا دوسرا دور

ظہر تا عصر دو گھنٹے اسباق ہوتے ہیں جو اذان عصر تک جاری رہتے ہیں۔

تفریح ونشاط طلباء

نماز عصر کے بعد جامعہ کا بڑا گیٹ کھول دیا جاتا ہے اور بلا رکاوٹ طلباء ہوا خوری اور اپنی ضروریات کیلئے باہر جاتے ہیں کچھ طلباء کھیل میں مشغول ہوتے ہیں اور کچھ طلباء اپنے ہم درس ساتھیوں کے ساتھ مل کر چہل قدمی کرتے ہیں۔

تفریح کے یہ لمحات اذان مغرب سے پہلے ختم ہو جاتے ہیں اور اذان سے پہلے تمام طلباء نماز کی تیاری میں مصروف نظر آتے ہیں۔

طلبہ جو مہینہ بھر کا جیب خرچ گھروں سے لاتے ہیں وہ دفتر میں جمع کرا دیتے ہیں اور عصر کے بعد حسب ضرورت لے لیتے ہیں۔ ہر طالب علم کا علیحدہ لفافہ ہے جس پر جمع وصول کی مکمل تفصیل درج ہوتی ہے۔

مطالعہ کتب

نماز مغرب کے فوراً بعد تمام طلباء اپنی کتب لیکر مطالعہ گاہ میں آجاتے ہیں اور مکمل خاموشی کے ساتھ اگلے دن پڑھے جانے والے اسباق کا خاموشی کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں دوران مطالعہ بھی اساتذہ کرام کی نگرانی رہتی ہے۔ اذان عشاء سے کچھ دیر قبل کھانے کا نظم ہے اور تمام طلباء چند لمحوں میں رات کے کھانے سے فارغ ہو جاتے ہیں۔

نظم تکرار

نماز عشاء کے فوراً بعد تمام طلباء مطالعہ گاہ میں ہی تکرار کرتے ہیں اور صبح سے عصر تک جو اسباق پڑھے ہیں انہیں آپس میں دہراتے ہیں اور جید الاستعداد طلباء اپنے ساتھیوں کی مکمل رہنمائی کرتے ہیں اور اساتذہ کی تقاریر کو طلباء کے سامنے دہراتے ہیں اور یہ تکرار تقریباً دو گھنٹے جاری رہتا ہے۔

سونے کا نظم

تکرار کے بعد تمام طلباء کا بروقت سونا لازم ہے اس لئے تمام طلباء اپنی اپنی جگہ مکمل راحت کی نیند سو جاتے ہیں۔

طلباء کی اخلاقی تربیت

ابتدائی درجات کے امرد یعنی بے ریش بچوں کو بڑوں کے اختلاط کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ ان کی عمروں کے لحاظ سے ان میں بھی درجہ بندی کا نظم ہے۔ ان کی رہائش اور تعلیم کا بالکل علیحدہ نظام ہے اور کسی بڑے طالب علم کو ان کی رہائش گاہ یا درس گاہ میں آنے کی اجازت نہیں۔ رات کو بھی دارالاقامہ کے ہر کمرے میں مدہم روشنی کے بلب روشن رہتے ہیں اور گاہے بگاہے اساتذہ کرام ان کی خبر گیری فرماتے ہیں۔

طلباء کی عملی تربیت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مبارک ارشادات سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ کثیر تعداد کے بے عمل طلباء سے چند باعمل طلباء کی جماعت بہتر ہے اس لئے حضرت رحمہ اللہ کے خطبات وملفوظات میں علم کے ساتھ عمل اور اخلاقی وعملی تربیت کے واضح ارشادات موجود ہیں۔

سلسلہ تھانوی کے رجل رشید استاد محترم مولانا نذیر احمد صاحب علیہ الرحمۃ پر بھی ہمہ وقت طلباء کی عملی تربیت پیش نظر رہتی اور رات دن اسی فکر میں رہتے کہ طلباء جہاں علمی لحاظ سے جید الاستعداد ہوں وہاں عملی میدان میں بھی دینداری اور اس کے تقاضے ان کی طبیعت کا جزو بن جائے۔ الحمدللہ جامعہ کی مجموعی فضا ایسی ہے کہ اس میں طلباء کا اعمال صالحہ کا اہتمام کرنا سہل اور عملی کوتاہی میں مبتلا ہونا مشکل ترین امر ہے۔ گویا جامعہ علوم دینیہ کی درس گاہ ہی نہیں بلکہ عملی تربیت اور اصلاح کیلئے ایک خانقاہ بھی ہے۔ جو طلباء کو صحبت صالح بھی فراہم کررہی ہے اور اصلاح نفس کا فریضہ بھی ادا کررہی ہے۔

تمام طلباء کا جس طرح اسباق میں حاضر ہونا ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ نماز

باجماعت کا اہتمام ضروری ہے۔ اگر طلباء اس سلسلہ میں سستی کرتے ہیں تو استاد محترم علیہ الرحمۃ اپنی زندگی میں خود ان کی تادیب فرماتے اور یہ تادیب یوں ہوتی کہ جامعہ کے صحن میں ایسے تمام طلبا کو جمع کر دیا جاتا اور کسی لکڑی پر کپڑا باندھ کر ضرب لگائی جاتی۔ اس سے طلبا کو ضرب کی شدت بھی کم محسوس ہوتی اور طلبا کی عملی و اخلاقی تربیت کے ناطے اپنا فریضہ بھی ادا ہو جاتا۔

محرم الحرام کے ایام عاشورا میں اجتماعی روزہ رکھنے کا نظم بھی ہے تاکہ طلباء کی نیکی کے جذبات متحرک رہیں۔ جن اعمال میں طلباء سستی کرتے ہوں چاہے وہ تعلیمی ہو یا عملی و اخلاقی۔ ان کی اصلاح کیلئے ہر ہفتہ وار اجتماعی بیان ہوتا ہے جس میں تمام طلبا کے علاوہ اساتذہ کرام کی حاضری بھی لازمی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کا یہ بیان پند و نصائح کے علاوہ دین کے اسرار ورموز اور آپ کی زندگی کے تجربات مجربات سے مزین ہوتا اور اسلاف رحمہم اللہ کے واقعات اور اہل دل مشائخ کے ملفوظات سے آراستہ ہوتا طلباء میں آپ کی محبوبیت کا یہ عالم ہوتا کہ طلبا آپ سے ملاقات کے شرف سے نہال ہو جاتے اور آپ سے مصافحہ کو اپنے لئے قیمتی سرمایہ تصور کرتے اکثر آپ کسی طالب علم سے ملتے تو پنجابی زبان میں فرماتے ''کی حال اے'' یعنی آپ کا کیا حال ہے؟ اس کے جواب میں ہر طالب علم زبان و دل سے الحمد للہ کہتا۔

ہفتہ میں ایک دن عصر کے بعد آپ کی اصلاحی مجلس بھی ہوتی جس میں آپ سے اصلاحی تعلق والے اہل شہر اور جامعہ کے اساتذہ و طلبا مستفید ہوتے۔

وقتاً فوقتاً ملک کی مشاہیر شخصیات کو جامعہ میں دعوت دی جاتی ہے اور ان کے علمی بیانات سے طلباء کو مستفید ہونے کا موقع مل جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی اہم شخصیت کسی دوسرے شہر میں رونق افروز ہو اور ان کے جامعہ میں آنے کا نظم نہ ہو تو ضرورت کے تحت طلباء کو جامعہ کی طرف سے لے جانے کا نظم ہے تاکہ طلباء کا تعلیمی حرج بھی نہ ہو اور بزرگوں کی صحبت بھی نصیب ہو جائے۔ یقیناً اس طرح کی دینی مجالس طلباء کی علمی تربیت میں بڑی مؤثر رہتی ہیں۔

طلباء سے رابطہ

بڑے درجات کے طلبا جو براہ راست آپ سے تلمذ کا شرف رکھتے ان سے تو ہمہ وقت

رابطہ رہتا ہی تھا۔ اس کے علاوہ آپ ہر روز عصر کی نماز کے بعد جامعہ کے صحن میں موجود کرسیوں پر تشریف فرما رہتے اور ہر طالب علم بلا کسی رکاوٹ کے اپنی بات آپ سے کر سکتا' طلباء کی یہ باتیں علمی نکات سے لیکر ما بین معمولی تنازعات تک محیط ہوتیں اور حضرت اپنے مقام اعلیٰ سے نزول فرما کر ایک ہمدرد دوست یا شفیق باپ کے روپ میں نظر آتے۔

بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو طلباء خود حضرت رحمہ اللہ کو نہیں بتا سکتے یا بتانے کی ہمت نہیں پاتے ان کیلئے ایک بکس مقرر ہے جس میں طلبا اپنی مشکلات' تجاویز یا مشورے تحریری طور پر لکھ کر ڈال دیتے ہیں جنہیں خود حضرت ہی پڑھتے اور حکمت وبصیرت کے ساتھ ان کا تدارک فرماتے۔ اور طلباء کے ہر قسم کے معاملات کے فوری ازالہ کا بندوبست فرماتے ہیں۔

گاہے بگاہے جس طالب علم میں اخلاقی یا عملی کوتاہی دیکھتے حسب ضرورت انفرادی طور پر اس کی فی الفور اصلاح فرماتے اور کریمانہ انداز میں حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر فرماتے۔

معلمین سے برتاؤ

اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ بھی ہے کہ جامعہ کے تقریباً تمام اساتذہ کرام استاد محترم رحمہ اللہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ تلامذہ میں سے ہیں۔ اس لئے وہ سب حضرت رحمہ اللہ کے مذاق ومزاج کی مکمل رعایت رکھتے ہیں۔ ادھر حضرت رحمہ اللہ بھی اساتذہ کا حد درجے تک خیال رکھتے اور ممکنہ حد تک ان کی راحت کا خیال رکھنے کے علاوہ زیر درس کتب کے بارے میں اپنے تجربات سے آگاہ فرماتے۔ بعض اوقات مدرسین وطلباء کی حوصلہ افزائی کیلئے چھوٹے درجوں کی کلاسوں میں تشریف لاتے اور نہ صرف ہدایات سے نوازتے بلکہ زیر درس کتاب کے بھی کچھ اسباق پڑھاتے۔ جس سے چھوٹے درجات کے طلباء کو بھی آپ سے تلمذ کا شرف حاصل ہو جاتا۔ ہر استاد جہاں تدریس میں مصروف ہے وہاں وہ جامعہ کے کسی نہ کسی شعبہ کا نگران بھی ہے۔ اس سے اساتذہ میں جہاں نظم وضبط اور وقت کی قدر دانی ملحوظ رہتی ہے وہاں ان میں انتظامی صلاحیتیں بھی متحرک رہتی ہیں۔

ہر اہم کام کے سلسلہ میں استاد محترم رحمہ اللہ اساتذہ سے مشاورت فرماتے اور ان کی

تجاویز کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس سے اساتذہ میں خود اعتمادی پیدا ہوتی۔

نماز کا نظم

صبح کی نماز میں تمام طلباء کی حاضری ضروری ہے اس سلسلہ میں ایک استاد صاحب مستقل مقرر ہیں جو نائمین کو جگانے اور غافلین کو مسجد لے جانے پر مامور ہیں۔ اسی طرح بقیہ چاروں نمازوں میں بھی اساتذہ کرام کی نگرانی میں طلباء اوقات نماز میں مستعد نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات حضرت رحمہ اللہ خود بھی نگرانی فرماتے اور نماز میں سستی کرنے والے طلبا کی تادیب فرماتے۔

مریض طلباء کا خیال

جو طالب علم مریض ہو وہ اپنی مختصر درخواست لکھ کر مقررہ بکس میں ڈال دیتا ہے اور پھر دارالاقامہ میں اپنی جگہ آرام کرتا ہے۔ ایک استاد صاحب ایسے مریض طلباء کی عیادت اور علاج معالجہ کا نظم فرماتے ہیں۔ اس نگرانی سے مریض طلبا کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور متمرض طلباء کا بھی فوری علاج ہو جاتا ہے۔ مکمل علاج وادویات جامعہ ہی کی طرف سے دی جاتی ہیں۔ ہر روز عصر سے مغرب تک ایک جید معالج جامعہ کی ڈسپنسری میں تشریف لاکر مریض طلباء کا معائنہ کر کے انہیں دوائی دیتے ہیں۔ اس ڈسپنسری سے نہ صرف طلباء بلکہ اساتذہ کرام بھی حسب ضرورت استفادہ کر سکتے ہیں۔ عمومی وبائی امراض پر اجتماعی تدابیر کے ذریعے طلباء کی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔

جامعہ کے ہر ہر کام میں طلباء کی سہولت اور ان کی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے حتی کہ ٹھنڈے پانی کی ٹینکی کے ساتھ ٹھنڈے اور سادہ دونوں طرح کے شفاف پانی کی سہولت رکھی گئی ہے تا کہ ہر شخص حسب منشا زیادہ ٹھنڈا یا کم ٹھنڈا پانی پی سکے۔ اسی طرح وہ طلباء جو اپنی بیماری کے عذر پر گھر جانا چاہیں انہیں حسب مصلحت آسانی سے رخصت مل جاتی ہے۔

شب جمعہ ویوم جمعہ کا نظم

جمعرات کو عصر کے بعد اسباق کی تعطیل ہو جاتی ہے اور جامعہ کے گردونواح کے طلباء مقررہ استاد صاحب سے رخصت لیکر جمعہ کی عصر تک کیلئے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔

مغرب سے عشا اور عشاء سے سونے کے مقررہ وقت تک طلباء اپنی ذاتی ضروریات

اور صفائی ستھرائی اور کپڑے وغیرہ دھونے میں مصروف رہتے ہیں۔اس تعلیمی تعطیل میں بھی ہر وقت طلباء کی حاضری صاف شفاف رہتی ہے اور ہر درجہ کے مقرر نگران صاحب کسی بھی وقت طلباء کی اجتماعی حاضری لے سکتے ہیں۔عموماً اس حاضری کا اعلان کھانے کے دوران کر دیا جاتا ہے تاکہ تمام طلباء مقررہ جگہ اپنی حاضری دے سکیں۔

وہ طلباء جو تبلیغ کا ذوق رکھتے ہیں اور شب جمعہ کو بلال مسجد جانا چاہیں۔ان کی بھی ممکنہ سہولیات کا نظم ہے کہ وہ باقاعدہ اجازت لیکر جماعتی نظام کے ساتھ مغرب سے پہلے روانہ ہوتے ہیں اور اپنا رات کا کھانا ساتھ لے جاتے ہیں اور اگلے دن صبح جامعہ میں واپس آجاتے ہیں۔

جمعرات یا جمعہ کے دن جو طلبا جامعہ سے باہر جانا چاہیں۔وہ بھی نگران صاحب کی تحریری اجازت سے جاتے ہیں۔ان اوقات میں بعض طلباء اپنی تعلیمی کمی کو پورا کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں اور بعض طلباء حسب نشاط نیند کے مزے لوٹتے ہیں بعض انفرادی یا اجتماعی طور پر کچھ کھانے پکانے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

ان اوقات میں باذوق طلباء کو خارجی لیکن اصلاحی کتب مطالعہ کیلئے فراہم کرنے کیلئے مستقل لائبریری کا نظم ہے اور دارالحدیث کے پرسکون ماحول میں خاموشی کے ساتھ مطالعہ کیا جاسکتا ہے طلباء میں تقریر کا ذوق پیدا کرنے کیلئے استاد محترم رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ طلباء اپنے اسباق کی تیاری کرکے تکرار میں دوسرے ساتھیوں کو سبق سنانے کی مشق کرتے رہیں تو ان میں خود تقریر کی صلاحیت پیدا ہوجائے' تاہم وقت کی ضرورت کے تحت اس ذوق کے طلباء عشاء کے بعد اپنی درس گاہوں میں تقریر کا نظم کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں جامعہ کے اساتذہ بھی مکمل رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔بعض اوقات دارالحدیث میں کسی استاد صاحب کو دعوت دی جاتی ہے کہ ان کی نگرانی میں طلباء تقریریں کریں اور پھر وہ ان طلباء کی اصلاح بھی کریں اور اپنے تجربات ومشاہدات سے طلبا کو سیراب فرمائیں۔

آج کل یہ نظم ہے کہ ہفتہ کے دن اسباق کے اوقات کو قدرے مختصر کرکے ہر کلاس میں مقررہ استاد صاحب کی نگرانی میں تقاریر ہوتی ہیں اور جمعہ کے لمحات میں طلباء اپنے موضوع کی تیاری کرلیتے ہیں۔دوران تقریر مقررہ استاد صاحب کا موجود ہونا ضروری ہے

ان ہلکی پھلکی سرگرمیوں سے طلباء کسی نہ کسی طرح اصلاحی اور تعمیری کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور ہر قسم کی فضولیات سے بچاؤ رہتا ہے۔

جمعۃ المبارک کے دن تمام طلباء نماز جمعہ کیلئے قبل از وقت مسجد میں آجاتے ہیں اکثر طلباء تلاوت قرآن کرتے ہیں بعض ذکر اذکار میں اور بعض اپنی درسی کتب کے مطالعہ یا اسباق کے حفظ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

جمعۃ المبارک پڑھنے شہر سے کثیر تعداد میں آنے والے سامعین کی خدمت وراحت کیلئے بھی طلباء مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دیتے ہیں پھر عصر کے بعد اجتماعی تکرار کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور حسب معمول تعلیمی نظم شروع ہو جاتا ہے۔

جمعہ کے دن کھانے کا معمول یہ ہوتا ہے کہ صبح ناشتہ نہیں دیا جاتا بلکہ دس بجے کھانا ہوتا ہے اور نماز عصر سے پہلے ناشتہ دیدیا جاتا ہے اور پھر نماز عشاء سے قبل کھانا ہوتا ہے۔

غیر معمولی شفقت

اہم اجتماعی کاموں میں طلباء کی مجموعی کارکردگی سے خوشی ہوتو ایسے موقع پر استاد محترم رحمہ اللہ کی مسرت قابل دید ہوتی تھی اور اکثر حضرت رحمہ اللہ کی طرف سے حلوہ شریف یا کسی اور چیز سے طلباء کی ضیافت کی جاتی۔ حضرت رحمہ اللہ کی طبعی سخاوت آج بھی آپ کے جانشینوں میں جھلکتی نظر آتی ہے۔

وہ حضرات جو جامعہ کے مکمل نظام سے ناواقف ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جامعہ میں بڑی سخت پابندیاں ہیں لیکن جامعہ کا کوئی بھی طالب علم اس سے اتفاق نہیں کرے گا۔ جہاں ست اور غبی طالب علم کو شاید جامعہ کا نظم ہضم نہ ہو لیکن خدا شاہد ہے کہ پڑھنے والے طلباء جب جامعہ میں قدم رکھتے ہیں اور اس کے نظام کو قریب سے دیکھتے تو بلا مبالغہ ان کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ گویا وہ پہلے اعراف میں تھے اور اب جنت میں آگئے ہیں۔ جامعہ کے نظم اور اجتماعی فضا کو پابندی کہنا جامعہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ورنہ ہر کامیابی اپنے مضبوط نظم ہی کی مرہون منت ہے۔

جامعہ کا درجہ تحفیظ

جامعہ میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب شعبہ تحفیظ کی درس گاہیں ہیں۔ جن میں جید

قراء حضرات بچوں کو حفظ قرآن کی تعلیم دے رہے ہیں۔ حضرت کی خصوصی توجہات اور تعلیمات سے تمام قراء عام مروجہ طریقہ تعلیم کی بجائے صبر وتحمل اور بغیر کسی مار دھاڑ کے بچوں کو حفظ کی تعلیم دیتے ہیں۔

درجہ حفظ کے طلباء کا کتابی طلباء سے اختلاط نہ ہو اس کیلئے حضرت رحمہ اللہ نے ایسا نظم فرمایا کہ دوران نماز بھی حفظ کے طلباء مسجد کے ایک حصہ میں علیحدہ نماز ادا کرتے ہیں جن کی مسجد روانگی اور واپسی کی ایک قاری صاحب مستقل نگرانی فرماتے ہیں۔

اسی طرح درجہ حفظ کے طلبا کی طہارت اور وضو کیلئے ان کی درس گاہوں سے متصل علیحدہ نظام ہے اس لئے کوئی کتابی طالب علم وہاں نہیں جا سکتا۔

جامعہ کا مجموعی ماحول

جنت میں دیدار خداوندی کے بعد سب سے بڑی نعمت یہ ہوگی کسی کو کسی سے کوئی شکایت ہوگی نہ کوئی رنج وغم۔ یہ حالت جس ماحول میں قائم ہو جائے وہ جنتی ماحول کہلانے کا مستحق ہے۔ اس کا مشاہدہ جامعہ کے مثالی نظم کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے کہ ہزاروں طلباء کا اجتماع ہے جو چند روزہ نہیں بلکہ دائمی ہے لیکن کسی استاد کو کسی طالب علم سے شکایت نہیں اور کسی طالب علم کو کسی استاد یا ہم درس ساتھی سے شکوہ شکایت نہیں۔

حضرت مہتمم سے لیکر جامعہ کے عملہ تک ہر شخص اپنے اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی سرانجام دے رہا۔ الحمدللہ علم دین کا یہ گلشن اپنے اردگرد کے ماحول کو مبارک کرتا ہوا اپنے تعلیمی واصلاحی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

پاک وہند کے وہ مدارس جو اپنے کامیاب نظم وضبط کے ساتھ علمی اور عملی ترقی کر رہے ہیں ان کے حالات کا جائزہ لینے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے کامیاب مدارس بلاواسطہ یا بالواسطہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ ہی کے خلفاء یا ان کے خلفاء کا فیض ہے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی بے غبار تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی برکات ہیں۔

جامعہ اسلامیہ امدادیہ کے کامیاب نظم میں خدائی فضل وکرم کے ساتھ یہ بھی خدائی

انعام ہے کہ اس کے بانی و مہتمم سلسلہ تھانوی کے رجل رشید تھے اور ہر معاملہ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مسلک و مشرب اور دیگر اکابرین کے ذوق کی رعایت فرماتے اللہ تعالیٰ اس پرفتن دور میں علم و عمل کے اس گہوارے کو تا قیامت ہر قسم کی آفات سے محفوظ رکھیں اور اس کے مثالی نظام کو دیگر مدارس کیلئے بھی مشعل راہ بنائیں اور جامعہ کے موجودہ ارباب اہتمام کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت نصیب فرمائیں کہ جامعہ کی ظاہری ترقی اور روحانی و معنوی فیض کی بقا اسی میں ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادگان

(۱) مولانا مفتی عالمگیر صاحب مدظلہ لکھتے ہیں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت استاد مکرم مولانا مفتی محمد طیب صاحب مدظلہم ہیں آپ کی ولادت ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔ آپ نے جامعہ خیر المدارس ملتان میں قرآن کریم حفظ کیا اور حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گردان مکمل کی۔ اس کے بعد کی تعلیم خیر المدارس' دار العلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار اور دار العلوم فیصل آباد میں حاصل کی۔ دار العلوم میں آپ نے درجہ رابعہ سے موقوف علیہ تک کی کتب پڑھیں۔ آخر میں دورہ حدیث کیلئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لے گئے اور ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۹۸۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ دورہ حدیث میں آپ کو حضرت اقدس مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی' حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی رحمہما اللہ اور حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب جیسے اکابر سے کتب حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور دورہ حدیث کے وفاق کے امتحان میں آپ نے پورے ملک میں تیسری حیثیت حاصل کی۔ دورہ حدیث کے بعد تخصص فی الافتاء کیلئے دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی میں داخلہ لیا اور فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ' کی صحبت میں رہ کر فتویٰ کی مشق کی۔ دورہ حدیث کے بعد تخصص فی الافتاء کیلئے دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی میں داخلہ لیا اور فقیہ العصر اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی

صحبت میں رہ کر فتویٰ کی مشق کی۔

آپ نے شوال ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۳ء میں تدریس کا آغاز باغ والی مسجد فیصل آباد سے کیا۔ اسی سال رمضان میں جامعہ امدادیہ کی بنیاد بھی رکھی جا چکی تھی۔ چنانچہ ایک سال کی تدریس کے بعد آپ والد ماجد کے حکم پر جامعہ تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ جامعہ کے مہتمم وصدر ہیں۔

آپ نے باقاعدہ اصلاحی تعلق سیدی ومرشدی حضرت مسیح الامت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ سے قائم کیا۔ اس وقت آپ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز بیعت اور اجل خلفاء میں سے ہیں۔ دوران حدیث اور تخصص کے زمانے میں کراچی قیام کے دور میں عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس اللہ سرہٗ کی مجالس میں بکثرت شریک ہوتے رہے ہیں آپ کا حضرت ڈاکٹر صاحب سے قریبی تعلق رہا ہے اور حضرت ڈاکٹر صاحب بھی آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو بہت سے کمالات سے نوازا ہے۔ آپ ایک جید عالم' فقیہ' صاحب نسبت شیخ اور درویش منش انسان ہیں۔ درس نظامی میں شامل مختلف علوم وفنون کی تقریباً تمام کتب پڑھا چکے ہیں۔ اس وقت صحیح بخاری جلد ثانی اور مشکوۃ المصابیح جلد اول کی تدریس فرما رہے ہیں۔

(۲) حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ کے دوسرے صاحبزادے استاذ مکرم حضرت مولانا محمد زاہد صاحب مدظلہم ہیں۔ آپ ۱۵ شعبان ۱۳۸۳ھ بمطابق ۱۹۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن کریم کا آغاز مدرسہ اشرف العلوم گگو منڈی تحصیل بوریوالہ سے کیا اور تکمیل جامعہ خیر المدارس العلوم فیصل آباد سے پڑھی اور قرأت کی مشہور کتاب شاطبیہ کا ایک حصہ حضرت قاری عبدالرحمٰن ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ سے جامعہ مدنیہ لاہور میں پڑھا۔

درس نظامی کی ابتداء دارالعلوم فیصل آباد سے کی اور بیشتر تعلیم یہیں حاصل کی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ذکاوت وذہانت کا وافر حصہ عطا فرمایا ہوا ہے۔ چنانچہ درجہ رابعہ کے امتحان وفاق میں آپ نے پورے ملک میں تیسری حیثیت حاصل کی۔ جامعہ اسلامیہ کے قیام کے بعد درس نظامی کے آخری تین سال اس میں زیر تعلیم رہے اور پھر اسی جامعہ سے شعبان

۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۹۸۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے والد محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور سیدی و مرشدی شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے مشورے سے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں ایم اے عربی میں حصہ لیا۔ آپ نے تین سال میں کورس مکمل کیا۔ اس دوران یونیورسٹی کے امتحانات میں عام طور پر اول یا دوم حیثیت سے کامیاب ہوتے رہے۔

آپ کی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے یونیورسٹی کے کلیہ عربیہ کے اساتذہ کی شفقتیں اور توجہات آپ کو حاصل رہیں حتی کہ یونیورسٹی سے فراغت کے وقت فیکلٹی کے ڈین دکتور علی العشری نے یونیورسٹی میں ہی اعلیٰ ملازمت کی پیش کش بھی کی۔ لیکن آپ نے اپنے والد ماجد کے حکم کی وجہ سے اس پیش کش کو قبول کرنے سے معذرت کر لی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے شوال ۱۴۰۹ھ سے جامعہ اسلامیہ امدادیہ میں با قاعدہ تدریس کا آغاز فرمایا اور بفضلہٖ تعالیٰ تدریس کے دوسرے سال ہی آپ کو حدیث کی اہم کتاب جامع ترمذی پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس وقت آپ جامعہ کے شیخ الحدیث اور نائب صدر و نائب مہتمم ہیں۔

حق تعالیٰ نے آپ کو تمام علوم خصوصاً حدیث و فقہ سے مناسبت عطا فرمائی ہے۔ دور حاضر کے جدید مسائل کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے ہیں۔ تفقہ کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے تحریر کا ملکہ بھی عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ لاہور سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''الصیانہ'' میں تقریباً بارہ سال سے سنجیدہ، باوقار اور شائستہ انداز سے ملکی و ملی مسائل پر اداریہ تحریر فرما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد قومی اور بین الاقوامی رسائل و جرائد میں آپ کے تحقیقی مضامین عربی اور اردو میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان دنوں آپ جامع ترمذی کی شرح معارف السنن (مؤلفہ: حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ) کا تکملہ عربی زبان میں تحریر فرما رہے ہیں۔

جس کی پہلی جلد منظر عام پر آچکی ہے اسی طرح اشرف التوضیع کی تکمیل بھی جاری ہے اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیات کو دو چند فرمائیں اور اپنی حفظ و امان میں رکھیں۔ آمین

اصلاح باطن کے سلسلے میں آپ نے سب سے پہلے عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ

عارفی قدس اللہ سرہ کے ساتھ اصلاحی تعلق قائم فرمایا۔ حضرت کے وصال کے بعد سیدی ومرشدی حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ اب سیدی ومرشدی شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم سے بیعت اور زیر تربیت ہیں۔ (از خطبات شیخ الحدیث)

استاد محترم حضرت مفتی محمد مجاہد شہید رحمہ اللہ

(۳) بندہ مولوی حبیب الرحمٰن ملتانی غفرلہ نے محاسن اسلام اپریل 2006ء میں اپنے استاد محترم مفتی محمد مجاہد شہید رحمہ اللہ کی تدریسی خصوصیات کے حوالہ سے ایک مضمون لکھا تھا کتاب ہذا کی مناسبت سے مضمون یہاں دیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے تیسرے صاحبزادے استاد محترم حضرت مفتی مجاہد شہید رحمہ اللہ کی تدریسی صلاحیات کی شہادت کے لئے یہی بات ہی کافی ہے کہ دارالعلوم کراچی سے درجہ تخصص کی فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد ایک مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا تو آپ کی صلاحیات کے پیش نظر اولاً جو کتاب آپ کے زیر درس آئی وہ ہدایہ تھی جسے آپ نے صرف پڑھایا ہی نہیں بلکہ اس انداز سے پڑھایا کہ کراچی تک اس کی شہرت ہوئی۔ جس کا شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ (جو آپ کے استاد و شیخ بھی ہیں) نے بھی اپنی مجلس میں اظہار فرمایا۔

بندہ کو استاد محترم رحمہ اللہ سے اصول الشاشی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ جس میں تقریباً سال بھر آپ کا معمول یہی رہا ہے کہ مقررہ وقت پر آپ درس گاہ میں تشریف لے آتے۔ تعلیمی سال کے ابتدائی دنوں میں نئے طلباء سے بے تکلفی سے باہم تعارف کے لئے چند منٹ صرف فرماتے جس کے فوائد سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ فقہ کے حوالہ سے چونکہ آپ کی شخصیت مسلم تھی اس لئے فقہ اور اصول فقہ کا موضوع آپ کا خاص میدان تھا جس میں آپ کی صلاحیات پوری طرح عیاں ہوتی تھیں۔ کتاب کی متعلقہ عبارت سننے کے بعد آپ پہلے ایک سادہ تقریر فرماتے جس میں نفس مسئلہ کی تفہیم وتشریح کے علاوہ دیگر حسب موقع ضروری باتیں بھی آجاتیں جن میں اکثر و بیشتر اپنے اکابر کے واقعات بالخصوص حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ اور مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ

اللہ کے ملفوظات سر فہرست ہوتے جنہیں آپ پر کیف انداز میں بیان فرماتے۔ ان مختلف امور پر مبنی تقریر فرما کر نفس مسئلہ کی دوبارہ منضبط و مرتب ایسی تقریر فرماتے کہ میرے خیال کے مطابق اگر کوئی طالب علم اس نیت سے بھی شریک درس ہوتا کہ آج میں نے کتاب کے سبق کو نہ سننا ہے اور نہ سمجھنا ہے تو وہ بھی اس مرتب تقریر کے بعد عش عش کر اٹھتا۔ اور سبق کی پوری تقریر اس کے ذہن میں گھر کر چکی ہوتی۔ حضرت استاد محترم رحمہ اللہ کے انداز تدریس کا بغور مطالعہ کرنے والا اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ حضرت صرف ایک کامیاب مدرس ہی نہ تھے بلکہ موجودہ حالات، طلباء کی استعداد، نصاب وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اسباق میں تجدیدی شان کے حامل تھے۔ قدوری شریف، کنز الدقائق اور ہدایہ کی تدریسی ترتیب کے حوالہ آپ کا ایک مضمون ''ماہنامہ وفاق'' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ آپ کی ایسی تجدیدی شان تھی کہ آپ خلاف معمول کتاب کے ابتدائی خطبہ سے متعلق نکات اور مروجہ ابتدائی مباحث میں الجھنے کی بجائے بلا توقف کتاب شروع کرا دیتے۔ اور نفس کتاب کی اعلیٰ درجہ کی تفہیم و تشریح کے علاوہ طلباء میں اس فن کی مناسبت پیدا کرنے کی کوشش فرماتے کیونکہ یہی بنیادی چیز ہے کہ مناسبت پیدا ہو جانے پر طالب علم کی ذہنی صلاحیت مزید دو چند ہو جاتی ہے۔ جس کی برکت سے زیر درس کتاب کا سمجھنا پہلے سے کہیں آسان ہو جاتا ہے۔

دوران درس استاد محترم رحمہ اللہ طلباء میں مدرسہ کے قوانین کے احترام و پابندی کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کا بھی بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ عرصہ دراز گزرنے کے بعد آج صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوران درس اپنے اکابر کی دینداری، تقویٰ وللہیت پر مبنی واقعات جو آپ مختلف اوقات میں سناتے تھے وہ صرف وقت گزاری کے لئے ہرگز نہ ہوتے تھے۔ بلکہ ان کا وقتی فائدہ طلباء میں نشاط طبع پیدا کرنا ہوتا تھا اور دائمی فائدہ طلباء کی ذہنیت کو اپنے اکابر کے ذوق میں ڈھالنا مطلوب و پیش نظر ہوتا تھا۔

آج استاد مرحوم کی شہادت کو تقریباً بارہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن تصور کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ استاد محترم آج بھی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ جن حضرات کو استاد مرحوم سے زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہوا وہ جانتے ہیں کہ اقبال مرحوم کا یہ قطعہ آپ پر کس قدر صادق آتا ہے۔

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل

اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم پاک دل و پاک باز

اللھم اغفرلہ وارحمہ (ماہنامہ ''محاسن اسلام'' شمارہ اپریل 2006ء)

(۴) مولانا مفتی عالمگیر صاحب مدظلہ لکھتے ہیں: حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا محمد شاہد صاحب سلمہ ہیں۔ ان کی پیدائش جولائی ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔ یہ صاحبزادے ابتداء سے ہی مختلف عوارض اور بیماریوں میں گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے قرآن پاک حفظ نہیں کر سکے۔ البتہ قرآن پاک ناظرہ مکمل کرنے کے بعد عصری تعلیم مڈل تک حاصل کی اور اس کے بعد جامعہ اسلامیہ امدادیہ میں ہی درس نظامی کا آغاز کر دیا۔ شعبان ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء میں دورہ حدیث کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد ایک مقامی کمپیوٹر کالج میں ایک سالہ کورس کیا جس میں کمپوزنگ، ڈیزائننگ وغیرہ شامل ہیں۔ آج کل جامعہ کے شعبہ تعلیمات میں کمپوزنگ اور دیگر امور کے ساتھ منسلک ہیں۔ ماشاءاللہ نیک سیرت، سلیم الطبع اور عمدہ اخلاق و کردار کے مالک ہیں۔

جامعہ میں ان کا تقرر حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ وفات سے چند ماہ قبل خود ہی فرما گئے ہیں۔ ان کے تقرر کے معاملے میں حضرت شیخ نے جو انداز اختیار فرمایا ہے اس سے بھی حضرت کی مدرسہ کے معاملات میں غایت احتیاط اور خوف آخرت نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے۔ حضرت شیخ نے ان کا تقرر فرمانے سے پہلے ان کے کمپیوٹر کے استاد کو بلوا کر ان سے پوچھا کہ کیا یہ اس قابل ہو گیا ہے کہ میں اس کا جامعہ میں تقرر کر دوں اور کہیں اس کے تقرر کی وجہ سے آخرت میں مجھ سے کوئی مواخذہ تو نہیں ہوگا؟ جب استاد صاحب نے اطمینان دلایا کہ یہ ان شاء اللہ اچھے طریقے سے کام چلا لیں گے تب آپ نے ان کا تقرر فرمایا۔ (از خطبات شیخ الحدیث)

جامعہ اشرفیہ لاہور کا قیام اور نصرت خداوندی

اگست ۱۹۴۷ء م ۱۳۶۶ھ میں پاکستان وجود میں آیا اور حضرت مفتی صاحب مشرقی پنجاب کے بے شمار مہاجروں کی طرح اپنا گھر اپنا سارا مال و متاع چھوڑ کر لاہور تشریف لے

آئے۔ لاہور پہنچ کر سب سے پہلی بات جو آپ کے ذہن میں آئی وہ یہ نہیں تھی کہ اپنے لئے اور اپنے رشتہ داروں کیلئے کون کون سی کوٹھیاں الاٹ کرائی جائیں۔ لائسنس حاصل کرنے کیلئے کون کون سے ذرائع اختیار کئے جائیں اور جھوٹے کلیم بھر کر کون کون سی زمینیں اور دکانیں حاصل کی جائیں۔ انہوں نے اگر سوچا تو بس یہی سوچا کہ دین کی خدمت کیلئے کیا کیا جائے بالآخر قیام پاکستان کے بعد محض سوا مہینے کے اندر اندر نیلا گنبد کے علاقہ میں مولچند بلڈنگ کا ایک حصہ مدرسہ کیلئے حاصل کر کے اواخر ستمبر ۱۹۴۷ء میں جامعہ اشرفیہ کے نام سے دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ جسے عند اللہ اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ گنے چنے برسوں ہی میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اساتذہ وطلبہ کے بیٹھنے کی گنجائش نہ رہی۔ چنانچہ ایک مخصوص اجلاس میں اس صورتحال پر غور کر کے مادی وسائل نہ ہونے کے باوجود یہ طے کیا گیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے جامعہ کی ایسی وسیع وعریض عمارت تعمیر کی جائے جو نہ صرف شہر لاہور اور اس کے ملحقہ علاقوں کیلئے کافی ہو بلکہ پورے پاکستان کی تعلیمی ضروریات کو پورا کر سکے۔

یہ عام مشاہدہ بار بار ہوتا رہتا ہے کہ جس نیک کام کی تکمیل کیلئے اسباب سے زیادہ مسبب الاسباب پر بھروسہ کیا جائے وہ کام اس خوبی اور نفاست کے ساتھ انجام پاتا ہے کہ دیکھنے والوں کی حیرت ہوتی ہے فرق صرف نظر کا ہے دنیا دار حیرت کرتے ہیں کہ اتنا عظیم منصوبہ بغیر مادی وسائل کے اتنے قلیل عرصہ میں کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچا اور اہل اللہ حضرات حق تعالیٰ جل شانہ کی عظیم الشان قدرت کا تصور کر کے حیرت میں ڈوب جاتے ہیں کہ اللہ اللہ لاکھوں کروڑوں میں سے اپنے بندے کو چن کر اس کے ہاتھوں بغیر مادی ذرائع کے ایسا شاندار کارنامہ انجام دلوایا جس کی مثال دور دور نہیں ملتی۔ توکل علی اللہ پر پختگی دیکھئے کہ اس مخصوص اجلاس کے تھوڑے ہی دنوں بعد فیروز پور روڈ پر نہر کے کنارے ایک سو کنال زمین خرید لی گئی جس کی قیمت ایک لاکھ پچیس ہزار روپے تھی اور وعدہ کیا گیا کہ ایک ماہ کی قلیل ترین مدت میں ساری رقم ادا کر دی جائے گی جبکہ جامعہ کے پاس اس وقت دو تین ہزار سے زائد روپے نہ تھے۔

چونکہ من جانب اللہ تعالیٰ جل شانہ لاہور کی سرزمین پر اس جامعہ اشرفیہ کا بننا مقدر ہو چکا تھا اس لئے غیب سے اس کثیر رقم کی فراہمی کے سامان پیدا ہوئے۔ کراچی کے ایک

بہت بڑے تاجر اور مدرسہ کے مخلص خادم جناب الحاج محمد شفیع صاحب مرحوم نے فرمایا:

''گھبرانے کی ضرورت نہیں جتنا انتظام ہو سکتا ہے کر لیں بقیہ میں دے دوں گا''۔

الحاج محمد شفیع صاحب کے اس اخلاص کے باعث اللہ تعالیٰ نے انہیں صرف روئی کے کاروبار سے دو کروڑ روپے نفع اور بچت کا عطا فرمایا۔ قبل اس کے کہ حاجی صاحب موصوف زمین کی خرید کیلئے روپیہ مرحمت فرماتے حق تعالیٰ نے ایک ہفتہ کے اندر اندر ایک لاکھ روپیہ سے زائد کا انتظام کرا دیا۔ پانچ سات ہزار روپیہ میاں محمد شفیع صاحب نے ادا فرمایا۔

اس طرح تیس دن سے پہلے ہی پہلے اتنی کثیر رقم کی ادائیگی کر کے زمین کی رجسٹری کرالی گئی اس ادائیگی کے فوراً بعد کئی لاکھ کے سرمایہ سے جامعہ کی تعمیر کا کام اسی توکل علی اللہ کے بل بوتے پر شروع کر دیا گیا۔ پھر تو یہ حال ہوا کہ:

ادھر کوئی ضرورت سامنے آئی اور ادھر اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی انتظام کر دیا۔ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ حضرت اقدس مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کا سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ ہمیں دینی کاموں کیلئے ایک خاص مقدار میں سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے وافر میسر آجاتا ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ اسی تعمیر کے سلسلہ میں لوہا نہیں ملتا تھا۔ تعمیر کمیٹی نے حضرت مفتی صاحب سے ذکر کیا۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندوبست فرمائے گا۔

اسی دن یا اس سے اگلے دن حضرت صاحب مفتی کی مجلس میں ایک صاحب آئے اور مدرسہ کی تعمیرات کے متعلق استفسارات کرنے لگے۔ حضرت نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جتنا کام ہمارے اختیار میں ہے اتنا ہم کئے جا رہے ہیں۔ اب چونکہ لوہا نہیں مل رہا اس لئے تعمیری کام بھی آج کل بند ہے''۔

اسی وقت انہوں نے پچاس ہزار روپے کا لوہا مہیا کرنے کا ذمہ لے لیا۔

اسی طرح غیبی امداد کے ذریعہ انتہائی قلیل مدت میں پاکستان کے سب سے بڑی دینی دار العلوم کی تعمیر بحسن وخوبی اختتام پر پہنچی جس کیلئے سرکاری یا نیم سرکاری امداد سے ایک

پیسہ بھی نہیں لیا گیا بس خود بخود اسلام کا درد رکھنے والے حضرات کھنچے چلے آتے تھے اور خدمات پیش کرتے تھے کہ ان سے روپیہ یا سامان لے کر کارِ خیر میں صرف کیا جائے جبکہ حضرت مفتی صاحب اپنے مرشد حضرت حکیم الامت تھانوی کی طرح استغناء کا پیکر تھے اور آپ کے استغناء کا بھی یہ عالم تھا کہ صرف اس شخص کی امداد قبول کی جائے گی۔ جو یہ سمجھ کر مدد کرے کہ ہم اس کا روپیہ لے کر اس پر احسان کر رہے ہیں کوئی ہم سے رسمی شکر گزاری کی بھی امید نہ رکھے۔ بلکہ اسے تو ہمارا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم نے اس کی رقم کو ایک ایسے کارِ خیر میں صرف کیا جس سے وہ ہمیشہ مستفیض ہوتا رہے گا۔ (تذکرہ حسن)

جامعہ اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھتے وقت اللہ جل شانہ نے بہت سے اہل اللہ حضرات اور دین کی تڑپ رکھنے والے بے شمار مخلصین کو جمع فرما دیا تھا۔

۱۴ شعبان المعظم ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس پر آشوب دور میں بھی عوام کی عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ کوئی خاص اعلان نہ ہونے کے باوجود لوگ دور دور سے کھنچے چلے آئے اور تھوڑی سی دیر میں فیروز پور روڈ پر ایک ایسا جم غفیر ہو گیا کہ تاحد نظر ہر طرف لوگوں کے سر ہی سر نظر آتے تھے۔

سنگ بنیاد رکھنے کے موقعہ پر جامعہ اشرفیہ کے منتظمین، اساتذہ، طلباء اور دیگر حضرات کے علاوہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے چند خلفاء عظام جن میں سے مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ، حضرت مولانا حافظ جلیل احمد شروانی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب اور ان حضرات کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور سردار عبدالرب نشتر اور دیگر علماء و طلباء و معززین شہر نے سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر شرکت فرمائی۔

یہاں پر اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ سب سے پہلے سنگ بنیاد مسجد کا رکھا گیا تعین جگہ

سے قبل ممبران مدرسہ کے اندر اختلاف تھا کسی کی رائے یہ تھی کہ مسجد سڑک کے قریب بنے اور کوئی کہتا تھا کہ موجودہ درس گاہوں کے نزدیک رہے ایک صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی آپ نے ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مسجد یہاں تعمیر ہونی چاہئے۔ اب یہ مسجد بعینہ اسی جگہ ہے۔ جہاں کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اس طرح یہ معمولی سا اختلاف بھی ختم ہو گیا۔ (چالیس بڑے مسلمان)

ایک مثالی مدرسہ

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی شخصیت اور ان کے یادگار مدرسہ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

آج بحمد اللہ یہ مدرسہ حضرت کے اخلاص کی برکت سے ''اصلها ثابت وفرعها فی السماء'' کا منظر پیش کر رہا ہے۔ مدرسہ کے بجائے یونیورسٹی بن چکا ہے۔ لیکن حضرت نے نہ اس کا کبھی کوئی اشتہار دیا' نہ کوئی سفیر بھیجا' نہ کبھی اپنے طرز عمل سے یہ ظاہر ہونے دیا کہ وہ اس مدرسہ کے بانی' شیخ الحدیث یا ''بڑے'' مولانا ہیں۔ بارہا فرمایا کرتے تھے: ''یہاں کوئی حضرت نہیں' نہ کوئی بڑا چھوٹا ہے ہم سب اللہ تعالیٰ کے دین کے خادم ہیں' اللہ تعالیٰ کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے مل کر کام کرنا ہے' اگر اخلاص ہو تو مدرسہ کی درس گاہیں صاف کرنے والا چپڑاسی اور بخاری پڑھانے والا برابر ہیں''۔

حضرت قدس سرہ کو نمود و نمائش اور طلب شہرت سے طبعاً نفرت تھی' مال و جاہ کے مریض کا ان کے ساتھ جوڑ نہیں بیٹھتا تھا' وہ جماعتوں کی صدارتوں اور امارتوں کے عہدوں سے بہت بلند و بالا تھے' دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عہدہ بھی ان کے شرف و مجد میں اضافہ نہیں کرتا تھا بلکہ خود ان عہدوں کا آپ کے وجود سے مشرف ہونا ان کیلئے مایہ صد افتخار تھا' وہ کسی عہدے کے خواستگار نہیں' بلکہ عہدے ان کے متلاشی تھے۔ ۱۹۷۴ء میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی امارت کیلئے آپ کو منتخب کیا گیا' جاننے والے جانتے ہیں کہ کتنی منتوں سماجتوں' کتنے استخاروں' دعاؤں اور مشوروں کے بعد آپ نے یہ منصب قبول فرمایا۔ ابھی ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی

امارت قبول کئے آپ کو چند مہینے نہیں گزرے تھے کہ ربوہ اسٹیشن کا سانحہ پیش آیا۔ جس کے نتیجے میں ملک گیر تحریک چلی اور اس نے غیر معمولی شکل اختیار کرلی اس کی قیادت کیلئے تمام جماعتوں پر مشتمل ''مجلس عمل ختم نبوت'' تشکیل پائی تو باصرار اس کی صدارت کیلئے آپ کو منتخب کیا گیا' حضرت قدس سرہ نے اس تحریک کے دوران جس تدبر وفراست' جس اخلاص وللّٰہیت' جس صبر واستقامت اور جس ایثار وقربانی سے ملی قیادت کے فرائض انجام دیئے وہ ہماری تاریخ کا ایک مستقل باب ہے۔ ان دنوں حضرت پر سوز وگداز کی جو کیفیت طاری رہتی تھی وہ الفاظ کے جامہ تنگ میں نہیں سماسکتی۔ تحریک کے دنوں میں جو آخری سفر حضرت نے کراچی سے ملتان' لاہور' پنڈی' پشاور تک کیا اس کی یاد کبھی نہیں بھولے گی۔ کراچی سے رخصت ہوئے تو حضرت رحمہ اللہ پر بے حد رقت طاری تھی اور جناب مفتی ولی حسن صاحب سے فرمارہے تھے ''مفتی صاحب دعا کیجئے! حق تعالیٰ شانہ کامیابی عطا فرمائیں۔ میں کفن ساتھ لے جارہا ہوں مسئلہ حل ہوگیا تو الحمدللہ' ورنہ شاید بنوری زندہ واپس نہیں آئے گا۔ حق تعالیٰ نے آپ کے سوز دروں کی لاج رکھی اور قادیانی ناسور کو جسد ملت سے کاٹ کر جدا کردیا۔

حضرت کے اخلاص وللّٰہیت' بے لوثی وبے غرضی اور بے نفسی وفردتنی کا ثمرہ تھا کہ یہ بے تاج بادشاہ کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کررہا تھا اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو اس کا آفتاب شہرت نصف النہار پر تھا آپ نے اپنے آپ کو جتنا مٹایا اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی اٹھایا' جس قدر اپنی پستی وفروتنی کا اقرار کیا حق تعالیٰ نے اسی قدر رفعتوں اور بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ سچ ہے ''من تواضع لله رفعه الله'' فوق العادت اخلاص وتواضع کے ساتھ ساتھ آپ کی خودداری واستغنا کی شان بھی نرالی تھی۔ جن دنوں ٹنڈوالٰہ یار کے مدرسہ سے تعلق منقطع کرچکے تھے اور ابھی تک آئندہ کا لائحہ عمل تجویز نہیں ہوا تھا یہ دور آپ کی بے کسی اور کسمپرسی کا کربناک دور تھا۔ انہی دنوں کراچی میں ایک صاحب نے (جواب مرحوم ہوچکے ہیں) آپ سے فرمائش کی ایک مدرسہ بنایئے' اپنے ساتھ ایک استاد اور رکھ لیجئے۔ آپ دونوں صاحبوں کی سال بھر کی تنخواہ کی رقم میں آپ کے نام پر بینک میں جمع کرادیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا ''سال کے بعد کیا ہوگا؟ بولے ایک سال تک چندہ آنے لگے گا اور

مدرسہ چل نکلے گا' آپ نے فرمایا "شکریہ! میں ایسا مدرسہ نہیں بنانا چاہتا جس کی بنیاد مخلوق کے بھروسے پر رکھی گئی ہو' جب مدرسہ بنے گا تو آپ کا بھی جی چاہے تو چندہ دیجئے' پیشگی رقم جمع کرا کے مدرسہ شروع کرنا مجھے گوارا نہیں' ایک صاحب نے کئی ہزار روپیہ حضرت کو زکوٰۃ کی مد میں پیش کرنا چاہا' آپ نے فرمایا کہ زکوٰۃ تو ہم صرف مستحق طلبہ پر خرچ کرتے ہیں۔ مدرسہ کے دیگر اخراجات میں زکوٰۃ صرف نہیں ہوتی۔ اس کیلئے عطیات کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ طلباء کی ضرورت کے بقدر رقم جمع ہو چکی ہے اس لئے اگر دینا ہے تو زکوٰۃ نہ دیجئے' عطیہ دیجئے' وہ صاحب کہنے لگے کہ اس کی تو گنجائش نہیں' فرمایا پھر زکوٰۃ کی ہمیں ضرورت نہیں' بولے یہ روپیہ آئندہ سال طلبہ کے کام آئے گا۔ فرمایا' آئندہ سال آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا خرچ بھی بھیج دیں گے۔ (شخصیات)

حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ کے بے تکلف ہم درس اور آپ کے جامعہ کے مدرس مولانا لطف اللہ پشاوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

یہاں درس کو جاری ہوئے جب چار مہینے گزر گئے تو میں نے مولانا سے کہا کہ میری گزر بسر کھیتی باڑی پر ہے (مدرسہ میں تنخواہ کے لئے نہ رقم آئی نہ تنخواہ ملی۔ بس فی سبیل اللہ کام چل رہا تھا اور مولانا مرحوم کہیں سے قرض لے لوا کر اپنا اور اپنے اہل وعیال کا گزارہ چلاتے تھے) میری فصل کی کٹائی کے دن ہیں۔ آپ مجھے ایک ماہ کیلئے گھر جانے کی اجازت دیں تاکہ فصل سمیٹنے کا کچھ بندوست کر آؤں۔ مولانا مرحوم نے ہنس کر فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ مدرسین کیلئے میرے پاس کچھ رقم آئی ہے' ذرا انتظار کرو تاکہ تمہارے کرائے وغیرہ کا بندوبست ہو جائے' میں نے ہنسی میں کہا "بلی کو چھیچھڑوں کے خواب آیا کرتے ہیں ایک گھنٹہ بعد مولانا مسکراتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا "لو مولوی صاحب چھیچھڑے آ گئے ہیں" کسی صاحب نے (غالباً حاجی وجیہ الدین مرحوم نے) مدرسہ کو ۶ سو روپے چندہ بھیج دیا تھا۔ یہ مدرسین کے فنڈ میں مدرسہ کا پہلا چندہ تھا۔ اس میں سے مجھ کو بھی دو سو روپیہ دے دیئے۔ میں چھٹی پر گھر چلا آیا اور چھٹی گزار کر واپس چلا گیا۔ نیو ٹاؤن کے قیام کے زمانہ میں ایک سال بڑی تنگی اور عسرت کا گزارا۔ تاہم سال کے آخر

تک مدرسے کی حالت (مالی طور پر) قدرے اچھی ہوگئی۔

مولانا مرحوم کے تقویٰ اور خدا ترسی کا یہ حال تھا کہ زکوٰۃ فنڈ صرف طلبہ کیلئے رکھتے' اس کو کبھی کسی حالت میں مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیرات یا کتابوں وغیرہ کی خرید پر صرف نہیں کرتے تھے' دوسرے سال مدرسہ کی حالت زکوٰۃ فنڈ میں قابل اطمینان ہوگئی۔ ایک دفعہ زکوٰۃ فنڈ میں ۲۵ ہزار روپیہ جمع تھا مگر غیر زکوٰۃ کی مد خالی تھی' جب تنخواہ دینے کا وقت آیا تو خزانچی حاجی یعقوب صاحب نے کہا مدرسین کی تنخواہ کیلئے کچھ نہیں ہے اگر آپ اجازت دیں تو زکوٰۃ فنڈ میں سے قرض لے کر مدرسین کی تنخواہ ادا کردی جائے' بعد میں زکوٰۃ فنڈ میں یہ رقم لوٹا دی جائے گی۔ آپ نے فرمایا ''ہرگز نہیں! میں مدرسین کی آسائش کی خاطر دوزخ کا ایندھن نہیں بننا چاہتا' مدرسین کو صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہئے کہ ان کے فنڈ میں اللہ تعالیٰ کچھ بھیج دے جو مدرس صبر نہیں کرسکتا اس کو اختیار ہے کہ مدرسہ چھوڑ کر چلا جائے''۔

جب کوئی ذی ثروت صاحب خیر مدرسہ کو چندہ دینے آتا تو مولانا اس سے فرماتے کہ ''مجھے زکوٰۃ کی ضرورت نہیں' یہ تو غسالہ مال ہے' جسے اگلی امتوں میں آگ آسمان سے اتر کر جلا دیا کرتی تھی۔ میرے مدرسے کے مدرسین کیلئے اگر کچھ دینا ہے تو غیر زکوٰۃ میں سے دو''۔

الغرض حضرت مرحوم بنوری قدس سرہ کے بڑے مخلص رفیق تھے' اپنے مقالہ کے ابتدائی نوٹ میں لکھتے ہیں: ''مولانا مرحوم کے ساتھ میری رفاقت ۱۹۲۷ء سے ہے جبکہ وہ افغانستان سے تشریف لائے اور دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا تھا' پھر ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴ء تک پشاور میں ان کے ساتھ شب وروز رفاقت رہی اور پھر مرحوم نے ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن'' کی بنیاد رکھی تو میں ان کا پہلا رفیق تھا۔ جو سات برس ان کے پاس درس وتدریس میں مصروف رہا۔

ہم دونوں میں بے تکلف دوستی تھی ایک دوسرے سے اپنے تمام احوال وسوانح بیان کیا کرتے تھے''۔

حق تعالیٰ شانہ حضرت مرحوم کو اپنے بے پایاں لطف وکرم سے نوازیں اور اپنے قرب کے درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں۔

جامعہ العلوم الاسلامیہ کراچی

مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب مدظلہ لکھتے ہیں: اگر دینی مدرسہ دنیا کیلئے بنانا ہے تو آخرت کا سب سے بڑا عذاب ہے اور اگر آخرت کیلئے بنانا ہے تو دنیا کا سب سے بڑا عذاب ہے۔

یہ کلمات حضرت رحمہ اللہ نے پہلی مرتبہ اس وقت ارشاد فرمائے جبکہ ایک جید عالم دین نے اپنا نیا دینی مدرسہ قائم کرنے کے بارے میں مشورہ کیا اور اس کے بعد متعدد مجلسوں میں یہ حکیمانہ جملہ دہرایا۔ بلاشبہ کسی دینی ادارہ کو جو دین اور علم دین کا قلعہ ہونا چاہئے اگر دنیا کے حقیر اغراض ومقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے تو کتنی بڑی محرومی اور خسران آخرت کا موجب ہوگا اور اگر اس کے قائم کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح حاصل کرنا ہو تو پھر جائز وناجائز اور حلال وحرام کی حدود میں پابند ہونے کی بنا پر قدم قدم پر دنیا کی مشقتوں، مصیبتوں اور آزمائشوں کیلئے تیار رہنا پڑتا ہے۔

آپ کا یہ ارشاد کوئی شاعرانہ تخیل نہ تھا بلکہ ساٹھ سال کی طویل مدت تک مدارس کے ساتھ وابستگی تجربات ومشاہدات اور تقریباً چوبیس سال تک ایک عظیم دینی ادارہ کے اہتمام و ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد آپ نے یہ رائے قائم کی تھی۔ حضرت رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ قائم کرنے کے بعد جو مشکلات سامنے آئیں اگر ان کا پہلے سے احساس ہوتا تو شاید مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ نہ کرتا۔

ہمیشہ آپ کی یہی خواہش وکوشش رہی کہ مدارس دینیہ صرف فلاح آخرت اور محض رضائے الٰہی حاصل کرنے کیلئے ہونے چاہئیں ان میں دنیوی اغراض وخواہشات کی آمیزش کا شائبہ تک نہ ہونا چاہئے اگر آپ دیکھتے کہ کسی مدرسہ سے یہ عظیم مقصد پورا نہیں ہو رہا تو یہ چیز آپ کیلئے ناقابل برداشت ہوتی چنانچہ دارالعلوم ٹنڈوالٰہ یار اور مدرسہ لال جیوہ کراچی کے تجربات اس پر شاہد ہیں۔

نیوٹاؤن میں مدرسہ کی بنیاد

بزرگوں کے مشوروں، استخاروں اور حرمین شریفین میں مراقبوں، مکاشفوں اور دعاؤں

کے بعد مستقل دینی ادارہ قائم کرنے کا عزم فرمالیا۔ اس کیلئے آپ نے جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی کے احاطے کو منتخب فرمایا اور منتظمین انجمن سے حضرت رحمہ اللہ نے گفتگو فرمائی اور کہا کہ مجھے ایک خالص دینی مدرسہ قائم کرنے کیلئے صرف جگہ دیجئے میں آپ حضرات سے مدرسہ کی تعمیر اور اس کے اخراجات کیلئے کسی مالی امداد کا طالب نہیں ہوگا اور نہ کسی اور قسم کی تعاون کا خواستگار ہوں گا۔ منتظمین انجمن نے بخوشی یہ تجویز منظور کرلی۔ اس لئے کہ انہوں نے یہ پلاٹ مدرسہ اور مسجد کے نام سے حاصل کیا تھا اور وہ خود بھی یہاں مکتب بنانا چاہتے تھے مگر ان کیلئے جامع مسجد اور اس کی ملحقہ دکانوں کی تعمیر کیلئے ہی سرمایہ مہیا کرنا شکل اور دشوار ہورہا تھا چہ جانے کہ مدرسہ کی عمارت بنان اس کی تعمیر کیلئے کوئی مالی امداد کرنا، منتظمین مسجد اس وقت تک صرف مسجد کی چھت دلوا سکے تھے نہ پلستر ہوا تھا اور نہ ہی صحن پختہ بنا تھا۔ نہ وضو خانے اور پیشاب خانے بنے تھے۔ الغرض ان حالات میں بعض مخلص منتظمین انجمن مسجد نیوٹاؤن نے مدرسہ کی تعمیر کی پیش کش کو ایک لاکھ غیبی امداد سمجھ کر منظور کرلیا اور سردست مسجد میں بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے کی اجازت دے دی۔

صبر آزما اور حوصلہ شکن بے سروسامانی

حضرت مولانا رحمہ اللہ محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اپنے ایک رفیق غربت کہیے یا یار غار استاد محترم حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ العالی اور درجہ تکمیل کے دس ستم دیدہ اذیت کشیدہ طلبا کے ساتھ جامع مسجد نیوٹاؤن میں منتقل ہوگئے اور اس وقت مسجد کے احاطہ میں صرف ٹین کی چھت کا ایک حجرہ تھا اسی حجرہ میں حضرت رحمہ اللہ اور استاد محترم حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ نے اپنا مختصر سا سامان رکھ دیا اور رات کو سونے کیلئے اپنے ایک دیرینہ دوست حاجی محمد یعقوب صاحب (جو انتہا درجہ صالح کی دیندار اور حضرت رحمہ اللہ کے قدرشناس دوست تھے) کی کوٹھی پر جو مدرسہ سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر تھی چلے جاتے تھے اور طلبہ مسجد میں ہی دن کو پڑھتے اور مسجد میں ہی رات کو سوتے اور اپنا سامان خورد ونوش اور ضروری سامان بھی مسجد میں ہی رکھتے۔ مسجد اس وقت قطعاً غیر محفوظ اور ہر طرف سے کھلی ہوئی

تھی طلبا کے سامان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وقتاً فوقتاً سامان چوری ہو جاتا اسی ضرورت کے تحت موجودہ حجرہ کی پختہ چھت اور اس کے ساتھ ہی طلبہ کیلئے دوسرے حجرے کی تعمیر کیلئے خود حضرت رحمہ اللہ اپنے دوستوں سے تین سو روپے لائے اور منتظمین کو دیئے اور اس طرح دوسرا حجرہ بنا۔ سب سے بڑی مصیبت جو سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ نہ مسجد کا کوئی غسل خانہ تھا۔ نہ بیت الخلاء اور نہ ہی پیشاب کرنے کیلئے کوئی محفوظ پیشاب خانہ تھا۔ صرف عارضی طور پر وضو کیلئے ٹوٹیاں لگی ہوئی تھیں اور بس اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دن میں پیشاب یا رفع حاجت کیلئے ہر دو بزرگوں کو حاجی محمد یعقوب کے گھر پر جانا پڑتا تھا جو کافی دور تھا۔

بلا معاوضہ پڑھانے والے اساتذہ

حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ نے اس مدرسہ کی ابتدا درجہ تکمیل سے کی تھی اور اپنے حلقہ احباب میں سر دست بلا معاوضہ کام کرنے کیلئے دو حضرات کو دعوت دی۔ ایک بزرگ تو مدرسہ لال جیوہ کی تکالیف سے تنگ آ کر نیوٹاؤن منتقل ہونے سے پہلے ہی ہمت ہار گئے اور وطن واپس چلے گئے صرف حضرت مولانا لطف اللہ صاحب آپ کے ساتھ نیوٹاؤن آئے اس بے سر و سامانی کے عالم میں کہ نہ طلبا کے خورد و نوش کی ہی کوئی سبیل تھی نہ اساتذہ کو حق الخدمت دینے کی کوئی سبیل حضرت مولانا اپنے مخلص دوستوں سے قرض لے کر طلبہ کے خورد و نوش کا ادھورا سدھورا انتظام کرتے چنانچہ نیوٹاؤن منتقل ہونے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تاجر دوست حاجی علیم الدین جوہری سے تین سو روپے قرض لیا اور جو غالباً حاجی صاحب نے دو قسطوں میں دیا۔ یہ تین سو روپے دس طلبہ پر تیس روپے فی نفر کے حساب سے ایک ماہ کے اخراجات کیلئے تقسیم کر دیئے۔ مدرسہ کی ابتداء اس طرح ہوئی۔ اسی طرح اپنے اہل و عیال کیلئے بھی جو کراچی میں مکان میسر نہ آنے کی وجہ سے ابھی تک ٹنڈو اللہ یار میں ہی تھے کچھ احباب سے قرض لے کر اور کچھ اپنی مملوک نایاب کتابیں فروخت کر کے کشائش الٰہی کے انتظار میں وقت گزارتے تھے۔

اہل و عیال کی تنہائی اور تکالیف کا ابتلاء اور صبر آزما واقعات

انسان اپنی ذات پر تو ہر طرح سختیاں برداشت کر لیتا ہے لیکن ایک غیور آدمی اپنے

اہل وعیال کی تکالیف قطعاً نہیں برداشت کرسکتا وہ اپنی تمام تر توانائی کو سب سے پہلے اپنے بال بچوں کی تکالیف کو دور کرنے کیلئے وقف کردیتا ہے مگر مولانا رحمہ اللہ انتہائی غیور ہونے کے باوجود اپنی تمام تر قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت وحمایت کیلئے وقف کر چکے تھے' صرف اسی لئے مدرسہ ڈابھیل کے منصب شیخ الحدیث کو بھاری تنخواہ کو' شاندار مکان کی عظیم آسائشوں کو چھوڑ کر صرف اسی توقع پر پاکستان آئے تھے کہ ڈابھیل میں حسب منشا استفادہ کرنے والے مخاطب طلبہ میسر نہ تھے آپ کا وہاں رہنا آپ کی خداداد غیر معمولی علمی عبقریت کی اضاعت کے مرادف تھا۔ دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں اسکے امکانات بہت روشن تھے۔ وہاں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری سابق صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور جیسے بزرگ اور مولانا بدر عالم مہاجر مدنی جیسے مولانا کے قدر شناس علماء پہلے سے موجود تھے۔ چنانچہ ٹنڈو اللہ یار میں انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ آپ تشریف لے آئے۔

دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار کے حالات ناسازگار ہوئے جن کا ذکر غیر ضروری ہے۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اصلاح کی کوشش فرمائی لیکن جب حضرت رحمہ اللہ دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار کی اصلاح سے مایوس ہوگئے تو کراچی تشریف لائے اور ہب ندی کے پاس لال جیوہ مقام پر بعض بزرگوں کی رفاقت میں علوم دینیہ کی خدمت شروع فرمائی جب بعض رفقاء کی طرف سے ناقابل برداشت ایذا رسانیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اصلاح کی کوششوں میں ناکامی کے بعد استخاروں' دعاؤں (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اور اللہ جل شانہ کے حکم سے جامع مسجد نیو ٹاؤن کے احاطہ میں ایک مستقل دینی مدرسہ قائم کیا جس کی تفصیل آپ اس مضمون میں پڑھ چکے ہیں۔ تو یہاں بھی من جانب اللہ آپ کے صبر وضبط کی آزمائش کیلئے ابتداء انتہائی شدید ابتلاء پیش آئے۔ جسمانی وروحانی تکالیف کے علاوہ سب سے بڑی روحانی تکلیف ٹنڈو اللہ یار میں اہل وعیال کی تنہائی کی تھی جو سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ اس لئے کہ مولانا کے تشریف لانے کے بعد کوئی مرد نہ تھا صرف عورتیں اور بچے تھے کراچی میں اس وقت اپنا ہی کوئی ٹھکانا نہ تھا اہل وعیال کیلئے تو مکان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا اس زمانہ میں خادم کے ماموں مولانا عبدالحمید صاحب (جو حاجی سومار کی فیکٹری میں امام وخطیب ہیں) خود بازار سے روزمرہ کی

ضروریات خرید کر گھر پہنچا دیتے یا اپنے کسی شاگرد سے یہ خدمت لیتے۔ حضرت رحمہ اللہ مہینہ میں صرف ایک دفعہ ایک دو روز کیلئے تشریف لے جاتے اور شکر' چائے صابن اور دیگر ضروری اشیاء ساتھ لے جاتے ان دنوں آمد و رفت کی یہ آسانیاں میسر نہ تھیں جو آج میسر ہیں۔ حیدر آباد سے میر پور خاص تک بڑی لائن نہ تھی حیدر آباد سے لازمی طور پر گاڑی تبدیل کرنی پڑتی تھی اور چھوٹی لائن کی گاڑی کیلئے بسا اوقات کئی کئی گھنٹے انتظار کرنا پڑتا اور شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ بسوں کا انتظام انتہا درجہ ناقص بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔

حوصلہ شکن واقعہ

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کراچی سے حیدر آباد جانے والی گاڑی لیٹ ہوگئی اور حیدر آباد کافی تاخیر سے پہنچی جس کی وجہ سے حیدر آباد سے ٹنڈو اللہ یار جانے والی گاڑی نکل گئی۔ اب دوسری گاڑی کیلئے رات کے ایک بجے تک انتظار کرنا پڑا' سردی کا موسم تھا بارش ہو رہی تھی۔ ٹنڈو اللہ یار دو بجے کے بعد پہنچتے ہیں۔ اسٹیشن پر کوئی سواری بھی موجود نہیں ہے اور بارش کی وجہ سے بجلی بھی فیل ہو چکی ہے سخت اندھیرا پھیلا ہوا ہے اور کم از کم ایک من وزن ساتھ ہے اور گھر اسٹیشن سے کئی فرلانگ دور ہے اور سامان اٹھانے کیلئے قلی بھی نہیں۔ اسی حالت میں حضرت سامان سر پر اٹھا کر بارش' سردی اور اندھیرے میں گھر روانہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اس رات کے شدائد نے ہمت توڑ دی اور اللہ جل شانہ سے فریاد کی کہ اے اللہ اب میرے اندر مزید سختیاں برداشت کرنے کی ہمت نہیں رہی اب تو اپنی قدرت کاملہ سے کراچی میں مکان کا انتظام فرمادے۔

فرمایا کہ اس کے بعد جب کراچی واپسی ہوئی تو دیکھا کہ انجمن جامع مسجد کے منتظمین کو اب خود ہی حضرت رحمہ اللہ کی تکالیف کا شدت کے ساتھ احساس ہو رہا ہے کہ مولانا کیلئے فوراً مکان بننا چاہئے۔ یہ اللہ جل مجدہ کی جانب سے غیبی نصرت تھی۔ چنانچہ فرمایا کہ اس رات کے بعد صرف ایک مرتبہ ٹنڈو اللہ یار جانا ہوا اور وہ بھی گھر والوں کو اطلاع دینے کیلئے کہ کراچی چلنے کی تیاری کریں' دوسری مرتبہ تو ان کو لینے ہی کیلئے جانا ہوا۔

عظیم قربانی

اس ابتلائی دور میں اہل و عیال کا بغیر کسی ظاہری سہارے کے تنہا ٹنڈو اللہ یار میں رہنا

ہی حضرت کیلئے کچھ کم تکلیف دہ نہ تھا ابتلاء پر ابتلاء یہ پیش آیا کہ وہاں کے کمینہ خصلت و کینہ پرور اور کم ظرف افراد نے حضرت کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل خانہ کو طرح طرح سے پریشان کیا حتی کہ گھر میں سبزی' ترکاری وغیرہ پہنچانا بھی مشکل بنا دیا۔

اسی عالم میں حضرت کی صاحبزادی مرحومہ فاطمہ بہن کی آنکھوں میں کوئی شدید تکلیف پیدا ہوئی۔

اور حضرت کراچی میں مدرسہ کے کاموں میں مصروف اور مشکلات میں سرگردان' ادھر مرحومہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس ٹنڈو اللہ یار میں محبوس' نہ کوئی تیماردار اور نہ کوئی دوا نہ علاج کرنیوالا موجود' ایسی حالت میں ہسپتال لے جا کر مرض کی تشخیص کرانے کی طرف توجہ کون کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آنکھوں کی بینائی بالکل جاتی رہی۔ جب اہل خانہ کراچی منتقل ہوئے اور ماہرین چشم سے معائنہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ بینائی بالکل جاتی رہی اور علاج کے مرحلہ سے گزر چکی ہے اب ٹھیک ہونے کا بظاہر کوئی امکان نہیں۔

حضرت رحمہ اللہ کو مرحومہ سے اس کی دین داری' صلاح وتقویٰ اور معذوری و بے چارگی کی وجہ سے بے حد محبت تھی رو رو کر فرماتے تھے کہ اس دینی مدرسہ کیلئے ہم نے اپنی عزیزہ لخت جگر کو بھی قربان کر دیا اللہ تعالیٰ ہماری قربانی قبول فرمائیں اور جس عظیم مقصد کیلئے ہم نے اپنے آپ کو' اہل وعیال کو قربان کیا ہے اپنی رحمت سے اس مقصد میں ہمیں کامیاب فرمائیں۔

بے مثل استغنا

جہاں خلوص اور للہیت میں اتنا بلند مقام تھا وہاں استغناء اور غیرت کی شان بھی نرالی تھی اس سلسلہ میں یہ دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ حضرت رحمہ اللہ نے حرمین شریفین کے استخاروں کے بعد جب ٹنڈو اللہ یار سے تعلق منقطع کر لیا اور ابھی تک نئے مدرسہ کے بارے میں فکرمند تھے کہ جناب سیٹھ محمد یوسف مرحوم نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ مدرسہ بنایئے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری کو بھی بلا لیجئے۔ میں آپ دونوں حضرات کی پانچ سال کیلئے مشاہرہ کی رقم پچاس ہزار روپیہ بینک میں جمع کرا دیتا ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ میں چند وجوہ کی بناء پر مدرسہ شروع ہونے سے قبل کوئی امداد قبول کرنے سے معذور ہوں۔ ہاں مدرسہ بن جائے تو جو امداد فرمائیں گے شکریہ کے ساتھ قبول کی جائے گی' مرحوم جانتے تھے کہ حضرت مدرسہ بنانے کی فکر میں ہیں اور دوسری طرف بے سروسامان کا دور دورہ ہے۔ قرض سے گھر کا گزارہ چلا رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت رحمہ اللہ سے بے حد اصرار کیا مگر ان کے اصرار پر حضرت کے انکار میں بھی ترقی ہوتی گئی بالآخر مرحوم نے اپنے ساتھی سے پنجابی میں کہا' سن دامیں یعنی مولانا میری بات سنتے نہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہمارے مدرسہ کا آغاز توکل علی اللہ کے بجائے توکل علی الاغیار سے ہو۔

مالیاتی نظام میں حیرت انگیز احتیاط

مدرسہ میں آنے والی رقوم اور ان کے خرچ کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی احتیاط کوشی جس کی نظیر اس زمانے میں کسی بڑے یا چھوٹے مدرسہ یا دینی ادارہ میں نہیں ملتی' حاجی محمد یعقوب صاحب کالیہ مرحوم خازن مدرسہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ہدایت دی تھی کہ بنیادی طور پر مدرسہ کے دو فنڈ اور بینک میں دو علیحدہ علیحدہ اکاؤنٹ ہونے چاہئیں ایک زکوٰۃ فنڈ' دوسرا غیر زکوٰۃ کا امدادی فنڈ اور دونوں فنڈ ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ اس طرح رکھے جائیں کہ خلط ہونے کا امکان باقی نہ رہے اور دونوں قسم کی رقوم حسب ذیل طریقے پر خرچ کی جائیں۔

غیر زکوٰۃ فنڈ جس میں زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ فطر' نذر' کفارات اور دیگر صدقات واجبہ کی رقمیں بھی جمع کی جاتیں' اس فنڈ کے متعلق تو یہ ہدایت تھی کہ زکوٰۃ کا روپیہ صرف مستحق طلبہ کو خورد ونوش اور عام ضروریات کیلئے مقررہ مقدار میں وظیفہ کے نام سے نقد دست بدست دیا جائے' طلبہ مدرسہ سے ماہوار وظیفہ لے کر خوراک کی مقررہ قیمت مطبخ کے منتظم کے پاس جمع کرا دیں مدرسہ صرف اس کی نگرانی کرے۔ اس کے علاوہ اس فنڈ سے طلبہ کی دوسری ضروریات' پوشاک یا موسم سرما میں لحاف اور دوا علاج وغیرہ کا انتظام کیا جائے۔

دوسری مد امدادی رقوم صرف اساتذہ وملازمین کی تنخواہ ہوں یا درسی ضروری کتابیں خریدنے

پر خرچ کی جائیں اور اس میں بھی آپ کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اس سے تعمیرات غیر درسی کتب بجلی کے پنکھے وغیرہ عمومی ضروریات پر خرچ نہیں فرماتے بلکہ تعمیرات اور عمومی ضروریات مدرسہ کیلئے صرف اسی ضرورت کے نام سے جو رقوم آتیں وہ ان میں صرف کی جاتیں۔

غیبی نصرت

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ غیر ملکی طلباء کی ضروریات کے پیش نظر فوری طور سے وسطانی حصہ کی دوسری منزل کے دارالاقامہ کا مسئلہ درپیش تھا اور تعمیری فنڈ میں رقم موجود نہ تھی اور لاگت کا تخمینہ پونے تین لاکھ تھا اسی دوران حضرت مولانا کے احباب میں سے ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور ان کے ساتھ ایک اور اجنبی صاحب بھی تھے۔ باتوں باتوں میں تذکرہ ہوا دوسرے روز وہ اجنبی صاحب صبح صبح دولت کدہ پر تشریف لاتے ہیں دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔

بھائی خالد احمد بنوری دروازہ پر جا کر دیکھتے ہیں اور آ کر بتاتے ہیں کہ ایک غریب قسم کا آدمی کھڑا ہے اور ملنا چاہتا ہے۔ حضرت مولانا نے اندر آنے کیلئے فرمایا تو ان صاحب نے پتلون کی جیب میں سے نکال کر 65 ہزار روپیہ تعمیری فنڈ میں دیا اور دوسرے روز مزید رقم لانے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ دوسرے روز سوا دو لاکھ کی رقم خدمت میں پیش کی اور اس طرح دارالاقامہ کی تعمیر کی فوری ضرورت اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی اس کے بعد تو ان صاحب کو حضرت مولانا کے ساتھ ایسی والہانہ عقیدت پیدا ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں دو باتوں پر کامل یقین ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے ایک تو یہ کہ مال و دولت کے تمام خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور دوسرا یہ کہ اولاد آدم کے قلوب بھی اللہ کے ہاتھ میں ہیں اگر ہم اخلاص کے ساتھ صحیح کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ بندوں کے قلوب خود بخود ہماری طرف متوجہ کر کے اپنے خزانوں سے ہماری مدد کرے گا ہمیں کسی انسان کی خوشامد کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا جو ضرورت ہمیں پیش آتی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے کہتے اور مانگتے ہیں وہ ایسی جگہ سے ہماری ضرورت کو پورا کرتا ہے جہاں ہمارا گمان بھی نہیں ہوتا پھر ہم کیوں کسی انسان کے سامنے ہاتھ پھیلائیں یا خوشامد کریں۔

مالیات کے اصول

ایک اور عجیب وغریب اصول یہ بھی تھا کہ مدرسہ کے مالیاتی فنڈ میں مہمانوں کیلئے کوئی کھاتہ نہ تھا مہمانوں کے مصارف حضرت خود ادا فرماتے اور اسی طرح ڈاک کا خرچہ بھی کبھی مدرسہ سے نہیں لیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے یہ سب راستے بند کردیئے ہیں اسی طرح متفرقات اور کرایہ آمدورفت کی بھی کوئی مد نہ تھی۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا ایک پیسہ بھی ان مدات میں خرچ نہیں ہوتا تھا بلکہ ان ناموں سے مدرسہ میں کوئی مد ہی نہیں۔ کرایہ آمدورفت کی سبیل رکھی تھی کہ جب بھی مدرسہ کی کسی ضرورت سے کہیں جانا ہوتا تو اپنا کوئی نہ کوئی ذاتی کام اسی کے ذائل میں نکال لیتے اور اپنے کام کو اصلی اور مدرسہ کے کام کو ضمنی بنا کر اپنی جیب خاص سے کرایہ ادا کرتے۔ اسی لئے حضرت والا نے مدرسہ کی کوئی کار نہیں خریدی کہ کار کی قیمت پٹرول کی قیمت ڈرائیور کی تنخواہ وغیرہ کا بار مدرسہ پر پڑے گا اور اپنے یا دوسروں کے استعمال میں بے احتیاطی ہونا ناگزیر ہے اس سے بچنا ناممکن ہے حالانکہ اگر حضرت علیہ الرحمۃ چاہتے تو ایک اشارہ پر بیسیوں گاڑیاں مدرسے کیلئے مل سکتی تھیں۔

بعض مخلصین نے مدرسہ کیلئے گاڑی دینے کی پیش کش کی تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے منظور نہیں فرمایا بسا اوقات بعض احباب اصرار کرتے اور مختلف عنوانات سے اس کی ضرورت اور اہمیت ثابت کرتے تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہنس کر فرماتے یہ جتنی ٹیکسیاں بازاروں میں چل رہی ہیں اور ہر وقت مہیا ہیں' ہماری ہی تو ہیں جب چاہو بلالو ٹیکسی حاضر ہے پھر ہمیں مدرسہ کیلئے گاڑی خرید کر آخرت کی مسئولیت اپنے ذمہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو چاہتے ہیں کہ گاڑی بھی مفت اور ڈرائیور بھی مفت ملے۔

چنانچہ آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کی اس خواہش کو بھی پورا فرمادیا تھا کہ بعض مخلصین ضرورت کے وقت اپنی گاڑی لاکر خود ڈرائیوری کے فرائض انجام دیتے اور حضرت کی اس خدمت کو اپنے لئے انتہائی سعادت محسوس کیا کرتے تھے۔

حق تعالیٰ نے حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کو اس قدر عظیم حوصلہ اور عالی ظرف عطا فرمایا

تھا اور شہرت و نام و نمود سے کس قدر متنفر بنایا تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب آپ کے سامنے اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہوا تو کس قدر سکون واطمینان سے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنی طرف نسبت کرنے سے خوش ہوتا ہے تو کرنے دو ہم نے تو جو کچھ کیا ہے اللہ کیلئے کیا ہے۔

سبحان اللہ! کس قدر عظیم ہے یہ بے نفسی اور کس قدر عظیم ہے یہ عالی ظرفی اور کس قدر عظیم ہے یہ خلوص کہ شہرت و نام و نمود کے شائبہ سے بھی پاک ہے اور کس قدر عظیم ہے یہ للّٰہیت اور تعلق مع اللہ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کو مہتمم یا صدر مدرس، یا شیخ الحدیث کہا یا لکھا جائے۔

فرمایا کرتے تھے کہ واللہ میں نے یہ مدرسہ اس لئے نہیں بنایا کہ مہتمم یا شیخ الحدیث کہلاؤں جلال میں آ کر فرماتے' اس تصور پر لعنت' پھر فرماتے کہ اگر کوئی مدرسہ کے اہتمام اور بخاری شریف پڑھنے کا کام اپنے ذمہ لے لے تو مجھے خوشی ہوگی اور میں ایک عام خادم کی طرح سے مدرسہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کروں گا۔ (بینات علامہ بنوری نمبر)

حضرت بنوری رحمہ اللہ کا مقام و مرتبہ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔ دنیا کا تجربہ شاہد ہے کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے ''پیش مردے کاملے پامال شو'' پر عمل کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو مقام بلند نصیب فرمایا وہ ان کی ذہانت وذکاوت اور علمی استعداد سے زیادہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے فیض صحبت اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے فیض نظر کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے تحصیل علم کے لئے کسی ایک مدرسے میں صرف کتابیں پڑھ لینے اور ضابطہ کی سند حاصل کر لینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے اساتذہ کی خدمت وصحبت سے استفادہ کو اپنا نصب الدین بنالیا وہ ایک ایسے وقت دار العلوم دیوبند پہنچے تھے۔ جب وہاں امام العصر حضرت علاہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین

صاحبؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ جیسے آفتاب و ماہتاب مصروف تدریس تھے۔ حضرت مولانا بنوریؒ اپنے تمام ہی اساتذہ کے منظورِ نظر رہے لیکن امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو جو خصوصی تعلق رہا اس کی مثال شاید حضرت شاہ صاحبؒ کے دوسرے تلامذہ میں نہ ملے۔ مولانا مرحومؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت و صحبت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔ چنانچہ وہ ایک عرصہ تک سفر و حضر میں اپنے شیخ کی نہ صرف معیت سے مستفید ہوتے رہے، بلکہ ان کی خدمت اور ان سے علمی و روحانی استفادے کی خاطر مولاناؒ نے نہ جانے کتنے مادی اور دنیوی مفادات کی قربانی دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، ان کے پیش نظر اگر وہ چاہتے تو تحصیل علم سے فراغت کے بعد نہایت خوشحال زندگی بسر کرسکتے تھے لیکن انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت اور علمی مذاق کی تسکین پر ہر دوسرے فائدے کو قربان کر دیا۔ اور یہ بات خود انہوں نے احقر کو سنائی تھی کہ "جب میرا نکاح ہوا تو بدن کے ایک جوڑے کے سوا میری ملکیت میں کچھ نہ تھا۔"

علم و دین کے لئے مولانا کی یہ قربانیاں بالآخر رنگ لائیں، حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر عنایت نے علمی رسوخ کے ساتھ ساتھ ان میں للّٰہیت اور اخلاص عمل کے فضائل کی آبیاری کی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دین کے خدام میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبولیت، محبوبیت اور ہر دلعزیزی کا وہ مقام بخشا جو کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ان کے اساتذہ، ان کے ہم عصر اور ان کے چھوٹے، تقریباً سب ان کے علمی مقام اور ان کی للّٰہیت کے معترف رہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ جیسے مردم شناس بزرگ کی خدمت میں مولانا کی حاضری تین چار مرتبہ سے زیادہ نہیں ہوئی، لیکن انہی تین چار ملاقاتوں کے بعد حضرت تھانویؒ نے ان کو اپنا مجاز صحبت قرار دے دیا تھا۔ (نقوش رفتگاں)

اصاغر نوازی

اسی طرح ایک مرتبہ برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم (مہتمم دارالعلوم کراچی) ڈھاکہ میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ تھے، مولانا بھی تشریف فرما تھے، مولانا

نے خود بھائی صاحب سے فرمایا کہ چلو تمہیں چاٹگام کی سیر کرالاؤں۔ چنانچہ والد صاحبؒ سے اجازت لے کر مولانا اور بھائی صاحب ڈھاکہ سے چاٹگام روانہ ہو گئے، ریل میں جگہ تنگ تھی، اور ایک ہی آدمی کے لیٹنے کی گنجائش تھی۔ مولانا نے بھائی صاحب کو لیٹنے کا حکم دیا، لیکن بھائی صاحب نہ مانے، تو انہیں زبردستی لٹا دیا، اور خود ان کی ٹانگوں کو اس زور سے پکڑ کر ان کے پاؤں کی طرف لیٹ گئے کہ وہ اٹھ نہ سکیں، اپنے ایک شاگرد کے ساتھ یہ معاملہ وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ نے حقیقی تواضع کے مقام بلند سے سرفراز کیا ہو۔

تبلیغ واصول تبلیغ

بعض حضرات نے حضرت بنوری رحمہ اللہ سے فرمائش کی تھی کہ وہ ٹیلی ویژن پر خطاب فرمائیں، مولاناؒ نے ریڈیو پر خطاب کرنے کو تو قبول کر لیا تھا، لیکن ٹیلی ویژن پر خطاب کرنے سے معذرت فرمادی تھی کہ یہ میرے مزاج کے خلاف ہے۔ اسی دوران غیر رسمی طور پر یہ گفتگو بھی آئی تھی کہ فلموں کو مخرب اخلاق عناصر سے پاک کر کے تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مولاناؒ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا:

اس سلسلہ میں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو، لوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں، ہاں اس بات کے مکلف ضرور ہیں کہ تبلیغ دین کے لئے جتنے جائز ذرائع ووسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کر کے اپنی پوری کوشش صرف کر دیں۔ اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے، وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں، ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلف ہیں، اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو عین مراد ہے، لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کر کے لوگوں کو دین کی دعوت دیں، اور آداب تبلیغ کو پس پشت ڈال کر جس جائز و ناجائز طریقے سے ممکن ہو، لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کریں۔ اگر ہم جائز وسائل کے ذریعے اور آداب تبلیغ کے ساتھ ہم ایک شخص کو بھی دین کا پابند بنا دیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے اور

اگر نا جائز ذرائع اختیار کر کے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہم نوا بنالیں تو اس کامیابی کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ دین کے احکام کو پامال کر کے جو تبلیغ کی جائے گی وہ دین کی نہیں کسی اور چیز کی تبلیغ ہوگی (فلم اپنے مزاج کے لحاظ سے بذات خود اسلام کے احکام کے خلاف ہے، لہٰذا ہم اس کے ذریعے تبلیغ دین کے مکلف نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص جائز اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت کو قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدہ ودل اس کے لئے فرش راہ ہیں، لیکن جو شخص فلم دیکھے بغیر دین کی بات سننے کے لئے تیار نہ ہو اسے فلم کے ذریعے دعوت دینے سے ہم معذور ہیں، اگر ہم یہ موقف اختیار نہ کریں تو آج ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فلم کو تبلیغ کے لئے استعمال کریں گے کل بے حجاب خواتین کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا جائے گا، اور رقص و سرود کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی، اس طرح ہم تبلیغ کے نام پر خود دین کے ایک ایک حکم کو پامال کرنے کے مرتکب ہوں گے۔''

یہ کونسل میں مولانا کی آخری تقریر تھی، اور غور سے دیکھا جائے تو یہ تمام دعوت دین کا کام کرنے والوں کے لئے مولانا کی آخری وصیت تھی جو لوح دل پر نقش کرنے کے لائق ہے۔ (نقوش رفتگاں)

بڑوں کی بڑی باتیں

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ کے علاوہ اور بھی دو چار علماء حضرات ''منبر و محراب کانفرنس'' میں شرکت کرنے کیلئے ریاض (سعودی عرب) گئے تھے۔۔ وہاں بہت بڑا اسٹیج بنا تھا اور سٹیج پر شاہ فیصل وہاں کے کچھ اہل علم ڈاکٹروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے علماء کو نیچے عوامی نشستوں پر جگہ دی گئی تھی۔ یہ حضرات حیران تھے کہ ہمیں بھی دعوت نامہ دے کر بلایا گیا ہے اور یہاں جگہ دی ہے تو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ فکر نہ کریں جب علم کا موقع آئے گا تو ہم لوگ سب سے آگے ہونگے۔ وہاں ایک مسئلہ سجدہ تعظیم کا چل پڑا تو وہاں کے تمام اہل علم ڈاکٹروں نے تقریر کی کہ یہ کفر ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے فرمایا کہ آپ حضرات تیار ہو جائیں ہمیں اس مسئلہ کا رد کرنا ہے تو حضرت مولانا سید یوسف بنوریؒ جوان تھے اور حضرتؒ کا حافظہ بھی غضب کا تھا اور عربی مادر زاد تھی حضرتؒ

نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ چنانچہ ان حضرات نے سٹیج پر ایک پرچی بھیجی کہ یہ مسئلہ اب تک غلط بیان ہو رہا ہے اور ہمیں موقع دیا جائے۔ جب یہ پرچی سٹیج پر پہنچی تو شاہ فیصلؒ نے پوچھا کہ یہ حضرات کہاں بیٹھے ہیں تو کہا گیا کہ نیچے نشستوں پر تو شاہ فیصلؒ غصہ ہو گئے اور کہا کہ علماء کو تو نیچے بٹھایا ہے اور جاہلوں کو سٹیج پر اور فوراً ان حضرات کو اوپر سٹیج پر بلایا۔ حضرت مولانا بنوریؒ نے تقریر فرمائی۔ یہ وہ مجلس تھی جس میں حضرتؒ نے تمام دنیا کو اور خاص طور پر عربوں کو اپنی عربی کا لوہا منوایا۔ رحمۃ اللہ علیہم رحمۃً واسعۃً۔ (ماہنامہ الحسن کراچی)

حضرت بنوری رحمہ اللہ بحیثیت مہتمم

مولانا حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ہمارے شیخ قدس اللہ سرہ العزیز کو اللہ تعالیٰ نے نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ اوصاف سے نوازا تھا' طلبہ کی راحت و آرام کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بہترین مطبخ' کھانے پینے کی عمدہ اشیاء عمدہ وصاف ستھری جگہ' ٹھنڈے پانی کے کولر' صاف ستھرے کشادہ' روشن اور آرام دہ کمرے' دوا علاج کے مصارف' ماہانہ وظیفہ الگ' صبح ناشتہ کا خصوصی انتظام' غرضیکہ اپنے بچوں سے زیادہ طلبہ کا خیال رکھنا یہ سب کچھ ان کی توجہ عنایت اور طلبہ سے محبت کا بہترین نمونہ ہے۔

اخلاص و توکل اللہ تعالیٰ نے اتنا اعلیٰ عطا فرمایا تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کسی سفیر' جلسہ' اشتہار و اعلان کی ضرورت نہیں جس کا مدرسہ ہے وہ خود چلائے گا' چنانچہ مخلص حضرات خود آ کر چندہ دے جاتے تھے۔ کوئی سفر تھا نہ اپیل حتیٰ کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ بعض مرتبہ تو زکوٰۃ دینے والوں سے یہ فرما دیا کرتے تھے کہ ہمارا سال بھر کا انتظام ہو چکا ہے آپ کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیں۔ بعض مرتبہ خود لے کر کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیتے' کتنے مدرسے ایسے تھے جن کی امداد خود ہی فرمایا کرتے تھے۔ نہ حکومت سے مدد لیتے نہ اوقات سے نہ ہی کسی اور سرکاری و غیر سرکاری ادارہ سے' بھروسہ تھا تو صرف خدا کی ذات پر وہی دلوں کو پھیرنے والا ہے وہ دلوں کو اس طرح پھیر دیتا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔ لوگ پیسے دے رہے ہیں اور شیخ رحمہ اللہ استغناء سے واپس فرما رہے ہیں کہ ہمیں زکوٰۃ کی ضرورت نہیں یہ بھی کوئی پیسہ ہے۔ تمہارا ہم پر احسان نہیں کہ زکوٰۃ دے رہے ہو بلکہ ہمارا تم پر احسان ہے کہ ہم تمہارے پیسے قبول

کرتے ہیں اور صحیح جگہ پر لگاتے ہیں' کسی سے فرماتے کہ یہ زکوٰۃ کا پیسہ اس وقت قبول کریں گے جب کہ اتنی ہی مقدار میں غیر زکوٰۃ کا پیسہ دو' جب وہ صاحب حامی بھر لیتے تو قبول کر لیتے فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مدرسہ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

ا۔ مدرسین حضرات کی تنخواہ اس فنڈ سے دی جاتی ہے جس میں صرف عطیات' تبرعات کا پیسہ ہو' زکوٰۃ وصدقات' تنخواہوں میں قطعاً نہیں دیئے جاتے۔

۲۔ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے اموال صرف طلباء کے وظائف میں لگائے جاتے ہیں تنخواہ کیلئے اس مد سے قرض تک نہیں لیا جاتا نہ حیلہ تملیک کر کے کسی دوسرے مصرف میں لگایا جاتا ہے۔

۳۔ ہر ضرورت کی چیز اس کے خاص فنڈ سے خریدی جاتی ہے اگر تعمیر کی ضرورت ہے تو اس کے نام سے پیسہ آنا چاہئے اور وہ صرف اسی پر خرچ ہوگا' کتابیں خریدنا ہیں تو کتابوں کی خرید کے نام سے پیسہ آتا ہے تو اس سے کتابیں خریدی جاتی ہیں اگر دریاں' قالین' پنکھے وغیرہ خریدنا ہیں تو اس کے نام سے قوم پیسہ دیتی ہے اور یہ چیزیں خریدی جاتی ہیں غرضیکہ جس نام سے جو پیسہ لیا جاتا ہے۔ وہ اسی جگہ پر خرچ ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ پیسہ تعمیر کے نام سے لیا جائے اور اس سے کتابیں خرید لی جائیں یا کتابوں کے نام سے پیسہ حاصل کر کے اس سے پنکھے خریدے جائیں۔ مثال کے طور پر جب دار التصنیف بنا تو ایک صاحب نے اس کیلئے قالین دے دیا' دوسرے صاحب نے الماریاں بنوادیں۔ ایک صاحب نے گھڑی خرید دی۔ جب نیا دفتر مدیر بنا تو اس کیلئے ایک صاحب نے قالین خرید دیا۔ دوسرے صاحب نے گھڑی لگا دی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا کام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدرسہ ہے' اللہ تعالیٰ اسے اسی طرح چلاتا ہے اور اسی طرح چلاتا رہے گا۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنی نیت خالص کر لیں اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بھی اخلاص سے اس مدرسہ کی خدمت کرے گا اللہ تعالیٰ اسکو اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیں گے اور آخرت میں بھی' حقیقت یہی ہے کہ "من کان للہ کان اللہ لہ" ہمارے شیخ قدس سرہ اللہ کے ہو گئے تھے۔ اللہ ان کا ہو گیا تھا اور سارے کام اس طرح چل رہے تھے کہ دیکھنے والوں کی حیرت ہوتی تھی۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ شروع سے آخر تک اپنے اس اصول پر سختی کے ساتھ قائم رہے اور

آئندہ آنیوالی نسلوں کیلئے روشن مثال چھوڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرت شیخ قدس سرہ میں تواضع بے انتہا تھی نام نمود اور شہرت سے بہت متنفر تھے باوجود اس کے کہ مدرسہ کیلئے ساری بھاگ دوڑ خود کی خون پسینہ ایک کیا' بانی' مہتمم' مدیر و شیخ الحدیث سب کچھ خود ہی تھے لیکن کبھی یہ نہ پسند کیا کہ ان میں سے کسی ایک نام سے انہیں پکارا جائے بلکہ اس سے بچنے کیلئے کسی دوسرے کو آگے بڑھا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اس اخلاص' تواضع اور للہیت کا صلہ دن دونی رات چوگنی کی صورت میں روز بروز دے رہے تھے۔ آپ کے اسی اخلاص' اسی تواضع اور اسی للہیت کا ثمرہ آج دنیا کے سامنے' مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی شاندار عمارت کی شکل میں ہے جو چند سال پہلے ویرانہ تھا۔ (بینات علامہ بنوری نمبر)

حضرت بنوری رحمہ اللہ کا انداز تربیت

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی پہلی یاد جو اس ناکارہ کے ذہن و حافظہ پر نقش ہے وہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ پر حضرت کی تشریف آوری تھی۔ یہ ناکارہ خیر المدارس کا طالب علم تھا۔ حضرت جلسہ پر تشریف لائے' آپ کے ساتھ آپ کے مدرسہ کے ایک مصری استاذ بھی تھے، حضرت تقریر کے لئے جلسہ گاہ میں تشریف لائے تو مصری استاذ کو بھی اپنے برابر کرسی پر بٹھالیا اور تقریر سے پہلے حضرت اپنے اس رفیق کی مدح وستائش کرنے لگے، سامعین حضرت کے تعریفی کلمات سے متعجب تھے کیونکہ مصری علماء کی طرح یہ صاحب بھی بے ریش تھے۔ غالباً حضرت نے سامعین کے چہروں میں حیرت واستعجاب کے خطوط پڑھ لئے، اس لئے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"آپ حضرات ان کی ظاہری شکل کو نہ دیکھیں، ان کا باطن بہت خوب ہے، بہت عمدہ ہے، بہت اچھا ہے، آپ حضرات دعا کریں کہ میرا باطن ان جیسا ہو جائے اور ان کا ظاہر مجھ جیسا ہو جائے۔"

اور پھر اپنے اس رفیق کی طرف متوجہ ہو کر عربی میں فرمایا کہ شیخ! میں نے حاضرین سے یہ دعا کرنے کی فرمائش کی ہے۔ یہ سن کر وہ مصری عالم کھڑے ہوئے اور عربی میں کہا کہ "تمام حاضرین گواہ رہیں کہ آج سے میرا ظاہر شیخ بنوری جیسا ہوگا۔"

حضرتؒ نے جب ان کے عربی فقروں کا ترجمہ کیا تو سامعین عش عش کر اٹھے، اس وقت ان کی مسرت وشادمانی لائق دید تھی۔ حضرت کی تواضع اوران کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے انداز کا یہ پہلا نقش تھا جو اس ناکارہ کے ذہن پر مرتسم ہوا اور آپ کی یہ ادا ایک مثال تھی جو اہل علم کے لئے لائق تقلید ہے۔ (واقعات ومشاہدات)

حضرت لدھیانوی شہید کا حضرت بنوری سے تعلق کا قصہ

حضرت (مولانا سید محمد یوسف بنوری بانی دارالعلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی) سے اس ناکارہ (مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ) کا تعلق ۱۳۸۶ھ میں ہوا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ یہ ناکارہ ایک چھوٹے سے قصبہ ماموں کانجن ضلع فیصل آباد میں مدرس تھا۔ ان دنوں فیلڈ مارشل ایوب خان ''پاکستان کا اکبر بادشاہ'' بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اوران کے بعض ملحد رفقاء ابوالفضل اور فیضی کا کردار ادا کر رہے تھے، ادارہ تحقیقات اسلامی، ان کی کمین گاہ تھی۔ جہاں استشراقی افکار کی آری سے اسلام کی جڑیں کاٹنے کا دن رات کام ہو رہا تھا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کا ماہنامہ تو ان دنوں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے الحاد و نفاق کا خصوصی ترجمان تھا ہی، اس کے علاوہ دیگر اخبارات ورسائل میں بھی ان کے ملحدانہ افکار وسیع پیمانے پر شائع ہو رہے تھے۔ ادھر حضرت بنوریؒ کا ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خلاف میدان جہاد میں اترا ہوا تھا۔ ''بینات'' کے مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت بنوری کی تمام تر ظاہری وباطنی قوتیں فضل الرحمٰن فتنہ کا سر کچلنے پر مرکوز ہیں، انہی دنوں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بعض ملحدانہ مضامین اخبارات میں شائع ہوئے، جس سے اس ناکارہ کی طبیعت بے چین ہوگئی۔ اسی اضطرابی کیفیت میں حضرت بنوری کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ آپ حضرات اس سیل الحاد کے سامنے بند باندھنے کی کوئی تدبیر فرمائیں، میرے خط کا جواب نہ آیا تو میں نے یاددہانی کے لئے دوبارہ عریضہ لکھا، اس کے جواب میں حضرت کا گرامی نامہ موصول ہوا۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا رسالہ ''فکرونظر'' تو ماموں کانجن میں مجھے کہاں میسر آتا ''بینات'' میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے جو اقتباسات نقل کئے جارہے تھے انہیں کو پڑھ کر اس ناکارہ نے

بھی اس فتنہ کی تردید میں ایک مضمون سپرد قلم کیا۔ جس کا عنوان تھا ''ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اصول'' میں نے اس کی ایک نقل حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی مدظلہ العالی مدیر ''بینات'' کو بھیجی چونکہ یہ ناکارہ اس میدان میں بالکل اناڑی تھا اور اس مضمون میں بعض نازک تعبیرات آ گئی تھیں اس لئے مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میرا قلم جادۂ استقامت سے نہ بھٹک گیا ہو۔ اس لئے میں نے حضرت مولانا میرٹھی مدظلہ العالی سے درخواست کی کہ اس مضمون کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور کوئی چیز اصلاح طلب نظر آئے تو اس کی اصلاح فرمادی جائے۔ اس ناکارہ کو وہم وخیال بھی نہیں تھا کہ یہ مضمون ''بینات'' میں چھپ سکتا ہے؟ مدعا صرف یہ تھا کہ اگر اس کی تصحیح وتصویب فرمادی جائے تو کسی اور پرچے میں چھاپ دیا جائے گا لیکن میری حیرت کی حد نہ رہی جب میرے منسلکہ عریضہ کے جواب میں نہ صرف یہ کہ مدیر ''بینات'' کا گرامی نامہ موصول ہوا بلکہ اس کے ساتھ میرے حضرت اقدس شیخ بنوری کا کرامت نامہ تھا کہ تمہارا مضمون پسند آیا، تم رمضان المبارک ہمارے پاس گزارو اور اگر یہ تعلق مستقل ہو جائے تو بہت ہی بہتر ہوگا۔

حضرت کے کرامت نامہ کے جواب میں اس ناکارہ نے لکھا کہ رمضان المبارک میں تو میرا اپنے والد ماجد کی خدمت میں گاؤں میں رہنا ناگزیر ہوتا ہے اور وہ مجھے اجازت نہیں دیں گے کہ میں رمضان کراچی میں گزاروں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ میں یکم شعبان کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور ۲۸ شعبان کو آپ سے رخصت ہو کر ۲۹ شعبان کو حضرت والد ماجد کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔ حضرت نے اس تجویز کو شرف قبول بخشا اور میں قرارداد کے مطابق یکم شعبان ۱۳۸۶ھ کو حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا۔

اس طرح ڈاکٹر فضل الرحمٰن اس ناکارہ کے لئے حضرت بنوری سے ربط وتعلق کا ذریعہ بن گیا حق تعالیٰ شانہ جب چاہیں شر سے خیر کا پہلو پیدا فرمادیتے ہیں۔

محمد یوسف بنوریؒ کے مولا میرا یہ کام کردے

مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ایک بار حضرت بنوری رحمہ اللہ نے بہت ہی شفیقانہ انداز میں بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں اور فرمایا ''میں تم کو (مولانا محمد

یوسف لدھیانوی) اور مفتی ولی حسن کو اپنے مدرسہ کا مدار سمجھتا ہوں'' اور پھر ایسی نصیحتیں فرمائیں جس طرح شفیق باپ اپنے بیٹے کو وصیت کر رہا ہو، اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے والد ماجد حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ذکر فرمایا جو امام بخاریؒ نے باب برکۃ مال الغازی حینا و میتا میں روایت کیا ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے اپنے صاحبزادے کو قرضوں کے ادا کرنے کی وصیت فرمائی اور فرمایا۔

یا بنی ان عجزت عن شئی منه فاستعن علیه مولائی.

''بیٹا! اگر اس کی کسی چیز سے عاجز آجاؤ اور وسائل ساتھ نہ دیں تو اس کے لئے میرے مولا سے مدد لینا۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھا کہ میرے مولا سے ان کی کیا مراد ہے؟ اس لئے میں نے عرض کیا۔

یا ابۃ من مولاک قال: اللہ ''ابا جان آپ کے مولا کون ہیں؟'' فرمایا: اللہ تعالیٰ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کے قرض کی ادائیگی میں جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو میں کہتا یا ''مولی الزبیر اقرض عنه دینه''

''اے زبیر کے مولا قرضہ ادا کردیجئے۔'' (صحیح بخاری، ص ۴۴۱، ج ۱)

اس واقعہ کو ذکر کرکے میرے حضرت بنوریؒ نے مجھ سے فرمایا: تمہیں جب بھی کوئی مشکل پیش آئے، میرے مولا سے مدد لینا اور یہ کہنا اے محمد یوسف بنوریؒ کے مولا میرا یہ کام کردے!

یہ میرے حضرت کا خاص عطیہ تھا جو حضرت نے اس خاص انبساط کی حالت میں فرمایا اور الحمدللہ حضرت کا نسخہ کیمیا بہت سے مشکل مواقع میں کام آیا۔ (واقعات و مشاہدات)

شاہ ولی اللہ کے خاندان میں علم کا شوق

حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز نے اردو میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔ ایک مرتبہ مطالعہ کرتے ہوئے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے پانی مانگا۔ شاہ ولی اللہ کو پتہ چلا تو فرمانے لگے کہ افسوس! آج علم ہمارے خاندان سے رخصت ہوگیا کہ میرے بیٹے نے مطالعہ کے وقت پانی مانگا۔ بیوی نے کہا حضرت! صبر تو کریں۔ اس نے پانی بھیجنے کی

بجائے سرکہ ملا کر بھیج دیا۔ شاہ عبدالعزیز مطالعہ میں اتنے مشغول تھے اور پیاس کی شدت کی وجہ سے اضطرار اتنا تھا کہ سرکہ پی لیا اور پتہ ہی نہ چلا کہ میں سرکہ پی رہا ہوں یا پانی پی رہا ہوں۔ جب بیوی نے بتایا کہ اس کا تو یہ حال ہے تو فرمایا' الحمدللہ ہمارے خاندان میں ابھی علم باقی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان حضرات کو باطنی نعمتیں عطا فرما دی تھیں خود شاہ ولی اللہ کو علم و ادب کی وجہ سے اتنا رعب حاصل تھا کہ مغلیہ خاندان کے شہزادوں کو منبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ مغلیہ خاندان والوں! ولی اللہ کے سینے میں اللہ نے ایک موتی رکھا ہے' اگر تمہارے خزانے میں اتنا قیمتی موتی ہے تو مجھے لا کر دکھاؤ۔ تم ساری دنیا کے خزانوں کو بھی اکٹھا کر لو تو مجھے وہ موتی لا کر نہیں دکھا سکتے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی باکمال شاگرد تیار کیے جیسے اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور سید احمد شہید رحمہ اللہ۔ آج بالاکوٹ ان کی عظمت کی گواہیاں دے رہا ہے۔

مدیر اور مدارس

مدیر اور ارباب مدارس کے اوصاف
ذمہ حقوق وفرائض
اکابر کے تجربات اور نصائح
اساتذہ وطلباء سے معاملہ کرنے کے اصول
اساتذہ کے تقرر واخراج کا ضابطہ
مشاورت وسرپرستی کی ضرورت
مدارس کی کارکردگی بہتر بنانے کا دستور العمل
انتظامی امور میں اختلاف ہونے پر اکابر کا طرز عمل
مدارس کی سرپرستی کا مفہوم وشرائط
مدارس سے مبلغین کے اجراء کا نظم
مدارس میں خانقاہی نظام رائج کرنے کی ضرورت
ماتحت افراد سے کام لینے کی تدابیر

مدرسہ کا مہتمم عالم دین ہونا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

مہتمم مدرسہ عالم ہونا چاہئے جاہل سے اہتمام کا کام نہیں ہوسکتا۔ میں جب کانپور مدرسہ فیض عام میں تھا اس وقت وہاں کے ایک مہتمم بے علم تھے ایک طالب علم شرح مائۃ عامل پڑھتا ہوا مدرسہ میں آیا۔ میں نے مہتمم سے کہا اس کی روٹی مقرر کردیجئے اس نے کہا یہ کیا پڑھتا ہے میں نے کہا شرح مائۃ عامل، کہا کیا یہ حدیث کی کتاب ہے؟ اس سے ان کے جہل کا اندازہ کرلیجئے۔ بھلا ایسا شخص جماعت اہل علم کا کیا انتظام کرے گا۔ (تحفۃ العلماء)

مہتمم کے اوصاف

مدرسہ علمی کا مہتمم عالم باعمل ہونا چاہئے جو علم کے سبب سے بھلے برے کو سمجھتا ہو کیونکہ ناواقف ہونے کی صورت میں طلباء کی جرات بڑھتی ہے اور جو عالم ہوگا وہ سب باتوں کو سمجھے گا اور طلباء پر اس کا دباؤ ہوگا۔ یا اگر مہتمم عالم نہ ہو تو کم از کم علماء باعمل کی صحبت میں رہا ہو۔ ہر بات کو سمجھتا ہو یہ نہ ہو کہ نہ عالم ہو نہ صحبت یافتہ ہو۔ (التبلیغ خیر المال للرجال)

منصب دینے میں چند باتیں دیکھنا چاہئے!

منصب عطاء کرنے میں چند امور کا لحاظ ضروری ہے

ایک یہ کہ جس کو وہ منصب دیا گیا ہے اس میں اس منصب کی اہلیت (صلاحیت) ہو، تاکہ وہ اس کے فرائض کو بخوبی انجام دے سکے۔ دوسرے یہ کہ وہ منصب عطاء کنندہ (یعنی منصب دینے والے کا) پورا مطیع و تابع دار ہو۔

مثلاً اگر بادشاہ کسی کو وائسرائے بنا کر بھیجے تو وہ دو باتوں پر نظر کرے گا ایک یہ اس کو انتظام ملکی کا سلیقہ اعلیٰ درجہ کا ہو، دوسرے یہ کہ اس میں گورنمنٹ کی اطاعت پوری پوری

ہو مخالفت اور بغاوت کا شائبہ بھی نہ ہو، کوئی بادشاہ ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیتا کرتا جس میں ذرا بھی مخالفت و بغاوت کا احتمال و شائبہ ہو۔

اگر کوئی شخص وائسرائے میں قابلیت انتظام کی کمی کا عیب نکالے یا اس کی وفاداری پر اعتراض کرے تو حقیقت میں یہ اعتراض بادشاہ پر ہوگا کیونکہ اسی نے اس کو یہ منصب دیا ہے۔ پس اعتراض کا حاصل یہ ہوگا کہ بادشاہ نے ایک نا قابل یا مخالف گورنمنٹ کو وائسرائے بنایا ہے۔

اور وائسرائے پر اعتراض کرنے میں ممکن ہے کسی وقت معترض حق بجانب بھی ہو کیونکہ شاہان دنیا کا علم محیط نہیں۔ اس لئے ان سے انتخاب میں غلطی ہو جانا بعید نہیں۔ (دین و دنیا)

ارباب انتظام کو ہدایت

مہتممین اپنی خدمات منصبیہ کو حق اللہ، سمجھیں اور ان کو نہایت خلوص کے ساتھ بجالائیں خلوص کے دو جز ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی، باطنی تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو عبد (بندہ) اور حق تعالیٰ کو مولیٰ سمجھ کر احکام کی تعمیل کریں اور ظاہری یہ ہے کہ اپنے آپ کو حاکم نہ کہیں بلکہ خادم کہیں وہ نام تک اختیار نہ کریں۔ جن سے حکومت اور ترفع پایا جائے۔ آج کل یہ بھی ایک خبط ذہنوں میں سما گیا ہے کہ کام چاہے جتنا ذرا سا شروع کریں گے مگر عہدے اور خطابات بڑے بڑے اختراع کر لیتے ہیں کوئی سیکرٹری بنتا ہے کوئی ایجنٹ ہوتا ہے۔ (دعوات عبدیت حقوق القرآن)

دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے استعفاء کا واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

ایک مدرسہ عربیہ کا ذکر تھا۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ علماء کو تو اپنے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنا چاہئے۔ (دیکھئے جس قدر متمدن اور سیاسی قومیں ہیں ان میں بھی تقسیم عمل معمول ہے اگر سب ایک ہی طرف اور ایک ہی کام پر لگ جائیں تو ملک کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے۔ اس مدرسہ کی سرپرستی میرے سر تھوپ دی گئی تھی مگر وہاں سیاسیات کا زور ہو گیا۔ اس لئے میں یہ چاہتا رہا کہ کس طرح اس سے سبکدوش ہو جاؤں مگر اب موقع ہاتھ لگ

گیا۔ اس لئے مستعفی ہو گیا اور یہ استعفیٰ بعض ممبروں کی ایک تحریر کی بنا پر تھا۔ اس تحریر کے الفاظ ایسے دل آزار اور دل شکن تھے جو تہذیب سے بھی گرے ہوئے تھے۔ آخر تہذیب اور شائستگی بھی کوئی چیز ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ جس چیز کا تحمل نہ ہو اس سے علیحدہ ہونا ہی مناسب ہے۔ مجھے ایسی چیزوں سے مناسبت بھی نہیں اس لئے ایسی چیز گراں ہوتی ہے۔ اس تحریر کے بعد یہاں مدرسہ کے ممبران وفد کی صورت میں آئے تھے۔ ان میں وہ صاحب بھی تھے جن کی وجہ تحریر تھی۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ مجھ کو اس آپ کی تحریر سے رنج پہنچا اور ہے اور رہے گا۔ آپ سے اس کی شکایت ہوئی ہے اور رہے گی۔ جب تک کہ اس کا تدارک نہ ہو گا اس پر معافی چاہی میں نے کہا کہ جس درجہ کی غلطی ہے اسی درجہ کی معذرت ہو تب اس کا تدارک ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ تحریری غلطی ہے تحریری معذرت ہو اور چونکہ اس تحریر کا اعلان ہو چکا ہے لہٰذا معذرت کا بھی اعلان ہونا چاہئے میں نے یہ بھی کہا کہ اگر کسی سرپرست پر اعتماد نہ ہو تو ایسے شخص کو سرپرست بنایا جائے جس پر اعتماد ہو وہ کوئی بھی ہو پھر اختیارات اس کے وہی ہوں گے جو سابق سرپرستوں کے رہ چکے ہیں۔ اس پر ایک صاحب بولے کہ سرپرست کے تدین پر فہم پر اعتماد ہے مگر اہل غرض سرپرست کی رائے کو بدل دیتے ہیں میں نے کہا کہ یہ شبہ تو مجلس عاملہ اور کارکنان مدرسہ پر بھی ہو سکتا ہے آخر میں نے کہہ دیا کہ میں نہ اس غلطی کے اعلان کا منتظر ہوں نہ مستدعی ہوں نہ مشتاق ہوں اگر ساری عمر بھی آپ ایسا نہ کریں تو مجھے کوئی ضرورت نہیں صرف اپنی رضا کی شرط بتلائی ہے اور حضرت واقعہ تو یہ ہے کہ اب نہ سرپرستی کا وقت ہے نہ پا پرستی کا اب تو لطیفہ وقت اس کا ہے کہ ایک گوشہ میں خاموش گمنام ہو کر بیٹھ جائے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

ہیچ کنجے بیدرد و بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

(دنیا کا کوئی کونہ بغیر خطرات کے نہیں ہے۔ راحت خلوت گاہ حق کے سوا کہیں نہیں ہے ۱۲) (ملفوظات ج ۳)

اہل قصبہ سے طلباء کو کھانا بھیجنے میں ایک شرط

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

شروع شروع میں یہاں قصبہ کے لوگوں نے کہا کہ ہم طلباء کو کھانا دیں گے میں نے کہا کہ جیسے مہمان کو سینی میں لگا کر روانہ کرتے ہیں یہاں لا کر دینا منظور ہے تو بہتر ورنہ منظور نہیں چونکہ درخواست ان کی طرف سے تھی اس واسطے ہم کو شرط لگانے کا حق تھا اگر درخواست ہماری طرف سے ہوتی تو ان کو شرائط کا حق تھا۔ (ملفوظات ج ۲۶)

مدارس میں ضروری علوم کا اضافہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ قرآن شریف کے ترجمہ کے ساتھ توریت انجیل بھی پڑھایا کرتے تھے مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کے زمانہ میں اس کے ثمرہ کا ظہور ہوا واقعہ یہ ہے کہ ایک پادری آیا بعض اہل بدعت کے بہکانے سے اس نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کا نام لے کر مناظرہ کا اعلان کیا بہکانے کی وجہ یہ تھی کہ شاہ صاحب سے عداوت تھی جانتے تھے کہ شاہ صاحب کو اس سے کیا مناسبت۔ ہار جائیں گے ذلت ہوگی نفانسیت بھی کیا بری چیز ہے یہ نہ سمجھا کہ اگر ایسا ہوا تو نعوذ باللہ اسلام کی ذلت ہے۔ شاگردوں نے یہ دیکھ کر مولانا کو کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا یہ عرض کیا کہ حضرت ہم کو مناظرہ کی اجازت دی جائے فرمایا کہ وہ میرا نام لے کر اعلان کرے اور میں خاموش بیٹھا رہوں مجھ کو غیرت آتی ہے اب شاگردوں میں بڑی کھلبلی پڑی مگر یہ کون کہہ سکتا تھ کہ آپ کو عیسائیوں کے مناظرہ مناسبت نہیں کیونکہ ایسے مناظروں میں عادۃ الزامی جوابوں کی ضرورت ہوتی ہے قلعہ میں مناظرہ ٹھہرایا غدر کے زمانہ سے قبل کا واقعہ ہے حضرت شاہ صاحب مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے مناظرہ ہوا حضرت شاہ صاحب نے توریت و انجیل کے حوالہ سے جواب دینا شروع کئے پادری کو شکست ہوئی لوگوں کو بڑا تعجب ہوا لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو ان جوابوں کی کیا خبر فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ قرآن شریف کے ترجمہ کے ساتھ توریت اور انجیل بھی پڑھایا کرتے تھے یہ قصہ بیان کر کے فرمایا کہ ضرورت کی بنا پر میری رائے ہے کہ مدارس میں تین چیزوں کی تعلیم کا اور اضافہ کر دیا جائے ایک ریلوے قانون کا دوسرے ڈاک خانہ کے قواعد کا تیسری فوجداری کی دفعات کا تا کہ جرم کی حقیقت سے واقف ہو جائیں بعض مرتبہ جرم کی

حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے جرم کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔(ملفوظات۔ج ۳)

طلباء کو کسی گھر دعوت کھانے نہ بھیجنے کا ضابطہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

ایک شخص نے آکر کہا کہ طلباء کو میرے گھر دعوت پر روانہ کر دیں۔ فرمایا یہ کہیں نہیں جاتے اگر آپ کو کھلانا ہو یہاں لے آیئے وہ صاحب کچھ تھوڑی دیر خاموش رہے تو خادم سے فرمایا کہ ان کو سمجھا دو پھر کچھ دیر بعد اس شخص نے کہا کہ اچھا یہاں لاؤں؟ فرمایا کہ یہ تم مجبوری سے کہہ رہے ہو اور جس دعوت میں مجبوری ہو وہ ہم بھی قبول نہیں کرتے۔ رمضان کے بعد اگر تم کو اسی طریقہ سے کھلانا ہو تو منظور کر لیں گے۔ فرمایا کہ طلباء کو لوگ ذلیل سمجھتے ہیں اس واسطے میں ان کو کسی کے گھر جانے نہیں دیتا۔ بھائی کے گھر میں دعوت تھی اور وہ میرا ہی گھر ہے مگر میں نے وہاں بھی انکار کر دیا کہ لوگ کہیں گے کہ وہاں گئے اور ہمارے ہاں نہیں آتے۔ فرمایا کہ ان میں اس کے سوا اور کیا عیب ہے۔

وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله (اور انہوں (کفار) نے نہیں بدلہ لیا ان سے (مسلمانوں سے) مگر اس کا کہ وہ ایمان لے آئے اللہ پر۔(ملفوظات ج ۲۶)

مہتمم لوگوں سے ملا کرے

مہتمم/ پرنسپل سے بچوں کے والد/ سرپرست اسی طرح کوئی خیر خواہ ملنا چاہے تو وہ ان سے مل لیا کرے، ہوسکتا ہے کہ ادارہ کی مفاد کے متعلق کوئی مشورہ دے اور یہ ادارہ کی ترقی کا ذریعہ بنے۔

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب "محاضرات الأدباء" میں بیان کرتے ہیں کہ میمون بن مہران عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں باہر سے آواز سنائی دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دربان سے کہا: دیکھو دروازے پر کون ہے؟

جواب ملا: جس شخص نے ابھی ابھی اپنا اونٹ بٹھایا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مؤذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ہے۔ حکم ہوا کہ اسے اندر بلایا جائے جب وہ اندر آئے تو فرمائش کی گئی کہ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کریں۔

ابنِ بلال نے عرض کیا: مجھ سے میرے والد گرامی نے بیان کیا: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"من ولي من أمور الناس شيئا فاحتجب' حجبه الله يوم القيامة"

ترجمہ: "جو شخص لوگوں کے کسی معاملے کا نگران ہو اور وہ خود کو ان سے چھپا لے تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس سے پردے میں ہو جائیں گے (یعنی ایسے شخص کو دیدارِ الٰہی نصیب نہ ہوگا)۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اپنے دربان سے فرمایا: آج سے ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے' اپنے گھر چلے جاؤ۔ اس کے بعد ان کے دروازے پر کوئی دربان نہیں دیکھا گیا۔ (مثالی استاد)

سرپرستی کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فرمایا دیوبند سے ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ میرا فلاں معاملہ صاف کرادو ورنہ تم سرپرست ہو تم سے باز پرس ہوگی۔ میں نے انکو لکھ دیا کہ میں سرپرست بمعنی حاکم نہیں بلکہ بمعنی مشیر ہوں اگر کوئی بات مجھ سے پوچھی جائے گی جواب دے دوں گا ورنہ نہیں۔ اور میں ایک مرتبہ سرپرست کی تفسیر مولانا گنگوہی کے سامنے بھی کر چکا ہوں کہ سرپرست بمعنی مشیر کے ہے نہ حاکم کے۔ سہارنپور کی سرپرستی میں ایک جھگڑا ہو گیا تھا جس میں حکم نے مجھے سرپرست بنایا تھا مولانا گنگوہیؒ نے خط لکھا کہ تم اسے قبول کر لینا مگر یہ صاف لکھ دیا کہ اگر سرپرستی کے یہ معنی ہیں کہ جو مجھ سے پوچھا جائے جواب دیدوں تب تو خیر اور اگر حاکم کے معنی ہیں یعنی خود دیکھ کر کھود کرید کروں تو ایسی سرپرستی مجھے قبول نہیں۔

ایک زمانہ میں بعض لوگ مجھے لکھتے تھے کہ تم دیوبند کے سرپرست ہو یوں نہیں کرتے یوں نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ یہاں معترضوں کے سرغنہ آئے تھے میں نے ان کو اپنی سرپرستی کے فرائض دکھلا دیئے وہ کہتے تھے کہ ان فرائض کے دیکھنے سے تو کسی کا منہ نہیں جو اعتراض کر سکے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ میں سرپرست بمعنی مشیر کے ہوں حاکم کے نہیں یعنی مجھ سے جن امور میں پوچھا جائے گا۔ میں جواب دے دوں گا۔ اور جن میں نہیں پوچھیں گے اس کا مطالبہ نہ کروں گا کہ کیوں نہیں پوچھا اور رائے دینے کے بعد بھی عدم پابندی پر مواخذہ نہ کروں گا۔ ہاں عمل

کا انتظار ضرور رہے گا۔ اور رائے تو مجھ سے دیگر مدارس کے مہتممین بھی لیتے ہیں مگر اس میں دیوبند کا امتیاز یہ ہے کہ دیگر مدارس میں تو جب وہ پوچھتے ہیں تب رائے دیتا ہوں اور دیوبند بلا پوچھے بھی اگر کوئی بات سمجھ میں آئے گی تو دریغ نہ کروں گا خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو۔ (تحفۃ العلماء)

حضرت حاجی شاہ عابد حسین صاحب رحمہ اللہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حاجی محمد عابد صاحب کے زمانہ اہتمام میں ایک عالم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہو گیا اور مقابلہ میں برا بھلا کہا۔ حضرت حاجی صاحب خاموش ہو گئے۔ دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا خود تشریف لے گئے اور ان طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولانا! معاف کر دیجئے' آپ نائب رسول ہیں آپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔ ہمارے حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک ادنیٰ طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال۔ اب تو امید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے۔ سچ ہے۔

حریفاں بارہا خوردند و رفتند   تہی خمخانہ کردند و رفتند

(ارواح ثلاثہ ص: ۳۳۷)

مدیر کے لئے ضابطہ و رابطہ کا اصول

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس سے ضابطہ کا تعلق بھی ہو اور رابطہ کا بھی ہو مثلاً کوئی مدرس اپنے مہتمم سے دوستی کا تعلق بھی رکھتا تھا اور اب ملازمت کا تعلق بھی ہو گیا یا کسی مرید کو دوستی کا تعلق تھا اور اب مرشد و شیخ بھی بنا لیا تو ہر وقت اپنی طرف سے ضابطہ کے حقوق پر عمل کرے ہاں جب کسی وقت صراحت سے یا قرائن غالبہ سے رابطہ کے حقوق کیلئے اس کا لطف و کرم اجازت دے تو پھر اس وقت رابطہ کا معاملہ کرے ورنہ پھر اسی ضابطہ پر عود کر آئے۔ بعض لوگوں کو یہ بات نہ سمجھنے سے بہت ندامت اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہے وہ ضابطہ کے تعلق کے ہوتے ہوئے اپنی خصوصیت اور رابطہ کا اظہار بے موقع کر کے مستوجب عتاب و سزا ہو جاتے ہیں۔ (مجالس ابرار)

ضابطہ اخراج طلباء

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو طالب علم اصول کی پابندی نہ کرے فوراً اس کا اخراج کرے جس طرح درخت میں جو شاخ خراب ہوتی ہے اس کو فوراً کاٹ دیتے ہیں۔ (مجالس ابرار)

اخراج معلم کی صورت

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب مدرسہ کا کوئی استاد بے اصولی کرتا ہے اور اپنی غلطی تسلیم کر کے تلافی نہیں کرتا تو اسے فوراً معطل کر دیتا ہوں یہ نہیں سوچتا کہ جب دوسرا مل جائے تو معطل کروں کیونکہ میں اس بے اصول اور اس پر اصرار کو اس کی ممات سمجھتا ہوں کیونکہ حیات اصلی باقی نہ رہی پس اگر استاد کا انتقال ہو جائے تو اس وقت کیا کریں گے اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ ان کا انتقال ہو گیا پھر دوسرے استاد کا کیا انتظار لیکن پہلے تو میں معطل کیا کرتا تھا اب یہ کرتا ہوں کہ مستقل سے عارضی کر دیتا ہوں کیونکہ معطل کرنے میں مفاسد زیادہ تھے اور استاد کی سبکی تھی۔ پس مستقل سے غیر مستقل کر دیا جاتا ہے بے اصولی کے جرم میں استقلال ساقط پھر آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (مجالس ابرار)

ارشادات

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ

ارباب مدارس کیلئے نصائح

۱۔عظمت طلبہ بالخصوص طلباء قرآن شریف کا زیادہ اہتمام کرنا۔

۲۔ان کے ضیف رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے نیز مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا استحضار رکھ کر معاملات کرنا۔

۳۔دوسرے معاونین وارکان بالخصوص اساتذہ سے حسن ظن رکھنا۔

۴۔مشورہ مناسب کے بعد بے فکر ہونا اس پر عمل ہونے نہ ہونے کی فکر نہ کرنا۔

۵۔فیصلہ اگر مشورہ کے خلاف ہو تو بھی تعاون کرنا۔

۶۔ایسے اقوال وافعال سے احتیاط رکھنا جس سے طلبہ واساتذہ کی بے وقعتی یا بے عزتی یا شکایت عوام کے سامنے آئے۔

۷۔طلباء کو مریض، اساتذہ کو معالج اور خود کو تیماردار سمجھ کر معاملہ کرنا یا سمجھنا۔

۸۔طلبہ کی صحت جسمانی کے لئے مناسب ورزش کا انتظام کرنا۔

۹۔ان کے علمی وعملی امتیاز (مثلاً اوسط سے اوپر نمبر لانے اور اہتمام تکبیر اولیٰ، تعدیل ارکان، نماز باجماعت) پر انعامات تجویز۔

۱۰۔امتحان وجانچ باہر کے ماہر وتجربہ کار استاد سے کرانا گو صرفہ کتنا ہی ہو اس سے عمدگی تعلیم میں مدد ملے گی۔

۱۱۔شکایات طلبہ واساتذہ عمومی پر کوئی اثر نہ لینا۔البتہ شکایات خصوصی پر فریق متعلق سے دریافت وانکشاف حقیقت کے بعد فیصلہ کرنا۔

۱۲۔ بیمار طلبہ کی خاطر، دیکھ بھال و دلجوئی و راحت رسانی کا اہتمام کرنا جس میں ضروری علاج معالجہ بھی شامل ہے۔

۱۳۔حفاظ کے لئے وظیفہ میں گنجائش رکھنا۔

۱۴۔تکمیل حفظ پر انعام خصوصی مقرر کرنا۔

۱۵۔صفائی ستھرائی مدرسہ ودارالاقامہ کا اہتمام کرنا۔

۱۶۔صفائی ستھرائی کے سلسلہ میں اکثر بلا اطلاع معائنہ کرنا۔

۱۷۔جن اساتذہ میں صحت مطلوبہ کی کمی ہو یعنی قرآن مجید یا تجوید پڑھنے کی ادارہ کے مصارف پر پورا کرنا۔

۱۸۔اساتذہ کے ذمہ سبق طلباء کا سننا لازم کرنا۔

۱۹۔ادعیہ اوقات متفرقہ کی نگرانی کا نظم قائم کرنا۔

۲۰۔نماز سنت کے موافق پڑھانے کا انتظام تجویز کرنا کسی نگراں کی نگرانی میں۔

۲۱۔زیادہ بہتر یہ ہے کہ اساتذہ کو نگرانی کے لئے مقرر کرنا۔

۲۲۔وظیفہ نگرانی متفرق خدمات الگ سے تجویز کرنا۔

۲۳۔جسم مدرسہ کی تعمیر وتزئین کے مقابلہ میں عمدگی تعلیم کو ترجیح دینا۔

جس مدرسہ میں اولاً صرف ضروری باتوں کو مقدم رکھا جاوے۔پھر عمدگی تعلیم کے بعد مناسب تزئین کی طرف توجہ فرمائی جاوے۔

۲۴۔کسی کی فہمائش (خواہ وہ طالب علم ہی کیوں نہ ہو) پر غلطی وکوتاہی ظاہر ہونے پر اس کا ممنون ہونا اور اس غلطی وکوتاہی کی تلافی کرنا اگر کسی کا حق فوت ہوا ہو تو اس سے معذرت کرنا۔

۲۵۔ معلمین قاعدہ وناظرہ وحفظ کا مشاہرہ معقول مقرر کرنا خواہ علماء کرام سے زیادہ ہو جائے۔مدار وظیفہ ضرورت ہونا چاہئے نہ کہ علمی لیاقت۔

۲۶۔ایسے اساتذہ کو معلمین مقرر کرنا جو نصاب مدرسین کی تکمیل کئے ہوئے ہوں۔

۲۷۔ تقرر کے وقت نصاب مدرسین کے موافق جانچ کرانا اگر چہ سند تکمیل نصاب مدرسین بھی موجود ہو (بعض اوقات صلاحیت حاصل شدہ بے فکری سے کم ہو جاتی ہے)

۲۸۔ بروقت داخلہ طلباء قرآن پاک میں امتحان کرانا۔

۲۹۔ تصحیح مطلوب کی کمی پر تصحیح قرآن مجید کے لئے وقت مقرر کرانا۔

۳۰۔ اجتماع طلبہ' جلسہ اور وعظ میں تدویراً وحدراً طلبہ سے قرآن شریف پڑھوانا۔

۳۱۔ قواعد تجوید کے موافق سنانے پر انعام کا دیا جانا۔

۳۲۔ تصحیح قرآن شریف کی ناکامی پر وظیفہ کا بند کرنا اور درجہ کی ترقی سے محروم کرنا۔

۳۳۔ حسب ضرورت اساتذہ کو اشرف التفہیم یا رحمۃ المتعلمین کے مطالعہ کی تاکید کرنا اور تکمیل نصاب کرانا۔ (مجالس ابرار)

کارکردگی بتانے کا طریقہ

ارشاد فرمایا کہ تقابل تفاضل سے ہوتا ہے پس اپنے کام اور خدمات کا تعارف تو ہو تفاضل نہ ہو اور اپنا کام اگر ۲۰ درجے پر ہے تو ۱۸ ہی درجہ بیان کرے تاکہ دیکھنے والے زیادہ پائیں کم نہ پائیں اور اہل مال کو آگے نہ کریں۔ اہل دین کو آگے کریں کام میں تعجیل نہ کریں حق تعالیٰ پر نظر رکھیں۔ قرآن پاک کی تعلیم پر خاص نظر رکھیں اس سے مالی معاملات میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ (مجالس ابرار)

باہمی مشورہ کی آسان شکل

ارشاد فرمایا کہ (ہر ماہ میں ایک دن مقرر کر کے اپنا اپنا کھانا لے کر احباب جمع ہوں اور اس اجتماع میں سنت کے مطابق کھانا کھائیں اور تصحیح قرآن پاک اور نماز و وضو اور زندگی کے ہر کام کی سنت اور دعائے مسنونہ یاد کرنے کا مذاکرہ ہو اور اراکین حضرات کا رجسٹر حاضری بھی ہو جو صاحب نہ تشریف لائیں ان کے گھر پر حاضری دی جائے اور خیریت معلوم کی جاوے۔ از جامع یہ مفید بات بھی دوسری مجلس میں ارشاد فرمائی گئی تھی۔ (مجالس ابرار)

مدیر صرف اللہ پر نظر رکھے

ارشاد فرمایا کہ لوگوں نے مالی تعاون بند کر دیا تو کیا غم؟ لوگوں پر نظر نہ رکھئے جن کے

قبضے میں دل ہے ان پر نظر رکھئے۔ کام میں لگئے اور تجویز فنا کیجئے یہ نہ سوچئے کہ کام اس طرح کرنا ہے اور اس طرح ہونا چاہئے بلکہ جو اس وقت اختیار میں ہو وہ محنت شروع کر دیجئے کیا نتیجہ ہوگا۔ کس طرح ہوگا کیونکر ہوگا ان باتوں سے ہمت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے۔

کیا نتیجہ ہوگا کیونکر ہوگا یہ اوہام چھوڑ　　کام کر اور جس کا ہے کام اس پہ تو انجام چھوڑ

اجر لے ناکام ہو کر بھی نہ رب کا کام چھوڑ　　وقت ہے جد و جہد کا راحت و آرام چھوڑ

اختیاری محنت اور کوشش کے باوجود اگر ناکامی ہوتی ہے تو یہ ناکامی عرفی ناکامی ہے حقیقی ناکامی نہیں ہوتی حق تعالیٰ کی رضا اور ثواب عطا ہونے کے باوجود پھر ناکامی کیسی؟ محنت اور کوشش کی ضرورت ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو اہل علم اور خادم دین بزرگوں کے آخری زمانے کو اپنا نمونہ بناتے ہیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور عیش و جاہ کے طالب ہو جاتے ہیں کیونکہ بزرگوں کے ابتدائی زمانے جو سخت مجاہدات کے گذرتے ہیں وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں یہ تو آخری زمانے کے معتقدین کا ہجوم۔ مسند اور ہدایے۔ خدام کی راحت رسانی اور اسباب عیش کو دیکھتے ہیں پس اس آخری حالت کی نقل ان کو تن پروری اور تن آسانی کا طالب بنا کر دین کی محنت اور جد و جہد کی عرق ریزی سے محروم کر دے گی۔ اس کو بطور نصیحت کے فرمایا کہ ہمیشہ بزرگوں کی ابتدائی زندگی کے مجاہدات اور مشقت کی زندگی کو اپنا طریقہ کار اور نمونہ عمل بنانا چاہئے پھر سرگرمی عمل کی توفیق ہوگی اور تمام منازل ترقیات قدموں کے سامنے ہوں گے۔ (مجالس ابرار)

نوکر کی توہین جائز نہیں ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے جو ملازم تنخواہ دار ہیں ان کو بھی جب تنخواہ دیتا ہوں یا کبھی کوئی ان کی مالی خدمت کرتا ہوں تو روپیہ پیسہ کبھی ان کی طرف پھینکتا نہیں بلکہ سامنے رکھ دیتا ہوں یا ہاتھ میں دیتا ہوں جیسے ہدیہ دیتے ہیں پھینکنے میں ان کی اہانت معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک تحقیر کی صورت ہے اور ملازم کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا کوئی

حق نہیں کیونکہ نوکری ایک قسم کی تجارت ہے تجارت میں کبھی اعیان کا مبادلہ اعیان سے ہوتا ہے کبھی اعیان کا مبادلہ منافع سے ہوتا ہے اور منافع میں منافع بدنیہ ارفع ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نوکر نے اپنی جان پیش کی جو اس مال سے کہیں افضل و اعلیٰ ہے منافع بدنیہ کو پیش کرنا یہ زیادہ ایثار ہے پس تجارات میں اجارات زیادہ افضل ہیں تو اس کی تحقیر کی کیا وجہ میں کبھی ان معمولات کو بحمد اللہ بیٹھ کر سوچتا نہیں سب امور طبعیہ ہیں خود بخود ذہن میں آتے ہیں جتلانا مقصود نہیں احسان کرنا مقصود نہیں اپنے دوستوں سے صرف اس لئے ظاہر کر دیتا ہوں کہ یہ باتیں کانوں میں پڑ جائیں تاکہ حقوق العباد کا خیال رکھیں اور عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور کوئی غرض سنانے سے نہیں۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

اے اہل مدارس! شرعاً کسی بھی ملازم کی تحقیر جائز نہیں تو اہل علم اور مدرسہ کے مدرسین کی تحقیر کب جائز ہوگی۔ آج علمی انحطاط کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ خود ارباب مدارس اپنے ماتحت اہل علم حضرات کی تحقیر کرتا رہتا ہے ان حالات میں ہم عوام سے کیا توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اہل علم کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اس لئے ارباب مدارس کو اس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے کہ کسی بھی اہل علم کی تحقیر نہ کریں کہ اس نے اپنے منافع آپ کے سپرد کئے ہیں نہ کہ اپنی آبرو۔ (مرتب)

ہر دینی ادارہ وانجمن کی طرف سے مبلغین کے تقرر کا اہتمام

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ درس وتدریس متعارف مقصود کا مقدمہ ہیں اور اصل مقصود تبلیغ ہے۔ آج کل بڑی کوتاہی ہو رہی کہ درس وتدریس کو اصل سمجھ لیا ہے اور اس کوتاہی اور غلطی کی بدولت اکثر علماء کو جو تبلیغ نہیں کرتے ایک بہت بڑی فضیلت سے محرومی ہوگئی ہے۔ حضرات انبیاء کا درس یہی تبلیغ تھا۔ ابتداء میں درس وتدریس اور بعد فراغ علوم تحصیل اور تبلیغ دونوں کے حقوق ادا کرنا چاہئیں۔ ایک کی طرف متوجہ ہو کر دوسرے سے غفلت کرنا یہ عظیم کوتاہی ہے۔ علماء کو اس کی طرف ضرور توجہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنا وقت تبلیغ میں بھی صرف کیا کریں اور اس کی ایک سہل اور بہتر صورت یہ ہے کہ مدارس کی طرف سے کچھ مبلغ مقرر کر دیئے ہیں۔ آج کل مدارس میں اس کی بڑی کمی ہے پڑھنے پڑھانے میں جس قدر مشغول ہے تبلیغ کی طرف مطلق توجہ نہیں جس قدر وقت اس میں

صرف کرتے ہیں تبلیغ میں اس کا نصف حصہ بھی خرچ نہیں کرتے۔

۲۔ از تعلیم المسلمین ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ ''مقام تھانہ بھون۔'' ہر مدرسہ اسلامیہ کم از کم ایک واعظ مقرر کرے اور یہ سمجھے کہ ضرورت تعلیم کے لئے ایک مدرس کا اضافہ کیا گیا کیونکہ جس طرح مدرسہ کے معلمین طلبہ کے مدرس ہیں یہ واعظین عوام کے مدرس ہیں۔ اسی طرح اہل انجمن یہ سمجھیں کہ تعلیم عوام کیلئے یہ ایک مکتب ہے جو شاخ ہے انجمن کی۔''

۳۔ از تفہیم المسلمین ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ تھانہ بھون۔ ''جو علماء کسی دینی خدمت میں مشغول ہیں جیسے درس و تدریس تصنیف و تالیف وغیرہ وہ بھی اپنی نشست و برخاست میں اور اوقات ملاقات میں بندگان خدا کو احکام الٰہیہ پہنچانے میں سستی نہ کریں اور فرصت کے اوقات میں جیسے جمعہ کی تعطیل ہے یا رخصت طویلہ کا زمانہ ہے وعظ و نصیحت کے ذریعہ بندگان خدا کو احکام اسلام پہنچانا اپنا فریضہ سمجھیں۔''

۴۔ از حقوق العلم ص ۵۸ ''پس مقصود بالذات اس تمام تر اشتغال بالدرس والتالیف سے وعظ ہی ٹھہرا پس مقصود بالذات کی اماتت کتنی بڑی ہے۔'' (مجالس ابرار)

حضرات دیوبند کو زمانہ فتنہ میں پیام

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

میں نے حضرات دیوبند کو زمانہ فتنہ میں یہ پیام کہلا بھیجے تھے۔ ایک یہ کہ طلبہ کا ایک خاص طرز معین ہونا چاہئے مثلاً لباس معین وضع کا ہو جیسا اپنے بزرگوں کا تھا بعضے کہتے ہیں کہ طلبہ اس کو آج کل اپنی تحقیر خیال کرتے ہیں مگر ایسے امور کی طرف کیوں التفات کیا جائے دوسرے میں نے یہ کیا تھا کہ عام معترضوں سے سوال جواب کرنا مفید نہیں۔ جو شخص مدرسہ پر اعتراض کرے ایک دفعہ اس کے سامنے حقیقت ظاہر کر دے پھر جواب نہ دے۔ تیسرے یہ کہا ایک اعلان کر دیا جائے کہ ہم اصول صحیحہ پر مدرسہ چلائیں گے اور چندہ کا حساب ایک دفعہ شائع کر دیں گے اور ہر شخص کو حساب نہ دیویں گے اگر ان شرائط کے ساتھ کسی کو ہم پر اعتماد ہو تو چندہ بھیجے ورنہ نہ دے۔ (ملفوظات ج ۲۶)

بے لوث دینی خدمات

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے ساتھ اپنے ایک سفر کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کوئٹہ کے سفر میں احقر علامہ بنوریؒ کے ہمراہ تھا' یہاں مولانا کو کُل چوبیس گھنٹے ٹھہرنا تھا۔ جس میں تین مجلسوں سے خطاب کرنا تھا' ایک پریس کانفرنس تھی' گورنر بلوچستان سے ملاقات تھی اور عشاء کے بعد جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ عام تھا۔ سارا دن مولانا کو ایک لمحہ بھی آرام نہ مل سکا اور رات کو جب ہم جلسہ سے فارغ ہو کر آئے تو بارہ بج چکے تھے۔ خود میں تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا' مولانا تو یقیناً مجھ سے زیادہ تھکے ہوئے ہوں گے۔ اس کے بعد میں سو گیا' رات کے آخری حصے میں آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مولانا کی چارپائی خالی ہے اور وہ قریب بچھے ہوئے ایک مصلے پر سجدے میں پڑے ہوئے سسکیاں لے رہے ہیں' اللہ اکبر! ایسے سفر' اتنے تھکان اور مصروفیت میں بھی نالۂ نیم شبی جاری تھا' یہ دیکھ کر مجھے تو ایک ندامت ہوئی کہ مولانا اپنے ضعف' علالت اور سفر کے باوجد بیدار ہیں اور ہم صحت مند اور نو عمری کے باوجود محوِ خواب! اور دوسری طرف یہ اطمینان بھی ہوا کہ جس تحریک کے قائد کا رشتہ ایسے ہنگامۂ دار و گیر میں بھی اپنے رب سے اتنا مستحکم ہو' ان شاء اللہ ناکام نہیں ہوگی۔ اس زمانے میں ملک بھر میں مولانا کا طوطی بول رہا تھا' اخبارات مولانا کی سرگرمیوں سے بھرے ہوتے تھے اور ان کی تقریریں اور بیانات شہ سرخیوں سے شائع ہوتے تھے' چنانچہ جب صبح ہوئی تو میزبانوں نے اخبارات کا ایک پلندہ لا کر مولانا کے سامنے رکھ دیا' یہ اخبارات مولانا کے سفر کوئٹہ کی خبروں' بیانات' تقریروں اور تصویروں سے بھرے ہوئے تھے۔ مولانا نے یہ اخبارات اٹھا کر ان پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر فوراً ہی انہیں ایک طرف رکھ دیا' اس کے بعد جب کمرے میں کوئی نہ رہا تو احقر سے فرمایا: ''آج کل کوئی تحریک دین کے لئے چلائی جائے اس میں سب سے بڑا فتنہ نام و نمود کا فتنہ ہے۔ یہ فتنہ دینی تحریکوں کو تباہ کر ڈالتا ہے' مجھے بار بار یہ ڈر لگتا ہے کہ میں اس فتنے کا شکار نہ ہو جاؤں اور اس طرح یہ تحریک ڈوب نہ جائے' دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس فتنے سے ہم سب کی حفاظت فرمائے ورنہ ہمارے اعمال کو تو بے وزن بنا ہی دے گا' اس

مقدس تحریک کو بھی لے کر بیٹھ جائے گا۔"

یہ بات فرماتے ہوئے مولانا کے چہرے پر کسی تصنع یا تکلیف کے آثار نہ تھے بلکہ دل کی گہرائیوں میں پیدا ہونے والی تشویش نمایاں تھی۔ (نقوش رفتگاں)

مقصد سے لگن

ہندوستان کے ایک تعلیمی نظام کے مشہور داعی نے جب اپنی کوششوں کا آغاز کیا تو ایک بڑا طبقہ ان کا مخالف تھا' انہوں نے اپنے پروگرام کے لئے مالی تعاون کے سلسلے میں مختلف بااثر لوگوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا' ایک بڑی ریاست کے نواب صاحب سے بھی انہوں نے ملاقات کی' اپنا پروگرام بتایا' نواب صاحب سے تعاون کی درخواست کی' نواب صاحب ان کے نظام تعلیم کے سخت مخالفین میں سے تھے' سامنے تو انہیں کچھ نہیں کہا' طرہ دے گئے اور یہ وعدہ کر کے ان کو رخصت کیا کہ میں بذریعہ ڈاک جو کچھ ہو سکا ارسال کر دوں گا' چند دنوں کے بعد ڈاک میں انہیں نواب صاحب کی طرف سے ایک صندوقچی ملی' سمجھے کہ کوئی قیمتی ہدیہ ارسال کیا گیا ہے لیکن جب کھولا تو اس میں پرانے جوتوں کا ایک جوڑا تھا' یہ نواب صاحب کی طرف سے ان پر طنز تھا لیکن انہوں نے اس طنز کا کوئی اثر نہیں لیا بلکہ جوتوں کا وہ جوڑا فروخت کیا اور اس رقم کی رسید کاٹ کر نواب صاحب کو بھیج دی' نواب صاحب ان کے مقصد کے ساتھ اس قدر لگن کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور اس وقت کے پچیس ہزار کی خطیر رقم ان کے پروگرام کے لئے دیئے۔ (ذکریات علی الطنطاوی' ج:۵ص:۲۰۸)

مدرسہ کی طرف سے مبلغین کا نظم

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے عوام کی ہدایت کے لئے اپنے مدرسہ سے مبلغین مقرر فرمائے تھے جو بستیوں میں خود جا کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ سوچنے کی بات ہے کہ جو لوگ آپ کے مدرسہ میں دین سیکھنے کے لئے آ رہے ہیں ان کی تدریس کے لئے ۲۰ مدرسین ہوں اور جو لوگ یہاں نہیں آ رہے ہیں ان کے لئے ایک بھی نہ ہو۔ مبلغ

عوام کے لئے مدرس ہوتا ہے اور پھر جن عوام میں آپ کا مبلغ کام کرے گا ان کے بچے بھی تو آپ کے مدارس میں تعلیم حاصل کریں گے۔

اس وقت میں اپنے اکابر کے سامنے جس میں ہمارے استاد محترم حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ بھی موجود ہیں اس لئے یہ گذارشات پیش کر رہا ہوں کہ یا تو ہماری اصلاح ہو جاوے گی یا تائید ہو جاوے گی۔

یہ بات سن کر حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ آپ کا بیان تو نقل ارشادات مرشد میکنم کا مصداق ہے۔ (مجالس ابرار)

اگر مدرسہ میں اختلاف ہو جائے تو کیا کریں؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کسی معاملہ میں لوگ تم سے جھگڑا کریں تو تم رطب یابس سب اس کے حوالہ کر کے خود علیحدہ ہو جاؤ۔ حضرتؒ نے فرمایا میرا عمر بھر کا یہی معمول ہے۔ حضرتؒ نے اپنے معمول پر ایک حدیث سے بھی استدلال فرمایا ہے جو جامع صغیر میں رزین سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔

نعم الرجل الفقیه ، ان احتیج الیه نفع، و ان استغنی عنه اغنی نفسه.

(بہت اچھا وہ مرد فقیہ ہے کہ اگر لوگ اس کی ضرورت محسوس کریں تو ان کو نفع پہنچائے اور اگر لوگ اس سے استغناء برتیں تو یہ بھی ان سے استغناء کا معاملہ کرلے۔

اور فرمایا کہ اسی لئے آج کل دار العلوم دیوبند کی سرپرستی سے بھی استعفاء دیدیا ہے۔ مجھے جھگڑوں اور سوال جواب میں پڑنے کی کہاں فرصت ہے۔ (مجالس حکیم الامت)

مدرسہ میں فنڈز ختم ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مولوی صاحب کا خط آیا کہ میں بھی مقروض ہو گیا ہوں اور مدرسہ میں بھی کچھ نہیں۔ آپ رنگون وغیرہ خط لکھ دیں کہ لوگ مدرسہ میں روپیہ داخل کریں۔ جواب میں ارشاد فرمایا: کہ جس مدرسہ کا کام میرے ذمہ ہے اس کے لئے بھی نہیں کہتا اور نہ ہی ایسا کرنا جائز سمجھتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ اراکین مدرسہ کو چاہئے کہ مدرسین وغیرہ سے یہ کہہ دیں کہ ہم ذمہ دار نہیں جی چاہے تو

کام کرو اگر آگیا تو دے دیں گے ورنہ طلب نہ کرنا اگر کچھ نہ ہو سکے تو مدرسہ بند کر دیں۔ (ملفوظات ج ۲۴)

مدارس میں خرابیوں کا ایک سبب

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ جو آج کل مدارس میں اساتذہ نے ایک طرز اختیار کیا ہے کہ طلباء کی مرضی پر اسباق رکھے جاتے ہیں یہ بالکل ہی غلط طرز ہے اس طرز میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ اساتذہ کو چاہئے کہ طالب علم کی استعداد اور قوت کو دیکھ کر کتاب انتخاب کریں تاکہ آئندہ کے لئے محنت کارآمد ہو۔ دوسرے طلبا کے دماغ اور اخلاق خراب ہوتے ہیں۔ ایسے برتاؤ سے اساتذہ کو اپنا محکوم سمجھتے ہیں ایسی ہی باتوں کی بدولت مدارس میں خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ (ملفوظات ج ۶)

ارباب مدارس کو مشورہ

ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں تمام اہل مدارس دینیہ کو رائے دیتا ہوں کہ مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ بھی ہونے چاہئیں یہ سنت نبویہ ہے اور پڑھنا پڑھانا مقدمہ ہے اسی مقصود کا اصل مقصود تبلیغ ہی ہے اور ایک بات اور تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ مبلغین سے چندہ کا تعلق نہ ہونا چاہئے صرف احکام بیان کرنا ترغیب اور فضائل بیان کرنا ان کا کام ہو اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچتا ہے مگر اہل مدارس اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے عرصہ ہوا غالباً ان تحریکات سے چودہ پندرہ برس قبل میں نے مدرسہ دیوبند والوں کو اس کا مشورہ دیا تھا کہ ملک کے تمام اطراف میں باقاعدہ مبلغین کی جماعت جاتے رہنا چاہئے جن کا کام صرف تبلیغ ہو اور ہر شہر میں اس کی آبادی کی نسبت سے مبلغ یا ان کی آمد ورفت رہنا چاہئے مگر کوئی خاص انتظام نہیں ہوا ان مدارس کے متعلق میری ایک یہ رائے ہے کہ مدارس دینیہ میں صنعت وحرفت کا بھی انتظام کیا جائے خواہ طلبہ اس کام کو بعد میں نہ کریں لیکن سکھایا ضرور جائے اس لئے کہ آج کل عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے اس کے ان کو اور کچھ نہیں آتا اس لئے اپنا محتاج سمجھتے ہیں اور اس سے تحقیر کرتے ہیں اگر کوئی دستکاری وغیرہ سیکھ لیں اور کسی وقت کسب معاش کی ضرورت ہو تو اپنے کام میں تو لگ جائیں گے اور اس طرح پر چندے کرتے اور مانگتے نہ پھریں گے کہ اس میں غایت تحقیر ہے۔ (ملفوظات ج ۶)

انتظامی امور میں اختلاف ہونے پر اکابر کی ایک تابندہ مثال

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں بزرگوں کے ایک نظام میں شریک عمل ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی فکر ونظر کا اختلاف ضرور ہوا جو بعید از قیاس نہیں بلکہ عین فطرت کے مطابق ہے لیکن آپس میں ایک دوسرے کا کتنا احترام تھا اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب کبھی حضرت مدنیؒ دفتر اہتمام میں تشریف لاتے تو حضرت مہتمم صاحبؒ کے سامنے دوزانو مودب بیٹھتے اور حضرت مہتمم صاحبؒ اپنی مسند چھوڑ دیتے اور حضرت مدنیؒ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

آپ پہلے حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے اس خط کو پڑھئے اور پھر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے جواب کو ملاحظہ فرمایئے اور پھر سوچئے کہ دو بڑے کس طرح ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اور آپس میں کتنا گہرا اور قلبی تعلق رکھتے ہیں اور ان دونوں حضرات کے دل میں ایک دوسرے سے محبت وعقیدت کا جذبہ کس طرح موجزن تھا اور ہر ایک دوسرے کی خیر خواہی میں کس طرح کوشاں رہتا تھا اور اگر کبھی کوئی غلط فہمی ہو جائے تو اس کا واضح جواب مل جانے پر یہ حضرات آپس میں کس طرح مطمئن ہو جاتے تھے۔

حکیم الاسلام رحمہ اللہ کا خط

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: حضرت سیدی وسندی مخدومی ومطاعی دامت برکاتہم‘ سلام مسنون وشوق زیارت عرض آنکہ بحمد للہ مع الخیر رہ کر مستدعی مزاج اقدس ہوں۔ حضرت اقدس کا پیغام بتوسط بھائی حافظ محمد یوسف صاحب دام مجدہم‘ شرف صدور ہوا‘ جس کو بہت شوق سے سہارنپور جا کر پڑھا۔

سہارنپور کے پیغام میں شکوہ کا حاصل یہ ہے کہ حسب مکالمہ حضرت صدر صاحب مولانا عزیز گل صاحب وحسب بیان مولوی ابوالوفا صاحب جو بطور استراق سمع چوری سے میرا کلام سن کر مرتب کیا گیا‘ میں نے مولوی عثمان صاحب وسلطان صاحب وغیرہ کو روس فساد کہہ کر ان کے استیصال کی سعی کی اور باوجود حضرت صدر صاحب کے اس معاملہ سے گریز کرنے کے میں ہی ان ہی لوگوں کے اخراج یا استیصال پر مجبور کرتا رہا‘ میں اس سلسلہ میں نہایت صبر وسکون کے ساتھ صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ۱۳۵۷ھ میں جبکہ انہیں روس فساد کے بارہ میں مجلس شوریٰ ۵۷ ہجری کو اپنی اور ان روس کے درمیان مراسلت سنا کر ان کے مفاسد پر دھواں دھار تقریر فرمائی جس سے متاثر ہو کر شوریٰ نے تجویز کیا کہ یہ سب قابل علیحدگی تھے‘ صدر صاحب نے ان کے ساتھ نرمی برتی لیکن پھر صدر صاحب انہیں اگر پھر بھی مدرسہ کے خلاف سمجھیں تو وہ انہیں علیحدہ کر سکتے ہیں۔ کیا یہ مراسلہ اور تقریر اور شوریٰ کا یہ تاثر اور تجویز بھی میرے ہی دباؤ سے ہو رہا تھا؟ نیز اس جلسہ شوریٰ ۱۳۶۱ھ صدر صاحب کا بھری مجلس میں مولوی عبدالوحید صاحب کے نسبت یہ کہنا کہ یہ نوٹس بنام صدر مہتمم جو بریلی سے آیا ہے عبدالوحید کی سازش وفتنہ انگیزی کا نتیجہ ہے‘ کیا میں نے جبر واکراہ کر کے ان سے کہلوا دیا تھا‘

اسی مجلس میں صدر صاحب کا ان رؤس فساد کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمانا کہ میں مفسد جماعت اور اس کے فساد کو اپنے دلی یقین کے ساتھ جانتا ہوں لیکن یہ چالاک اور شاطر جماعت سب کچھ کر کے کوئی حجت اپنے اوپر نہیں آنے دیتی اس لئے میں نام نہیں لینا چاہتا کیا یہ اقرار و اعلان بھی ان رؤس فساد کی نسبت میں نے ہی اپنے جبر و اکراہ سے کروا دیا تھا۔

چند گذارشات

کیا حضرت کی اس اسارت سے قبل مولوی نافع گل صاحب اور مولوی جلیل صاحب کے بارہ میں جو جواب طلبیاں ہوئیں جن پر حضرت نے ان مصاحبوں سے فرمایا کہ یہ آفتیں تم پر میری وجہ سے آ رہی ہیں تم میرے پاس آنا جانا چھوڑ دو تو کیا یہ آفتیں اور حضرت کے بیچ میں آنے سے یہ مصیبتیں بھی میرے ہی کسی جبر و اکراہ کا نتیجہ تھیں؟ کیا شعبان ۶۱ھ میں حضرت صدر صاحب کا مجھ سے یہ فرمانا کہ تم ان حالات کی مفصل رپورٹ اور ان رؤس فساد کے متعلق مستحکم مواد فراہم کرو' جو شوریٰ میں پیش کیا جائے اس ضمن میں ہم بہت کچھ کر سکیں گے کیا یہ بھی انہوں نے مجھ سے میرے ہی دباؤ سے ارشاد فرمایا تھا؟ اور کیا اس جلسہ شوریٰ ۶۱ھ سے دو تین دن قبل جبکہ میں نے رپورٹ مرتب نہ کی تو حضرت صدر صاحب کا یہ فرمانا کہ رپورٹ مرتب نہیں ہوئی جو ہونی چاہئے تھی نیز ان رؤس فساد کی نسبت کوئی ایسا عدالتی بیان بھی فراہم نہیں جس کو حجت میں پیش کیا جا سکے لیکن اگر شوریٰ میں کسی کی نسبت کچھ بھی کارروائی نہ کی گئی تو یہ لوگ اور دلیر ہو جائیں گے کیا یہ بھی میں نے ہی ان سے زبردستی کہلوا دیا تھا؟ اور کیا اسی جلسہ شوریٰ کے اختتام پر صلح و مصالحت کی ہنگامہ خیز تقریروں کے بعد جبکہ صدر صاحب اپنی تقریر میں پارٹی بندی عذاب الٰہی بتا چکے تھے' دو ہی دن بعد مولوی عبدالعزیز صاحب کی کسی تحریر کو حاصل کر کے ان کے خلاف مواد فراہم کرنے کا جو حکم ممدوح نے مجھے دیا تھا کیا وہ بھی میرے ہی کسی دباؤ کا نتیجہ تھا اور کیا جبکہ اسی مجلس شوریٰ میں حضرت صدر صاحب نے مولوی عثمان صاحب کی یہ شکایت فرمائی کہ انہوں نے حضرت مولانا مدنی کی مجلس میں بمواجبہ مولانا کفایت اللہ صاحب' مولانا احمد سعید صاحب نے

میرے متعلق بعض نا ملائم کلمات کہے جس کی خبر مجھے مولوی عبدالوحید سے ہوئی اور اس طرز عجیب سے صدر صاحب نے ان لوگوں کے مفاسد پر استدلال فرمایا تو کیا یہ استدلال بھی میں نے ہی انہیں سمجھایا تھا؟ اور میں نے ہی کہا تھا کہ ان افراد کو رؤس فساد کہا جائے؟ اور کیا حضرت صدر صاحب نے بذریعہ مراسلت حضرت کو جو اپنا رویہ تبدیل کرنے کی طرف توجہ دلائی جس رویہ سے گویا رؤس فساد تیار ہوئے کیا اس پر بھی میں نے ہی انہیں مجبور کیا تھا؟ اور کیا صدر صاحب جب حیدر آباد کا نمائندہ بن کر آئے اور اپنی مجلسی تقریروں میں علانیہ انہوں نے اپنے کو وہاں کے مقصد کا تکمیل کنندہ ظاہر کیا کہ بہر حال وہ مقاصد پورے ہی کرتے ہیں۔ کیا مجلس شوریٰ ۷۵ھ سے سیاسی مساعی کی روک تھام کے سلسلہ میں یہ منظور کرانا کہ اس میں نہج اور ضابطہ کا فرق بھی معتبر نہ ہوگا اور علی الاطلاق ان امور میں حصہ لینے والا ملازم مجرم سمجھا جائے گا کیا یہ بھی میرے ہی کسی دباؤ کا نتیجہ تھا؟

ارباب مدارس کا اختیار

بہر حال ۵۷ھ سے لے کر آج تک اسی استراق سمع کے معاملہ سے قبل و بعد پالیسی مدرسہ کے نام پر جو جو عملی کارروائیاں ہوئیں کیا وہ سب میرے ہی جبر و اکراہ کا نتیجہ تھیں اور کیا پالیسی مدرسہ کے تحفظ کا میں ہی ذمہ دار تھا کہ جس سے جو چاہا کرا دیا اور سب چھوٹے بڑے بلا چون و چرا اس کی تعمیل پر میرے سامنے دم بخود رہتے تھے؟ اگر میں ایسا ہی قوی اور جابر تھا تو میں نے عہدۂ اہتمام جیسے روایتی عہدہ کو مفلوج ہونے سے کیوں نہ بچا لیا؟ اور اپنی آئینی بے اختیاری کو انہیں حضرات پر جبر کر کے کیوں نہ زائل کیا؟ ۵٦ھ میں جب میں مجلس شوریٰ میں اپنی بے بسی بیان کر کے عہدۂ اہتمام کو مجبوریت سے نکالنے کے لئے اپیل کرتا ہوں تو حضرت صدر صاحب صفائی سے فرما دیتے ہیں کہ میں اپنے اختیارات کے مسئلہ کو فٹ بال نہیں بنانا چاہتا میں جب اسی مجلس میں ماسٹر طفیل احمد صاحب کی نااہلیت کا مسئلہ چھیڑ کر انہیں محاسبی سے علیحدہ کئے جانے کا منشاء ظاہر کرتا ہوں تو صدر صاحب پورے غصہ سے فرما دیتے ہیں کہ جب تم لوگ تھانگی کو مدرسہ میں لے آتے ہو اب گرہ کٹوں سے کیوں ڈرتے ہو۔ پھر ۵٦ھ کی مجلس شوریٰ میں آئین دارالعلوم پر بحث کے سلسلہ میں جب کہ مہتمم اور صدر مہتمم کے اختیارات کا

مسئلہ چھڑتا ہے تو مہتمم کو کچھ مستقل اختیارات دیئے جانے کا پہلو سامنے آتا ہے تو حضرت صدر صاحب غضب ناک ہو کر مجھ سے ہی نہیں پوری مجلس سے ناراض ہو جاتے ہیں اور اس درجہ مجلس مجبور ہو جاتی ہے کہ دستور اساسی کی تکمیل اسی مسئلہ پر آ کر رک جاتی ہے تو میں یا تو ان کے سامنے اس درجہ کمزور اور بے بس ہوتا ہوں کہ مدرسہ کے ایک روایتی عہدہ کو بھی اس کی اصلی حالت پر قائم نہیں کر سکتا ایک ملازم محاسب کے بارہ میں مجھے دل شکن جواب دے کر خاموش محض کر دیا جاتا ہے دو عہدوں کے صحیح توازن کے بارہ میں میری بات غصہ سے ٹھکرادی جاتی ہے اور یا ان رؤس فساد کے بارہ میں اتنا قوی اور جابر بن جاتا ہوں کہ مجھ سے صدر صاحب حد درجہ مجبور ہو کر گویا مولانا عزیر گل صاحب سے فرماتے ہیں کہ میں کیا کروں ان رؤس فساد کے بارہ میں مہتمم متشدد ہے اور مجھے مجبور کر رہا ہے کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ماسٹر طفیل صاحب کے بارہ میں تو انہیں مجبور نہ کر سکوں اور ان رؤس فساد کے بارہ میں ان کی مجبوری اس انتہا کو پہنچا دوں اس کو چھوڑ کر پارٹی فلنگ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پارٹی بنے ان کی محاذ وہ قائم کرے جس کا ابتدائی علم بھی مہتمم کو نہ ہو طلباء میں جتھا ان کا قائم ہو کھلی جنگ کا منظر عام پر وہ لے آئیں اور مدرسین وطلباء میں تنافس باہمی' مجالس درس میں آشکارا ہونے لگے اعلان اہتمام دوبارہ سقوط امتحان وہ لکھائیں اور لکھیں اس اعلان کے خلاف مولوی محمد میاں صاحب کے مضمون کا جواب خود لکھ کر دوسروں کے نام سے وہ چھپوائیں بریلی کے نوٹس کے جواب میں باہر سے نوٹس منگوانے کے لئے مضمون وہ قلم بند کریں جو بہ تغیر الفاظ کئی جگہوں سے مدرسہ میں پہنچے اور شامل مثل ہوئے طلبائے مخرجین کے دوبارہ داخلہ کے بارہ میں ممبران شوریٰ کی انفرادی رایوں کو وہ نہ مانیں پھر عین اجلاس شوریٰ میں انہی طلبہ کے داخلہ وعدم داخلہ کے بارے میں ممبران شوریٰ سے جھڑپ ان کی ہو پھر بھری مجلس میں اپنی رواداری اور حضرت کی تنگی یا پارٹی بندی کی حمایت کی مثالیں زور دے کر وہ بیان کریں حضرت کی شرائط پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے انہیں شرائط کو موجب فساد بتلائیں جس سے مجلس اس یقین پر پہنچ کر کہ مدرسہ کے اندر فساد شدید موجود ہے ان سے یہ اپیل کرے کہ پھر صفائی سے مفسدین کے نام بتایئے' تو اس پر جواب میں وہ فرمائیں کہ مجھے مفسدین کے فساد پر روز روشن کی طرح یقین ہے مگر جماعت مفسدین کی چالاکیوں کے

سبب عدالتی ثبوت ہاتھ میں نہیں' اس لئے نام لینا نہیں چاہتا' غرض رؤس فساد اور ان کا فساد تقریری تحریری کارروائیوں کے ذریعہ ظہور تو ان کی طرف سے ہو ان کے فساد کا یقین انہیں ہو' اور مجرم بنے مہتمم اور وہ بھی اجبار و اکراہ کا جس کی نہ کوئی پارٹی ہے اور نہ جس میں پارٹی سازی کی صلاحیت ہی ہے اور نہ خبروں کے تلاش و تجسس کا جذبہ ہی اس میں ہے مجھے اس سلسلہ میں اشتراک عمل سے کوئی انکار نہیں جس میں اگر اپنے کو مجبور کہوں تو بجا ہے کیونکہ اول تو مہتمم کو قوت نافذہ اور صدر کو قوت آمرہ قرار دیا گیا ہے اس لئے ہر چیز سامنے مہتمم ہی کے قلم سے آ سکتی ہے اور اسے کوئی حق نہیں کہ وہ اشتراک عمل سے گریز کرے یا اپنے قلم کو بچانے کی فکر میں رہے دوسرے میں خصوصیت سے پالیسی کے سلسلہ میں مہتمم اصل نہیں بلکہ صدر کے ماتحت اور اس کے تابع ہے اس لئے اشتراک عمل سے بچنے کی اس کے لئے کوئی صورت بھی نہ تھی تیسرے یہ کہ حضرت نے اپنے بعض مکاتیب میں تحریر فرمایا ہے کہ بظاہر اسباب مدرسہ کی بقا و ترقی ہم تین کے سر پر اور ہمارے اشتراک عمل پر آ پڑی ہے اس لئے اس اشتراک کو توڑ دینے والا مدرسہ کا دشمن ہوگا۔ (او بمعناہ) جو کہ یہ کہ طلبہ کے اس شورش کے زمانہ میں بھائی یوسف صاحب نے باہتمام تمام صدر صاحب کے مکان پر بمواجہہ خان بہادر شیخ ضیاء الحق صاحب اس کی تائید فرمائی کہ مہتمم اور صدر مہتمم اتفاق و اتحاد اور دلی یکجہتی سے کام کریں تو اس اشتراک عمل ہی سے تمام شورشیں ختم ہو جائیں گی اور فتن کا استیصال ہو جائے گا ان امور کی بنا پر میں نے اور زیادہ خلوص کے ساتھ اشتراک عمل شروع کیا اندریں حالات ان ہنگامی امور میں اگر میں اپنے کو مجبور کہتا تو بجا تھا مگر الٹا اور عجیب ماجرا ہے کہ مجھے اس میں اصل یا مدعی یا جابر کہہ کر ارباب اختیار اپنے کو مجبوری کا عذر رکھ کر بچانے کی فکر فرمائیں۔

اس سلسلہ میں حیرت ناک یہ ہزار داستان ہے کہ مولانا عزیز گل صاحب سے تو یہ کہا گیا کہ رؤس فساد کے بارہ میں مہتمم آگے آگے جبر کنندہ ہے اور حاجی رشید احمد صاحب سے بعد جلسۂ شوریٰ یہ کہا جائے کہ جو انہوں نے مجھ سے خود نقل فرمایا کہ ان مسائل میں میں تو بہت کچھ کر گزرتا مگر مشکل یہ کہ مہتمم تعاون نہیں کرتا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے میرے مواجہہ میں یہ کہا جائے کہ مولانا حسین احمد اور ان کے ہم خیال مدرس جو نجی مجلسوں اور

درسوں میں کانگریست یا سیاسی تحریکات کا پرچار کرتے ہیں اس کا سد باب کرنا بہت مشکل ہو رہا ہے اور شاید حضرت سے میری غیبت میں یہ کہا جاتا ہے کہ میں تو آپ کا ہوں بلکہ آپ کی کشیدگی یا کبیدگی کی صورت میں میں یہاں رہنے ہی پر تیار نہیں میں نے تو حیدآباد میں آپ کی روک تھام اور حفاظت کی فکریں اس وقت کی ہیں جب کہ مخالفین آپ کو مدرسہ سے اکھاڑنے کی فکریں کر رہے تھے ہاں مگر مہتمم حضرت تھانویؒ سے تعلق رکھتا ہے اسے سوچ لینے کی ضرورت ہے اس لئے میرے لئے سخت اشکال ہے کہ ان کے کون سے کلام کا یقین کروں یا ہر کلام کو ناقابل اعتبار سمجھ کر رد کر دوں اگر فی الواقع مہتمم کی عادت اسی طرح محاذ بنا کر جنگ کرنے کی ہوتی تو اس شورش کے زمانہ میں مولوی سلطان وعثمان وغیرہ کے مقابل آئی ہوئی پارٹی کی قیادت مہتمم ہی کے ہاتھ میں ہوتی بلکہ اسی کے اقدامات سے یہ پارٹی معرض وجود میں آئی ہوتی۔ اب میں رؤس فساد کے استیصال کی اصل حقیقت عرض کرتا ہوں جس کو بطور استراق سمع کوٹھریوں میں چوروں کی طرح چھپ کر سنا گیا اور باہر نکل کر اپنے معتقدین میں اضافوں کے ساتھ اسے نقل کیا گیا بلکہ اس کا پروپیگنڈہ کیا گیا یہاں تک کہ یہ مخلوط روایت حضرت تک پہنچ گئی واقعہ صرف اتنا ہے کہ میرے مکان پر خلیفہ عاقل آئے اور طلبہ کی ہڑبونگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس بارہ میں آپ صدر صاحب سے مل لیں وہ بھی آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور اسی وقت مل لیں اپنے مکان پر اس وقت وہ تنہا ملیں گے میں اسی وقت ان کے مکان پر پہنچا‘ معاملات حاضرہ کا ذکر چھیڑا صدر صاحب نے طلبہ کی شورش اور بدلگامی کا بلیغ انداز میں ذکر فرمایا اور اس صورت کو نہ صرف مدرسہ بلکہ شہر کے لئے بھی خطرناک ظاہر فرمایا اس سلسلہ میں میری زبان سے نکلا کہ اندریں حالات اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ رؤس فساد کا استیصال کیا جائے۔ طلبہ‘ مدرسین‘ ملازمین میں سے کسی کی تشخیص اس مجلس میں نہیں ہوئی یہ نام بنام فہرست ان مسترقین نے تراش کر اور مولوی سلطان وعثمان وغیرہ کے اسماء جمع کر کے لوگوں کے سامنے خود کی ہے جس کے ذمہ دار بھی بہرحال وہی ہیں نہ کہ میں اس سے ان حضرات کی دیانت اور امانت کا انداز ہوتا ہے ایک سرقہ سمع پر آمادہ کرتے ہیں اور وہ بھی دوسرے کو ملزم ومطعون بنانے کے لئے اور ایک استراق سمع کرتے ہیں تا کہ ایک اصل چیز میں افواہیں شامل کر کے اپنی مجلس کو

خوش کر سکیں مگر و لا یحیق المکر السئی الا باھلہ۔

رہے میرے خیالات اور کابل سے آنے کے بعد جذبات سو اس میں بحمد اللہ کوئی ادنیٰ تغیر نہیں یہ جذبات کابلی نہیں ہیں بحمد اللہ قدیم ہیں مگر جس طرح آج ان جذبات پر پردہ ڈالنے کی کوشش استراق سمع جیسی حرکات سے کی جارہی ہے تاآنکہ حضرت کے قلب تک یہ شک پیدا کر دیا گیا کہ وہ جذبات اب ہیں بھی یا نہیں؟ ایسے ہی سفر کابل سے پہلے بھی بحمد اللہ اصل جذبات یہی تھے مگر اسی قسم کے لغو مسائی اور ساتھ ہی سر پرستی وغیرہ کے اختلاف رائے کو ان جذبات کا پردہ بنایا گیا اور وہ کبھی بھی حضرت کے سامنے نہ آئے مجھے خود اس میں غیرت تھی کہ از خود اپنے جذبات کو خواہ مخواہ باور کرانے کی کوشش کرتا پھروں مگر بہر حال جذبات آج بھی جوں کے توں ہیں طلبہ کے بارے میں نہ حضرت یہ چاہتے ہیں کہ وہ احاطۂ دارالعلوم میں انارکسٹ بن جائیں نہ میں چاہتا ہوں دوسری جانب نہ حضرت یہ چاہتے ہیں کہ وہ سیاسی شعور سے کورے اور بے بہرہ رہیں نہ میں چاہتا ہوں آگے ان کی سیاسی بصیرت اور ان میں سیاسی شعور پیدا کرنے کی تدبیر کا مسئلہ ہے کہ وہ ایک صحیح سیاسی جذبہ شعور و بصیرت کے ساتھ لے کر نکلیں ان میں مخلص جذبات ہی نہ ہوں بلکہ ادراک و شعور بھی ہو اور وہ اپنے دینی مسلک کے ساتھ سیاسی مسلک بھی لے کر دارالعلوم سے نکلیں جس میں وہ مبصر اور محقق ہوں سو یہ مسئلہ نہ آپ کے سامنے ہے نہ میں تنہا اس میں کچھ کر سکتا ہوں میں میرے جو تدبیر سمجھ میں آئی تھی اسے بذیل تحریر حضرت کو دکھلایا تھا اور باضابطہ تعلیمات میں بھی اسے بھیج دیا تھا مگر وہ ابتداہی سے نذر بے التفاتی رہی اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے حضرت کی اس اسارت کے بعد طلبہ کا جو عظیم الشان جلسہ جامع مسجد میں زیر صدارت احقر منعقد ہوا جس میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے تقریر فرمائی اور بعد تقریر درمیان ہی میں چلے گئے اس میں حسن اتفاق سے طلبہ کے سامنے احقر نے کابل ہی کے معاملات و خیالات اور وزیر خارجہ سے اپنے مکالمہ کا حوالہ دے کر تقریر کی۔ اس لئے کوئی چیز الحمد للہ فراموش شدہ نہیں ہے۔

انتقامی جذبہ سے احتراز

طلبہ کے سلسلہ میں نیز ملازمین معلومہ کے بارے میں میں نے بحمد اللہ کوئی کارروائی

کسی جذبۂ انتقام کے ماتحت نہیں کی اول تو ہر کارروائی میں میں منفذ تھا امر نہ تھا لیکن جس حد تک بھی میری آراء شامل تھیں وہ الحمد للہ انتقامی نہیں تھیں مجھے اپنی خوددارانہ حیثیت کے پیش نظر حضرت کے اس جملہ سے رنج ہوا جو مولوی طاہر سلمہ کے موسومہ والا نامہ میں مرقوم تھا کہ مہتمم صاحب انتقامی جذبات سے کام لے رہے ہیں' اگر میں انتقامی جذبات سے کام لیتا تو اس وقت لیتا جبکہ سنین گزشتہ میں مجھے ہر معاملہ میں دبانے اور پست کرنے کی مساعی جاری تھیں جو بھی میری طرف منسوب تھا اسے مدرسہ سے کاٹ پھینکنے کی صورتیں پیدا کی جا رہی تھیں اور یہ کاٹ وتراش عملاً بہت سوں پر واقع ہوئی متعدد ملازمین بلا رپورٹ اہتمام بالا بالا نکال پھینکے گئے حالانکہ جو جرائم ان کی طرف منسوب کئے گئے ان سے بہت زیادہ دوسروں پر بھی عائد ہوئے اور کاغذات میں بھی آئے لیکن چشم پوشی کی گئی یہ سب کچھ مہتمم کی قوت توڑنے کے لئے عمل میں لایا گیا' ۵۴ھ میں طلبہ کا ہڑبونگ بھی ہوا جس کی زد مہتمم ہی پر تھی مہتمم کو سب تنہا چھوڑ کر بھی چلے گئے یہ سب کچھ ہوا مگر میں نے کبھی اُف تک نہیں کی' صبر کیا اور اپنے بڑوں کی تکریم وتحریم وتعظیم میں کبھی فرق نہ آنے دیا اگر انتقامی جذبات سے کام لیتا طلبہ کے مظاہرات کے سلسلہ میں جب شورش اور نظم کا مقابلہ کھلم کھلا شروع کر دیا تو بقائے نظم کے سلسلہ میں میری رائے بھی شریک تھی کہ جو حقیقتاً اس تحریک نظم کے مرتکب ہیں ان کے ساتھ ضابطہ کی کارروائی کی جائے مگر جب کہ حضرت شوری نے طلبہ کے عدد کثیر کے اخراج پر توجہ دلائی اور اس پر نظر ثانی کرنے کے لئے دائرۂ اہتمام کو ہدایت دی تو سب سے پہلے میں نے ہی اپنی رائے ظاہر کی کہ سوائے پانچ طلبہ کے سب کا داخلہ کیا جائے اگر وہ معذرت کریں۔

حضرت صدر صاحب کی رائے میں پانچ سے زیادہ کا عدد نا قابل داخلہ تھا مگر اس رائے کے بعد انہوں نے اپنی رائے بدل دی کہ سوائے محمود فیض آبادی کے سب کا داخلہ ہوسکتا ہے البتہ چودہ پندرہ طلبہ جن سے جواب طلب کیا گیا ہے ان کے جواب آنے پر ان کے داخلہ کے بارہ میں غور وفکر کیا جائے گا اس کے بعد احقر نے آخری رائے یہ ظاہر کی کہ میرے خیال میں اب کل مخرجین قابل داخلہ قرار دیئے گئے ہیں تا کہ اعلان اخراج کے مضر اثرات ملک کی فضا میں زائل ہو جائیں بہر حال اگر طلبہ کے عدد کثیر کے اخراج میں اپنی رائے کو شامل کر کے

میں نے ایک غلطی کی تھی تو از خود ہی میں نے اس کا تدارک بھی کر لیا اور حضرت کے ارشاد سے قبل ہی میں نے منشاء گرامی کی تعمیل کر دی اخراج طلبہ کے سلسلہ میں میری اولین رائے یہ تھی کہ اس مسئلہ کو مجلس انتظامیہ یا مجلس کے مخصوص ممبران حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب' مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے مشورہ سے طے کیا جائے بلکہ اس میں دوسرے اہل الرائے کو بھی شامل کر لیا جائے اگر چہ وہ ممبر نہ ہوں کیونکہ مسئلہ اہم ہے نیز اس سلسلہ کے دوسرے مسائل مثل التواء امتحان اور بندش مطبخ وغیرہ بھی مجلس انتظامیہ ہی کے مشورہ سے عمل میں لائی جائے لیکن اس میں حضرت صدر صاحب کی رائے یہ ہوئی کہ وہ مسائل ہمارے حدود واختیار سے خارج تھے اس لئے مجلس سے رائے لینی ضروری تھی لیکن اخراج طلبہ کا مسئلہ خالص اہتمام کے حدود واختیار کا ہے اس کی اپیل بھی نہیں ہے اس لئے خواہ مخواہ مجلس کو اپنی حدود میں دخیل کرنا کیا ضروری ہے اس پر احقر نے بھی سکوت کیا اور اسی کے مطابق پھر عملدر آمد ہوتا رہا بہر حال اپنی غلطی اگر ہے تو خود اپنی رائے کی نہیں ہے زیادہ سے زیادہ دوسرے حضرات کی رائے مان لینے کی ہے سو یہ غلط روی میری پرانی ہے خود میرے خلاف بھی جو رائیں ہوئیں ان پر بھی بعد اظہار خیال بالآخر دوسروں ہی کی رائیں مان لیں اور جو کچھ ہوا وہ ہوا۔

حضرت نے بہ کمال شفقت تحریر فرمایا ہے کہ سید شفیع صاحب اور دوسرے ان کے رفقاء سے مہتمم صاحب کی صفائی کرادی جائے۔'' مجھے بحمد اللہ ان حضرات سے کوئی کدورت اور گرانی نہیں ہے مگر اس پر بھی یہ حضرات بکمال محبت خود میرے پاس آئے اور جب یہ مجلس شوریٰ ختم ہوئی اور صفائی چاہی ان سے بھی میں نے یہی کہا کہ الحمد اللہ کوئی ذاتی عداوت نہیں معاملات مدرسہ کے سلسلہ میں بحیثیت فرض منصبی تنقید اور نکتہ چینی اس سے مستثنیٰ ہے اس تقریر سے وہ بھی مطمئن ہو گئے اور میں بھی مطمئن اٹھا لہٰذا حضرت کے ارشاد سے قبل ہی منشاء گرامی کی تعمیل ہو چکی ہے آخر میں ایک خوردانہ شکایت پر جو میری پرانی شکایت ہے اس دفتر بے معنی کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اکابر نے مجھ پر الزام قائم کرنے کی تو ہمیشہ سعی فرمائی ہے لیکن بزرگانہ طریق پر اپنے منشاء کو سمجھانے اور تعمیل منشاء کا ارشاد کرنے کی صورت کبھی پیدا نہیں ہو پائی تحریکات کے سلسلہ میں اور معاملات دار العلوم میں بھی خود حضرت نے بھی یہ

رو یہ اختیار نہیں فرمایا کہ فلاں معاملہ کی صورت حال یہ ہے اور تجھے اس معاملہ میں اتنا کام کرنا ہوگا اگر اس کے بعد بھی میں چوں و چرا کرتا تو قابل الزام اور قابل شکایت تھا لیکن جب کہ یہ صورت ہی نہیں ہوئی بلکہ ازخود کچھ کر لینے پر الزام ضرور قائم کیا گیا تو اس بارہ میں میری ذمہ داری بہت ہلکی ہو جاتی ہے بہر حال مجھے منشاء گرامی کی تعمیل سے کبھی انحراف نہیں ہے اور نہ پہلے کبھی ہوا بعض مسائل میں رائیں میری مختلف ہوئیں مجلس شوریٰ میں بھی اختلاف رائے نمایاں ہوا تعلیمات کے سلسلہ میں بھی ہوا لیکن الحمدللہ میں نے اپنی رائے کو منوانے یا قوی بنانے کے لئے کوئی محاذ نہیں بنایا مسئلہ سرپرستی میں چھ برس تک میری ایک رائے رہی لیکن میں نے خود ممبران یا اندرونی جماعت کی کوئی پارٹی اس سلسلہ میں الحمدللہ کبھی نہیں بنائی بخت اتفاق سے بہت سے ممبر اس رائے میں شریک ہو گئے تو وہ ایک جماعت نظر آنے لگی ورنہ میری کسی سعی سے ایسا نہیں ہوا بہر حال اختلافی مسائل میں اظہار رائے کی حد تک تو سعی کی لیکن تحزب یا گروہ بندی کے چکر میں کبھی نہیں پھنسا اور اس کے باوجود بھی نہیں پھنسا کہ اندرونی اور بیرونی جماعت کے بہت سے افراد نے مجھ سے اس کی خواہش بھی کی ان حالات میں میرے بزرگوں کا مجھے اپنا نہ سمجھنا یا ضابطہ کی باتوں پر قناعت کرتے رہنا میرے لئے ہمیشہ دل شکنی کا باعث رہا ہے اور اگر اب بھی یہ طرز رہا تو رہے گا یوں چھوٹا اپنے بڑوں کے سامنے ہر وقت قصوروار ہے اور اسے اعتراف تقصیر میں کسی وقت بھی تقاعد سے کام نہ لینا چاہئے آخر میں توجہ گرامی پر شکر گذار ہوں اور اس تضیع اوقات سامی کی معافی چاہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی اسی طرح اپنی ہدایات سے سرفراز فرمایا جاتا رہے گا۔

والسلام احقر محمد طیب از دیوبند ۶ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا جواب

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم

مزاج مبارک..... مفصل والانامہ باعث سرفرازی ہوا یادآوری کا شکرگذار ہوں۔

آپ نے میری عرائض کی طرف توجہ فرمائی اس کا شکریہ پیش کرتا ہوں جناب کے والانامہ سے بہت سی غیر معلوم باتیں معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کی مدد فرمائے اور اپنی خاص نعمتوں سے نوازے آمین۔ آپ نے طلبہ کے داخلہ میں جس عالی حوصلگی اور وسعت قلبی کا ثبوت دیا ہے بلاشک موجب اجر جزیل اور شکر جمیل ہے۔

میرے محترم۔ قومی اور اجتماعی کاموں میں ایلوے کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں بلکہ جس قدر زیادہ خدمات انجام دینی ہوتی ہیں اسی قدر زیادہ مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل شاہد عدل ہے قرآن میں جس قدر صبر کے لئے آیات ہیں کسی اور خلق اور عمل کے لئے نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا منصب دیا ہے۔ اس میں آپ کو بہت زیادہ تحمل اور صبر کی ضرورت اور بہت زیادہ خدمت خلق کا موقع ہے جس طرح آپ کے لئے خدمات مفوضہ کو باحسن الوجوہ انجام دینے پر بہت زیادہ اجر وثواب بھی ہے۔

میرے محترم ان کاموں کو انجام دینے میں اجتماعی فلسفہ ہی کو کام میں لانا پڑے گا۔ انفرادی اشغال میں آپ مخلّی بالطبع ہو سکتے ہیں اور استبداد کو کام میں لا سکتے ہیں کوئی آپ کا معارضہ نہیں کر سکتا راحت اور آرام کی زندگی بسر کر سکتے ہیں مگر اجتماعی زندگی کا فلسفہ ہی اور ہے یہاں قدم قدم پر کانٹے ہیں دل آزاری ہے۔

بھنور اُلو بھی پھول کا کلی کلی رس لے — کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیو دے

مت گھبرایئے اور صبر واستقلال اور عالی ہمتی اور خوش دلی کے ساتھ اس باغِ محمدی (علیہ السلام) کو سرسبز وشاداب کیجئے۔ فیوض قاسمیہ کو چار دانگ عالم میں منتشر کیجئے ٹھوکریں

لگیں تو آہ مت کیجئے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

صبر کن حافظ بسختی روز و شب عاقبت روزے بیابی کام را

اخلاص وللّٰہیت تقویٰ اور خشیت کو ہاتھ‘ دل اور زبان میں محفوظ رکھئے یہی قاسمیت ہے یہی رشیدیت ہے‘ یہی امدادیت ہے‘کان اللہ فی عونکم‘ زمانہ کی تیز وتند ہوائیں چلیں گی۔ سمندروں کی موجیں تھپڑے ماریں گی۔ خواہشات کے زلزلے آئیں گے۔ اصحابِ اغراض جھڑ جھڑائیں گے مگر آپ کو ہمالیہ بننا چاہئے۔ پرواہ مت کیجئے اور سعی پیہم میں مردانہ وار گامزنی کرتے رہئے۔ حضرت قاسم قدس سرہ العزیز نے اگر لوگوں کی چلمیں بھر بھر کر اور پاؤں دبا‘ دبا کران کو راہ پر لانے کا شیوہ اختیار کیا تھا تو ان کے خلاف صدق کو اس میں عار نہ آنا چاہئے۔ حسن تدبیر اور حکمت صدق کو اختیار کر کے سلف صالح اور ان کے فیض کو زندہ کرنا چاہئے ہم ناکارے بدنام کنندہ نکو ناماں آپ کے ساتھ ہیں حسب طاقت خدمات انجام دیتے رہے اور ان شاء اللہ دیں گے۔

واللہ یھدینا و ایاکم لما یحبہ و یرضاہ۔ (آمین)

والسلام.......... ننگ اسلاف‘ حسین احمد غفرلہ

حضرت مدنی رحمہ اللہ کا دوسرا خط

محترم! میں نے جو کچھ لکھا تھا کہ ہم تینوں کا اشتراک عمل مدرسہ کی بہبود اور ترقی کے لئے ضروری ہے اس کا مطلب یہی تھا کہ اپنی انفرادی زندگی کے لئے تو ہر ایک ایسے سامان رکھتا ہے جن کی بنا پر کسی کو کسی کی حاجت نہیں مستقل طور پر گذر‘ بسر کرتا اور کر سکتا ہے مگر دارالعلوم کی بہبود اور ترقی کے لئے ہم تینوں میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کی حاجت ہے۔ آپس میں سر جوڑ کر ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں تمام امور مہمہ میں مشورہ کریں اور یکجہتی سے کام کریں صاف دلی کے ساتھ دوسرے کے مشورہ کو قبول کریں خواہ اپنی رائے اس کے خلاف ہی ہو۔ اپنی بات کی پچ نہ ہونی چاہئے جیسا کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کی ہدایت ہے منفرد ہو کر یا آمرو ڈکٹیٹر بن کر کام نہ چلائیں میں نے اپنے آپ کو آج تک امور مدرسہ بالخصوص انتظامات میں اسی درجہ کا سمجھا ہے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ممبروں نے

بھی ہم تینوں کو یہی درجہ دیا ہے بحیثیت اہتمام اگر چہ قوت عاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور تھی مگر یہ قید کہ تینوں کی رائے کا اعتبار ہو اسی لئے تھی۔ ممکن ہے کبھی آپ نے میرے اکھڑ پنے کی وجہ سے یہ خیال فرمایا ہو کہ یہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے اور آمریت کو عمل میں لاتا ہے مگر میرے دل میں کبھی مشورے سے زیادہ کا خیال نہیں رہا ہے اور بسا اوقات میں نے اپنی رائے کے خلاف آپ حضرات کی رائے کے سامنے سر جھکایا ہے ہاں بعض طلبہ کے داخلہ یا امداد کے مسئلہ میں البتہ زور دیتا رہا ہوں اور اس مرتبہ بھی جب یہ معلوم ہوا کہ آپ دونوں حضرات نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تقریباً ۸۰ طالب علم مدرسہ سے بالکل خارج کر دیئے جائیں اس کا مجھ کو سخت صدمہ ہوا اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ موجودہ زمانہ میں جس قدر بھی ہم سے ممکن ہے لوگوں کو مسلمان اور صحیح العقیدہ مسلمان بنائیں اور جب فرمان نبوی (علیہ السلام) فاستوصوا بھم خیرا۔ ممکن سے ممکن درجہ تک طلبہ کو راہ راست تک کھینچیں تاکہ یہ نوجوان پڑھ لکھ کر اپنی حالت بھی درست کریں اور مسلمانوں کی بھی حالت درست کریں اور اسلام کے سچے مبلغ بنیں اخراج کرنا اس نعمت عظمیٰ سے محروم کر دینا ہے اور ہمارے یہاں کی انتہائی سزا ہے جس سے بہت سے خطرات ہیں شدید ضرورت اور انتہائی معصیت کے وقت ہی اس کو استعمال کرنا چاہئے اس لئے بطور مشورہ ہر دو عریضوں میں لکھا تھا مجبور کرنا ہرگز ہرگز مقصود نہ تھا میں ہمیشہ کا خادم ہوں مگر نالائق آپ حضرات بالخصوص حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کے خاندان کا خیر خواہ ہوں مگر اکھڑ دریوزہ گرہ ہوں مگر ناکارہ غلام ہوں مگر بے وقوف ہوں۔

میری عین خواہش ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف اس طریقہ پر مضبوطی سے قائم رہیں جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ چلتے رہے اور جس پر ہم دور افتادوں کو چلایا میں جب ان اخلاف صدق میں سے کسی کو اس طریقہ سے دور اور خلاف پاتا ہوں تو بہت زیادہ متاثر ہوتا ہوں چونکہ زور کچھ نہیں اس لئے گھٹ کر رہ جاتا ہوں اور کنارہ کش ہو جاتا ہوں نیز چونکہ گونا گوں افکار میں مبتلا رہتا ہوں مشغولیتیں بہت زیادہ رکھتا ہوں اس لئے یہی اختراع کیا جاتا ہے کہ یہ ہم سے کنارہ کش ہے ورنہ حقیقت یہ نہیں ہے میرا کبھی بھی یہ خیال نہیں ہے کہ معاذ اللہ خاندان قاسمی کو کوئی گزند پہنچے ارادہ و عمل تو در کنار اگر کسی بات سے یہ انتزاع کیا جائے تو غیر صحیح ہوگا بہر حال اس اجتماع میں بھی اور آئندہ میں بھی جو صورت حقیقی مفاد دار العلوم اور

ملت اسلامیہ کی ہوا سے اختیار فرمائیں ہرگز ہرگز شخصی اور بالخصوص حسین احمد کے مفاد کو ترجیح نہ دیں نہ دارالعلوم حسین احمد پر موقوف ہے اس کے جیسے نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہزاروں درجہ بڑھ کر آپ کی جماعت میں جو کہ اسلاف کرام کے دریوزہ گروں کی جماعت ہے علماء کرام اور صلحائے عظام پر موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو تنکے سے کام لیتا ہے اور پہاڑ رہ جاتا ہے' حضرت مولانا فخر الحسن صاحب اور مولانا عبدالاول صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ذکی' حفظ اور ذہن وغیرہ میں اعلیٰ درجہ رکھنے والے تھے' مولانا احمد حسن صاحب امروہوی دوسرے درجہ میں تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت بھی ان پر سب سے زیادہ تھی ہمارے آقا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں گرے ہوئے شمار کئے جاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے جو کام لیا وہ ان میں سے کسی سے نہیں ہوا اور نہ ہو سکا' آج فیض قاسمی عالم میں میزاب محمود سے جاری ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے تلامذہ میں شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سب سے زیادہ غبی مشہور تھے مگر خاندان ولی اللہی کا فیض انہی سے جاری ہوا' بڑے بڑے مشاہیر' علماء اور اذکیا دھرے رہ گئے۔

بہر حال' اللہ تعالیٰ دارالعلوم کا فیض چلانا چاہے گا تو ایک تنکے سے وہ کام لے گا جن کا وہم وگمان بھی کسی کو نہیں ہو سکتا حسین احمد کی زندگی اور معیشت بھی دارالعلوم پر موقوف نہیں و ما من دآبة فی الارض الا علی الله رزقها کی بنا پر اس کا خالق کہیں نہ کہیں سے رزق پہنچائے گا (ان شاء اللہ) اس لئے میری مشروط ملازمت میں اگر کلام ہے یا میرے عقیدے یا دستور العمل میں کلام ہے تو مفاد دارالعلوم اور ملت کو سامنے رکھ کر آپ اور ممبران تجویز فرمائیں۔

مجھ کو جو کچھ اپنے اکابر سے پہنچا ہے اس کو چھوڑ نہیں سکتا اور نہ چھوڑوں گا۔

الا ان یشاء الله' باقی جو کچھ میری ہی سمجھ میں بہتری کا ذریعہ آئے گا عرض کرتا رہوں گا۔ اپنے منشاء پر مجبور کرنا نہ میرا منصب ہے اور نہ کبھی ہوا۔ تقدیر الٰہی میں نہ تھا کہ میں شریک اجلاس شوال ہوتا۔ اور بظاہر اس اجلاس میں بھی شرکت کی کوئی امید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اعانت فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا کرے۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ (مکتوبات حکیم الاسلام)

ایک طالب علم کے اخراج کا واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات فرماتے ہیں:

ایک طالب علم کی کسی نالائقی پر آج صبح حضرت والا نے اس کو مدرسہ سے نکل جانے کو فرمایا تھا۔ اب بعد نماز ظہر حافظ اعجاز صاحب سے دریافت فرمایا کہ وہ نالائق دور ہو گیا یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ یہیں پر ہے اور معافی کا خواستگار ہے فرمایا کہ معافی تو ایسی ہو گی کہ وہ بھی یاد رکھے گا جھوٹ بولتا ہے پھر جھوٹ پر جھوٹ اس کی نالائقیوں کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ طالب علموں کو مارتے وقت بڑی ظرافت سے کام لیتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ اس عصا میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے مردے زندہ ہوتے ہیں۔ مارنے کے وقت طالب علم کہتے کہ حضرت ہم مر گئے' حضرت فرماتے مارنے ہی کے لئے تو مار رہا ہوں۔ حضرت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے معاف کر دیجئے' فرماتے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تو حکم دیا ہے کہ ایسے نالائقوں کی خوب خبر لو۔ پھر فرمایا کہ اب جب سے معافی چاہنے کے الفاظ کان میں پڑے ہیں جوش تو جاتا رہا۔ ہاں رنج ہے اور اس کا بھی رنج ہے کہ میں نے اسے کیوں مارا' فرمایا بات یہ ہے کہ ایسوں کو پڑھانے سے بھی کوئی فائدہ نہیں اگرچہ یہ مقتداء ہو گئے تو آئندہ اور خرابی کا اندیشہ ہے' دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ایک اور ایسا ہی نالائق تھا اس کی بھی حرکات ایسی ہی تھیں اس کو بھی مدرسہ سے نکلوایا تھا' خدا معلوم یہ گاؤں کے رہنے والے جہاں کچھ دو چار حرف پڑھے اپنے کو کیا سمجھنے لگتے ہیں جیسے ایک گاؤں والے نے کہا تھا کہ میاں جی میرے لونڈے کو ڈھیر (زیادہ) نہ پڑھا دیجئے' کبھی لوٹ پوٹ پیکمبر (پیغمبر) نہ ہو جائے مزاحاً فرمایا کہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نالائق کو (ایک کاذب مدعی نبوت کا نام لیا) میاں جی نے ڈھیر پڑھا دیا (زیادہ پڑھا دیا) کہ لوٹ پوٹ پیکمبر (پیغمبر) ہو گیا۔ ایک گاؤں والے سے کسی نے پوچھا تھا کہ تیرا لڑکا انگریزی کس قدر پڑھا ہے' کہا یہ تو خبر نہیں مگر کھڑا ہو کر موتنے لگا ہے (کوئی نصاب خاص ہو گا کہ وہاں پہنچ کر کھڑا ہو کر موتنے لگتا ہے) اب تو معلوم کر لو کتنا پڑھا (ملفوظات ج ۲)

جھوٹ بولنے والے طالب علم کی معافی کا واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس طالب علم کو جھوٹ بولنے کی وجہ سے حضرت والا نے نکل جانے کا حکم دیا تھا جس کا قریب واقعہ گذرا ہے اس کی معافی کی درخواست پر من جملہ اور شرائط کے یہ شرط بھی فرمائی کہ پہننے کے لئے کپڑے ویسے ہوں گے جیسے میں تجویز کروں گا یعنی بدنما آج اس طالب علم کی معافی کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ سزا بہت سخت ہے جو اس کے لئے تجویز کی گئی اس کو اچھا کپڑا پہننے کا بہت شوق ہے اب ایک خاص قسم کی وردی اس کے لئے تجویز کروں گا جو نہات بھدی اور بدنما ہوگی اور اس میں ایک مرض یہ ہے کہ بے پرواہے جو جی چاہا کر لیا یہ سب چیزیں قابل اصلاح ہیں۔ ایک مولوی صاحب کے کسی سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت میں تو ایسا ضعیف القلب ہوں کہ ستانے پر بھی بہت جلد متاثر ہو جاتا ہوں اور یہ تکلیف تو محض خیالی ہے لیکن میرے مواخذہ پر دوسرے کو یقینی تکلیف ہوتی ہے اس سے بھی متاثر ہوتا ہوں مگر پھر بھی سزا تجویز کرنے میں طبیعت پر عقل کو غالب رکھتا ہوں اگر ایسا نہ کروں تو اصلاح کس طرح ہو پھر خود اس طالب علم سے فرمایا کہ مجھے تو اس کا بھی قلق اور رنج ہے کہ کم بخت تیری اتنے دنوں تک اصلاح اور تربیت کی گئی مگر کچھ بھی اثر نہ ہوا سالہا سال سے یہاں کے رہنے والے دیکھ رہے ہیں کہ جھوٹ بولنے پر میں کتنی سختی کرتا ہوں مگر پھر بھی نالائق باز نہیں آتے (ملفوظات ج ۲)

جھوٹ بولنے والے طالب علم کے لئے سزا کی ضرورت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کل جس طالب علم کو نکل جانے کے لئے فرمایا تھا وہ میرے واسطے سے یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ میرے لئے جو چاہیں حضرت سزا تجویز فرمادیں مجھے منظور ہے۔ فرمایا کہ جو واقعہ اس وقت تک ہوا ہے وہ من وعن لکھے اس میں ذرہ برابر جھوٹ اور تلبیس نہ ہو، لکھنے کے بعد پھر اس کو بغور دیکھے اس کے بعد پھر مجھ کو دکھائے اور یہ بتلائے کہ وہ اس واقعہ کو خود کیا سمجھا تا کہ میں پھر اس کے لئے آئندہ تجویز کر سکوں اور فرمایا کہ واقعہ لکھنا بھی تو اچھا خاصا مجاہدہ اور مشغلہ ہے ہفتہ بھر تو اس

کے لئے چاہئے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہے بہت نافع فرمایا کہ نافع ہی تو مشکل سے ملتا ہے پھر ان مولوی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس سے یہ کہہ کر پھر کہلوا بھی لیجئے گا کہ خود اس تقریر کو بھی سمجھ گیا یا نہیں کیونکہ آج کل سمجھ اور فہم کا بھی قحط ہے۔ (ملفوظات ج۲)

جھوٹ بولنے والے طالب علم کا اعلان غلطی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آج بعد نماز ظہر اس طالب علم نے اعلان کیا جس کے جھوٹ بولنے پر حضرت والا نے نکل جانے کا حکم دیا تھا وہ یہ اعلان تھا کہ میں نے جو غلطیاں کی تھیں ان کو عرض کرنا ہے یہ مسجد میں کھڑے ہو کر کہا تھا حضرت والا نے فرمایا کہ مسجد سے باہر جا کر منادی کرو' مسجد منادی کی جگہ نہیں' یہ اور الفاظ بھی ساتھ میں کہہ دینا کہ جن صاحب کا جی چاہے وہ صاحب میرا وعظ (اعلان) سنیں اس طالب علم نے بعد انفراغ سنت ظہر ایک تحریر پڑھ کر سنائی جس میں تمام غلطیوں کو تفصیلاً لکھا تھا' سنا لینے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ اس شخص کو خوش لباسی کا شوق ہے اسی سے اس کو روکا گیا لیکن کل عید ہے جس میں احسن الثیاب کا استعمال مستحب ہے اس لئے اس کے لئے بھی عید بقر کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ کل جس قسم کا چاہے لباس پہنے اجازت ہے کل کے بعد علاج شروع ہو گا ایک خاص قسم کی وردی اس کے لئے تجویز کروں گا میری تعلیم میں الحمد للہ ہر چیز کی رعایت رہتی ہے اور یہ استثناء نماز میں وارد ہوا نماز کی واردات صحیح ہوتی ہے یہ طالب علم ہے' طالب علمی کے زمانہ میں مطیع ہو کر رہنا چاہئے۔ (ملفوظات ج۲)

مدرسہ کی سرپرستی اور اس کی شرائط

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس زمانہ میں ایک دم ایسی کایا پلٹ گئی ہے کہ جس کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ کبھی ایسا وقت بھی آئے گا فلاں مدرسہ کے ارکان اور مجلس شوریٰ سے گفتگو ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے بزرگوں کے مسلک اور مشروب کی اس کو ہوا تک نہیں لگی۔ ایک بے ہودہ تحریر پر جس سے ایک رکن صاحب نے مجھ کو خطاب کیا تھا یہ سب گڑبڑ ہوئی۔ آخر تہذیب بھی تو کوئی چیز ہے اس میں تہذیب بھی نہ تھی میں نے

سرپرستی سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ خط کا معاملہ تو ماضی کا ہے وہ تو مضیٰ ما مضیٰ مگر سرپرستی کا معاملہ مستقبل ہے جس میں مجھ کو ہر طرح کا اختیار ہے منسوخ بھی کر سکتا ہوں باقی بھی رکھ سکتا ہوں میرے اختیار سے تو باہر نہیں مگر بقاء اسی وقت ہو سکتا ہے کہ حدود اور اصول شرعیہ سے تجاوز نہ کیا جائے کہنے لگے کہ اس تحریر ماضی کے متعلق بھی کچھ تدارک ہونا چاہئے میں نے کہا کہ میں کیا تدارک کروں کیا میں خود اپنے منہ میاں مٹھو بنوں اور یہ لکھوں کہ میں ویسا نہیں جیسا اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہا کہ مسودہ لکھ دیجئے گا ہم لوگوں کی طرف سے اس کی اشاعت کر دی جائے گی۔ میں نے کہا کہ مجھ کو ضرورت نہیں آپ خود لکھیں اور اخیر بات یہ ہے کہ ان قصوں کی ضرورت ہی کیا ہے کسی اور کو سرپرست تجویز کر لیجئے مجھ کو تو ویسے ہی ایسے بکھیڑوں سے وحشت ہوتی ہے جو چیز یکسوئی میں مخل ہو اور ہو غیر ضروری اس سے علیحدہ ہی رہنے کو طبیعت چاہتی ہے کہا کہ سرپرست کے اختیارات کیا ہونے چاہئیں' میں نے کہا کہ جو پہلے سے مدرسہ کے قواعد میں سرپرست کے اختیارات ہیں وہی رکھے جائیں دیکھ لیا جائے کہ کیا اختیارات تھے میں نے یہ بھی کہا کہ ہر حال میں یہ ضرور ہے کہ سرپرست ایسے شخص کو بنایا جائے جو اپنے بزرگوں کا نمونہ ہو اس کے خلاف کو میں خیانت سمجھتا ہوں مگر مجھ کو نہ بنایئے اس لئے کہ مجھ کو ایسے معاملات سے مناسبت نہیں اور نہ دلچسپی۔ اس پر کہا کہ آپ ہی کو منظور کرنا ہو گا میں نے کہا کہ سرپرستی کی میری کوئی خواہش نہیں درخواست نہیں اگر آپ کے خواہش ہے تو مجھ کو شرائط کا حق ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ میری ذاتی رائے ہے کہ سرپرست کو بالکلیہ اختیارات ہوں اس پر ایک شخص بولے کہ تو اس صورت میں اہل شوریٰ نکمے ہوئے۔ میں نے کہا کہ نہیں اہل شوریٰ کا جو کام یعنی محض مشورہ ہو اس کام کو برابر انجام دیتے رہیں جس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ان کے مشوروں سے سرپرست کی رائے اور نظر محیط ہو جائے گی کیونکہ ایک شخص کی رائے اور نظر ہر وقت اور ہر کام میں محیط نہیں ہوتی اس ہی لئے اہل شوریٰ کی ضرورت ہے اور اس سے زائد اہل شوریٰ کا کوئی منصب نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''و شاورهم في الامر فاذا عزمت'' نہیں فرمایا نہ اذا عزم اکثر کم فرمایا بلکہ فاذا عزمت فرمایا کہ اس سے جمہوریت کوئی چیز نہیں رہتی۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ اگر سرپرست کو بالکلیہ اختیارات دے

دیئے جائیں تو اندیشہ ہے کہ صاحب غرض آکر اس کی رائے کو بدل دیں اور متاثر کردیں میں نے کہا کہ یہی احتمال شوریٰ میں بھی ہے بلکہ اہل شوریٰ کے متعلق جو ایسے واقعات ہیں جس میں ان کی رائے پر اثر ڈالا گیا اور سرپرست کے تو ایسے واقعات بھی نہیں۔ غرض اس پر اتفاق رائے ہو گیا کہ مجھ کو سرپرست بنایا جائے۔ میں نے کہا کہ ایک میری رائے اور ہے وہ یہ کہ عجلت سے کام لینا مناسب نہیں مرکز پر جا کر اور اپنے احباب سے مشورہ کر کے اور خود بھی آزادی کے ساتھ فکر اور غور کر کے جو بات قرار پائے مجھ کو لکھ دی جائے اور یہ بھی سن لیجئے کہ مجھ کو اس کا انتظار بھی نہ ہوگا اس لئے کہ مجھ کو اس کا اشتیاق نہیں جن صاحب کے ہاتھ کی وہ بے ہودہ تحریر تھی جس سے انہوں نے معافی مانگ لی تھی اس معافی کی اشاعت کے متعلق انہوں نے تو کچھ نہیں کہا مگر ان کی طرف سے ایک صاحب بطور وکیل گفتگو کرنے لگے کہا کہ وہ مضمون معافی کا النور یا الہادی میں شائع کر دیا جائے' میں نے کہا کہ یہ رسالے تو میری طرف منسوب ہیں ان میں چھاپنا موہم ہوگا۔ میری استدعا کو مستقل چھاپو' کہا کہ اخبارات میں مضمون دے دیا جائے میں نے کہا کہ یہ بھی مناسب نہیں اس لئے کہ اخبارات نااہلوں کے ہاتھوں میں جاتے ہیں مجھ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان صاحب تحریر کی اہانت نااہلوں کی نظر میں ہو' غرض کہ میری طرف منسوب رسالوں میں شائع ہو' یہ میری وضع کے خلاف ہے اور اخبارات میں شائع ہو وہ آپ کی شان کے خلاف ہے اور جو کچھ مجھ کو شکایت ہوئی محض اس وجہ سے کہ آپ کو محبت کا دعویٰ ہے معاملہ سے بھی اس کا اظہار کیا جاتا ہے اور زبان سے بھی کہا جاتا ہے انا محب لک ورنہ میں تو اپنے کو اس سے بھی بدتر سمجھتا ہوں جتنا مجھ کو کہا جاتا ہے دیکھئے احمد رضا خان صاحب نے مجھ کو ہمیشہ برا کہا مگر مجھ پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا۔ ایک صاحب بولے کہ جس تحریر پر شکایت ہے ان صاحب تحریر کی عادت ہی ایسی ہے ان کی تحریر کا طرز ہی یہ ہے میں نے کہا کہ آپ کچھ خیال نہ کریں اس جاننے کے ساتھ کہ ان کا یہ طرز ہے یہ بھی جان لینا چاہئے کہ دوسرے کا یہ طرز ہے کہ وہ اس سے دل گیر دل گرفتہ ہوتا ہے ان کا یہ طرز ہمارا یہ طرز پھر ہمارے طرز سے ہم کو کیوں روکا جاتا ہے اس پر خاموش ہو گئے کوئی جواب نہ دیا اور صاحب تحریر نے مجھ سے جب معافی مانگی میں نے صاف کہہ دیا کہ معافی تو یہ ہے میں نہ دنیا میں مواخذہ

کروں گا نہ آخرت میں لیکن اگر تعلقات بھی ویسے ہی رکھنا چاہتے ہو تو اس کے لئے یہی شرط ہے کہ اپنی غلطی کو چھپوا کر شائع کرو اور میں جو مدرسہ کی وجہ سے مدرسہ والوں کی موافقت کرتا تھا لوگ کہتے تھے کہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم سے متاثر ہے۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے خوب جواب دیا تھا کہ میاں جو زمانہ تحریکات میں سارے ہندوستان کی مخالفت سے متاثر نہیں ہوا وہ ایک بے چارہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سے کیا متاثر ہوگا۔ (م۔ج ۲)

مدارس میں خانقاہی نظام

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آج کل خانقاہ بنانے والوں کو چاہئے کہ خانقاہ کے نام سے نہ بنائیں، بلکہ مدرسہ ہی کے نام سے بنائیں اور اس میں کام کریں خانقاہ کا کیونکہ ایک تو خانقاہ کے نام سے شہرت زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے بعد میں خانقاہ کے اندر بدعات ہونے لگتی ہیں کوئی عرس کرتا ہے۔ کوئی قوالی کرتا ہے پھر گدی نشینی کا قصہ ہوتا ہے۔ جس میں جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ خانقاہ کا نام نہ کیا جائے بلکہ مدرسہ بناؤ اور اس میں تربیت اخلاق اور تعلیم سلوک کا کام کرو وہی حقیقی مدرسہ بھی ہوگا اور وہی خانقاہ بھی ہوگی۔

پس حقیقی مدرسہ وہ ہے جس میں علم کے ساتھ عمل کی بھی تعلیم اور نگہداشت ہو۔ پس اے مدرسہ والو تم اپنے مدرسوں کو سنبھالو اور ان کو حقیقی مدرسہ بناؤ۔ یعنی طلباء کے اعمال کی بھی نگہداشت کرو۔ ورنہ یاد رکھو۔

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ کے قاعدہ پر آپ سے اس کے متعلق سوال ہوگا کیونکہ آپ طلباء کے نگہبان ہیں اور وہ آپ کی رعایا ہیں پس یہ جائز نہیں کہ آپ طلباء کو سبق پڑھا کر الگ ہو جائیں بلکہ یہ بھی دیکھتے رہو کہ ان میں سے کون علم پر عمل کرتا ہے اور کون عمل نہیں کرتا۔ جس کو عمل کا اہتمام ہو اسے پڑھاؤ ورنہ مدرسہ سے باہر نکال دیا کرو جب تو آپ کا مدرسہ واقعی دار العلم ہوگا۔

طلباء کے تمام افعال کی نگہداشت کرو۔ لباس کی بھی دیکھ بھال رکھو۔ جو لوگ کوٹ پتلون بوٹ وغیرہ پہنتے ہوں ان کو اہل علم کے لبا[illegible]ی ہدایت کرو، ورنہ مدرسہ سے الگ کرو چاہے مشابہت تامہ ہو یا مشابہت ناقصہ، سب کا انتظام کرو، اور ان سے صاف کہہ دو

کہ اگر علم حاصل کرنا ہے تو طالب علموں سی صورت بناؤ۔ ورنہ رخصت ہو جاؤ۔

مدارس میں مبلغین کا انتظام بہت ضروری ہے

فرمایا، میں نے اپنے تعلق کے بعض مدارس کو بار بار لکھا کہ جیسے آپ کے یہاں مدرسین کو تنخواہ ملتی ہے اور یہ تعلیم و تدریس گو خاص تبلیغ ہے اسی طرح مدرسہ سے تبلیغ عام کا بھی انتظام ہونا چاہئے اور مدرسہ کی طرف سے تنخواہ دار مبلغ رکھے جائیں اور ان کو اطراف و جوانب میں بھیجا جائے۔ اور ان کو تاکید کی جائے کہ چندہ نہ مانگیں صرف احکام پہنچائیں۔ مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی حالانکہ اس سے بہت نفع کی امید تھی بلکہ اس سے چندہ بھی زیادہ وصول ہوتا۔ (مظاہر الامال ملحقہ دین و دنیا)

ہر مدرسہ میں کم از کم ایک واعظ ضرور ہونا چاہئے

ہر اسلامی مدرسہ و انجمن کم از کم ایک واعظ بھی مقرر کرے اور یہ سمجھے کہ ضرورت تعلیم کے لئے ایک مدرس کا اضافہ کیا۔ کیونکہ جس طرح مدرسہ کے معلمین طلبہ کے مدرس ہیں۔ واعظین عوام کے مدرس ہیں۔ اور اہل انجمن یہ سمجھیں کہ یہ تعلیم عوام کے لئے ان کی انجمن کی ایک شاخ ہے۔

دینی مدارس میں مبلغ اور واعظ ہونے کے فوائد

علماء کو آج کل مدارس کی طرف بہت توجہ ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ علوم اسلامیہ کے بقاء کی صورت یہی ہے اور اس کے لئے وہ چندے وغیرہ کرتے ہیں اور چندہ دینے والے زیادہ تر عوام ہیں تو علماء کو چاہئے کہ عوام کو اپنی طرف مائل کریں اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ و تبلیغ کے لئے رکھا جائے جس کا کام صرف یہ ہو کہ احکام کی تبلیغ کرے اور اس کو ھدایا (تحائف) لینے سے قطعاً منع کر دیا جائے۔ اور استحساناً یہ بھی کہہ دیا جائے کہ مدرسہ کے لئے بھی چندہ نہ کرے بلکہ اگر کوئی خود بھی دے تو قبول نہ کرے۔ بلکہ مدرسہ کا پتہ بتلا دے کہ اگر تم کو بھیجنا ہو تو اس پتہ پر بھیج دو۔ واعظ کو محصل چندہ نہ ہونا چاہئے۔ محصل چندہ اور لوگ ہوں واعظ کا کام صرف وعظ کہنا ہو۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے وعظ میں جب چندہ کا ذکر نہ ہوگا تو بے غرض وعظ ہوگا۔ اس کا مخاطب پر بڑا اثر ہوتا ہے پھر عوام کو مدرسہ سے

تعلق ہوگا کہ اس مدرسہ سے ہم کو دین کا نفع پہنچ رہا ہے۔ اس کی امداد کرنا چاہئے اور اب تو عوام کو یہ بڑا اعتراض ہے کہ صاحب ہم کو مدرسہ سے کیا نفع۔ بس عربی پڑھنے والوں ہی کو کچھ نفع ہوگا اور واقعی ایک حد تک یہ اعتراض بھی صحیح ہے۔ اسی لئے جن عوام سے آپ چندہ لینا چاہتے ہیں ان کو بھی کچھ نفع پہنچنا چاہئے۔ جس کی صورت میں نے بتلادی کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ محض وعظ کے لئے ہونا چاہئے۔ اگر ہر مدرسہ میں ایک ایک واعظ ہو جائے تو پھر دیکھئے عوام کو مدرسہ سے کیسا تعلق ہوتا ہے اور چندہ کی بھی کیسی کثرت ہوتی ہے۔

یہ چلتے ہوئے نسخے ہیں اگر شبہ ہو تو تجربہ کرکے اس کے نفع کا مشاہدہ کر لیجئے۔ میں اہل مدارس سے کہتا ہوں کہ امتحان کے طور پر کچھ عرصہ کے لئے اس پر عمل کرکے دیکھ لو۔ اگر تمہارے مدرسہ کو اس سے نفع نہ ہو تو اس کام کو بند کر دینا ہر وقت اختیار میں ہے۔ (حقوق وفرائض)

واعظ و مبلغ کے لئے ضروری ہدایت

۱۔ بلاضرورت اختلافی مسائل بیان نہ کرے اور اگر ضرورت ہی پڑ جائے تو عنوان نرم وسہل ہو اگر کسی شخص کا نام لینا پڑے تو اس کی نسبت کوئی سخت کلمہ نہ کہے۔ بس متانت سے شبہ حل کر دے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

۲۔ عام طور پر واعظ کسی کی دعوت قبول نہ کرے۔ البتہ اگر داعی پہلے سے شناسا (جانا پہچانا) مخلص ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یا شناسا نہ ہو مگر قرائن سے مخلص ہونا دل کو لگتا ہو تو بھی مضائقہ نہیں مگر از قسم ہدیہ نقد وغیر نقد ہرگز قبول نہ کرے۔

۳۔ سیاسی امور یا کسی کے ذاتی معاملات کے فیصلہ میں واعظ دخل نہ دے اگر اس کی درخواست بھی کی جائے تو صاف انکار کر دے۔

۴۔ کسی کو تعویذ گنڈے دینے یا بیعت لینے سے واعظ کو قطعاً منع کر دیا جائے اگرچہ وہ اس کا اہل بھی ہو۔

۵۔ کسی مدرسہ یا انجمن کے لئے چندہ کی ہرگز ترغیب نہ دے۔ بلا ترغیب کوئی دے تب بھی انکار کر دے۔ پھر بھی نہ مانے تو کہہ دے کہ براہ راست مرکز میں بھیج دو۔ میں نہیں لیتا۔ (تحفۃ العلماء)

علماء کے برتاؤ عوام کے ساتھ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ہم اعظم گڑھ گئے تو جو تعظیم علماء کی وہاں دیکھی کہیں بھی نہیں دیکھی اہل علم کو دیکھ کر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ ہنود بھی، میں ایک راستہ سے گزرا۔ درمیان میں سرکاری مدرسہ آیا تو مجھے دیکھ کر لڑکے اور مدرس سب کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ ہندو لڑکے اور مدرسین بھی۔ ان لوگوں کا یہ برتاؤ دیکھ کر گزرتا چلا جانا اچھا نہ معلوم ہوا۔ میں وہاں رکا اور ان سب سے ملا۔ لوگوں نے مصافحے کئے۔ میں مدرسین سے ایک ایک سے ملا حتیٰ کہ ہندوؤں سے بھی اور مزاج پرسی وغیرہ کی بڑے خوش ہوئے اور ان پر بڑا اثر ہوا۔ مجھے تعجب تھا کہ اس قدر متاثر ہوئے اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں علماء کا گزر اکثر رہتا ہے۔ کیونکہ لوگ قدر کرتے ہیں مگر ان بندگان خدا کا طرز عمل یہ ہے کہ راستہ میں گزرتے ہیں لوگ ہندو اور مسلم ان کو سلام کرتے ہیں اور کھڑے ہو جاتے ہیں مگر وہ کسی کا سلام نہیں لیتے نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ منہ چڑھائے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں کہ یہ علم کی شان ہے، ہرکس و ناکس سے بات کرنا علم کو ذلیل کرنا ہے حتیٰ کہ سنا کہ ایک غیر مذہب والے نے کسی مولوی کے وعظ میں بیٹھنا چاہا۔ مولوی صاحب نے ڈانٹ پلائی نکالو اس مردود ملعون کو۔ یہ وجہ تھی میرے اس ذرا سے نرم برتاؤ سے اس قدر متاثر ہونے کی کہ آج ان کو بالکل نئی سی بات معلوم ہوئی کہ مولوی ایسے بھی ہوتے ہیں پہلے تو سب بھیڑیئے ہی دیکھے تھے۔ پھر ہر قسم کے لوگ بڑی کثرت سے ملنے آئے۔

فرمایا حضرت والا نے اور وہاں ایک دستور دیکھا کہ لوگ آتے اور بڑے الحاح سے کہتے ذرا دیر کے لئے ہمارے گھر تبرکاً تشریف لے چلئے میں نے کہا بہت اچھا جب ایک شخص کے گھر پہنچا تو اس نے بڑی خاطر داری سے بٹھایا اور پان اور دو روپیہ پیش کئے۔ میں نے کہا یہ کیا۔ کہا یہ حضور کا حق ہے۔ ہمارے ہاں رواج ہے کہ کسی عالم کو خالی نہیں پھیرتے۔ میں سمجھ گیا کہ تبرک اور تیمن تو برائے نام ہے۔ یہ لب لباب ہے بلانے کا۔ یہ ان گشتی مولوی صاحبان کی ترکیبیں ہیں کہ اپنے مطلب کی رسمیں باندھ رکھی ہیں۔ اور میں نے کہا کیا واہیات ہے یہ بھی تو رسم ہی ہوئی۔

رسوم کچھ شادی بیاہ ہی کی رسموں کا نام نہیں ہے ہر التزام مالا یلزم رسم ہے میں ہرگز نہیں لوں گا۔ صاحب خانہ نے بہت اصرار کیا کہ میری دل شکنی ہوگی اور یہ تو ہدیہ ہے اس کا قبول کرنا سنت ہے۔ میں نے کہا اگر ہدیہ ہے تو اس کا دینا وہاں بھی ممکن تھا۔ جہاں میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ یہ صرف رسم اور اپنا کرم دکھلانا ہے کہ ہم عالم کو خالی نہیں جانے دیتے اور یہ مولوی صاحبان کی مہربانی ہے اس میں اور خرابیوں کے علاوہ ایک یہ بھی خرابی ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی مجھے بلانا چاہے تو کیا کرے تو گویا تبرک بھی امیروں ہی کو مل سکتا ہے اس صورت میں وہ تبرک ہی نہیں ہے۔ جب میں نے وہ روپے پھیرے دیئے تو متعدد آدمی اس مجمع میں سے کھڑے ہوئے اور قسم کھا کر کہا کہ ہم کو غایت درجہ کا اشتیاق تھا کہ ہم بھی آپ کو اپنے گھر لے چلیں مگر اس شرم کے مارے خاموش رہے کہ ہمارے پاس دینے کو نہیں ہے۔ میں نے ان لوگوں سے کہا لیجئے اپنی ہی نظروں سے ان نامعقول رسموں کی خرابیاں دیکھ لیجئے اور میں سب غرباء کے گھر گیا ان لوگوں کو کس قدر خوشی ہوئی اور اپنا بھی دل خوش ہوا۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

بے برکتی کے اسباب

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مدرسہ کی حالت آج کل ابتری کی ہے اصل مقصود سے بعد ہو گیا وہ طرز اور مسلک ہی نہیں رہا جو اپنے بزرگوں کا تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان لکھا ہوا مدرسہ میں موجود ہے کہ جب تک مستقل آمدنی نہ ہوگی مدرسہ میں خیر و برکت رہے گی اور جب اس کا عکس ہوگا خیر و برکت نہ رہے گی اب جب سے مدرسہ میں مستقل آمدنی ہوئی ہے اور اوقاف وغیرہ ہوئے ہیں روز بروز برکت کم ہی ہوتی چلی جارہی ہے وجہ یہ ہے کہ توکل کی حالت میں خدا پر نظر اور خدا پر بھروسہ ہوتا ہے جس کام میں خدا پر بھروسہ ہوگا اس کام میں خیر و برکت اور نور ہوگا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ مہتمم صاحب موجودہ حالت مدرسہ سے بہت تنگ ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ مہتمم صاحب ڈھیلے ہیں بعض جگہ ڈھیلا ہونا مفید ہے اور بعض جگہ ڈھیلا ہونا مضر ہے اور ڈھیلا بھی پکا جو سر پھوڑ دے ایک بزرگ سے ایک سانپ مرید ہو گیا ایک مرتبہ جو سانپ حاضر ہوا بزرگ نے دیکھا کہ تمام

زخمی ہے مکھیاں بھنک رہی ہیں بزرگ نے پوچھا کہ کیا حالت ہے عرض کیا کہ حضرت کی بیعت کی برکت ہے حضرت نے عہد لے لیا تھا کہ کسی کو ڈسنا مت کاٹنا مت۔ میں نے کاٹنا چھوڑ دیا کوئی نوچتا ہے کوئی کوچتا ہے کوئی پچھلے بدلے لیتا ہے بزرگ نے فرمایا کہ کاٹنے ہی کو تو منع کر دیا تھا کیا پھنکار کو بھی منع کر دیا تھا تو مہتمم صاحب تو پھنکارتے بھی نہیں اس کا کسی کے پاس کیا علاج؟ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

حکیم الامت رحمہ اللہ کا استغناء اور معاملات کی صفائی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک زمانہ میں یہاں غلغلہ ہوا تھا کہ مدرسہ باضابطہ ہونا چاہئے۔ مجھ سے چھپاتے تھے اور مقصود ان کا یہ تھا کہ قوت پیدا کر کے ظاہر کریں گے۔ مجھ کو اطلاع ہو گئی۔ ان کا ایک جگہ عشاء کے بعد جلسہ تھا میں جلسہ میں پہنچا اور میں نے کہا کہ پندرہ منٹ کے لئے میں اجازت کچھ کہنے کی چاہتا ہوں اور میں نے کہا کہ میری تقریر سے آپ کی تقریرات کی اعانت ہی ہوگی گو ظاہراً ان تقریرات کا انقطاع معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں انقطاع نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ سے جن چیزوں کا تعلق ہے ان میں ایک چیز تو ہے مکان، مدرسہ کا سو جس کا جی چاہے مدرسہ پر قبضہ کر لے۔ میں اپنے مجمع کو بیٹھک میں لے آؤں گا۔ البتہ اگر اجازت ہوگی نماز مسجد میں پڑھ لیا کروں گا ورنہ دوسری مسجد میں۔ دوسری چیز کتب خانہ ہے سو اس کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ جو میرے آنے سے پہلے موجود تھا وہ تو ابھی سپرد کر دوں گا دوسرا وہ جو میرے سبب سے آیا اور جس کا واقفین نے مجھ کو متولی بنایا ہے سو عاریۃً ابھی سے اس کو بھی سپرد کر دوں گا۔ رہا مستقلاً سو برس روز کام کو ہو جاوے گا اس وقت بالکل آپ کی طرف تولیت منتقل کر دوں گا۔

تیسری چیز روپیہ سو اس میں بھی دو قسم کی چیزیں ہیں کچھ تو جائیداد والد صاحب کی موقوفہ ہے۔ دوسرا روپیہ جو آتا جاتا رہتا ہے۔ سو جائیداد کی تولیت میاں مظہر کے نام ہے ان سے کہئے۔ باقی آمدنی روزمرہ آتی ہے اس کو آنے کے بعد ایک ہفتہ روکے رکھا کروں گا۔ اور جس نے بھیجا ہو گا اس کا پتہ آپ کو بتا دیا کروں گا۔ جب آپ مرسل سے اجازت حاصل کر لیں گے آپ کے حوالے کر دوں گا بس کہہ چکا اب آپ تقریر کیجئے۔

کیا مجھ کو مدرسہ سے جاہ حاصل کرنا ہے۔ اگر اس کی طلب ہوتی تو خوب بڑا مدرسہ کرتا۔ مگر بکھیڑے سے دل گھبراتا ہے۔ تہیہ یہ ہے کہ اگر کام نہ ہوگا حذف کر دوں گا کیونکہ خانقاہ میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ طلبا، ذاکرین، اگر یہاں کام نہ ہوگا تو طلباء کے لئے اور مدارس بہت وہاں چلے جائیں گے۔ انکی فکر ہی نہیں ہے۔ ذاکرین تو ان سے کہوں گا کہ اگر رہنا ہو بے سامان رہو۔ اگر متوکلین ہیں رہیں گے ورنہ چلے جائیں گے۔ اس لئے ان کی بھی کچھ فکر نہیں۔ اس لئے قلب کو راحت ہے۔ میں اپنی ذات کے لئے بھی اس پر آمادہ ہوں کہ جس روز کسی قسم کی مزاحمت پیش آئی۔ ایک گھر ہے اس کو چھوڑ کر کسی گاؤں میں یا کسی شہر میں جا بیٹھوں گا۔ صرف دو بیبیاں ہیں میں اور وہ سب چلے جائیں گے۔ یہ سوچ ہی نہیں کہ کیا ہوگا۔ میری حالت تو یہ ہے۔

ما ہیچ نداریم غم ہیچ نداریم   دستار نداریم غم پیچ نداریم

یہاں ایک تار بھی نہیں دس تار کیا ہوتے۔ پھر حضرت نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ زمانہ تعلق میں ہر طرح کی باتیں پیش آجاتی ہیں اگر میری جانب سے کوئی خشونت ہوئی ہو یا دل آزاری ہوئی ہو یا کوئی بات خلاف طبع ہوئی ہو معاف کر دیجئے اور جو میرا حق فوت ہوا وہ میں دل و جان سے معاف کرتا ہوں۔ پھر فرمایا تحصیل علم کے برابر کوئی چیز نہیں۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

ماتحتوں کی باقاعدہ نگرانی

حضرت تھانوی رحمہ اللہ خواہ مخواہ لمبی تقریر کو اسباق میں نہیں فرمایا کرتے تھے خود لکھتے ہیں۔

"میں نے پڑھاتے وقت ضرورت سے زائد کبھی تقریر نہیں کی، صرف حل کتاب پر اکتفا کیا، زوائد سے کبھی طالب علموں کا وقت ضائع نہیں کیا، اور میں اس کی تاکید اپنے ماتحت مدرسین پر رکھتا تھا، بلکہ کبھی کبھی جا کر ان کے پڑھانے کی جانچ بھی کیا کرتا تھا۔"

اب یہ زحمت کون برداشت کرتا ہے کہ "بڑے اپنے چھوٹوں" کی تعلیمی نگرانی کا فریضہ ادا کریں، عام مدارس سے علمی معیار کو جہاں اور چیزوں نے گرایا، اس کوتاہی کو بھی اس مسئلہ میں بڑا دخل ہے، بڑے اپنے چھوٹوں کی نگرانی کا فرض یکسر فراموش کر گئے، حالانکہ اس سے سب کا فائدہ ہے، خود استاد کا بھی، طلبہ کا بھی، ادارے کا بھی اور افسر مدرس کا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد انیس صاحب نگرامیؒ کی قبر کو نور سے بھردے کہ انہوں نے خاکسار کی ابتدائی مدرسی کے زمانہ میں پوری نگرانی باقی رکھی بلکہ دوماہ تک مسلسل پابندی سے ہدایہ اور مشکوٰۃ کے سبق میں شریک ہوتے رہے اور پھر کبھی کبھی۔ اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ مطالعہ سے شغف پیدا ہو گیا، اور بغیر مطالعہ درس گاہ میں آنا جرم سمجھنے لگا۔

کاش پھر ایک مرتبہ ارباب درس و تدریس کی دنیا میں یہ احساس زندہ ہوتا، جوان حضرات کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر بیدار کردیتا، اور ان میں یہ یقین تازہ ہوجاتا کہ یہی مذہبی دنیا میں قوم کے صحیح معمار ہیں۔ یہ جتنی مضبوط دیوار اٹھائیں گے اور جس قدر ٹھوس بنیاد بنائیں گے مذہبی دنیا اسی انداز سے ترقی کرے گی۔

اور کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ طلبہ سب سے زیادہ اپنے اساتذہ اور مدرسہ کے ماحول سے ہی متاثر ہونے کے عادی ہیں۔ اگر ان کے اساتذہ کمالات کے مالک ہوں گے، طلبہ بھی ایسے ہی نکلیں گے اگر ان کا ماحول علمی ہوگا، پاکیزہ اور بلند ہوگا کوئی وجہ نہیں، کہ ان میں پاکیزگی اور بلندی پیدا نہ ہو۔ پھر طلبہ کو بھی محسوس کرنا چاہئے۔ کہ کل ان کے ہاتھ میں ملک وملت کی باگ دوڑ آنے والی ہے، اپنے اندر وہ استعداد پیدا کریں کہ وہ ملک کی سچی خدمت انجام دے سکیں۔

علم کی سب سے پہلی شرط اساتذہ کا ادب اور ان علوم کی عزت ہے جسے حاصل کرنے کے لئے طالب علم کتاب کھولتا ہے استاد کے ادب اور علم کی عزت کے بغیر شاید چند حرف طالب علم کو آجائیں لیکن نور علم اور علم کی برکت جن چیزوں کا نام ہے وہ تو پاس بھی پھٹک نہیں سکتے۔ عربی اور دینی مدارس میں یہ خوبی بحمد اللہ اب تک باقی ہے کہ ان مدارس کے طلبہ میں اساتذہ کے ادب اور علم کی عزت کا جذبہ باقی ہے لیکن نئے طرز کی درس گاہوں میں تو استاذ اپنا ہمجولی اور اپنا لنگوٹیا دوست ہے جس کا نہ صرف مذاق اڑایا جاسکتا ہے بلکہ بے عزتی کرنے میں بھی کچھ دیر نہیں لگتی، ہم بغیر کسی مبالغہ کے طلباء مدارس عربیہ کی اس سعادت مندی کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے علم کی قدردانی کے ساتھ اپنے اساتذہ کی توقیر و عظمت کا بھی احساس کیا ہے اور ان کی زندگی میں اپنے اساتذہ کا بڑا مقام اور درجہ دیا ہے، آج بھی مدارس عربیہ میں جاکر دیکھئے تو طلبہ اپنے اساتذہ کے لئے اپنی آنکھیں فرش راہ کرتے دکھائی دیں گے۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

ہر وقت کسی کی سرپرستی یا مشورہ ضروری ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی سے بیعت تھے اور ایک مستقل شیخ تھے مگر باوجود اس کے جب شاہ عبدالغنی صاحب کا انتقال ہو گیا تو شاہ رفیع الدین صاحب نے یہ خیال نہیں کیا کہ میری تو تکمیل ہو چکی ہے اب مجھ کو کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ شاہ عبدالغنی کے بعد وہ حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہو گئے بعض لوگوں نے جب عرض کیا کہ حضرت! آپ تو خود مستقل شیخ ہیں۔ آپ کو اب کیا ضرورت تھی؟ تو شاہ رفیع الدین صاحب نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ بھائی آدمی جب تک زندہ رہے اس کو چاہئے کہ سر پر کسی نہ کسی بڑے کو موجود رکھے پہلے میرے شیخ موجود تھے اس لئے ضرورت نہ تھی اب جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے حضرت حاجی صاحب کی طرف رجوع کیا۔ پھر حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بڑا نہ میسر ہو تو کسی چھوٹے ہی کو مشورہ میں شریک کر لینا چاہئے خواہ بعد مشورہ لینے کے ترجیح اپنی ہی رائے کو دے اور عمل اپنی رائے پر کرے مگر مشورہ تو کرے۔ مقصود یہ ہے کہ اپنے کو آزاد نہ رکھے۔ (ملفوظات حضرت تھانویؒ ج ۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خبر گیری کا اہتمام

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوپہر کے وقت گرمی میں چلے جا رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا' پوچھا کہ یا امیر المؤمنین کہاں چلے' آپ نے فرمایا کہ بیت المال کا ایک اونٹ غائب ہو گیا ہے اس کی تلاش کو جا رہا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے ایسی گرمی میں کیوں تکلیف کی کسی کو حکم دیا ہوتا کہ تلاش کر لیتا' آپ نے فرمایا کہ اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان قیامت کی گرمی اس گرمی سے اشد ہے واقعہ یرموک میں جو کہ عظیم الشان جنگ تھی جب ایک شخص اونٹنی پر سوار فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو کہ روزانہ انتظار خبر میں باہر جا کر گھنٹوں کھڑے رہتے تھے جنگل میں ملاقات

ہوئی آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یرموک سے آپ نے جنگ کا حال پوچھا وہ پہچانتا نہ تھا اس لیے کہ کوئی نشان خلافت نہ تھا' کوئی تاج نہ تھا اس نے ان کی طرف التفات نہ کیا اور اونٹنی دوڑائے ہوئے چلا جاتا تھا اور یہ اونٹنی کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے جب آبادی کے قریب آئے تو لوگوں نے پہچانا اور امیر المؤمنین کو سلام کیا' اس وقت اس کو معلوم ہوا تو اس نے بہت معذرت کی' آپ نے فرمایا کہ میں نے جو قدم اٹھایا ثواب کے لیے اٹھایا ہے تجھے عذر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں' یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت تھی ایک ہماری حالت ہے کہ جو قدم اٹھتا ہے خود بینی اور خودداری کے لیے۔ (اشرفی بکھرے موتی)

بزرگوں سے مشورہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مجھ کو خیال ہوا کہ تنہائی ہو اور اللہ اللہ ہو۔ اور اس کے لئے جنگل تجویز کیا گیا کہ ایک جھونپڑی بنا کر اس میں رہوں گا۔ اس لئے کہ بستی میں رہنے سے ہجوم کے سبب دل گھبراتا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال ہوا ہے کہ بزرگوں سے پوچھے بغیر کوئی بات کرنا اچھا نہیں۔ اس لئے میں نے حضرت مولانا گنگوہی سے دریافت کیا۔ مگر حضرت نے اجازت نہ فرمائی۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ اس میں شہرت زیادہ ہوگی دوسرے یہ کہ اپنے بزرگوں کے طریقہ کے خلاف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نقصان یہ ہے کہ آنے والے دق کرتے ہیں۔ اور کام نہیں کرنے دیتے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر ان کی طرف التفات کیا تو اپنا حرج ہوتا ہے۔ اور اگر التفات نہ کیا جائے۔ تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے فرمایا کہ سب کو جھاڑو مارو اور اپنے کام میں لگو۔ مطلب یہ کہ ان کی دل شکنی کو دیکھیں یا اپنی دین شکنی کو۔ تو بزرگوں کے مشورہ میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ (اشرفی بکھرے موتی)

مدرسہ میں اہل کمال مدرسین کے تقرر کی ضرورت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

مدرس جتنا کم تنخواہ پر مل جائے اس کو مہتمم اپنی کارگزاری سمجھتے ہیں مقصود یہ ہوتا ہے کہ مدرسین کی تعداد بڑھالیں خواہ وہ فارغ التحصیل بھی نہ ہوں بس تماشائیوں کو دکھلا دیا کریں

کہ ہمارے مدرسہ میں اتنے مدرسین ہیں۔ صاحبو اہل کمال تو کسی فن کے بھی سستے نہیں آتے ویسے مدرسین سے اصل غرض تعلیم میں تخفیف ہوتی ہے (ذم المکروہات ص ۹۲)

مدارس کے جلسوں میں اخراجات طعام

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

مدرسہ کے جلسوں میں مدرسہ سے رقم خرچ نہ کی جائے اس میں مجھے بہت زیادہ وہم ہے اور اپنے لئے تو میں فتوے کے درجہ میں ناجائز سمجھتا ہوں بلکہ جلسہ کے لئے خاص چندہ جلسہ کے نام سے ہونا چاہئے جیسا یہاں ہوں۔

دوسری یہ کہ شہروں میں مدرسہ کی طرف سے کسی کی دعوت نہ کی جائے بلکہ دو چار دو چار دکانیں کھول دی جائیں جن میں اچھا کھانا قیمت سے مل سکے تاکہ اہل مدرسہ کو کھانے کے انتظام سے سبکدوشی ہو جائے کیونکہ میں نے جلسوں میں دیکھا ہے کہ بعض منتظمین وعظ و نصیحت کے سننے سے بالکل محروم رہے اور بعضے کئی رات تک نہیں سوئے۔ (دار المسعود ص ۴۷)

نوکروں کے ساتھ کیا برتاؤ چاہئے

سوال۔ نوکروں کے ساتھ کیا برتاؤ چاہئے؟ کیا یہ برتاؤ چاہئے کہ اس کے سامنے عاجزی اور تذلل سے پیش آئیں یا اس کو اپنے سے زیادہ اپنے برابر رکھیں۔

تعلیم شریعت میں نظر اصل کام پر رکھنا چاہئے

جواب۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ ہر کام میں نظر اصل کام پر رکھنا چاہئے اور زوائد سے حتی الامکان احتراز چاہئے کیونکہ وہ لغو کا مرتبہ ہے۔

جب زائد از کار باتوں سے بچنا بہتر ہے تو جو مفاسد اس کے متعلق ہوں ان کا حکم معلوم بیان اس کا یہ ہے کہ ہر کام میں ایک اصل غرض ہوتی ہے اور کچھ مفاسد ہوتے ہیں اور کچھ زوائد ہوتے ہیں جو فعل جائز ہے وہ اصل غرض تک بے شبہ جائز ہے اور جب مفاسد کو مستلزم ہو جائے تو بے شبہ جائز ہے اور زوائد کا حکم یہ ہے کہ وہ بین بین ہیں۔ اگر معین ہوں اصل غرض کی تکمیل میں تو بے شبہ جائز ہیں اور اگر مفضی ہوں مفاسد کی طرف تو ذریعہ معصیت ہونے کے وجہ سے

ناجائز ہیں اور اگر نہ معین ہوں اصل غرض میں نہ مفضی الی المعصیت تو اصل حکم اباحت ہے ''الا انا نکہ کوئی سد اللباب'' بطور احتیاط ترک کرے۔(ج ۲۹)

از قسم تادیب ہیں کہ ان سے اصل غرض یعنی اس کام میں جس کیلئے وہ نوکر ہے مدد ملتی ہے کیونکہ جب اس کے دل میں خوف ہوگا تو وہ کام میں کوتاہی نہ کرے گا۔حدیث میں ہے ہنسا زیادہ نہ کرو کہ اس سے چہرہ کا رعب جاتا رہتا ہے معلوم ہوا کہ رعب مستحسن چیز ہے۔(ملفوظات ج ۲۹)

بچوں کو نوکروں پر زیادتی سے روکنا

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک بڑے تعلیم یافتہ شخص کی اس پر گفتگو ہوئی کہ اگر بچہ نوکر کے تھپڑ مارے تو کیا عمل کیا جائے تو میں نے صاحب خانہ سے کہا کہ کیا وجہ کہ اس پر بچہ کو سزا نہ دی جائے یا اس بچہ سے نہ کہا جائے کہ نوکر سے خطا معاف کرادے۔کہا جو ہوا سو ہوا ایسا کرنے سے ہمیشہ کو بچہ کم حوصلہ ہو جائے گا۔فرمایا اگر ظلم نہ کرنا کم حوصلگی ہے تو کیا کسی کا مال اٹھا لینے اور چوری کرنے پر بھی آپ کچھ نہ کہیں گے اس پر وہ متحیر ہو گئے۔تو فرمایا حضرت والا نے اس وقت تدارک کرنے سے تمام عمر کیلئے ایک خلق حسن بچہ میں مرکوز ہو جائے گا کہ ظلم کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوگی اور تواضع پیدا ہوگی۔(ملفوظات ج ۲۹)

رئیس حیدر آباد کے ادب کا قصہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احقر نے ایک رئیس حیدر آبادی کو دیکھا کہ ان کے یہاں ایک باورچی محمد نامی تھا وہ اور ان کا تمام گھر صرف نام لے کر نہیں پکارتے تھے بلکہ محمد صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔یہ کتنی گہری بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم نام ہونے سے نوکر کا اتنا ادب کرتے تھے۔حق تعالیٰ نکتہ نواز ہیں بعض وقت ذرا سی طاعت و ادب سے کام بنا دیتے ہیں۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس تعظیم کرنے سے نوکر کام نہ کرے گا اور زیادہ لپٹا تھا اور دل سے جان نثاری کیلئے تیار تھا۔بخلاف اس کے جن نوکروں کو ٹھوکروں سے مارا جاتا ہے وہ اپنی غرض تک نوکر ہیں اور موقعہ پر کبھی کام نہیں دیتے۔

نوکروں کے حقوق کا ایک چٹکلہ

احقر شریعت کی تعلیم میں سے صرف ایک بات پیش کرتا ہے جو نوکروں کے متعلق تمام مفاسد سے بچانے والی ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شریعت مطہرہ نے ہم کو کیسی قیمتی باتیں سکھلائی ہیں۔

مساوات ہی ذریعہ ترقی مانا گیا ہے

لفظ مساوات کو سن کر جدید خیال کے لوگ بہت چونکیں گے لیکن ان کی چونک رفع کرنے کیلئے یہ کافی ہے کہ آج دنیا کی ترقی کنندگان معترف ہیں کہ اسلام کی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ اصول مساوات تھا جس کو کوئی اب تک ایسا نہیں قائم کر سکا جیسا اسلام نے قائم کیا۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ تعلیم کیا جائے کہ سلام دبی زبان سے مودبانہ کہیں۔ علی ہذا جماعت میں بھی شریعت نے فرق نہیں کیا اس میں بھی مساوات پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ (ملفوظات ج ۲۹)

نائبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

ایک شخص کسی صاحب کے یہاں بہ تقریب شادی مہمان آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے صاحب تقریب کی طرف سے آکر عرض کیا کہ حضور کی بھی دعوت ہے۔ طلباء کی بھی فرمایا کہ میں تقریبات میں کسی کے یہاں شریک نہیں ہوتا۔ رہے طالب علم سو ان کو میں کسی کے یہاں جانے نہیں دیتا۔ اگر کوئی دعوت کرتا ہے تو کھانا یہیں پہنچا دے تو لے لیا جاتا ہے۔ ورنہ دروازہ پر جا کر کھانے میں طالب علموں کی ذلت ہوتی ہے۔ اگر عزت کے ساتھ خود کھانا یہاں بھیج دیا جائے تو ان کو دے دیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جن کے یہاں شادی ہے وہ کون ہیں وہ آئیں گے تو ان سے گفتگو کروں گا۔ آپ تو خود مہمان ہیں آپ سے کیا عرض کروں۔ دوسرے یہ وقت بھی نہیں ہے۔ جس کو پکوانا تھا پکوا چکا (بعد عصر غالباً قریب مغرب دعوت کی اطلاع دی گئی تھی) عین کھانے کے وقت اطلاع کا طریقہ نہیں یہی علامت اس کی ہے کہ ان کو طلبہ سے محبت نہیں صرف اس نیت سے طلباء کو ایسے موقعوں پر کھلاتے ہیں کہ کوئی الا بلا ہو تو دور ہو جائے اگر محبت تھی جیسے برادری کو صبح کے وقت اطلاع کی تھی ان کو بھی اسی وقت کی ہوتی انہیں تو صبح

اطلاع کی اور ان غریبوں کو شام کو اطلاع کرنے آئے ہیں۔

بس یہی وجہ ہے کہ ان کو فضول بے کار سمجھا گیا۔ سو ہمارے یہاں کے طلباء گو غریب ہیں لیکن ایسے گرے پڑے نہیں یہ کسی کے بھروسہ یہاں نہیں پڑے ہوئے خدا کے بھروسہ پر ہیں۔ اب آپ ہی انصاف کر لیجئے یہ وقت ہے دعوت کا اور جن کی دعوت ہے ان کی طرف سے یہ سوال ہے کہ کیا جو وقت کھانے کا ہو اسی وقت دعوت کا کہا کرتے ہیں۔ اس پر وہ صاحب چپ ہوئے۔ فرمایا بس اس کا جواب آپ کے پاس نہیں۔ یہ ان کے ذلیل سمجھنے کی نشانی ہے بس یہ سمجھا گیا کہ غریب ہیں جس وقت کہا جائے گا فوراً آمادہ ہو جائیں گے۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ یہ درست ہے مگر یہیں تک کہنے پائے تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ جب درست ہے۔ درست کے بعد مگر نہیں ہو سکتا۔ جب ایک بات مان لی پھر کیا میرا خیال کا رد ہو جائے گا۔ پھر عام خطاب کر کے فرمایا کہ جناب دیوبند میں البتہ طلبا کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ساری تقریبوں میں خود شیخ زادوں جو کہ متکبر قوم ہے برادری پیچھے کھاتی ہے طالب علم اور یہاں یہ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے یہاں قانون مقرر کیا ہے کہ کسی کے دروازہ پر طالب علم کھانے نہ جائیں گے جسے کھلانا ہو کھانا بھیج دے قانون مقرر کرنا اس لئے ہے کیونکہ طالب علموں کو طالب ذلیل سمجھتے ہیں۔ کھلی نشانی ذلیل سمجھنے کی آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہی باتیں افسوس کے قابل۔ طالب علموں نے کیا قصور کیا ہے جو یہ قدر ان کی کی جاتی ہے۔ یہ لوگ نائب رسول ہیں کیا یہی رسول کی قدر ہوتی ہے جب رسول کی یہ قدر نہیں تو نائب کی کیوں یہ قدر ہے۔ بس ان کیلئے کوئی قاعدہ نہیں جس ناچ چاہیں نچائیں جس چال چاہیں چلائیں برادری کے لوگ تو کہہ بھی سکتے ہیں کہ کیوں صاحب اس وقت کھانے کیلئے کہلا بھیجا ہے اور طالب علم بے چارے ایسے ہو گئے کہ ان کو اگر دیر سے بھیجا جائے تو یہ اتنا بھی نہیں کہہ سکتے۔ ہم کہتے ہیں کہ وجہ فرق کیا ہے۔

بس یہ وجہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھوکے ہیں جس وقت کہا جائے گا فوراً راضی ہو جائیں گے اور غنیمت سمجھیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کسی کے بھروسہ نہیں ان کا خدا ذمہ دار ہے زید و عمر کے ذمہ نہیں ہے۔ لوگ انہیں حقیر سمجھتے ہیں ہم بادشاہ سمجھتے ہیں۔ آخر انہوں نے کیا جرم کیا ہے؟ جو انہیں حقیر سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ وہ کام کر رہے ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے کیا ہے اس کا یہی انعام اور قدر ہے کہ انکو ذلیل سمجھا جائے مجھے واللہ بڑی غیرت آتی ہے بعضے لوگ مجھے چیزیں دیتے ہیں اور میں واپس کر دیتا ہوں تو دینے والے کہتے ہیں کہ طلبا کو ہی دیدیئے جائیں میں اس کو بھی گوارا نہیں کرتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب طلباء کو دینے میں کیا حرج ہے۔ میں کہتا ہوں طلباء مردود چیز کے کھانے والے نہیں ہیں جو میرے یہاں سے واپس ہوئی وہ ان کو دی جائے گویا وہ بے گاری ہوئے کہ جو چیز سب جگہ سے رد کر دی جائے وہ انہیں دی جائے۔ ان کو تو ہم سے بھی اچھی چیز چاہئے اور اس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ بعض اہل علم نے بھی اپنی قدر اپنے ہاتھوں ضائع کر رکھی ہے۔ میرٹھ میں ایک ایسا ناگوار قصہ ہوا کہ ایک رئیس نے دعوت طلبا کی عدد طلبا کو معین کر دیا۔ عدد سے دو چار زیادہ جا پہنچے۔ دیکھئے جب ہم اپنے ہاتھوں ذلیل ہوں تو لوگ کیوں نہ ذلیل سمجھیں وہ لکھ پتی رئیس تھے مگر کم ہمتی کی یا ضابطہ کی پابندی کی کہ انہوں نے زیادہ تعداد دیکھ کر سب طلباء کو واپس کر دیا۔ خیر اچھا کیا بھگتی اپنی حرکت کی خرابی لوگوں نے اس رئیس کو بعد میں ملامت کی کہ بھلا تم نے یہ کیا کیا۔ اس نے پھر آدمی بھیجا بے شرمی دیکھئے کہ وہ لوگ پھر آ گئے ڈوب مرنے کی بات ہے پھر بتلایئے کیونکر ذلیل نہ ہوں جب یہ حالت ہے عام طور پر سے یہی حالت ہے اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو وہ کم بختی مارا بدنام ہو کہ بڑی سختی کرتا ہے۔

یہ قصہ سن کر میرے تو کپڑے سے اتر گئے بڑی شرم آئی۔ شہر کے طالب علم تھے چھاؤنی میں دعوت تھی۔ یہی تو کہہ رہا ہوں کہ ہم اپنے ہاتھوں ذلیل ہوتے ہیں۔ طالب علم کیوں ایسے ہیں جو انہیں ایسا وقف عام سمجھا جائے تو ان کو خود بھی اپنی قدر کرنا چاہئے اور دوسروں کو بھی ان کی بڑی قدر کرنی چاہئے اور اگر نہ کر سکے تو کسی سے اعانت کی درخواست تو نہیں کی جاتی اللہ ان کا کفیل ہے۔ یہاں کا مدرسہ ہے۔ یہاں چندہ نہ کسی سے کہنا یہاں نواب تک آتے ہیں لیکن کبھی ذکر تک نہیں بڑے بڑوں سے ملاقات لیکن کبھی کسی سے توقع نہیں کی گئی نہ اشارتاً نہ کنایتاً آیا خدا کے بھروسہ ان طالب علموں کو جمع کر رکھا ہے یا کسی نواب کے خدا خود کفیل ہے عزت سے روکھی روٹی کھانا اس سے اچھا ہے کہ بریانی اور متنجن کھایا مگر ذلت ہوئی۔ حضرت کسی کی آنکھ میں قدر نہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی حکایت ہے اس واسطے ایک مسلم الثبوت درویش کی حکایت سناتا ہوں کہ ممکن ہے کوئی یوں سمجھے کہ یہ مولوی لوگ بڑے متکبر ہوتے ہیں سو سمجھ لو کہ بے نفسی کے یہ معنی نہیں کہ ذلیل ہوں حضرت جنید کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ کچھ کام ہے ایک درویش کو میرے ساتھ کردیجئے۔ حضرت نے خانقاہ میں سے ایک درویش سے کہا کہ ہم لوگ اسی واسطے ہیں کہ مخلوق کی خدمت کریں۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست　　بہ تسبیح وسجادہ ودلق نیست

بھائی جاؤ مسلمان بھائی کا کام کرآؤ وہ سمجھے کہ اس کا کوئی کام ہوگا تھوڑی دیر بعد وہ شخص لوٹا درویش کے سر پر خوان تھا۔ خانقاہ والوں کیلئے کھانا لایا تھا۔ اسی واسطے یہاں سے آدمی لے گیا تھا۔ حضرت جنید رحمہ اللہ دیکھ کر مارے غصہ کے سرخ ہوگئے فرمایا کیوں صاحب کیا یہی قدر ہے اللہ اللہ کرنے والوں کی۔ انہی کیلئے تو کھانا اور انہی کے سر پر رکھوا کر لائے اسی وقت وہ کھانا واپس کردیا کہ ایسے کھانے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ پس اگر یہ تکبر ہے تو ہمیں حضرت جنید رحمہ اللہ نے سکھلایا ہے وہ درویش بھی تھے اور عالم بھی تھے اب اس میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح طالب علم بڑے مغرور ہوجائیں گے لیکن اس کیلئے میں نے کہہ رکھا ہے کہ مزدوری کرلیا کرو۔

چنانچہ مہمانوں کا سامان اسٹیشن تک پہنچانے کیلئے طالب علم چلے جاتے ہیں اور چار آنہ آٹھ آنہ کما لیتے ہیں سر پر رکھ کر اسباب لے جانا اور مزدوری کرنا ذلت نہیں اس طرح لینا یہ ذلت ہے۔ تکبر کا تو میں نے یہ علاج کیا ذلت کا یہ کہ کسی کے دروازہ پر نہ جاؤ (مگر اس میں بعض خرابیاں دیکھ کر اب اس کو موقوف کردیا۔ مگر تکبر کا علاج اسی میں منحصر نہیں۔ ۱۲ جامع) پھر وہ صاحب چلے گئے غالباً کوئی معزز شخص تھے ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کہ بدوں صحبت کے کیسا ہی عہدہ دار تعلیم یافتہ ہو سمجھ میں نہیں آتا۔ عقل اور چیز ہے۔ صحبت کی ضرورت ہے نہ مڈل پاس کافی ہے نہ بی اے پاس کافی ہے اسی واسطے کہا کرتے ہیں کہ مہمان را با فضول چہ کار۔ ان کو یہ چاہئے تھا کہ میزبان کے بھیجنے پر کہہ دیتے کہ میں نہیں جاتا تم خود جا کر کہو۔ میں یہاں کی مصلحتیں نہیں جانتا کہ کیا فائدہ ہوا مکدر ہو کر گئے کہتے کہ ہمیں کیوں بیچ میں ڈالتے ہو۔ یہی ان کی ایک فضول حرکت تھی کہ مہمان ہو کر میزبان کی طرف سے دعوت دینے آئے

بہت لوگ کہتے ہیں مجھے کہ بڑا متکبر شخص ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بدنامی لذیذ ہے۔ حریص مشہور ہونے سے متکبر مشہور ہونا نہایت غنیمت ہے کیونکہ اس سے استغناء تو لازم آتا ہے تکبر متضمن استغناء کو بھی تو ہے۔ جیسے کریلوں میں گودہ کڑوی تو ہیں لیکن نمک مرچ مصالحہ بھی تو پڑا ہوا ہے اس لئے لذیذ معلوم ہوتے ہیں تکبر مثل کریلا کے ہیں استغناء جس پر تکبر متضمن ہے وہ مثل نمک مرچ مصالحہ کے ہے اپنی میں تو اس واسطے کان میں ڈالتا ہوں کہ کان میں تو پڑے گو سمجھ میں نہ آئے گو یہ امید نہیں کہ ابھی قبول کرلیں مگر کان میں تو پڑے گا کبھی تو سمجھ میں آئے ہی گا۔ ابھی تو کان میں بھی یہ باتیں پڑیں ہی نہیں میں تو یہ کہا کرتا ہوں کہ بھائی بات یہ ہے کہ بزرگوں کی بڑی شان ہے وہاں بڑی بڑی باتیں تعلیم ہوتی ہیں۔ میں چھوٹا سا آدمی ہوں چھوٹی باتوں کی تعلیم کرتا ہوں جیسے علماء کے یہاں تو صدرا اور شمس بازغہ پڑھائے جاتے ہیں اور میاں جیوں کے یہاں بغدادی قاعدہ۔ بعضے تو پچھتاتے ہوں گے آکر لاحول ولاقوۃ کس جھاڑ سے الجھ گئے جاکر اگر یہ کچھ نہ بولتے تو میں نے تعظیم کرنا شروع کیا تھا کہ مزاج اچھے ہیں پھر جب انہوں نے بے ڈھنگا پن شروع کیا طبیعت بگڑ گئی کیا کروں جہاں کسی کے کلام سے ذرا طالب علموں کی اہانت مترشح ہوئی۔ بس فوراً طبیعت متغیر ہو جاتی ہے۔ ہمارے دوستوں نے یہاں کا ایک نقشہ کھینچا ہے یعنی جو واقعی محب بھی ہیں کہتے ہیں کہ بھائی وہاں کا دربار ہی نرالا ہے پھر فرمایا کہ اس کی تو ایک ترکیب تھی لیکن صحبت سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں یہ کرتے کہ دعوت کو تو نہ کہتے کھانا بھیج دیتے۔ کہتے کچھ نہیں۔ اجی ہم ایک چیز کھانے بیٹھے ہیں جی ہاں اپنے محبوب کو بھی کچھ بھیج دیں اس میں کیا حرج ہے۔ (ملفوظات ج ۱۶)

اکابر علماء دیوبند کی خدا ترسی اور اپنے مخالفین کے ساتھ معاملہ

سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے جب رد بدعات پر کچھ رسالے لکھے تو اہل بدعت کی طرف سے سب وشتم کی بوچھاڑ ہوئی۔ بعض مشہور اہل بدعت کی طرف سے بہت سے رسالے ان کے خلاف سب وشتم سے بھرے ہوئے یکے بعد دیگرے شائع ہوتے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی بینائی اس وقت نہیں رہی تھی۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ (والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب

مدظلہ) حضرت رحمہ اللہ کے خادم خاص اور معتمد تھے۔ آنے والی ڈاک کو پڑھ کر سناتے اور پھر جواب لکھنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ ان میں دو رسالے بھی ہوتے تھے جو ان حضرات کی طرف سے آتے تھے۔ کچھ دن ایسے گزرے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ایسا کوئی رسالہ نہیں سنایا تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے پوچھا کہ مولوی یحییٰ کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا ہے؟ بہت دنوں سے ان کا رسالہ نہیں آیا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ رسالے تو کئی آئے ہیں مگر وہ مجھ سے پڑھے نہیں جاتے۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ غرض کیا کہ ان میں تو گالیاں بھری ہیں۔ آپ رحمہ اللہ نے اول فرمایا ارے میاں کہیں دور کی گالی بھی لگا کرتی ہے؟ پھر فرمایا کہ ضرور سناؤ۔ ہم تو اس نیت سے سنتے ہیں کہ ان کی کوئی بات قابل قبول ہو تو قبول کریں۔ ہماری کسی غلطی پر صحیح تنبیہ کی گئی ہو تو اپنی اصلاح کریں (انتھی) یہ ہیں وہ حق پرست خدا ترس علماء جن کا کسی سے اختلاف بھی ہوتا تو خالص حق تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے اور مخالفین کی سب وشتم کے وقت بھی جذبہ انتقام اور اپنے نفس سے مدافعت اور تاویلات ڈھونڈنے کے بجائے اپنی اصلاح اور حق طلبی کی راہ نکال لیتے ہیں کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جنہوں نے ان بزرگوں پر اتہامات لگا کر بدنام کیا اور عوام کو ان کی تصانیف پڑھنے سے ان کے پاس جانے سے روکا اور یہ حقیقت ہے کہ جو دور دور بدگمانی قائم کر کے نہیں بیٹھ گیا۔ انصاف کے ساتھ ان حضرات کی کتابوں کو پڑھا ان کی صحبت سے مستفیض ہوا۔ اس کو اشکالات کا جواب خود بخود مل گیا۔

اختلافی معاملات میں اگر یہ روش اختیار کر لی جائے تو مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدل کے فتنے ختم ہو جائیں۔ اختلاف اختلاف کی حد میں رہے۔ مگر اس کیلئے خدا ترسی اور بے نفسی کی ضرورت ہے جس کا آج کل قحط ہے۔ (جامع) (ملفوظات ج ۲۴)

کسی مدرسہ کے مہتمم کے اختیارات محدود کرنا مضرتوں کا پیش خیمہ ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کہ فلاں مدرسہ کے مہتمم کے اختیارات

کو محدود کرنا بڑا ہی زبردست مضرتوں کا پیش خیمہ ہے جس کا نتیجہ آگے چل کر معلوم ہوگا میں نے ایک صاحب سے مدرسہ کے انتظام کے متعلق کہا تھا کہ اگر مجھ کو کامل اختیارات ہوتے تو میں اول کیا کرتا مہتمم صاحب کے ذریعہ سے واقعات معلوم کرتا اور بعد تحقیق جو انتظام خود اپنی سمجھ میں آتا وہ کرتا اور اگر تو ددر رہتا تو سارے ہندوستان میں اشتہار دیکر علماء وعقلاء سے مشورہ لیتا اس صورت میں تمام لوگوں کو مدرسہ سے عشق ہو جاتا اور یہ سمجھتے کہ یہ جمہوریت صحابہ جیسی ہے کہ رائے سب کی اور حکومت ایک کی حضرت تدابیر تو سب ذہن میں ہیں مگر کوئی کرنے بھی دے اور اب تو کچھ ایسا انقلاب ہوا ہے کہ پرانے لوگوں میں بھی جدید باتوں کا زہریلا اثر پیدا ہو گیا ہے نیچریت کا غلبہ ہے اس لئے کوئی مفید تحریک نہیں چلتی۔ (ملفوظات ج ۴)

اعتدال مطلوب ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جی یوں چاہتا ہے کہ کوئی چیز اپنی حد سے نہ بڑھے اہل تحریکات کی طرح اپنی غرض پورا کرنے کیلئے احکام کو خدانخواستہ بدلنا تھوڑا ہی گوارا ہو سکتا ہے مجھ کو تو دوسروں کی ایسی حرکتیں سن کر غیرت آتی ہے خود تو کیا ایسی باتیں کرنا جیسے بعضے فرمائش کرتے ہیں۔ (ملفوظات ج ۴)

حقوق مدرسہ اور حقوق مدرسین جمع فرمانا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ اس کی رعایت رکھتا ہوں کہ اہل علم پر کسی کی حکومت نہ ہو میں جب مدرسہ کانپور میں تھا وہاں ایک رجسٹر مدرسین کی حاضری کا تھا وہ مدرسہ کے کسی کارکن کے سپرد نہ تھا محض مدرسین کی دیانت پر ایک خاص موقع پر رکھ دیا گیا تھا کہ وہ مدرسہ میں اپنے آنے کا وقت اس میں خود لکھ دیا کریں۔ میں نے محض اس خیال سے ایسا کیا تھا کہ ان پر کسی کی حکومت کرنا ان کے حقوق عظمت کے خلاف تھا اور مدرسہ کی رقم زائد دے دینا مدرسہ کے حقوق دیانت کے خلاف تھا اور اس معمول سے دونوں کے حقوق کا تحفظ ہو گیا۔ مہینہ کے ختم پر منٹ تک جمع کر کے ان کی تنخواہ سے وضع کر لیا جاتا تھا اور میں خود بھی بلاواسطہ یا بواسطہ اہل علم پر حکومت کرنا پسند نہیں کرتا۔ (ملفوظات ج ۴)

مدرسہ کے نابالغ بچوں سے کام لینا ناجائز ہے:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ مدرسہ کے نابالغ بچوں سے کام لینا کسی استاد کو جائز نہیں البتہ اگر بالغ ہو تو بشرائط جائز ہے وہ شرط یہ ہے کہ بطیب خاطر ہو جبر نہ ہو۔ مگر معلمین ان معاملات میں بہت گڑبڑ کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں مدرسہ میں ایک حافظ صاحب تھے ایک روز انہوں نے دو لڑکوں کو چکی پر آٹا لینے کو بھیجا وہ سر پر لاد کر لائے۔ میں نے کہا حافظ صاحب یہ بہت بیجا بات ہے اگر آپ کے بچے ہوتے تو کیا ان سے بھی بوجھ اٹھواتے ذرا انصاف کیجئے۔ شاگرد کو اپنے بچہ سے کم درجہ کا نہ سمجھنا چاہیے۔ مولوی بھی بس ہدایہ پڑھاتے وقت تو فقیہ ہوتے ہیں مگر عمل میں ان کو بھی احتیاط نہیں ہوتی۔ (ملفوظات ج۔۱۴)

شفاء غیظ کیلئے طلباء کو سزا دینا ناجائز ہے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ میں اپنے مدرسہ کے معلموں کو بچوں کو مارنے کیلئے منع کر دیا کیونکہ یہ لوگ حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں اور شفاء غلط کیلئے مارتے ہیں ایسا زدوکوب کی اگر ولی اجازت بھی دے دے تو بھی درست نہیں۔ میں نے دو سزائیں مقرر کر رکھی ہیں ایک کان پکڑوانا جس کو مراد آباد والے بطخ بنوانا کہتے ہیں۔ دوسری اٹھنا بیٹھنا اس میں دونوں اصلاحیں ہو جاتی ہیں۔ جسمانی بھی کہ ورزش ہے نفسانی یعنی اخلاقی بھی کہ زجر ہو جاتا ہے۔ (ملفوظات ج۔۱۴)

طلباء میں انجمن بنانے سے آزادی پیدا ہوتی ہے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ میں متعارف انجمن بازی کے خلاف ہوں بالخصوص مدارس دینیہ میں، کیونکہ اس سے حریت پیدا ہوتی ہے جو مدارس کے واسطے زہر ہو جاتی ہے۔ ایک مولوی صاحب نے یہ کیا کہ پڑھنے والے لڑکوں کی انجمن بنائی۔ کسی طالب سے کوئی قصور ہو جاتا تو طلبہ سے مشورہ لیتے کہ کیا سزا دینا چاہیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن سب طلبہ نے متفق ہو کر کسی بات میں مولوی صاحب کی مخالفت کی آخر مولوی صاحب کو علیحدہ ہونا پڑا۔ یہ اثر ہے آزادی کا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسی انجمنوں میں تقریر بھی لازم ہے اور تقریر کی فکر میں

درسیات کا مطالعہ نہیں کرتے مضمون ہی تلاش کرتے رہ جاتے ہیں۔ تعلیم مقصود چوپٹ ہوجاتی ہے۔اس لئے میں نے اپنے یہاں یہ انتظام کیا ہے کہ اگر کوئی کافیہ پڑھنے والا ہے تو کافیہ ہی کا کوئی مضمون دے دیا کہ اس کی تقریر کرو اگر مشکوٰۃ پڑھ چکا ہے تو کوئی حدیث اس وقت دے دی کہ اس کی تقریر کرو۔اس سے زبان بھی کھل جاتی ہے یعنی بولنے کا عادی بھی ہوجاتا ہے اور پڑھانے کا ڈھنگ بھی آجاتا ہے اور تعلیم کا نقصان بھی نہیں ہوتا۔(ملفوظات ج۔۱۴)

اہل علم کو ہنر سکھانے کی ضرورت

(ایک مولوی صاحب کی نوکری کا ذکر آیا) تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا اہل علم کو علاوہ علوم کے کوئی ہنر بھی سکھانا چاہیے میری زیادہ رائے یہ ہے کہ تھوڑی کھیتی کرلیا کریں مگر صرف ضرورت بھر باقی جب اوپر پڑجاتی ہے سب کچھ کرلیتے ہیں۔عذر مُن جو بیگمات پلنگ پر سے کبھی نہیں اتری تھیں وہ دس دس، بارہ بارہ کوس روزانہ چلی ہیں۔مصیبت میں سب کچھ کرلیتے ہیں۔(ملفوظات ج۔۱۴)

ابتدائی تعلیم کیلئے ماہر مدرس کی ضرورت

فرمایا۔میزان الصرف پڑھانے والا بھی عالم معتبر ہی ہونا چاہیے۔یہ غلط ہے کہ ابتدائی کتابوں کے واسطے معمولی آدمی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔لوگ سمجھتے ہیں میزان میں کیا رکھا ہے میں کہتا ہوں ابتدائی تعلیم کیلئے بڑی قابلیت کی ضرورت ہے۔(ملفوظات ج۔۱۴)

مظاہر میں اختلاف پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا ارشاد

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ سہارنپور کے مدرسہ میں اختلاف ہوا تو کچھ طلباء کا نام خارج کردیا گیا طلباء نے کہا ہم نہیں جائیں گے اور کمرہ خالی نہیں کیا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے تمام اساتذہ کو اپنے گھر میں جمع فرمایا اور کہا کہ کیا بات ہے اور ایسا کیوں ہوا، اگر یہ نظامت کی وجہ سے ہے تو نظامت یہ رکھی، جس کا جی چاہے، اٹھالو، میں ناظم صاحب کی طرف سے کہہ رہا ہوں، اور اگر یہ میری وجہ سے ہوا تو میں کل ہی سہارنپور چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

اور اگر جس اخلاص پر اکابر نے مدرسہ قائم کیا تھا اس کی مدت ختم ہوگئی، تو مدرسہ بند کرنے کا ہم اعلان کردیں گے، اور پھر فتوے پوچھتے رہیں گے کہ ان عمارت کو کیا کیا جائے؟ کتب خانہ کو کیا کیا جائے؟ اس پر سب نے کہا نہیں نہیں، مدرسہ بند نہ کیا جائے۔ (ملفوظات محمود ج۔۲)

مدرسہ کا حساب ہر شخص لے سکتا ہے

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مدرسہ آپ کی یا کسی اور کی ذاتی ملک نہیں قوم کے چندہ سے چلتا ہے، اس لئے قوم کے ہر فرد کو حساب لینے کا حق ہے، اس لئے ذمہ دار اور منتظم کو کسی کی طرف سے حساب کا مطالبہ کرنے پر ناراض نہ ہونا چاہیے۔ (ملفوظات محمود ج۔۲)

ایک مدرسہ کا معائنہ

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مدرسہ میں جانا ہوا، اس میں ایک استاذ بیٹھے تھے، ان کے سامنے چار بچے تھے، تین نابالغ، ایک بچہ بظاہر مراہق تھا، بلوغ کی حد تک نہیں پہنچا تھا، بیٹھ کر باتیں شروع کیں، میں نے پوچھا آپ کے یہاں کتنے بچے ہیں؟ کہا نوے، میں نے کہا ان کی حاضری تو ہوتی ہوگی؟ انہوں نے کہا ہاں اور فوراً اٹھ کر الماری کھولی، رجسٹر نکالا مگر اس میں صرف تیس بچوں کے نام لکھے ہوئے تھے، میں نے کہا اس میں تو صرف تیس نام ہیں؟ آگے میں نے ہی ان کو راستہ بتایا کہ جو مقامی بچے ہیں شاید آپ نے ان کے نام نہیں لکھے، جو صرف دار الطلباء میں رہتے ہیں ان کے ہی نام لکھے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں، میں نے پوچھا اچھا وہ تیس کہاں ہیں؟ بتلایا کہ فلاں جگہ تبلیغی اجتماع ہو رہا ہے، اس کیلئے ہم نے چھٹی دے رکھی ہے، وہاں گئے ہوئے ہیں، میں نے کہا ایسا تو نہیں کہ صرف تیس ہی ہوں نوے نہ ہوں، اس پر انہوں نے ذرا آنکھیں نیچی کر کے کہا ہاں ایسا ہی ہے میں نے کہا مدرس صاحب تنہا ہیں؟ جواب دیا ہاں، میں نے کہا ایک ہی مدرس نوے بچوں کو پڑھاتا ہے، ماشاء اللہ کرامت ہے، پھر میں نے کہا ایسا تو نہیں کہ صرف یہی تین چار ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے میں نے کہا اللہ کے بندے پہلے ہی کیوں نہیں بتلایا کہا ہم مبالغۃً بیان کرتے ہیں، میں نے کہا قرآن شریف کے علاوہ کچھ اور بھی پڑھاتے ہیں؟ کہا ہاں ایک گھنٹہ مہتمم صاحب نے دے رکھا ہے، عربی، فارسی پڑھانے

کیلئے، وہ ایک گھنٹہ یہ دے رکھا تھا کہ وہ ان کی (یعنی مہتمم صاحب کی) بھینس چرایا کرتے تھے، اسی دوران مہتمم صاحب کے صاحبزادے آگئے، انہوں نے آکر مجھ سے ان استاذ کی شکایت کی کہ مفتی صاحب پوچھئے ان کو کس چیز کی پریشانی ہے، گھی، دودھ، دہی، بالائی، روٹی، سالن، ناشتہ سب چیزیں ان کو ملتی ہیں، اب یہ ہیں کہ خود پڑھاتے نہیں، اور دوسرا استاذ ہم لاتے ہیں تو اس کو ٹھہرنے نہیں دیتے، نکال دیتے ہیں۔ (ملفوظات محمود: ج۔۳)

علم دین کے ساتھ علم دنیا کی ضرورت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس طرح حقائق کا علم ضروری ہے اسی طرح معاشیات ومعاشرت اور کائنات کے علم کے سلسلہ میں ان علوم کی بھی ضرورت ہے جن کو آج کل علم سائنس، فلسفہ اور ریاضی وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں جو آیت ہے: انما یخشی اللہ من عبادہ العلمؤا۔ اس میں حصر کردیا گیا ہے کہ علماء ہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ یعنی خوف وخشیت انہی کے قلوب میں ہے۔ یہاں علماء سے مراد علماء فقہ ہی نہیں ہیں۔ جائز وناجائز اور حلال وحرام کے مسائل سے واقف ہوں بلکہ قرآن کے ان نشانوں سے بھی واقف ہوں جو ضروریات زندگی کے سلسلہ میں دنیوی علوم کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اس میں ستاروں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ اس میں زمین کے مخفی عجائبات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ قرآن خلا وفضا کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے اور ان کی طرف اشارات بھی کیے گئے ہیں۔ (طیب ج ۹)

اصاغر نوازی اور اختلاف کی حدود

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریک آزادی ہند کے امام تھے اس وقت کی سیاسی تحریکات نے ہندوؤں کے اشتراک اور شرعی حدود سے ناواقفیت اور بے پرواہ لیڈروں کی شمولیت سے اسلامی شعائر اور شرعی حدود کی کوئی پرواہ نہ رہی تھی۔ اس لئے شیخ الہندؒ کو ایک جماعت جمعیت علماء ہند، قائم کرنے پر مجبور ہونا پڑا تا کہ اس تحریک کے ساتھ علماء کی رہنمائی کی وجہ سے ان منکرات اور خلاف شرع امور سے نجات ملے جس کا پہلا جلسہ دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ ہی

کی صدارت میں ہوا اور اس کے خطبہ صدارت میں اس طرح کے منکرات پر کھل کر نکیر بھی کیا گیا۔

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی نظر میں اس وقت تحریک پر قبضہ ایسے لیڈروں کا ہو چکا تھا جن کی اکثریت سے علماء کے اتباع اور حدود شرعیہ کی رعایت کی امید نہ تھی۔ خصوصاً ہندوؤں کے ساتھ جن بنیادوں پر اشتراک ہو رہا تھا ان سے کسی حال یہ امید نہ تھی کہ اس کے نتیجہ میں کوئی اسلامی حکومت بن سکے۔ اس لئے آپ ان تحریکات سے الگ رہے۔

دونوں بزرگوں کا یہ اختلاف رائے دینی اور شرعی وجوہ ہی کی بناء پر تھا اور اختلاف کے اصلی حدود کے اندر تھا۔ حضرت حکیم الامت تو شاگرد ہونے کی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ کا انتہائی ادب و احترام رکھتے ہی تھے۔ خود حضرت استاد کا بھی یہ حال تھا کہ تھانہ بھون میں جلسہ خلافت کی صدارت کیلئے قصبہ کے لوگوں نے آپ کو دعوت دی اور اس زمانے میں حضرت اکثر اس طرح کے جلسوں کیلئے سفر کر رہے تھے۔ مگر اہل تھانہ بھون کی درخواست پر فرمایا

اور جہاں کہیں آپ جلسہ کروائیں میں شریک ہوں گا مگر تھانہ بھون جا کر جلسہ کرنا مجھے پسند نہیں۔ کیونکہ مولانا تھانوی کو میری رائے سے جو اختلاف ہے وہ بھی دینی اور شرعی وجوہ پر ہے۔ اگر میں وہاں جلسہ پر گیا تو وہ اپنی فقہی اور شرعی رائے کی بناء پر شرکت نہ کر سکیں گے اور عدم شرکت سے ان کو سخت ضیق اور تنگی پیش آئے گی اور میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ (مجالس حکیم الامتؒ)

طالب علم کو کتابیں یاد نہ رہنے کی شکایت

ایک طالب علم نے عرض کیا حضرت کتابیں خوب یاد کرتا ہوں مگر سب یاد نہیں رہتیں کچھ بھول جاتا ہوں؟

ارشاد فرمایا کہ بھائی مرغی کو جو دانہ ڈالا جاتا ہے' مرغی سب نہیں کھا جاتی اس میں سے کچھ رہ بھی جاتا ہے' اسی طرح کاشتکار زمین میں جو بیج ڈالتا ہے وہ سب نہیں اگتا بلکہ کچھ اگ جاتا ہے کچھ رہ جاتا ہے' یہی حال ذہن کا ہے' کچھ اس سے رہ بھی جاتا ہے۔ (ملفوظات تمود ج ۲)

سبق یاد نہ ہونے کی شکایت کا بہترین علاج

ایک طالب علم نے ایک رقعہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں

پیش کیا جس میں سبق یاد نہ ہونے کی شکایت لکھی تھی کہ یاد بہت کرتا ہوں یاد نہیں ہوتا بہت پریشان ہوں اس پر حضرت نے اس کو قریب بلا کر ارشاد فرمایا کہ اصل چیز حق تعالیٰ شانہ کی رضا مندی وخوشنودی ہے پڑھنے پڑھانے اور سب عبادات کا حاصل یہی ہے اور وہ ان شاء اللہ حاصل ہے اس لئے حق تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں فرماتے۔ جب انسان قرآن پاک یاد کرتا ہے محنت کرتا ہے اور پھر یاد نہیں ہوتا تو ثواب اس کو برابر ملتا ہے حق تعالیٰ کی رضا مندی اس کو حاصل ہوتی ہے۔ جو اصل مقصود ہے اور جب اصل مقصود حاصل ہے تو پھر افسوس اور اس درجہ پریشانی کیوں ہے' بندہ کے اختیار کا جتنا کام تھا کیا اس پر نتیجہ مرتب کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے' شیطان بندہ کو اس طرح کے وساوس میں مبتلا کر کے محروم کر دینا چاہتا ہے۔ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اتنی زندگی بے کار گزر گئی کچھ حاصل نہ ہوا حالانکہ جب بندہ محنت کر رہا ہے' کوشش کر رہا ہے اور اس پر اجر اور حق تعالیٰ شانہ کی خوشنودی مرتب ہو رہی ہے' تو زندگی بیکار کہاں ہوئی' بلکہ اس کو بیکار سمجھنا ناشکری ہے' اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے محنت کی توفیق دی اور اپنے پاک کلام کے پڑھنے اور پڑھانے میں لگایا' معاصی میں مبتلا نہیں فرمایا شیطان ناشکری میں مبتلا کر کے محروم کر دینا چاہتا ہے۔ پس اس طرح کے وساوس کو ہرگز جگہ نہ دینی چاہئے۔ (حضرت کی اس مختصر سی تقریر سے اس طالب علم کا سب قبض جاتا رہا) (ملفوظات محمود ج ۲)

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی طلبہ کو نصیحت

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے طلبہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو مطبخ سے دو روٹی ملتی ہیں' تم دونوں کو کھا جاتے ہو' اتنا نہیں ہوتا کہ ڈیڑھ روٹی پر قناعت کر لیں اور آدھی روٹی کسی غریب کو دیدیں' اسی طرح بستر پر سوتے ہو تو تکیہ لگاتے ہو' میں جب تک طالب علم رہا کبھی بستر پر نہیں سویا اور نہ تکیہ لگایا' بلکہ سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سو جاتا تھا۔ (ملفوظات محمود ج ۳)

عظمت استاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''میں اس کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف بھی تعلیم دی۔ چاہے وہ مجھے بیچ دے' چاہے مجھے آزاد کر دے''۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں۔ انہیں فقہی مسائل میں خنزیر کے بارے میں تحقیق کرنی تھی کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔ ایک مسئلہ میں خنزیر کا ذکر کیا تو اس کی تحقیق کرنی تھی۔ اس کی تحقیق بھنگی سے زیادہ کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتی۔ وہی خنزیر پالتے ہیں۔ تو حضرت رحمہ اللہ کے گھر کا بھنگی آیا۔ اس سے پوچھا فلاں بات خنزیر کے بارے میں کس طرح سے ہے؟ اس نے کہا صاحب! یہ ہے۔ اس وقت یہ کیفیت تھی کہ جب وہ کمانے آتا اگر بیٹھے ہوئے تھے تو اس کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے اس کو ہدایا بھیجتے تھے اس کی خدمت کرتے تھے اور فرماتے تھے۔

فلاں مسئلے کی تحقیق مجھے اس بھنگی سے ہوئی وہ بمنزلے استاد کے بن گیا عمر بھر اسکا ادب کیا

تو اسلام نے استاد کی عظمت یہ بتلائی ہے کہ اگر ایک حرف سکھلا دیئے تمہیں آنکھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۴)

علمی احسان

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی کسی کو چار پیسے دیتا ہے تو آدمی اس کا احسان مانتا ہے۔ اولاد کو آدمی وصیت کر جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے میری خدمت کی تھی۔ تم اس کے نیاز مند رہنا۔ چار پیسے کا احسان مانتا ہے۔ تو علم کا ایک مسئلہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، علم اللہ کی صفت ہے۔ اس سے زیادہ باعظمت چیز کون سی ہو سکتی ہے۔ تو کوئی کسی کو علم سکھلائے اور اس کی عظمت ضروری نہ ہو؟ ایسا محسن کوئی نہیں جو آدمی کو ایک مسئلہ بھی بتلا دے۔ اس نے دنیا و مافیہا اور آخرت کا راستہ درست کر دیا۔ پیسے سے اگر کوئی کام نکلے گا تو دنیا کا نکلے گا۔ لیکن علم سے تو آخرت میں، قبر و برزخ میں، حشر میں اور دنیا میں بھی کام نکلے گا۔ ہر جگہ علم کا سکہ چلتا ہے، وہاں آپ کے یہ سونے چاندی کے سکے نہیں چلیں گے مگر مسائل کا سکہ چلے گا۔ حتی کہ جنت میں بھی جا کر مسائل کی ضرورت رہے گی وہاں بھی آپ علم کے محتاج ہوں گے۔

تو جو شخص آپ کے ہاتھ میں علم کا سکہ دے اس سے بڑھ کر کون محسن ہے۔ جب چار پیسے کا احسان کرنے والے کا آپ احسان مانتے ہیں تو ایک مسئلہ بتلانے والے کا احسان نہیں مانیں گے؟ اس نے آپ کو زیادہ سے زیادہ بڑی دولت دی ہے۔ علم کی دولت

چاندی اور سونے کی دولت سے بدر جہا بہتر ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۴)

دار المبلغین کے قیام کی ضرورت

ایسی تدبیریں نکالنا چاہیے جس سے تبلیغ کا کام ہمیشہ چلتا رہے۔ جس کی آسان صورت یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے اسلامی مدارس عربی کی تعلیم کیلئے قائم کر رکھے ہیں جو زمانہ دراز سے چلے آرہے ہیں۔ اسی طرح کچھ مستقل مدارس صرف تبلیغ کیلئے قائم کر دیں۔ جن میں صرف اس کام کی تعلیم دی جائے۔ اور مبلغین تیار کیے جائیں۔ مدارس عربیہ کے ساتھ اس کام کو ملحق نہ کیا جائے (کیوں کہ) اس سے علوم دین کے کام میں نقص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ تجربہ سے معلوم ہو جائے گا۔ (وعظ محاسن اسلام ۲۹۶)

نظم و جماعت کیساتھ کام کرنے کی ضرورت

بحمد اللہ۔ اس وقت کس قدر مسلمانوں کو اس کام (تبلیغ) کی طرف توجہ شروع ہوئی ہے۔ مگر ان میں بھی غضب یہ ہے کہ انتظام نہیں ہے۔ بلکہ محض رسم پرستی ہے۔ آگرہ کی طرف بعض اہل باطل نے کچھ۔۔ نومسلموں کو مرتد بنانے کی کوشش کی تھی، تو جس کو دیکھو آگرہ ہی میں تبلیغ کرنے جا رہا ہے، سب کے سب آگرہ ہی میں آگرے۔

حالانکہ کام کا طریقہ یہ تھا کہ ایک جماعت آگرہ جاتی، دوسری جماعت دوسرے مقامات کی خبر لیتی کہ اور تو کہیں اس قسم کا خطرہ نہیں ہے، مگر ایسا کرنے سے نام نہ ہوتا کیوں کہ آگرہ میں تبلیغ کرنے والے پہنچے ہوئے ہیں۔ وہاں جائیں گے تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ ہاں یہ بھی تبلیغ کرنے آئے ہیں۔ اور اخباروں میں بھی ان کی آمد شائع ہو جائے گی۔

دوسرے مقامات (علاقوں) میں جانے سے یہ نام نہ ہوگا۔ مگر مسلمان کا تو کام کرنا چاہیے۔ نام سے کیا لینا۔ اسلام نام و نمود سے نہیں پھیلا۔ بلکہ کام سے پھیلا ہے۔ اور کام بھی وہ جو خلوص کے ساتھ محض اللہ کے واسطے تھا۔ (التواصی بالحق ۱۹۰)

تقریر و مناظرہ کی تعلیم

فرمایا: میں اس کا بھی مخالف ہوں کہ دینی مدارس میں تقریر و مناظرہ کی تعلیم کے لئے

کوئی شعبہ قائم کیا جائے کیونکہ تجربہ ہے کہ طالب علم تقریر و مناظرہ میں زمان تعلیم کے وقت مشغول ہوکر پھر کتابوں میں پوری توجہ نہیں کرتے جس سے ان کی کتابی استعداد ناقص رہ جاتی ہے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کاموں کے لئے مستقل مدارس قائم کئے جائیں۔

دینیات کا مختصر نصاب

فرمایا: میں نے اس مدرسہ میں بھی یہ رائے بھی دی ہے جو قبول کرلی گئی کہ ایک نصاب ایسا بنایا جائے جس سے اردو فارسی میں لوگ دینیات حاصل کرسکیں اور میری رائے میں ہر مدرسہ کے اندر ایک ایسا نصاب ہونا چاہئے۔ (الہدی والمغفرت)

طالب علموں کا باوقار رہنا

فرمایا: میری رائے نہیں ہے کہ طلبہ گھروں پر کھانا لینے جائیں۔ کیونکہ اب اہل دنیا طلبہ کو ذلیل وحقیر سمجھنے لگے۔ اگر طلبہ ان کے گھروں پر روٹی کے واسطے جائیں گے تو وہ اور زیادہ ان کے ذلیل سمجھیں گے۔ ہاں مؤذن اس سے مستثنٰی ہے۔ کیونکہ وہ اہل محلہ سے اپنا حق وصول کرتا ہے اور اپنی خدمت کا معاوضہ طلب کرتا ہے۔ (العلم المرغوب)

برا بھلا کہنے پر اہل اللہ کا طریقہ

مولانا محدث احمد علی صاحب سہارنپوریؒ کو ایک شخص نے آکر برا بھلا کہنا شروع کیا مولانا چونکہ بڑے مرتبہ کے شخص تھے طالب علموں کو سخت غصہ آیا اور اس کے مارنے کو اٹھے۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی سب باتیں تو جھوٹ نہیں کہتا کچھ تو سچ ہیں تم اسی کو دیکھو۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کو ایک شخص نے برا کہا تو آپ نے اسکو ہدیہ بھیجا اور امام صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ میں کبھی کسی کی غیبت کردوں تو اپنی ماں کی غیبت زیادہ مصلحت ہے تاکہ میری نیکیاں میری ماں ہی کے پاس جاویں غیروں کے پاس نہ جاویں۔

غربا کا خلوص اور محبت

لکھنؤ کا واقعہ ہے کہ وہاں کے ایک عالم ایک سقہ کے گھر تشریف لیے جاتے تھے کہ

ایک رئیس نے پوچھا کہ مولانا کہاں جارہے ہو مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس سقہ نے دعوت کی ہے۔ رئیس نے کہا کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ آپ نے لٹیا ہی ڈبو دی سقہ کے یہاں دعوت کھانے جاتے ہو مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں صاحب ٹھیک ہے اور سقہ سے کہا کہ اگر تو ان کو لے چلے تو میں بھی چلتا ہوں ورنہ میں بھی نہیں جاتا' وہ ان رئیس کے سر ہوا اور ہاتھ پاؤں جوڑ کر لے چلا۔ مولوی صاحب نے اس تدبیر سے یہ بات دکھلا دی کہ ان غرباء کا برتاؤ کس طرح ہوتا ہے اور ان لوگوں کو کس درجہ خلوص ہوتا ہے۔ غرض وہاں جو پہنچے تو دیکھا کہ دو تین سقے کھڑے ہیں اور ان کو دیکھتے ہی سب تعظیم کے لیے بڑھے۔ رئیس صاحب نے عظمت ومحبت کبھی عمر بھر بھی نہ دیکھی تھی آخر کھانا کھایا تو مولوی صاحب نے سقوں کو اشارہ کیا انہوں نے نہایت اصرار اور خوشامد سے کھلانا شروع کیا' آخر ان رئیس نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ مولانا واقعی میں نے آج دیکھا اور آج مجھ کو معلوم ہوا کہ عزت رئیسوں کے گھر میں جانے سے نہیں بلکہ غریبوں میں جانے سے ہے۔

دوسرے کی ذمہ داری لینے سے پرہیز

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا قصہ ہے کہ بریلی کے ایک رئیس نے غالباً چھ ہزار روپیہ پیش کیا کہ کسی نیک کام لگا دیجئے فرمایا کہ لگانے کے بھی تم ہی اہل ہو تم ہی خرچ کردو۔ اس نے عرض کیا کہ میں کیا اہل ہوتا فرمایا کہ میرے پاس اس کی دلیل ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اہل سمجھتے تو مجھ کو ہی دیتے تبسم فرماتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ اس کا جواب تو تھا کہ حضرت اللہ میاں دے تو رہے ہیں۔

قواعد ضوابط کی پابندی

فرمایا: (آج کل لوگوں کو) دوسروں کی راحت وتکلیف کا ذرا خیال نہیں اب اگر کوئی انتظام کرنے لگے تو اسے قانون ساز کہتے ہیں چنانچہ میرے یہاں اس قسم کی باتوں پر روک ٹوک اور انتظام بہت ہے جس پر عنایت فرماؤں نے مجھے بہت کچھ خطاب دے رکھے ہیں ایک صاحب نے تو میرے منہ پر کہا کہ ہم کو یہ طریقہ پسند نہیں انگریزوں کا سا قانون ہر بات میں انتظام ہر بات میں انتظام افسوس گویا اسلام میں انتظام ہی نہیں بس اسلام تو ان کے نزدیک بے انتظامی کا نام ہے (العمرۃ بذبح البقرۃ ص ۵۳)

مشورہ میں امانت کا رنگ ہونا چاہئے سیاست وچالاکی کا نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ مشورہ

ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لوگوں کی آؤ بھگت، خیر خواہی اور چشم پوشی کا مجھے اللہ کی جانب سے اسی طرح حکم کیا گیا ہے جس طرح فرائض کی پابندی کا۔ چنانچہ اس آیت میں بھی فرمان ہے، تو ان سے درگزر کر، ان کے لئے استغفار کر، اور کاموں کا مشورہ ان سے لیا کر۔'' اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے جیسے:

☆ بدر والے دن قافلے کی طرف بڑھنے کے لئے مشورہ لیا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ اگر آپ سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر ہمیں فرمائیں گے کہ اس میں کود پڑو اور اس پار نکلو تو بھی ہم سرتابی نہ کریں گے اور اگر ہمیں برک الغماد تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم وہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کی طرح کہہ دیں کہ تو اور تیرا رب لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا مشورہ بھی لیا کہ منزل کہاں ہو؟ اور منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے ہو۔

☆ اسی طرح اُحد کے موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا کہ آیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکلیں؟ اور جمہور کی رائے یہی ہوئی کہ باہر میدان میں جا کر لڑنا چاہئے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کیا۔

☆ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے موقعہ پر بھی اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ مدینہ کے پھلوں کی پیداوار کا تہائی حصہ دینے کا وعدہ کر کے مخالفین سے مصالحت کر لی جائے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا انکار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مشورہ کو قبول کر لیا اور مصالحت چھوڑ دی۔

☆ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے دن اس امر کا مشورہ کیا کہ آیا مشرکین کے گھروں پر دھاوا بول دیں؟ تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہمارا ارادہ صرف عمرہ کا ہے۔ چنانچہ اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا۔

☆ اسی طرح جب منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صاحبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو! مجھے مشورہ دو کہ ان لوگوں کا میں کیا کروں جو میرے گھر والوں کو بدنام کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم میرے علم میں تو میرے گھر والوں میں کوئی برائی نہیں اور جس شخص کے ساتھ تہمت لگا رہے ہیں۔ واللہ! میرے نزدیک تو وہ بھی بھلائی والا ہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جدائی کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ لیا۔

غرض لڑائی کے کاموں میں بھی دیگر امور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ لے تو اسے چاہئے بھلی بات کا مشورہ دے۔ (ابن ماجہ تفسیر ابن کثیر: جلد ا صفحہ ۳۷)

دین کے کام میں آرڈر نہیں دیا جاتا بلکہ ماحول بنایا جاتا ہے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ ایک شادی کے سلسلے میں تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ خیال ہوا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب کی زیارت بھی کر لوں۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو گیا کہ یہ فطرت

سلیمہ رکھتے ہیں۔تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ آپ کسی سے بیعت ہوئے یا نہیں؟ آپ نے کہا نہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر مجھ سے بیعت ہو جاؤ۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں اس شرط پر بیعت ہوں گا کہ آپ مجھے ذکر و شغل کا حکم نہ فرمائیں گے۔ حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تو بیعت ہونے کو کہا ہے۔ شغل کا تو میں نے کہا ہی نہیں اور وعدہ بھی فرمایا کہ آئندہ نہیں کہوں گا۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیعت فرمایا اور یہ فرمایا کہ دو تین دن یہاں ٹھہر جاؤ۔ آپ تھانہ بھون میں تین دن ٹھہرے جب رات کے وقت اڑھائی تین بجے دیکھا کہ سب لوگ اٹھ کر نماز تہجد ادا کر رہے ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کو شرم آئی انہوں نے بھی اٹھ کر نماز تہجد پڑھی پھر جب دوسرے لوگوں کو ذکر و شغل میں دیکھا تو آپ بھی ذکر میں مشغول ہو گئے۔

دوسرے دن پھر یہی حالت ہوئی تیسرے دن خود بخود خوشی سے تہجد پڑھی اور ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے تیسرے دن حضرت کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ حضرت آپ نے تو سب کچھ ہی کرا دیا۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تھوڑا ہی کہا تھا میں نے وعدہ خلافی نہیں کی۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا کہ اب تو میں نہیں جاتا' چالیس دن وہاں ٹھہرے اور اس تھوڑے عرصہ کے بعد خلافت لے کر واپس ہوئے۔ پس عبادت پہلے ریا تھی پھر عادت ہوئی پھر عبادت ہوگئی اور ساتھ ہی خلافت بھی مل گئی۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ جب میری عمر آٹھ سال کی تھی ایک دفعہ میرا گنگوہ جانا ہوا وہاں ذکر و شغل کا ماحول تو تھا ہی۔ گنگوہ کی مسجد میں بہت سے دھوبی کپڑے دھوتے تھے جب کپڑے کو مارتے تو الا اللہ بھی ساتھ کہتے۔ یہ ماحول کا اثر تھا ورنہ ان کو پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ مقولہ مشہور ہے" ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد" بس ماحول کا اثر یہی ہے۔ جو نیک ماحول میں ہوگا اس کا بھی اثر ضرور ہوگا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی ایک ماحول تھا کہ جو بھی اس میں آتا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور ان کا ماحول بھی ایسا قوی تھا۔ حتیٰ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد انہی کا درجہ تھا امت کا اجماع ہے کہ الصحابة کلهم عدول وہ معصوم تو نہیں تھے لیکن محفوظ ضرور تھے۔

امت کا اتفاق ہے کہ کوئی شخص کتنا بڑا غوث اور قطب بن جائے لیکن ادنیٰ صحابی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے کہ جو ماحول ان کو میسر آیا وہ کسی کو میسر نہ آ سکا ایسے ماحول سے ابوجہل جیسا بدبخت ہی متاثر ہوئے بغیر رہ سکتا ہے اور جبری طور پر تو وہ بھی مومن تھا چنانچہ اپنے گھر میں کہتا تھا کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیں تو ان کی غلامی کرنی پڑے گی اسی سے اس کو عار تھی۔ بہرحال اگر ایک گھرانہ یہ عہد کرے کہ ہم گناہ چھوڑ دیں تو ان کے ماحول میں جو داخل ہوگا انہی کی طرح ہو جائے گا۔ (خطبات حکیم الاسلام: جلد۲ صفحہ ۹ تا ۱۱)

ایک قیمتی نصیحت: دین کے کام کے ذریعے شہرت طلب کرنا کمر کو توڑ دیتا ہے

دنیا میں تصرف و کرامت کے ذریعہ سے اپنی شہرت کے طالب ہرگز نہ ہوں' کیونکہ جس کو اس بات کی خواہش ہوتی ہے اس کا دین برباد ہو جاتا ہے اور عالم آخرت میں خالی ہاتھوں پہنچتا ہے۔ مگر یہ کہ کوئی محض اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے بغیر اپنی خواہش سے ظاہر اور مشہور ہو گیا ہو جیسا اولیاء کاملین کو پیش آتا ہے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اگر اولیاء کاملین کو شہرت کی خواہش ہوتی تو ان کو کوئی بھی نہ پہچانتا۔

سیدی ابراہیم متبولی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ دنیا میں درویش کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی پاخانہ میں بیٹھا ہو' اب اگر وہ آگے سے دروازہ بند کر لے گا تو پردہ کے ساتھ اپنی حاجت پوری کر لے گا' اور ڈھکا وہاں سے نکل جائے گا کہ کسی کی نظر اس کے عیبوں پر نہ پڑی ہوگی اور اگر دروازہ کھول کر بیٹھا تو اس کے عیوب ظاہر ہو جائیں گے اور اس کے اندرونی جسم کا پردہ چاک ہو جائے گا اور جو کوئی دیکھے گا اس پر لعنت کرے گا۔

سیدی محمد عمری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ "ظہور اور شہرت کی طلب کمر توڑ دیتی ہے۔" یاد رکھیں! اس کارخانہ دنیا میں کوئی ولی اور عالم ایسا نہیں جس کا دل شہرت سے مکدر نہ ہوا ہو' وہ شہرت کے بعد اس صدائے قلب کے ایک ذرہ کو ڈھونڈتے اور ترستے ہیں جو شہرت سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے دل میں پاتے تھے' مگر اب نہیں پا سکتے' اسی لئے تمام عارفین اپنے ابتدائی احوال کی طرف مشتاق ہوتے ہیں' اس کو خوب سمجھ لیں۔ (ماہنامہ المحمود ۱۴۱۹ ہجری مطابق ۱۹۹۷ء' صفحہ ۱۹)

امارت کے خواہش مند اپنی خواہش کے انجام کو سوچیں

ہر امیر چاہے اچھا ہو یا برا جہنم کے پل پر کھڑا کیا جائے گا اور اسے طوق پہنایا جائے گا۔

حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بشر بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوازن کے صدقات (وصول کرنے پر) عامل مقرر کیا۔ لیکن حضرت بشر (ہوازن کے صدقات وصول کرنے) نہ گئے۔ ان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا (ہوازن) کیوں نہیں گئے؟ کیا ہماری بات کو سننا اور ماننا ضروری نہیں ہے؟ حضرت بشر نے کہا کیوں نہیں۔ لیکن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسے مسلمانوں کے کسی امر کا ذمہ دار بنایا گیا اسے قیامت کے دن لا کر جہنم کے پل پر کھڑا کر دیا جائے گا' اگر اس نے اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح ادا کیا ہو گا تو وہ نجات پائے گا۔ اور اگر اس نے ذمہ داری پوری طرح ادا نہ کی ہو گی تو پل اسے لے کر ٹوٹ پڑے گا اور وہ ستر برس تک جہنم میں گرتا چلا جائیگا۔ (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت پریشان اور غمگین ہوئے اور وہاں سے چلے گئے' راستہ میں ان کی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا' کیا بات ہے؟ میں آپ کو پریشان غمگین دیکھ رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں کیوں نہ پریشان اور غمگین ہوں جبکہ میں حضرت بشر بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن چکا ہوں کہ جسے مسلمانوں کے کسی امر کا ذمہ دار بنایا گیا اسے قیامت کے دن لا کر جہنم کے پل پر کھڑا کر دیا جائے گا' اگر اس نے اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح ادا کیا ہو گا تو وہ نجات پا لے گا اور اگر اس نے ذمہ داری صحیح طرح ادا نہ کی ہو گی تو پل اسے لے کر ٹوٹ پڑے گا۔ اور وہ ستر برس تک جہنم میں گرتا چلا جائے گا۔ اس پر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نہیں سنی ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو کسی مسلمان کو ذمہ دار بنائے گا اسے قیامت کے دن لا کر جہنم کے پل پر کھڑا کر دیا جائے گا' اگر وہ (اس ذمہ دار بنانے میں) ٹھیک ہے تو

(دوزخ سے) نجات پائے گا اور اگر وہ اس میں ٹھیک نہیں تھا تو پل اسے لے کر ٹوٹ پڑے گا اور وہ ستر برس تک جہنم میں گرتا چلا جائے گا اور وہ جہنم کالی اور اندھیری ہے۔ (آپ بتائیں کہ) ان دونوں حدیثوں میں سے کس حدیث کے سننے سے آپ کے دل کو زیادہ تکلیف ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا' دونوں کے سننے سے میرے دل کو تکلیف ہوئی ہے لیکن جب خلافت میں ایسا زبردست خطرہ ہے تو اسے کون قبول کرے گا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' اسے وہی قبول کرے گا جس کی ناک کاٹنے کا اور اسکے رخسار کو زمین سے ملانے کا یعنی اسے ذلیل کرنے کا اللہ نے ارادہ کیا ہو' بہرحال ہمارے علم کے مطابق آپ کی خلافت میں خیر ہی خیر ہے' ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس خلافت کا ذمہ دار ایسے شخص کو بنادیں جو اس میں عدل وانصاف سے کام نہ لے تو آپ بھی اس کے گناہ سے نہ بچ سکیں گے۔ (حیاۃ الصحابہ' جلد ۲ صفحہ ۸۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہر امیر و حاکم خواہ وہ دس ہی آدمیوں کا امیر و حاکم کیوں نہ ہو قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی گردن میں طوق ہوگا یہاں تک کہ اس کو اس طوق سے یا تو اس کا عدل نجات دلائے گا یا اس کا ظلم ہلاک کرے گا۔ (دارمی)

مطلب یہ ہے کہ ایک بار تو ہر حاکم کو خواہ وہ عادل ہو یا ظالم' بارگاہ رب العزت میں باندھ کر لایا جائے گا اور پھر تحقیق کے بعد اگر وہ عادل ثابت ہوا تو اس کو نجات دے دی جائے گی اور اگر ظالم ثابت ہوگا تو ہلاکت یعنی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ (مظاہر حق جدید' جلد ۴' صفحہ ۴۳۱)

دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے' ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا (ان کے بارے میں) فرمان ہے: کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں؟ یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت

کر رہے ہیں؟ پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو ان میں سے عقل مندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کے چھوڑے گا۔ (جامع ترمذی)

فائدہ:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں، زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے اندرونی حال کے بالکل برعکس ان خاصانِ خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کر کے اللہ کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے اور ان سے دنیا کمائی جائے بدترین قسم کی ریاکاری ہے، اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کیے جائیں گے۔ (معارف الحدیث جلد۲ صفحہ ۳۶۴)

خادم اور نوکر کا قصور معاف کرو
اگرچہ وہ ایک دن میں ستر دفعہ قصور کرے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے اس نے پھر وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر روز ستر دفعہ۔ (جامع ترمذی)

فائدہ:۔ سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت! اگر میرا خادم: غلام یا نوکر بار بار قصور کرے تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر بالفرض روزانہ ستر دفعہ بھی وہ قصور کرے تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی حد مقرر کی جائے بلکہ حسن اخلاق اور ترحم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستر دفعہ بھی قصور کرے تو اس کو معاف ہی کر دیا جائے۔

فائدہ:۔ جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے ستر کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لئے نہیں ہوتا

بلکہ صرف تکثیر کے لئے ہوتا ہے اور خاص کر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔
(معارف الحدیث جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

معلمین اور ان کا حق الخدمت

فرمایا: جب تک معلمین کے مشاہرات فی الجملہ فراغ بالی کی حد تک نہ ہوں اچھے معلم بھی ملنے دشوار ہیں۔ اور مل بھی جائیں تو طمانیت قلب و بشاشت سے کام انجام پانا دشوار ہے۔ میں نے ساؤتھ افریقہ میں دیکھا کہ وہاں کی حکومت نے معلموں پروفیسروں کے گریڈ گورنروں اور وزراء کے طبقوں کے مساوی اور خاص شخصیتوں میں ان سے بھی بڑھا کر رکھے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ معلمین ہی کا طبقہ قوم کے دل و دماغ کے نشوونما اور سدھارنے کا کفیل ہے اگر وہ تنگی معاش کی وجہ سے ڈانواں ڈول رہے گا تو قومی تربیت اور قوم کے بچوں کا ذہنی نشوونما کبھی برجائے خود استوار نہیں ہوگا جس سے پوری قوم کا مستقبل تاریک ہوجائے گا۔ (جواہر حکمت)

مدارس اور اہل علم

علماء حقانی وربانی کی تعریف

علم کی حقیقت اور علم نافع

عصر حاضر میں اہل علم کیلئے دستور العمل

اسلاف واکابر کے واقعات

اہل علم کیلئے گراں قدر نصائح وملفوظات

اسلاف کا علمی انہماک

اہل علم کیلئے بیش قیمت علمی وعملی معلومات

خیر القرون سے تاہنوز اکابر کے تحصیل علم پر مبنی سینکڑوں اصلاح افروز واقعات

علم کی ضرورت۔ آداب اور تقاضوں پر مبنی مکمل باب

جو اہل علم کو انکی اہمیت بتا کر اسلاف کے نقوش پر چلنے کی دعوت دیتا ہے

عالم کی تعریف

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”عالم وہ شخص ہے جو خلوت وجلوت میں اللہ سے ڈرے اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو“۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں ہے بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو“۔

حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیۃ اللہ کو کثرت روایات اور کثرت معلومات سے نہیں پہچانا جاسکتا۔ بلکہ اس کو کتاب وسنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے فرمایا ”کہ جس شخص میں خشیت نہ ہو وہ عالم نہیں“۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں“۔

اور مجاہد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ”یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے“۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی ”فقیہ مکمل وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور ان کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے اور ان کو اللہ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے اور قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہ کرے (اور فرمایا) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہو اور اس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے فقہ یعنی بے سمجھ بوجھ کے ہو اور اس قرأت میں کوئی خیر نہیں جو بغیر تدبر کے ہو۔ (معارف القرآن)

اہل علم کا مقام

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دین اسلام انسانیت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اس کی اعلیٰ ترقیات کا ضامن ہے۔ انسانی معاشرہ اپنی انفرادی اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں دینی قیادت و رہنمائی کا محتاج ہے۔ دینی قیادت سے محروم معاشرہ فکری و نظری، اخلاقی و عملی گمراہیوں کا شکار ہو کر حیوانیت کے تاریک غاروں میں جا گرتا ہے۔ پھر اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اسی ہلاکت سے حفاظت کیلئے قرآن و حدیث میں علم دین کے بڑے بڑے فضائل اور اس کے حصول کی ترغیبات وارد ہیں تاکہ ہر فرد صحیح دینی شعور رکھتے ہوئے احکام شریعہ پر عمل کرنے والا بن جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک عالم اور ایک عابد دو شخصوں کا ذکر کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت ایک امتی پر مزید ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک اور اس کے فرشتے آسمانوں اور زمین پر رہنے والی مخلوق یہاں تک کہ چیونٹی اور مچھلیاں سب دین سکھانے والے کیلئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اور اللہ پاک اس پر رحمت بھیجتے ہیں۔ (رواہ الترمذی مشکواۃ)

بدرِ منیر

علمائے دین کو امت اور عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جو چودھویں کے چاند کو باقی ستاروں پر ہے نور اور روشنی تو سب اہل ایمان میں ہے لیکن عالم دین کے نور سے مخلوق کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ جس سے کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور فضائیں انوار علم و عرفان سے جگمگا اٹھتی ہیں۔ عالم کی نورانیت اور چاندنی، نیز اعظم آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کردہ ہے جیسے چاند کی چاندنی سورج کے نور سے مستفاد ہوتی ہے۔ خود چاند میں اپنا ذاتی نور نہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ عابد پر عالم دین کی ایسی فضیلت ہے جیسی ایک عام امتی پر میری فضیلت ہے۔

کوئی مسلمان اسلام کا صحیح شعور رکھتے ہوئے ذات گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی نورانی تعلیمات سے بغض و عداوت رکھ سکتا ہے، نہ ہی بے اتفاقی و استغناء یا تحقیر کا رویہ اپنا سکتا ہے بلکہ ہر مسلم بصد جان و دل آپ پر فدا اور آپ کی غلامی کو باعث فخر جانتا ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ علماء دین کے ساتھ جو آفتاب نبوت کے پرتو

ہیں۔ بغض وعداوت یا لاتعلقی کا معاملہ روا رکھے۔ آفتاب سے انس ومحبت اور مہتاب سے نفرت وعداوت کسی طرح بھی مقبول نہیں۔ علمائے دین سے دشمنی شارع علیہ السلام سے دشمنی کی علامت ہے۔ اس لئے کامل خیرخواہی سے گزارش ہے کہ مغرب زدگی یا دوسرے کسی کافرانہ نظام سے مرعوبیت یا تاثر کی وجہ سے جو لوگ دیندار طبقے اور علمائے دین کے متعلق اچھے خیالات وجذبات نہیں رکھتے ان کا یہ طرز عمل دینی لحاظ سے انتہائی خطرناک ہے کیونکہ یہ بات علماء ہی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ذات پاک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہے کیونکہ ان کے پاس اپنا تو کچھ نہیں جو کچھ ہے انہی کا ہی ہے۔

میراث نبوت

امت میں ہر طبقے کے لوگ موجود ہیں امیر' غریب' صنعتکار' عہدہ دار' اہلکار' دانشور' زمیندار' حکام وسلاطین لیکن ان میں سے کسی کام کو بھی میراث نبوت ہونے کا شرف واعزاز حاصل نہیں۔ بارگاہ رسالت سے وارث انبیاء ہونے کا اعزاز صرف اور صرف علمائے کرام کی جماعت کو ملا ہے۔

بڑے نصیبے کی بات

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے زیادہ خوش قسمتی کوئی نہیں۔ حضرات علماء کرام اور طلبہ علوم دینیہ کیلئے اس ارشاد گرامی میں بڑی خوشخبری اور ہدایت ہے کہ مال ودولت پر نہ للچائیں کیونکہ مال ودولت میراث قارونی ہے اور اسے حظ عظیم سمجھنا جاہلانہ ذہنیت ہے۔ (مشعل ہدایت)

ایک اہم نصیحت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: ایک مولوی صاحب نے ایک خط میں چھ سوال دریافت کئے تھے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ میرے خیال میں ان سب سوالات کے جوابات کیلئے اصلاح الرسوم کا دیکھنا کافی ہوگا پھر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے انہوں نے باوجود اصلاح الرسوم سے حکم معلوم کرسکنے کے مخالف لوگوں کو دکھلانے کیلئے یہ سوالات پوچھے ہیں حالانکہ جو ان کے معتقد نہیں وہ ان کے موافقین اہل فتویٰ کے کب معتقد ہوں گے۔ معاند کو جواب دینا مفید نہیں بلکہ خاموشی بہتر ہے مگر مولویوں کو صبر کب آتا ہے جوش

اٹھتا ہے پھر فرمایا کہ بقول مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کے آج کل کے مولوی فوجیوں سے کم نہیں وہ پلٹن اور رسالہ سے لڑتے ہیں اور یہ کتاب اور رسالہ سے۔ (ملفوظات ج ۱۸)

حقیقی علم

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن نے علماء بنی اسرائیل کے بارے میں پہلے تو "ولقد علموا لمن اشتراه ماله فی الاخرة من خلاق" کہا پھر فرمایا "ولبئس ماشروابه انفسهم لوكانوا يعلمون" پہلے "ولقد علموا" (بے شک جان لیا ان لوگوں نے) ان کی اصلاح کے موافق فرمایا کیونکہ وہ بھی محض جان لینے اور لکھ پڑھ لینے کو علم کہتے تھے پھر "لو كانوا يعلمون" (کاش کہ یہ لوگ جان لیتے) اپنی اصطلاح کے مطابق فرمایا جس میں ان سے علم کی نفی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شریعت میں علم الفاظ و معانی کا نام نہیں ورنہ یہ تو علماء بنی اسرائیل کو حاصل تھا اس سے نفی ان سے کیوں کر ہوسکتی ہے۔ بلکہ علم کے ساتھ جب عمل بھی ہو اس وقت وہ علم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے "ان من العلم لجهلا" (بے شک بعض علم جہالت ہوتے ہیں) اور ظاہر بات ہے کہ ایک چیز علم و جہل نہیں ہوسکتی اس لئے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ "ان من العلم عندالناس لجهلا عندالله" کہ بعض علم جس کو عرفاً علم سمجھا جاتا ہے وہ خدا کے نزدیک جہل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں محض دانستن نادانستن (جاننے نہ جاننے) کا نام علم نہیں بلکہ ان کی حقیقت کچھ اور ہے وہ وہی جس کو ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ بعض علم "حجة الله على العبد" ہے جبکہ وہ اس کے مطابق عمل کرے پس اب دیکھنا چاہئے کہ ہم جو اپنے کو عالم اور فقیہ سمجھتے ہیں ہمارا عمل اس کے موافق کہاں تک ہے۔ ہماری حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں اور جلسوں میں جو علم کے فضائل ہم بیان کرتے ہیں اس سے مقصود اپنی فضیلت کا ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ ہم اس درجہ کے ہیں کہ ہماری تعظیم کرنا چاہئے مگر علماء کو اس طرز سے شرم کرنا چاہئے۔

علم نافع و علم ضار

علم پڑھ کر بھی جس میں خشیت نہ پیدا ہو اس سے وہ جاہل اچھا ہے جس میں خشیت

ہو۔علم کی مثال اس کے نافع اور مضر ہونے میں تلوار کی دھار کی سی ہے۔اس سے دوست بھی کٹتا ہے اور دشمن بھی کٹتا ہے۔اگر تلوار چلانے والا ماہر فن نہ ہو تو کبھی اس سے اپنے ہی کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔اس طرح کہ ہاتھ تو مارا دشمن کے اور وہ خالی گیا اور لوٹ کر اپنے ہی پر پڑ گیا۔اسی طرح علم بڑی ہی نازک چیز ہے۔اس میں امن بھی ہے اور خوف بھی ہے گو غالب امن مگر حسن استعمال کی ضرورت ہے اس کو دیکھ لیجئے کہ جتنے گمراہ فرقے بنے ہیں یہ لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ ہی لوگوں کی بدولت بنے ہیں۔کسی جاہل کا معتقد ہی کون ہوگا۔

عمل کے بغیر تحقیقات ونکات بیکار

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ تقریریں اور نکات واسرار سب رکھے رہ جائیں گے اور سالکین سے بھی کہتا ہوں کہ یہ مواجید واذواق اور معارف وحقائق بغیر تعلق صادق کے بیکار ہیں۔

حضرات! نوکر کا فیشن کام نہیں آتا کہ وہ بنا ٹھنا رہے اور باتیں بنایا کرے بلکہ اس کی خدمت کام آتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت جنید رحمہ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا ساری عبادتیں اور اسرار ونکات اور ارشادات غائب ہو گئے۔ان سے کچھ کام نہ چلا۔بس وہ چھوٹی چھوٹی چند رکعتیں کام آئیں جو آدھی رات میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

صاحبو! بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہو جائے تو نور علیٰ نور ہے۔ورنہ کچھ نفع نہیں مگر مقصود حاصل نہ ہوا۔آج کل غضب یہ ہے کہ علماء وصوفیاء سب غیر مقصود کے درپے ہیں۔مقصود سے اکثر غافل ہیں بلکہ کوسوں دور ہیں۔(تحفۃ العلماء)

علماء کی فضیلت منجانب اللہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

علماء کی فضیلت مکتسب نہیں من جانب اللہ ہے کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتی جیسا

بعضے بددین اس کی کوشش کرتے ہیں۔ (ملفوظات ج ۲۶)

علم دنیا کے مقابلے میں علم دین پر فخر

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اپنی خود ستائی تو نہیں کرنی چاہیے مگر تمہیں سمجھانے کیلئے بتاتا ہوں' میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حدیث شریف سے میں فارغ ہو چکا تھا' اگلی پچھلی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ میرے دوستوں نے مولوی فاضل کیلئے یونیورسٹی میں داخلے لے لئے کہ اپنی ذاتی تیاری کر کے امتحان دے دیں گے' مولوی فاضل بن جائیں گے۔ اس کے ذریعہ کوئی سرکاری ملازمت مل جائے گی۔ میرے دو ساتھی تھے۔ جنہوں نے مولوی فاضل میں داخلہ لے لیا تھا اور اس کی تیاری کر رہے تھے جب بھی تکرار کیلئے بیٹھتا' مجھ سے کہتے کہ تم بھی امتحان دے لو' میں کہتا کہ غریب آدمی ہوں' 80 روپے داخلہ فیس ہے' اتنی میں کہاں سے ادا کروں گا؟ ایک دن ان میں سے ایک ساتھی کہنے لگا کہ تمہاری فیس میں ادا کروں گا۔ تم داخلے کیلئے آمادہ ہو جاؤ میں نے کہا سچ کہتے ہو؟ کہنے لگا بالکل؟ میں نے کہا کہ پہلے تو میں تمہیں ٹالتا تھا مگر اب اصل جواب سنو وہ یہ کہ اگر یونیورسٹی کی جانب سے میرے نام خط آئے اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ آپ کا داخلہ بغیر فیس کے منظور کیا جاتا ہے' آپ ازراہ کرم فلاں تاریخ کو ہماری امتحان گاہ تشریف لے آئیں' آ کر بیٹھ جائیں' کچھ نہ لکھیں' سادہ کاغذ چھوڑ کر چلے جائیں' ایک سطر بھی نہ لکھیں' آپ پر کوئی پابندی نہیں اور آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اس کے باوجود آپ کو یونیورسٹی میں سب سے اول نمبر قرار دیا جائے گا۔ بس آپ امتحان گاہ میں قدم رکھنے کی زحمت فرمائیں۔

میں نے کہا! اگر بالفرض یونیورسٹی کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا خط آ بھی جائے تب بھی میں یونیورسٹی کی امتحان گاہ میں قدم رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی کیا چیز ہے' یہ عہدے اور یہ ڈگریاں کیا چیز ہیں۔ مجھے اپنی نالائقی کے باوجود اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام پڑھا ہے اس کے بعد مجھے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں۔ (واقعات ومشاہدات)

علم کا مقصد معرفت خداوندی

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں

''شریعت اسلامی نے جس طرح شریعت اور دین کے علم کی طرف توجہ دلائی ہے اسی طرح سے ابدان کا علم اور ضروریات زندگی کے علوم مثلاً سائنس اور فلسفہ وغیرہ کی طرف بھی توجہ دلائی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ادیان کا علم اصل مقصود ہے اور ابدان کا علم اس کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں کا مقصد معرفت خداوندی ہے''۔(جواہر حکمت)

علم کی روشنی کی وسعت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دنیا میں علم کی دولت سب سے بڑی ہے اور علم کی روشنی سب سے بڑی روشنی ہے۔ آپ کو سورج کی روشنی بڑی معلوم ہوتی ہے پورے عالم میں پھیلی دکھائی دیتی ہے مگر اس کے ذریعے صرف رنگ اور صورت کا علم ہوتا ہے لیکن علم کی روشنی اسلام اور کفر میں فرق بتلاتی ہے سنت و بدعت میں امتیاز سکھلا دیتی ہے اور حق و باطل کی پہچان کا ذریعہ ہوتی ہے''۔(جواہر حکمت)

علماء کیلئے کسب بالید کی فضیلت وضرورت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''والنا له الحدید'' (سورہ سبا) اور ہم نے اس کیلئے لوہے کو نرم کر دیا۔

بعض علماء کسب بالید اور محنت اور مزدوری کو اپنے لئے باعث عار جانتے ہیں اور عوام کا ذہن بھی کچھ ایسا بن گیا ہے کہ ان کیلئے یہ بات کسی عجوبے سے کم نہیں کہ عالم دین ہو اور محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ کرے جبکہ علماء تو علماء انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی مختلف پیشے اختیار کئے اور اپنے دست و بازو سے اپنے لئے معاش کا انتظام کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے اور کپڑے بننے کا کام بھی آپ ہی سے شروع ہوا۔ دراہم اور اشرفیاں بھی حضرت آدم علیہ السلام نے بنائیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نجاری یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام تاجر تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام نے کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام مویشی پالتے تھے اور ان کا دودھ اور اون وغیرہ فروخت کرتے

تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیشہ گلہ بانی تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام عظیم سلطنت کے بادشاہ ہونے کے باوجود اپنی گزر بسر کیلئے ٹوکریاں اور زنبیلیں بناتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجرت لے کر بکریاں بھی چرائیں اور تجارت بھی کی۔

انبیاء کرام علیہم السلام نے جو ان مختلف پیشوں کو اختیار کیا تو اصل میں اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اس کی تلقین کی اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت کے بغیر نہیں کرتے تو اس میں ایک حکمت تو یہ نظر آتی ہے کہ حلال روزی کا کمانا ہر عام اور خاص پر لازم ہے۔ دوسری یہ کہ امتیوں کو ترغیب دینا ہے کہ وہ بھی کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کریں اور کسب معاش کی کوئی جائز صورت نکالیں۔ تیسری یہ کہ کوئی ان مقتداؤں کو یہ طعنہ نہ دے کر بھیک مانگنے اور دوسروں کے ٹکڑوں پر نظر رکھنے والے ہیں۔ چوتھی یہ کہ کوئی اللہ کا بندہ کسی بھی جائز پیشے والے کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور نہ ہی اسے کاشتکار ہونے یا نجار اور درزی ہونے یا چرواہا اور مزدور ہونے کا طعنہ دے اس لئے کہ اس طعنہ کا اثر بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے ان منتخب اور برگزیدہ بندوں تک بھی پہنچ سکتا ہے جنہوں نے ان پیشوں کو اختیار کر کے انہیں شرف فضیلت بخشا۔

اس کے علاوہ علماء سلف کے حالات کا مطالعہ کریں تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی قسم کی معاشی جدوجہد کو اپنے لئے باعث عار نہیں جانتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور امام داؤد بن ابی ہند رحمہ اللہ کپڑے کے تاجر تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد حسن بن ربیع کوفی رحمہ اللہ بوریئے بیچتے تھے ان کا لقب ہی بواری پڑ گیا۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ تانبے کی تجارت کرتے تھے۔ حافظ الحدیث ابن رومیہ رحمہ اللہ دوائیں بیچتے تھے۔ ابوالفضل رحمہ اللہ دمشقی نجار تھے۔ امام ابن خاضیہ رحمہ اللہ ابوسعید نحوی رحمہ اللہ اور ابن طاہر رحمہ اللہ کتابت کرتے تھے۔ فقہ کی مشہور کتاب مختصر القدوری کے مصنف کا نام قدوری اس لئے پڑ گیا کہ وہ ہنڈیا بناتے تھے (عربی زبان میں ہنڈیا کو قدر کہا جاتا ہے) کسی صاحب علم کو کسب بالید سے عار ہو بھی کیسے سکتی ہے جبکہ رزق حلال کمانے کے بے شمار فضائل احادیث میں وارد ہیں اور دنیا بھر کے دانش وروں نے اس کی اہمیت اور عظمت کو واضح کیا ہے۔

بخاری شریف میں مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی شخص نے اس کھانے سے اچھا کبھی نہیں کھایا جو وہ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتا ہے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کھاتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے پاکیزہ مال جو تم کھاتے ہو وہ ہوتا ہے جو تمہاری اپنی کمائی سے ہوتا ہے۔(ترمذی، نسائی)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حلال روزی کمانا فرض کے بعد فرض ہے۔(مشکوۃ)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انسان کا اپنے ہاتھ سے محنت کرنا اور ہر جائز تجارت۔(مشکوۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ''اگر میں ایسی حالت میں مر جاؤں کہ اپنی محنت سے اپنی روزی تلاش کرتا ہوں تو مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ خدا کی راہ میں نمازی ہو کر مروں''۔(اخلاقیات)

اس سے یہ نتیجہ ہرگز اخذ نہ کیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں نماز کی اہمیت نہ تھی وہ تو عامل بھی اسے ہی مقرر کرتے تھے جس کی نماز اچھی ہوتی تھی بلکہ غالباً آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رزق حلال کا کمانا نماز سے بھی اہم ہے کیونکہ نماز حقوق اللہ میں سے ہے اور رزق حرام میں حقوق العباد کو تلف کرنا پڑتا ہے اور قیامت کے دن حقوق اللہ تو معاف تو ہو سکتے ہیں مگر حقوق العباد کا معاملہ مشکل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں ہے کہ انہوں نے فرمایا ''کسی مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ تلاش رزق میں بیٹھ جائے اور دعا کرے کہ اے خدا مجھ کو رزق دے کیونکہ تم جانتے ہو کہ آسمان سے سونا اور چاندی نہیں برستا''۔

مقصود یہ ہے کہ دعاء کے ساتھ محنت اور جدوجہد بھی ہونی چاہئے۔(خزینہ)

اہل علم کا شان بے تکلفی اور تواضع

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

اہل علم کی شان ہی جدا ہوتی ہے پچھلی شہر میں میرا قیام تھا باہر سے ایک اور عالم آ گئے اور وہ عالم ہم سے عقائد میں اختلاف رکھتے تھے جمعہ کا دن تھا وہ عالم ممبر کے پاس مصلے کے قریب بیٹھے تھے امام ان کے معتقد تھے میں ذرا فاصلہ سے بیٹھا تھا اب جماعت کا وقت آیا امام نے ان صاحب سے کہا کہ آپ نماز پڑھایئے مگر لوگوں کا خیال اس کے مخالف تھا کہ میں نماز پڑھاؤں ایک تحصیلدار صاحب کو عوام کے اس خیال کی اطلاع تھی انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نماز پڑھائیں میں نے با آواز بلند کہا کہ مجھ کو امام کی اجازت نہیں یہ میں نے اس لئے کہا کہ امام سن کر شاید اجازت دیدیں کیونکہ وہ عالم غیر مقلد تھے اور وہ ممبر کے قریب پہنچ چکے تھے امام تو کچھ بولے نہیں مگر ان تحصیلدار صاحب نے ایک دم بڑی بے تکلفی سے میری بغلوں میں ہاتھ دیکر مجھ کو کھڑا کر دیا کہ آپ نماز پڑھائیں میں کھڑا ہو گیا اور یہ خیال کیا کہ اب نماز نہ پڑھانے میں اندیشہ فتنہ کا ہے۔ میں نے خطبہ اور نماز پڑھائی وہ مولوی صاحب بے چارے اپنی جگہ پر جا بیٹھے کلام اس پر تھا کہ علم کی شان ہی اور ہوتی ہے اور یہ تحصیلدار صاحب علم تھے اس لئے علمی مناسبت سے بے تکلف بغلوں میں ہاتھ دے کر مجھ کو کھڑا کر دیا اسی طرح شاہجہانپور میں ایک کورٹ انسپکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی بظاہر ان کی وضع خلاف ثقات تھی مگر ان کی طرف میرے دل کو کشش ہوتی تھی میں متعجب تھا کہ کیوں کشش ہوتی ہے معلوم ہوا کہ عالم ہیں کتنا ہی بڑا آدمی ہو مگر عالم ہو تو اس میں بے تکلفی اور تواضع ضرور ہوگی۔ (ملفوظات ج ۴)

سلف کا زہد فی الدنیا کا حال

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

ان بزرگان سلف کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گویا اس دنیا میں رہتے ہی نہیں تھے کسی اور ہی عالم میں رہتے تھے ان کی بات چیت بھی اور رنگ کی کھانا پینا بھی اور ہی رنگ کا ہر کام میں رنگ ہی اور تھا اور ساری عمر اسی میں ختم کر گئے کیا ٹھکانہ ہے ان حضرات کے تعلق مع اللہ کا اور کسی کام کے رہے ہی نہ تھے۔ (ملفوظات ج ۳)

علم حقیقی بڑی نعمت ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں.

علم بھی خداداد عطاء ہے اور اس علم سے مراد علم حقیقی ہے اللہ تعالیٰ جس کو بھی یہ علم حقیقی عطا فرمادیں بڑی دولت ہے بڑی نعمت ہے اور وہ اس علم ظاہری مکتسب کے بھلا دینے کے بعد عطا ہوتا ہے جس کی یہ شان ہے۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید واوستا

اور بھلانے سے مراد اس کے دعوے کا ترک کر دینا۔ (ملفوظات ج ۷)

دینی حالت کی بربادی کا سبب

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس نیچریت کی بدولت زیادہ تر لوگوں کی دینی حالت برباد ہوئی ان کے یہاں ہر چیز کا معیار اور مدار محض عقل ہے لیکن موٹی بات ہے کہ مخلوق احکام خالق کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے اور عقل بھی تو مخلوق ہی ہے وہ کہاں تک پرواز کرے گی کہیں نہ کہیں جا کر اس کی دوڑ ختم ہو جائے گی۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اس لئے سخت ضرورت ہے کہ اب سب چیزوں کو وحی کے تابع بنا کر کام میں لگے۔ بدون وحی کے اتباع کے راہ کا ملنا کارے دارد۔ پس اصل چیز ہے وحی اور اگر نری عقل پر مدار رہے تو عقل کا ایک اقتضا تو یہ بھی ہے جیسا ایک شخص نے کہا تھا وہ اپنی ماں سے بدکاری کیا کرتا تھا کسی نے کہا کہ ارے خبیث یہ کیا حرکت ہے تو کہتا ہے کہ جب میں سارا ہی اس کے اندر تھا تو اگر میرا ایک جزو اس کے اندر چلا گیا تو حرج کیا ہوا یہ حکم بھی تو عقلیات میں سے ہو سکتا ہے ایک شخص گوہ کھایا کرتا تھا اور منع کرنے پر کہا کرتا تھا کہ جب یہ میرے ہی اندر تھا تو پھر اگر میرے ہی اندر چلا جائے تو اس میں کیا حرج ہے تو ان چیزوں کو عقل کے فتویٰ سے جائز رکھا جائے گا ایسے ہی یہ آج کل کے عقلا ہیں غرض عقل کا اتباع بدون وحی کے کرنا بالکل ان ہی واقعات کا مصداق ہے چنانچہ اب بھی نتیجہ یہی ہو رہا ہے اور ہو گا کہ گوہ کھائیں گے اور کھا رہے ہیں ایسی ہی عقل کی نسبت مولنا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

آج کل کے عاقل محض آکل ہیں عقل کی ایک بات بھی نہیں ہر وقت اکل کی فکر ہے ارے کیوں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہو جب تک وحی کا اتباع نہ کرو گے میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ راہ نہیں مل سکتا راہ ملنے کا طریقہ صرف انقیاد اور اطاعت ہے۔ جب تک وحی کے سامنے اپنی عقل کو اپنی راؤں کو نہ مٹادو گے اور فنا نہ کردو گے اس وقت تک ہرگز منزل مقصود کا پتہ نہ چلے گا۔ (ملفوظات ج ٦)

علم دین کی دو قسمیں فرض عین، فرض کفایہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم دین کی دو مقداریں ہیں ایک یہ کہ ضروری عقائد کی تصحیح کی جائے۔ فرض عبادتوں کے ضروری ارکان وشرائط واحکام معلوم ہوں معاملات ومعاشرات جن سے اکثر سابقہ پڑتا ہے ان کے ضروری احکام معلوم ہوں مثلاً نماز کن چیزوں سے فاسد ہوجاتی ہے کن کن صورتوں پر سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے اگر سفر پیش آجائے تو کتنے سفر میں قصر ہے اگر امام کے ساتھ پوری نماز نہ ملے تو بقیہ نماز کس طرح پوری کرے قضا کے کیا احکام ہیں زکوٰۃ کن احوال میں واجب ہے اور اس کی ادائیگی کے کیا کیا شرائط ہیں اسی طرح حج وصوم کے احکام اور یہ کہ نکاح کن کن عورتوں سے حرام ہے۔ کن الفاظ سے نکاح جاتا رہتا ہے ولایت نکاح اور عورت کے کیا احکام ہیں رضاعت کے اثر سے کون کون سے رشتے حرام ہوجاتے ہیں۔ مبادلہ اموال (معاملات) میں کیا کیا رعایت واجب ہے اجرت ٹھہرانے میں کون کون سی صورتیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز ہیں۔ نوکریاں کون جائز اور کون ناجائز ہیں اگرچہ بدقسمتی سے ناجائز میں مبتلا ہو مگر ناجائز کو ناجائز تو سمجھے گا اور دو جرموں کا مرتکب نہ ہوگا ایک تو ناجائز کا ارتکاب دوسرے اس کو جائز سمجھنا اگر کوئی صاحب حکومت ہو تو اس کو فیصلہ مقدمات کے شرعی قوانین کا بھی علم ہونا چاہیئے گو ان کے نافذ کرنے پر قادر نہ ہو مگر جاننا اس لیے واجب ہے کہ شرعی فیصلوں کے ناحق اور غیر شرعی کے حق ہونے کا اعتقاد نہ کر بیٹھے ماکولات ومشروبات (کھانے پینے کی چیزوں میں) کیا جائز اور کیا ناجائز ہے اسباب تفریح میں کس کا استعمال درست ہے اور کس کا نادرست۔

باطنی اخلاق میں محمود و مذموم کا امتیاز ہو اس کے علاج کا طریقہ معلوم ہو مثلاً ریا، کبر،

غضب، حرص طمع، ظلم وغیرہ کی حقیقت جانتا ہو تاکہ اپنے اندر ان کا ہونا نہ ہونا معلوم ہو اور ہونے کی صورت میں ان کے ازالہ کی تدبیر کر سکے اور کوتاہی پر استغفار کرے۔

علم دین کی یہ مقدار عام طور پر ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر اکثر اوقات حق تعالیٰ کی ناراضگی اور معصیت میں مبتلا ہوگا۔ جن لوگوں نے بعض علوم کو فرض عین فرمایا ہے اس بعض سے یہی مقدار مراد ہے اور فرض عین کا یہی مطلب ہے کہ یہ سب کے لئے عام طور پر ضروری ہے۔ (حقوق العلم، تجدید تعلیم)

فرض عین کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر شخص اس کا مکلف ہے جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا وہ گناہ گار ہوگا۔ (حقوق علم)

فرض کفایہ

دوسری مقدار یہ ہے کہ اپنی ضروریات سے تجاوز کر کے مجموعہ قوم کی ضرورتوں پر لحاظ کر کے نیز دوسری قوموں کے شبہات سے اسلام کو جس مضرت کا اندیشہ ہے اس پر نظر کر کے معلومات دینیہ کا ایسا وافی ذخیرہ (مع اس کے متعلقات ولواحق اور آلات وخوادم کے) جو مذکورہ ضرورتوں کیلئے کافی ہو یہ مقدار فرض علی الکفایہ ہے یہ انتظام ضروری ہے کہ کافی تعداد میں ایک معتد بہ جماعت ایسی ہو جو ہر طرح علوم دینیہ میں کامل مکمل محقق و تبحر ہوں اور عمر کا بڑا حصہ ان علوم کی تحصیل میں اور ساری عمر ان کی خدمت واشاعت میں صرف کریں اور اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہو۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی جماعت کا تذکرہ ہے۔ ''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ'' اور حدیثوں میں اصحاب صفہ کی یہی مثال ہے اور عام مسلمان اس جماعت سے تقریراً اور تحریراً اپنی ضروری دینی حاجتیں رفع کیا کریں۔ (حقوق العلم ص ۱۰ تجدید تعلیم ص ۲۱) خوب سمجھ لو کہ پورا عالم بننا تو فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں لیکن بقدر ضرورت دین کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔ (التبلیغ ص ۲۱۳ ج ۱۰) فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ہر مقام پر ایک ایسی جماعت قائم رہے جو ان ضرورتوں کو پورا کر سکے تو سب مسلمان گناہ سے بچے رہیں گے ورنہ سب گناہ میں شریک ہونگے۔ (حقوق العلم)

اسلاف کا علمی ولولہ اور اس میں انہماک

دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں علمی کاوشیں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: چونکہ اصل دین کلمۂ توحید ہے اور وہی سب کمالات کی بنیاد ہے۔ جب تک وہ نہ ہو کوئی کار خیر بھی مقبول نہیں۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمت بالخصوص ابتدائی زمانہ میں زیادہ تر کلمۂ توحید کے پھیلانے اور کفار سے جہاد کرنے میں مشغول تھی۔ اور وہ علمی انہماک کے لئے فارغ و یکسو نہ تھے لیکن اس کے باوجود ان مشاغل کے ساتھ ان کا انہماک اور شوق و شغف جس کا ثمرہ آج چودہ سو برس تک علوم قرآن و حدیث کا بقاء ہے' ایک کھلی ہوئی چیز ہے۔ ابتدائے اسلام کے بعد جب کچھ فراغت ان حضرات کو میسر ہو سکی اور جماعت میں بھی کچھ اضافہ ہوا تو آیت کلام اللہ

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ

نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ وہ قوم کو جب وہ ان کے پاس واپس آویں' ڈرادیں تاکہ وہ احتیاط رکھیں۔ (بیان القرآن)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا اور اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ سے عموم معلوم ہوتا ہے اس کو مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً نے منسوخ کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جامعیت عطا فرمائی تھی۔ اور اس وقت کے لئے یہ چیز نہایت ہی ضروری تھی کہ وہی ایک مختصر سی جماعت دین کے سارے کام سنبھالنے والی تھی۔

دورِ تابعینؒ میں علمی شعبہ میں ترقی

مگر تابعین کے زمانہ میں جب اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی بڑی جماعت اور جمعیت

ہوگئی نیز صحابۂ کرام جیسی جامعیت بھی باقی نہ رہی تو ہر ہر شعبہ دین کے لئے پوری توجہ سے کام کرنے والے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔ محدثین کی مستقل جماعت بنی شروع ہوگئی جن کا کام احادیث کا ضبط اور اُن کا پھیلانا تھا۔ فقہاء کی علیحدہ جماعت ہوئی۔ صوفیا قراء مجاہدین غرض دین کے ہر ہر شعبہ کو مستقل سنبھالنے والے پیدا ہوئے۔ اس وقت کے لئے یہ ہی چیز مناسب اور ضروری تھی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہر شعبہ میں کمال اور ترقی دشوار تھی۔ اس لئے کہ ہر شخص تمام چیزوں میں انتہائی کمال پیدا کرلے یہ بہت دشوار ہے۔ یہ صفت حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ہی کو عطا فرمائی تھی۔ اسلئے اس بات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور دیگر حضرات کے واقعات بھی ذکر کئے جائیں گے۔

فتوے کا کام کرنے والی جماعت کی فہرست

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کی مشغولی کے باوجود سب ہی علمی مشغلہ میں ہر وقت منہمک تھے اور ہر شخص ہر وقت جو کچھ حاصل کرلیتا تھا، اسکو پھیلانا پہنچانا یہی اس کا مشغلہ تھا۔ لیکن ایک جماعت فتوے کے ساتھ مخصوص تھی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی فتوے کا کام کرتی تھی۔ وہ حضرات حسب ذیل ہیں:

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، عمار بن یاسرؓ، حذیفہؓ، سلمان فارسیؓ، زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰؓ، ابوالدرداؓ، رضی اللہ عنہم اجمعین (تلقیح)

فائدہ: یہ ان حضرات کے کمال علم کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ لوگ اہل فتویٰ شمار کئے جاتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کا مجموعہ کو جلا دینا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کا پانچ سو احادیث جمع کرنا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں، کروٹیں

بدل رہے ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے۔ غرض تمام رات اسی بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں' اُٹھالا' میں لے کر آئی۔ آپ نے ان کو جلا دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور یہ میرے پاس ہوں ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو اور واقع میں وہ معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو جس کا وبال مجھ پر ہو۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی احتیاط:

فائدہ: حضرت ابو بکرؓ صدیق کا یہ علمی کمال اور شغف تھا کہ انہوں نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمال احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا۔ اسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو منبروں پر بیٹھ کر بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر وقت کے حاضر باش' سفر حضر کے ساتھی' ہجرت کے رفیق' صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم میں بڑے عالم حضرت ابو بکرؓ تھے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد جب بیعت کا قصہ پیش آیا اور حضرت ابو بکرؓ صدیق نے تقریر فرمائی تو کوئی آیت اور کوئی حدیث ایسی نہیں چھوڑی جس میں انصار کی فضیلت آئی ہو اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تقریر میں نہ فرمادی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک پر کتنا عبور تھا اور احادیث کس قدر یاد تھیں۔ مگر پھر بھی بہت کم روایتیں حدیث کی آپ سے منقول ہیں۔ یہی راز ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں۔

تبلیغ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

مدینہ منورہ میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی تعلیمی خدمات

مصعب بن عمیرؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی اس جماعت کے

ساتھ جو سب سے پہلے منیٰ کی گھاٹی، میں مسلمان ہوئی تھی، تعلیم اور دین کے سکھانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ میں ہر وقت تعلیم اور تبلیغ میں مشغول رہتے۔ لوگوں کو قرآن شریف پڑھاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے تھے۔ اسعد بن زرارہؓ کے پاس ان کا قیام تھا اور مقرئی (پڑھانے والا، مدرس) کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ یہ دونوں سرداروں میں سے تھے۔ ان کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ سعد نے اسید سے کہا کہ تم اسعد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ تم کسی پردیسی کو اپنے ساتھ لے آئے ہو جو ہمارے ضعیف لوگوں کو بیوقوف بناتا ہے بہکاتا ہے۔

سرداروں کا اسلام لانا اور حضرت کی تعلیمی سرگرمیوں میں اضافہ

وہ اسعد کے پاس گئے اور ان سے سختی سے یہ گفتگو کی۔ اسعدؓ نے کہا کہ تم ان کی بات سن لو۔ اگر تمہیں پسند آئے قبول کرلو۔ اگر سننے کے بعد ناپسند ہو تو روکنے کا مضائقہ نہیں۔ اسید نے کہا کہ یہ انصاف کی بات ہے سننے لگے۔ حضرت مصعبؓ نے اسلام کی خوبیاں سنائیں اور کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں۔ حضرت اسیدؓ نے کہا کیا ہی اچھی باتیں ہیں اور کیا ہی بہتر کلام ہے۔ جب تم اپنے دین میں کسی کو داخل کرتے ہو تو کس طرح داخل کرتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم نہاؤ، پاک کپڑے پہنو اور کلمۂ شہادت پڑھو۔ حضرت اسیدؓ نے اسی وقت سب کام کئے اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد یہ سعد کے پاس گئے اور ان کو بھی اپنے ہمراہ لائے۔ ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی سعدؓ بن معاذ بھی مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہوتے ہی اپنی قوم بنی الاشہل کے پاس گئے ان سے جا کر کہا کہ میں تم لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر ہو۔ اس پر سعدؓ نے کہا کہ مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آؤ۔ ان کے اس کہنے سے قبیلہ اشہل کے سب مرد عورت مسلمان ہو گئے اور حضرت مصعبؓ ان کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے (تلقیح)

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عام دستور تھا کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا۔۔

مستقل ایک مبلغ ہوتا اور جو بات اسلام کی اس کو آتی تھی اس کا پھیلانا اور دوسروں تک پہنچانا اس کی زندگی کا ایک مستقل کام تھا جس میں نہ کھیتی مانع تھی نہ تجارت نہ پیشہ نہ ملازمت۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تعلیم حضرت اُبی کا علمی مقام

حضرت ابی بن کعبؓ مشہور صحابہؓ اور مشہور قاریوں میں ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ عرب میں لکھنے کا دستور نہیں تھا۔ اسلام کے بعد سے اس کا چرچا ہوا۔ لیکن یہ پہلے سے واقف تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہ کر وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ قرآن شریف کے بڑے ماہر تھے۔ اور ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں تمام قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اُمت کے بڑے قاری ابی بن کعبؓ ہیں۔ تہجد میں آٹھ راتوں میں قرآن پاک کے ختم کرنے کا اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں قرآن شریف سناؤں۔ عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیکر کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تمہارا نام لے کر کہا۔ یہ سن کر فرطِ خوشی سے رونے لگے۔

ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

مسجد نبوی میں حلقۂ درس

جُندُب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا تو مسجد نبوی میں حدیث پڑھانے والے متعدد حضرات تھے اور شاگردوں کے حلقے متفرق طور پر علیحدہ علیحدہ ہر استاد کے پاس موجود تھے میں ان حلقوں پر گذرتا ہوا ایک حلقہ پر پہنچا۔ جس میں ایک صاحب مسافرانہ ہیئت کے ساتھ صرف دو (۲) کپڑے بدن پر ڈالے ہوئے بیٹھے حدیث پڑھا رہے تھے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ بتایا کہ مسلمانوں کے سردار ابی بن کعبؓ ہیں۔ میں ان کے حلقۂ درس میں بیٹھ گیا۔ جب حدیث سے فارغ ہوئے تو گھر جانے لگے۔ میں بھی پیچھے ہو لیا۔ وہاں جا کر دیکھا' ایک پرانا سا گھر خستہ حالت' نہایت معمولی سامان' زاہدانہ زندگی۔ (طبقات)

حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کا امتحان اور کامیابی

حضرت اُبیؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرا امتحان لیا) ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف میں سب سے بڑی آیت (برکت اور فضل کے اعتبار سے) کونسی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے دوبارہ سوال فرمایا۔ مجھے ادب مانع ہوا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کیا آیۃ الکرسی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا۔ اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے ایک آیت چھوٹ گئی حضرت اُبیؓ نے نماز میں لقمہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ کس نے بتایا۔ حضرت اُبیؓ نے عرض کیا۔ میں نے بتایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرا ابھی یہ گمان تھا کہ تم نے ہی بتایا ہوگا۔ (مسند احمد)

فائدہ: یہ حضرت اُبیؓ باوجود اس علمی شغف اور قرآنِ پاک کی مخصوص خدمات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ہر غزوہ میں شریک ہوئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی جہاد ایسا نہیں جس میں ان کی شرکت نہ ہوئی ہو۔

حضرت حذیفہؓ کا اہتمام فتن حضرت حذیفہؓ کا خصوصی علم

حضرت حذیفہؓ مشہور صحابہ میں ہیں۔ صاحب السر (بھیدی) ان کا لقب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین اور فتنوں کا علم ان کو بتایا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک جتنے فتنے آنے والے ہیں سب کو نمبر وار بتایا تھا۔ کوئی ایسا فتنہ جس میں تین سو آدمیوں کے بقدر لوگ شریک ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چھوڑا بلکہ اس فتنہ کا حال اور اس کے مقتدا کا حال مع اس کے نام کے نیز اس کی ماں کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلہ کا نام صاف صاف بتا دیا تھا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں برائی کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا' تا کہ اس سے بچا جائے۔

فتنوں سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تفصیلی ارشاد

ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ یہ خیر وخوبی جس پر آج کل آپ کی برکت سے ہم لوگ ہیں اس کے بعد بھی کوئی برائی آنے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں برائی آنے والی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس برائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کر آئے گی یا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حذیفہؓ اللہ کا کلام پڑھ اور اس کے معانی پر غور کر اس کے احکام کی اتباع کر (مجھے فکر سوار تھا) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس برائی کے بعد بھلائی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں پھر بھلائی ہوگی۔ لیکن دل ایسے نہیں ہوں گے جیسے پہلے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس بھلائی کے بعد پھر برائی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں ایسے لوگ پیدا ہوجائیں گے جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے اور جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر مسلمانوں کی کوئی متحدہ جماعت ہو اور ان کا کوئی بادشاہ ہو تو اس کے ساتھ ہوجانا ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا یا کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ اور مرنے تک وہیں بیٹھے رہنا۔

منافقوں کے متعلق معلومات

چونکہ ان کو منافقوں کا حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا بتلا دیا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ ان سے دریافت کیا کرتے تھے کہ میرے حکام میں کوئی منافق تو نہیں ایک مرتبہ اُنہوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے لیکن میں نام نہیں بتاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا۔ غالباً اپنی فراست سے پہچان لیا ہوگا۔ جب کوئی شخص مر جاتا تو حضرت عمرؓ تحقیق فرماتے کہ حذیفہؓ ان کے جنازے میں شریک ہیں یا نہیں۔ اگر حذیفہؓ شریک ہوتے تو حضرت عمرؓ بھی نماز پڑھتے۔ ورنہ وہ بھی نہ پڑھتے۔

انتقال کے وقت خوف کا غلبہ

حضرت حذیفہؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو نہایت گھبراہٹ اور بے چینی میں رو رہے تھے لوگوں نے دریافت کیا۔ فرمایا کہ دنیا کے چھوٹنے پر نہیں رو رہا ہوں بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے البتہ اس پر رو رہا ہوں کہ مجھے اس کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پر جا رہا ہو

خوشنودی پر اس کے بعد کہا کہ یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے۔ یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے۔ اس لئے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما۔ (ابوداؤد واسد الغابہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا احادیث کو حفظ کرنا

روایت حدیث میں آپؓ کی خصوصیت

حضرت ابو ہریرہؓ نہایت مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں اور اتنی کثرت سے حدیثیں اُن سے نقل ہیں کہ کسی دوسرے صحابی سے اتنی زیادہ نقل کی ہوئی موجود نہیں۔ اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ ۷ھ میں یہ مسلمان ہو کر تشریف لائے اور ۱۱ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اتنی قلیل مدت میں جو تقریباً چار برس ہوتی ہے اتنی زیادہ حدیثیں کیسے یاد ہوئیں۔ خود حضرت ابو ہریرہؓ اس کی وجہ بتاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ بہت روایتیں نقل کرتے ہیں۔ میرے مہاجر بھائی تجارت پیشہ تھے بازار میں آنا جانا پڑتا تھا اور میرے انصار بھائی کھیتی کا کام کرتے تھے اس کی مشغولی ان کو درپیش رہتی تھی اور ابو ہریرہؓ اصحاب صفہ کے مساکین میں سے ایک مسکین تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جو کچھ کھانے کو مل جاتا تھا اس پر قناعت کئے پڑا رہتا تھا۔ ایسے واقعات میں موجود ہوتا تھا۔ جس میں وہ نہیں ہوتے تھے اور ایسی چیزیں یاد کر لیتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حافظہ کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چادر بچھا میں نے چادر بچھائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا۔ اس چادر کو ملالے۔ میں نے اپنے سینہ سے ملالیا۔ اس کے بعد سے کوئی چیز نہیں بھولا (بخاری)

اصحابِ صفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

فائدہ: اصحاب صفہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا خانقاہ کے رہنے والے تھے ان حضرات کے اخراجات کا کوئی خاص نظم نہیں تھا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے جو کہیں سے کچھ ہدیہ یا صدقہ کے طور پر آتا تھا۔ اس پر ان کا زیادہ تر گذر تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔ بسا اوقات کئی کئی وقت فاقے کے بھی

ان پر گذر جاتے تھے۔ بعض اوقات بھوک کی وجہ سے جنون کی سی حالت ہو جاتی تھی لیکن اس کے باوجود احادیث کا کثرت سے یاد کرنا ان کا مشغلہ تھا جس کی بدولت آج سب سے زیادہ احادیث انہی کی بتائی جاتی ہیں ابن جوزیؒ نے تلقیح میں لکھا ہے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) حدیثیں اُن سے مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ نے جنازہ کے متعلق ایک حدیث بیان کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص جنازہ کی نماز پڑھ کر واپس آ جائے اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک شریک رہے اس کو دو قیراط ثواب ملتا ہے اور ایک قیراط کی مقدار اُحد کے پہاڑ سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس حدیث میں کچھ تردد ہوا۔ اُنہوں نے فرمایا۔ ابو ہریرہؓ سوچ کر کہو ان کو غصہ آ گیا۔ سیدھے حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور جا کر عرض کیا کہ میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں' یہ قیراط والی حدیث آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ اُنہوں نے فرمایا' ہاں سُنی ہے۔ ابو ہریرہؓ فرمانے لگے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تو باغ میں کوئی درخت لگانا تھا' نہ بازار میں مال بیچنا تھا' میں تو حضور کے دربار میں پڑا رہتا تھا اور صرف یہ کام تھا کہ کوئی بات یاد کرنے کو مل جائے یا کچھ کھانے کو مل جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ بے شک تم ہم لوگوں سے زیادہ حاضر باش تھے اور احادیث کو زیادہ جاننے والے (مسند احمد) اس کے ساتھ ہی ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں بارہ ہزار مرتبہ روزانہ استغفار پڑھتا ہوں اور ایک تاگہ اُن کے پاس تھا جس میں ایک ہزار گرہ لگی ہوئی تھی' رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک اس کو سبحان اللہ کے ساتھ پورا نہیں کر لیتے تھے۔ (تذکرہ)

قتل مسیلمہ و قرآن کا جمع کرنا

فتنۂ ارتداد کا انسداد اور جمع قرآن کا انتظام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسیلمہ کذاب کا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا' اثر بڑھنے لگا۔ اور چونکہ عرب میں ارتداد بھی

زور شور سے شروع ہو گیا تھا اس سے اس کو اور بھی تقویت پہنچی۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اس سے لڑائی کی۔ حق تعالیٰ نے اسلام کو قوت عطا فرمائی اور مسیلمہ قتل ہوا۔ لیکن اس لڑائی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی بالخصوص قرآن پاک کے حافظوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوئی۔ حضرت عمرؓ، امیر المؤمنین حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس لڑائی میں قاری بہت شہید ہو گئے۔ اگر اسی طرح ایک دو لڑائی میں اور شہید ہو گئے تو قرآن پاک کا بہت سا حصہ ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اس کو ایک جگہ لکھوا کر محفوظ کر لیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا۔ ایسے کام کی کیسے جرأت کرتے ہو جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ اس پر اصرار فرماتے رہے اور ضرورت کا اظہار کرتے رہے بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے بھی موافق ہو گئی تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری

زیدؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ بھی تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اول اپنی اور حضرت عمرؓ کی ساری گفتگو نقل فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم جوان ہو اور دانشمند، تم پر کسی قسم کی بدگمانی بھی نہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تم وحی کے لکھنے پر مامور رہ چکے ہو۔ اس لئے اس کام کو تم کرو۔ لوگوں کے پاس سے قرآن پاک جمع کرو اور اس کو ایک جگہ نقل کر دو۔ زیدؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے یہ حکم فرماتے کہ فلاں پہاڑ کو توڑ کر ادھر سے اُدھر منتقل کر دو تو یہ حکم بھی میرے لئے قرآن پاک جمع کرنے کے حکم سے سہل تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات ایسا کام کس طرح کر رہے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ وہ حضرات مجھے سمجھاتے رہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے زیدؓ سے کہا کہ اگر تم عمرؓ کی موافقت کرو تو میں اس کا حکم دوں اور نہیں تو پھر میں بھی ارادہ نہ کروں۔ زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ طویل گفتگو کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے میرا بھی اس جانب شرح صدر فرما دیا کہ قرآن پاک کو یکجا جمع کیا جائے۔ چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد

میں لوگوں کے پاس جو قرآن شریف متفرق طور پر لکھا ہوا تھا اور جو ان حضرات صحابہ کرامؓ کے سینوں میں بھی محفوظ تھا۔ سب کو تلاش کر کے جمع کیا (در)

فائدہ: اس قصہ میں اول تو ان حضرات کے اتباع کا اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کا منتقل کرنا ان کے لئے اس سے سہل تھا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس کے بعد کلامِ پاک کا جمع کرنا جو دین کی اصل ہے۔ اللہ نے ان حضرات کے اعمال نامہ میں رکھا تھا پھر حضرت زیدؓ نے اتنا اہتمام اس کے جمع فرمانے میں کیا کہ کوئی آیت بغیر لکھی ہوئی نہیں لیتے تھے۔ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں ان ہی سے جمع کرتے تھے اور حفاظ کے سینوں سے اس کا مقابلہ کرتے تھے اور چونکہ تمام قرآن شریف متفرق جگہوں میں لکھا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی تلاش میں گو محنت ضرور کرنا پڑی مگر سب مل گیا۔ ابی بن کعبؓ جن کو خود حضور نے قرآن پاک کا سب سے زیادہ ماہر بتایا اُن کی اعانت کرتے تھے۔ اس محنت سے کلام اللہ شریف کو ان حضرات نے سب سے پہلے جمع فرمایا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی احتیاط

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خصوصیات

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بڑے مشہور صحابہ میں ہیں اور ان صحابہؓ میں شمار ہیں جو فتوے کے مالک تھے۔ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کی ہجرت بھی کی تھی۔ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں اور مخصوص خادم ہونے کی وجہ سے صاحب النعل، صاحب الوسادۃ، صاحب المطہرۃ۔ جوتے والے، تکیہ والے، وضو کے پانی والے، یہ القاب بھی انکے ہیں۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خدمتیں اکثر اُن کے سپرد رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ امیر بناؤں تو عبداللہ بن مسعودؓ کو بناؤں حضور کا یہ بھی ارشاد تھا کہ تمہیں ہر وقت حاضری کی اجازت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف بالکل ایسی طرح پڑھنا ہو جس طریقے سے اُترا ہے تو عبداللہ بن مسعودؓ کے طریقہ کے

موافق پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ابن مسعودؓ جو حدیث تم سے بیان کریں اس کو سچ سمجھو۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب یمن سے آئے تو ایک زمانہ تک ابن مسعودؓ کو اہل بیت میں سے سمجھتے رہے اس لئے کہ اتنی کثرت سے ان کی اور ان کی والدہ کی آمد ورفت حضور کے گھر میں تھی جیسی گھر کے آدمیوں کی ہوتی ہے۔ (بخاری)

روایت حدیث کی ذمہ داری کا احساس

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ابو عمرو شیبانیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعودؓ کے پاس رہا۔ میں نے کبھی اُن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بات کرتے نہیں سنا۔ لیکن کبھی اگر حضور کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے تھے تو بدن پر کپکپی آ جاتی تھی۔ عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو ایک سال تک ابن مسعودؓ کے پاس آتا رہا' میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے بات کرتے نہیں سنا۔ ایک مرتبہ حدیث بیان فرماتے ہوئے زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو بدن کانپ گیا آنکھوں میں آنسو بھر آئے' پیشانی پر پسینہ آ گیا' رگیں پھول گئیں اور فرمایا ان شاء اللہ یہی فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب تھا یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم فرمایا (مقدمہ او جزء مسند احمد)

فائدہ: یہ بھی ان حضرات صحابہ کرام کی احتیاط حدیث شریف کے بارہ میں' اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجودیکہ مسائل حضور کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدانخواستہ جھوٹ نکل جائے۔ اسکے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک و بے تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں ذرا بھی نہیں جھجکتے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔ فقہ حنفی انہی عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ تر لیا گیا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث کیلئے جانا
ایک حدیث کے لئے مدینہ سے دمشق کا سفر

کثیرؒ بن قیس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو الدرداءؓ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔

ایک شخص اُن کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں مدینہ منورہ سے صرف ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ابوالدرداءؓ نے پوچھا کوئی اور تجارتی کام نہیں تھا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ ابوالدرداءؓ نے پوچھا کہ کوئی دوسری غرض تو نہ تھی۔ کہا نہیں، صرف حدیث ہی معلوم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کوئی راستہ علم حاصل کرنے کے لئے چلتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لئے جنت کا راستہ سہل فرمادیتے ہیں اور فرشتے اپنے پر طالب علم کی خوشنودی کے واسطے بچھادیتے ہیں اور طالب علم کے لئے آسمان زمین کے رہنے والے استغفار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ مچھلیاں جو پانی میں رہتی ہیں وہ بھی استغفار کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسا کہ چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں۔ جو شخص علم کو حاصل کرتا ہے وہ ایک بڑی دولت کو حاصل کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا مقام:

فائدہ: حضرت ابوالدرداءؓ فقہائے صحابہؓ میں سے ہیں۔ حکیم الامت کہلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے وقت میں تجارت کیا کرتا تھا۔ میں نے مسلمان ہونے کے بعد چاہا کہ تجارت اور عبادت دونوں کو جمع کروں مگر دونوں اکٹھی نہ رہ سکیں تو مجھے تجارت چھوڑنا پڑی۔ اب میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ بالکل دروازہ ہی پر دکان ہو جس کی وجہ سے ایک بھی نماز فوت نہ ہو اور روزانہ چالیس دینار کا نفع ہو اور میں ان سب کو صدقہ کردوں۔ کسی نے پوچھا کہ ایسی تجارت سے کیوں خفا ہوئے کہ نماز بھی نہ جائے اور اتنا نفع روزانہ کا اللہ کے راستہ میں خرچ ہو۔ پھر بھی پسند نہیں کرتے فرمایا۔ حساب تو دینا ہی پڑے گا۔ ابوالدرداءؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے موت سے محبت ہے، اپنے مولیٰ سے ملاقات کے شوق میں۔ اور فقر سے محبت ہے، تواضع کے واسطے۔ اور بیماری سے محبت ہے گناہ کے دُھلنے کے واسطے۔ (تذکرہ)

علم حدیث کیلئے امام شعبیؒ اور امام بخاریؒ کی خدمات

اوپر کے قصہ میں ایک حدیث کی خاطر اتنا طویل سفر کیا ہے۔ ان حضرات کے ہاں حدیث حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا کچھ اہم نہیں تھا ایک ایک حدیث سننے اور معلوم کرنے کے لئے دور دور کا سفر طے کر لینا ان حضرات کو بہت سہل تھا۔ شعبیؒ ایک مشہور محدث ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ اپنے کسی شاگرد کو ایک مرتبہ حدیث سنائی اور فرمایا کہ لے گھر بیٹھے مفت مل گئی۔ ورنہ اس سے کم کے لئے بھی مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا کہ ابتداء میں حدیث کا مخزن مدینہ طیبہ ہی تھا۔ علمی شغف رکھنے والے حضرات نے بڑے بڑے طویل سفر علم کی خاطر اختیار فرمائے ہیں۔ سعید بن المسیبؒ جو ایک مشہور تابعی ہیں کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیدل چلا ہوں۔ امام الائمہ امام بخاریؒ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۰۵ھ میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی عبداللہ بن مبارکؒ کی سب تصانیف بچپن ہی میں حفظ کر لی تھیں۔ اپنے شہر میں جتنی احادیث مل سکیں۔ اُن کو حاصل کر لینے کے بعد ۲۱۶ھ میں سفر شروع کیا۔ والد کا انتقال ہو چکا تھا اس وجہ سے یتیم تھے۔ والدہ سفر میں ساتھ تھیں۔ اس کے بعد بلخ، بغداد، مکہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ، شام، عسقلان، حمص، دمشق ان شہروں میں گئے اور ہر جگہ جو ذخیرہ حدیث کا مل سکا۔ حاصل فرمایا اور ایسی نوعمری میں استادِ حدیث بن گئے تھے کہ منہ پر داڑھی کا ایک بال بھی نہ نکلا تھا۔ کہتے ہیں کہ میری اٹھارہ برس کی عمر تھی جب میں نے صحابہؓ اور تابعین کے فیصلے تصنیف کئے۔ حاشدؒ اور ان کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ ہم لوگوں کے ساتھ استاد کے پاس جایا کرتے۔ ہم لوگ لکھتے اور بخاریؒ ویسے ہی واپس آ جاتے۔ ہم نے کئی روز گذر جانے پر اُن سے کہا کہ تم وقت ضائع کرتے ہو۔ وہ چپ ہو گئے۔ جب کئی مرتبہ کہا تو کہنے لگے کہ تم نے دق ہی کر دیا۔ لاؤ تم نے کیا لکھا۔ ہم نے اپنا مجموعہ احادیث نکالا جو پندرہ ہزار حدیثوں سے زیادہ مقدار میں تھا۔ اُنہوں نے اس سب کو حفظ سُنا دیا۔ ہم دنگ رہ گئے۔

مسائل کی تحقیق کے لئے
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی کاوشیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد

میں نے ایک انصاری سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وصال ہو گیا۔ ابھی تک صحابہ کرامؓ کی بڑی جماعت موجود ہے۔ آؤ اُن سے پوچھ پوچھ کر مسائل یاد کریں۔ ان انصاری نے کہا۔ کیا ان صحابہ کرامؓ کی جماعت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ تم سے مسئلہ پوچھنے آئیں گے صحابہؓ کی بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ غرض ان صاحب نے تو ہمت کی نہیں میں مسائل کے پیچھے پڑ گیا اور جن صاحب کے متعلق بھی مجھے علم ہوتا کہ فلاں حدیث اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے' اُن کے پاس جاتا اور تحقیق کرتا۔ مجھے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ انصار سے ملا۔ بعض لوگوں کے پاس جاتا اور معلوم ہوتا کہ وہ سو رہے ہیں تو اپنی چادر وہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار میں بیٹھ جاتا۔ گو ہوا سے منہ پر اور بدن پر مٹی بھی پڑتی رہتی مگر میں وہیں بیٹھا رہتا۔ جب وہ اٹھتے تو جس بات کو معلوم کرنا تھا۔ وہ دریافت کرتا۔ وہ حضرات کہتے بھی کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہو کر کیوں تکلیف کی مجھے بلا لیتے مگر میں کہتا کہ میں علم حاصل کرنے والا ہوں اس لئے میں ہی حاضر ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔ بعض حضرات پوچھتے کہ تم کب سے بیٹھے ہو۔ میں کہتا بہت دیر سے۔ وہ کہتے کہ تم نے برا کیا۔ مجھے اطلاع کر دیتے۔ میں کہتا۔ میرا دل نہ چاہا کہ تم میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آؤ۔ حتیٰ کہ ایک وقت میں یہ بھی نوبت آئی کہ لوگ علم حاصل کرنے کے واسطے میرے پاس جمع ہونے لگے۔ تب ان انصاری صاحب کو بھی قلق ہوا کہنے لگے کہ یہ لڑکا ہم سے زیادہ ہوشیار تھا (دارمی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا علمی مقام:

فائدہ: یہی چیز تھی جس نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے وقت میں حبر الامۃ اور بحر العلم کا لقب دلوایا جب ان کا وصال ہوا تو طائف میں تھے۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادہ محمد نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ اس امت کا امام ربانی آج رخصت ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ آیتوں کے شانِ نزول جاننے میں سب سے ممتاز ہیں۔ حضرت عمرؓ ان کو علماء کی ممتاز صف میں جگہ دیتے تھے۔ یہ سب اسی جانفشانی کا ثمرہ تھا۔ ورنہ اگر یہ صاحبزادگی کے زعم میں رہتے تو یہ مراتب کیسے حاصل ہوتے۔

حصول علم کیلئے اساتذہ کرام کا احترام اور تکالیف کی برداشت

خود آقائے نامدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جن سے علم حاصل کرو۔ان کے ساتھ تواضع سے پیش آو۔ بخاریؒ میں مجاہدؒ سے نقل کیا کہ جو شخص پڑھنے میں حیا کرے یا تکبر کرے۔وہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے جس شخص نے مجھ کو ایک حرف بھی پڑھادیا میں اس کا غلام ہوں خواہ وہ مجھے آزاد کردے یا بیچ دے۔یحیٰی بن کثیرؒ کہتے ہیں کہ علم تن پروری کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم کو بے دلی اور استغناء کے ساتھ حاصل کرے وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ہاں جو شخص خاکساری اور تنگدستی کے ساتھ حاصل کرنا چاہے وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔مغیرہؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے استاد ابراہیمؒ سے ایسے ڈرتے تھے جیسا کہ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔یحیٰی ابن معینؒ بہت بڑے محدث ہیں۔امام بخاریؒ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے۔اتنا کسی دوسرے کو کرتے میں نے نہیں دیکھا۔امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو اُستاد کی قدر نہیں کرتا وہ کامیاب نہیں ہوتا۔اس قصہ میں جہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اساتذہ کے ساتھ تواضع اور انکساری معلوم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی علم کی شغف اور اہتمام بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس کسی حدیث کا ہونا معلوم ہوتا۔فوراً جاتے اس کو حاصل فرماتے خواہ اسمیں کتنی ہی مشقت محنت اور تکلیف اٹھانا پڑتی اور حق یہ ہے کہ بے محنت اور مشقت کے علم تو درکنار معمولی سی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی اور یہ تو ضرب المثل ہے مَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهِرَ اللَّيَالِي جو شخص بلند مرتبوں کا طالب ہوگا راتوں کو جاگے گا۔

آئمہ محدثین اور ائمہ فقہاء رحمہم اللہ کے کارنامے

حارث بن یزیدؒ، ابنِ شبرمہؒ، قعقاعؒ، مغیرہؒ چاروں حضرات عشاء کی نماز کے بعد علمی بحث شروع کرتے، صبح کی اذان تک ایک بھی جُدا نہ ہوتا۔لیثؒ بن سعد کہتے ہیں کہ امام زہریؒ عشاء کے بعد باوضو بیٹھ کر حدیث کا سلسلہ شروع فرماتے تو صبح کردیتے (دارمی) دراوردیؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کو میں نے دیکھا کہ مسجد نبویؐ میں عشاء کے بعد سے ایک

مسئلہ میں بحث شروع فرماتے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کوئی طعن و تشنیع ہوتی نہ تغلیظ' اور اسی حالت میں صبح ہو جاتی اور اسی جگہ صبح کی نماز پڑھتے (مقدمہ)

ابن فراتؒ بغدادی ایک محدث ہیں۔ جب انتقال ہوا تو اٹھارہ صندوق کتابوں کے چھوڑے جن میں سے اکثر خود اپنے قلم کی لکھی ہوئی تھیں اور کمال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک صحت نقل اور عمدگی ضبط کے اعتبار سے ان کا لکھا ہوا حجت بھی ہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ

ابن جوزیؒ مشہور محدث ہیں۔ تین سال کی عمر میں باپ نے مفارقت کی۔ یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ لیکن محنت کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دور نہیں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ ڈھائی سو سے زیادہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی وقت ضائع نہیں کیا جاتا۔ چار جزو روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ درس کا یہ عالم تھا کہ مجلس میں بعض مرتبہ ایک لاکھ سے زیادہ شاگردوں کا اندازہ کیا گیا۔ امراء وزراء سلاطین تک مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے۔ ابن جوزیؒ خود کہتے ہیں کہ ایک لاکھ آدمی مجھ سے بیعت ہوئے اور بیس ہزار میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔ اس سب کے باوجود شیعوں کا زور تھا۔ اس وجہ سے تکلیفیں بھی اٹھانا پڑیں (تذکرہ) احادیث لکھنے کے وقت میں قلموں کے تراشے جمع کرتے رہتے تھے۔ مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ صرف غسل میت کے پانی گرم کرنے ہی کے لئے کافی نہ تھا بلکہ گرم کرنے کے بعد بچ بھی گیا تھا۔ یحییٰ بن معینؒ حدیث کے مشہور استاذ ہیں کہتے ہیں کہ میں اپنے ہاتھوں سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ

ابن جریرؒ طبری مشہور مؤرخ ہیں۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کے احوال کے ماہر چالیس سال تک ہمیشہ چالیس ورق روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ اُن کے انتقال پر شاگردوں نے روزانہ کی لکھائی کا حساب لگایا تو بلوغ کے بعد [illegible] ۰۰۰ ق روزانہ کا اوسط نکلا۔ ان کی تاریخ مشہور

ہے عام طور سے ملتی ہے۔ جب اس کی تصنیف کا ارادہ ظاہر کیا تو لوگوں سے پوچھا کہ تمام عالم کی تاریخ سے تو تم لوگ بہت خوش ہوگے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اندازاً کتنی بڑی ہوگی کہنے لگے کہ تقریباً تیس ہزار ورق پر آئے گی۔ لوگوں نے کہا۔ اس کے پورا کرنے سے پہلے عمریں فنا ہو جائیں گی۔ کہنے لگے اِنَّا لِلّٰہ ہمتیں پست ہوگئیں اس کے بعد مختصر کیا اور تقریباً تین ہزار ورق پر لکھی۔ اسی طرح ان کی تفسیر کا بھی قصہ ہوا۔ وہ بھی مشہور ہے اور عام طور سے ملتی ہے۔

دار قطنی رحمہ اللہ

دار قطنیؒ حدیث کے مشہور مصنف ہیں۔ حدیث حاصل کرنے کیلئے بغداد بصرہ، کوفہ، واسط، مصر اور شام کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ استاذ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ استاذ پڑھ رہے تھے اور یہ کوئی کتاب نقل کر رہے تھے۔ ایک ساتھی نے اعتراض کیا کہ تم دوسری طرف متوجہ ہو۔ کہنے لگے کہ میری اور تمہاری توجہ میں فرق ہے۔ بتاؤ استاذ نے اب تک کتنی حدیثیں سنائیں۔ وہ سوچنے لگے۔ دار قطنیؒ نے کہا کہ شیخ نے اٹھارہ حدیثیں سنائی ہیں۔ پہلی یہ تھی، دوسری یہ تھی۔ اسی طرح ترتیب وار سب کی سب مع سند کے سنادیں۔

حافظ اثرم رحمہ اللہ

حافظ اثرمؒ ایک محدث ہیں۔ احادیث کے یاد کرنے میں بڑے مشاق تھے۔ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے۔ وہاں خراسان کے دو بڑے استاذ حدیث آئے ہوئے تھے اور حرم شریف میں دونوں علیحدہ علیحدہ درس دے رہے تھے۔ ہر ایک کے پاس پڑھنے والوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا۔ یہ دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے اور دونوں کی حدیثیں ایک ہی وقت میں لکھ ڈالیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ

عبداللہ بن مبارکؒ مشہور محدث ہیں۔ حدیث حاصل کرنے میں اُنکی محنتیں مشہور ہیں۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے چار ہزار استاذوں سے حدیث حاصل کی ہے۔ علی بن الحسنؒ کہتے ہیں کہ ایک رات سخت سردی تھی۔ میں اور ابن مبارکؒ مسجد سے عشاء کے بعد نکلے۔ دروازہ پر ایک حدیث میں گفتگو شروع ہوگئی۔ میں کچھ کہتا رہا وہ بھی فرماتے رہے۔ وہیں کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہوگئی۔

علامہ حمیدی رحمہ اللہ

حمیدیؒ ایک مشہور محدث ہیں جنہوں نے بخاریؒ اور مسلمؒ کی احادیث کو ایک جگہ جمع بھی کیا ہے۔ رات بھر لکھتے تھے۔ اور گرمی کے موسم میں جب گرمی بہت ستاتی تو ایک لگن میں پانی بھر لیتے اور اس میں بیٹھ کر لکھتے۔ سب سے الگ رہتے تھے۔ شاعر بھی ہیں۔ ان کے شعر ہیں۔

لِقَاءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيْدُ شَيْئًا ۔۔۔ سِوَى الْهَذْيَانِ مِنْ قِيْلٍ وَقَالٍ

فَاَقْلِلْ مِنْ لِقَاءِ النَّاسِ اِلَّا ۔۔۔ لِاَخْذِ الْعِلْمِ اَوْ اِصْلَاحِ حَالٍ

(ترجمہ) ''لوگوں کی ملاقات کچھ فائدہ نہیں دیتی بجز قیل وقال کی بکواس کے اس لئے لوگوں کی ملاقات کم کر بجز اس کے کہ علم حاصل کرنے کے واسطے استاذ سے یا اصلاح نفس کے واسطے کسی شیخ سے ملاقات ہو''۔

امام طبرانی رحمہ اللہ

امام طبرانی مشہور محدث ہیں۔ بہت سی تصانیف فرمائی ہیں۔ کسی نے ان کی کثرت تصانیف کو دیکھ کر پوچھا' کہ کس طرح لکھیں۔ کہنے لگے کہ تیس برس بوریئے پر گذار دیئے۔ یعنی رات دن بوریئے پر پڑے رہتے تھے ابوالعباس شیرازیؒ کہتے ہیں کہ میں نے طبرانیؒ سے تین لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

امام ابوحنیفہؒ بڑی شدت کے ساتھ ناسخ اور منسوخ احادیث کی تحقیق فرماتے تھے۔ کوفہ جو اس زمانہ میں علم کا گھر کہلاتا تھا اس میں جتنے محدثین تھے۔ سب کی احادیث کو جمع فرمایا تھا اور جب کوئی باہر سے محدث آتے تو شاگردوں کو حکم فرماتے کہ ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہو جو اپنے پاس نہ ہو تو اس کی تحقیق کرو۔ ایک علمی مجلس امام صاحب کے یہاں تھی جس میں محدث' فقیہ' اہل لغت کا مجمع تھا۔ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اس مجلس میں اس پر بحث ہوتی اور بعض مرتبہ ایک ایک مہینہ بحث رہتی۔ اس کے بعد جب کوئی بات طے ہوتی تو وہ مذہب قرار دی جاتی اور لکھ لی جاتی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ

امام ترمذیؒ کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔احادیث کا کثرت سے یاد کرنا اور یاد رکھنا انکی خصوصی شان تھی۔اور قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے۔بعض محدثین نے ان کا امتحان لیا اور چالیس حدیثیں ایسی سنائیں جو غیر معروف تھیں۔امام ترمذیؒ نے فوراً سنا دیں۔خود امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں ایک شیخ کی احادیث کے دو جزو نقل کیے تھے۔اتفاق سے خود ان شیخ سے ملاقات ہوگئی۔میں نے درخواست کی کہ وہ دونوں جزوٗ احادیث کے استاذ سے سن بھی لوں۔انہوں نے قبول کر لیا۔میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جزو میرے پاس ہیں مگر استاذ کی خدمت میں گیا تو بجائے ان کے دو سادے جزو ہاتھ میں تھے۔اُستاد نے سنانا شروع کیا۔اتفاقاً اُن کی نظر پڑی تو میرے ہاتھ میں سادے جزو تھے۔ناراض ہو کر فرمایا۔تمہیں شرم نہیں آتی میں نے قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ جو سناتے ہیں وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔استاد کو یقین نہ آیا۔فرمایا اچھا سناؤ۔میں نے سب حدیثیں سنا دیں۔فرمایا کہ یہ تم کو پہلے سے یاد ہوں گی۔میں نے عرض کیا کہ اور نئی حدیثیں سنا دیجئے۔اُنہوں نے چالیس حدیثیں اور سنا دیں۔میں نے ان کو بھی فوراً سنا دیا اور ایک بھی غلطی نہیں کی۔محدثینؒ نے جو جو محنتیں احادیث کے یاد کرنے میں اُن کو پھیلانے میں کی ہیں اُن کا اتباع تو درکنار ان کا شمار بھی مشکل ہے۔

حفاظِ حدیث

قرطمہؒ ایک محدث ہیں۔زیادہ مشہور بھی نہیں ہیں۔ان کے ایک شاگرد داؤدؒ کہتے ہیں کہ لوگ ابو حاتمؒ وغیرہ کے حافظہ کا ذکر کرتے ہیں۔میں نے قرطمہؒ سے زیادہ حافظ نہیں دیکھا ایک مرتبہ میں اُن کے پاس گیا۔کہنے لگے کہ ان کتب میں سے جونسی دل چاہے اٹھا لو میں سنا دوں گا۔میں نے کتاب الاشربہ اٹھائی وہ ہر باب کے اخیر سے اوّل کی طرف پڑھتے گئے اور پوری کتاب سنا دی۔ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھی۔اسحٰق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ حدیثیں میں نے جمع کی ہیں اور تیس ہزار مجھے ازبر یاد ہیں۔خفافؒ کہتے ہیں کہ اسحٰقؒ نے گیارہ ہزار حدیثیں اپنی یاد سے ہمیں لکھوائیں اور پھر ان کو نمبر وار سنایا نہ کوئی حرف کم ہوا نہ زیادہ۔ابو سعد اصبہانیؒ

بغدادی سولہ سال کی عمر میں ابونصرؒ کی احادیث سننے کے لئے بغداد پہنچے۔ راستے میں ان کے انتقال کی خبر سن کر بے ساختہ رو پڑے۔ چیخیں نکل گئیں کہ ان کی سند کہاں ملے گی۔ اتنا رنج کہ رونے میں چیخیں نکل جائیں جب ہی ہوسکتا ہے جب کسی چیز کا عشق ہو جائے۔ ان کو مسلم شریف پوری حفظ یاد تھی اور حفظ ہی طلبہ کو لکھایا کرتے تھے۔ گیارہ حج کئے۔ جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ ابوعمر ضریرؒ پیدائشی نابینا تھے مگر حفاظ حدیث میں شمار ہیں۔ علم فقہ، تاریخ، فرائض، حساب میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ابوالحسینؒ اصفہانی کو بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں یاد تھیں۔ بالخصوص بخاری شریف کا تو یہ حال تھا کہ جو کوئی سند پڑھتا اس کا متن یعنی حدیث پڑھ دیتے اور جو متن پڑھتا، اس کی سند پڑھ دیتے تھے۔ شیخ تقی الدینؒ بعلبکی نے چار مہینے میں مسلم شریف تمام حفظ کر لی تھی اور جمع بین الصحیحین کے بھی حافظ تھے صاحب کرامات بزرگ تھے۔ قرآن پاک کے بھی حافظ تھے کہتے ہیں کہ سورۂ انعام ساری ایک دن میں حفظ کر لی تھی۔

درسِ حدیث کے حلقے

ابن السنیؒ، امام نسائیؒ کے مشہور شاگرد ہیں۔ حدیث لکھنے میں اخیر تک مشغول رہے۔ اُن کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میرے والدؒ نے لکھتے لکھتے دوات میں قلم رکھا اور دونوں ہاتھ دُعاء کے واسطے اٹھائے اور اسی حال میں انتقال ہو گیا۔ علامہ ساجیؒ نے بچپن میں فقہ حاصل کیا۔ اس کے بعد علم حدیث کا شغل رہا ہرات میں دس برس قیام کیا جس میں چھ مرتبہ ترمذی شریف اپنے ہاتھ سے لکھی۔ ابن مندۃؒ سے غرائب شعبہ پڑھ رہے تھے کہ اسی حال میں ابن مندۃؒ کا عشاء کی نماز کے بعد انتقال ہوا۔ پڑھنے والے سے پڑھانے والے کا ولولہ علمی قابل قدر ہے کہ اخیر وقت تک پڑھاتے رہے۔ ابوعمر و خفافؒ کو ایک لاکھ حدیثیں ازبر تھیں۔

امام بخاری کے استاذ عاصم بن علیؒ جب بغداد پہنچے تو شاگردوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اکثر ایک لاکھ سے زائد ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اندازہ لگایا گیا تو ایک لاکھ بیس ہزار ہوئے۔ اسی وجہ سے بعض الفاظ کو کئی کئی مرتبہ کہنا پڑتا۔ ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ کو چودہ مرتبہ کہنا پڑا۔ ظاہر بات ہے کہ سوا لاکھ آدمیوں کو آواز پہنچانے کیواسطے بعض لفظوں کو کئی کئی مرتبہ کہنا ہی پڑے گا۔ ابو مسلم بصریؒ جب بغداد پہنچے تو ایک بڑے میدان میں حدیث کا درس

شروع ہوا' سات آدمی کھڑے ہو کر لکھواتے تھے۔ جس طرح عید کی تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ سبق کے بعد دواتیں شمار کی گئیں تو چالیس ہزار سے زیادہ تھیں اور جو لوگ صرف سننے والے تھے وہ ان سے علیحدہ۔ فریابیؒ کی مجلس میں اسی طرح لکھوانے والے تین سو سولہ تھے اس سے مجمع کا اندازہ اپنے آپ ہو جاتا ہے۔ اس محنت اور مشقت سے یہ پاک علم آج تک زندہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ امام مسلم رحمہ اللہ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے بخاری شریف لکھی ہے۔ جس میں سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں اور ہر حدیث لکھتے وقت دو رکعت نفل نماز پڑھ کر حدیث لکھی ہے۔ جب یہ بغداد پہنچے تو وہاں کے محدثین نے ان کا امتحان لیا' اس طرح کہ دس آدمی متعین ہوئے ان میں سے ہر شخص نے دس دس حدیثیں چھانٹیں ان کو بدل بدل کر ان سے پوچھا۔ یہ ہر سوال کے جواب میں مجھے معلوم نہیں کہتے رہے۔ جب دس کے دس پوچھ چکے تو انہوں نے سب سے پہلے پوچھنے والے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے سب سے پہلی حدیث یہ پوچھی تھی۔ تم نے اس طرح بیان کی یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے' دوسری حدیث یہ پوچھی تھی۔ وہ اس طرح تم نے بیان کی یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔ غرض اسی طرح سو کی سو حدیثیں ترتیب وار بیان فرما دیں کہ ہر حدیث کو اول اس طرح پڑھتے جس طرح امتحان لینے والے نے پڑھا تھا پھر کہتے کہ یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔

امام مسلمؒ نے چودہ برس کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی۔ اسی میں اخیر تک مشغول رہے۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے تین لاکھ احادیث میں سے چھانٹ کر مسلم شریف تصنیف کی ہے جس میں بارہ ہزار حدیثیں ہیں امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث سنی ہیں جن میں سے انتخاب کر کے سنن ابوداؤد شریف تصنیف کی ہے جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔

مشہور محدث یوسف مزی رحمہ اللہ

یوسف مزیؒ مشہور محدث ہیں۔ اسماء رجال کے امام ہیں۔ اوّل اپنے شہر میں فقہ اور حدیث حاصل کیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' حلب' حمات' بعلبک وغیرہ کا سفر کیا۔ بہت سی کتابیں اپنے قلم سے لکھیں۔

تہذیب الکمال دو سو جلدوں میں تصنیف کی اور کتاب الاطراف اسی جلدوں سے زیادہ میں۔ان کی عادت شریفہ تھی کہ اکثر چپ رہتے' بات کسی سے بہت ہی کم کرتے تھے۔ اکثر اوقات کتاب کے دیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔حاسدوں کی عداوت کا شکار بھی بنے' مگر انتقام نہیں لیا۔ان حضرات کے حالات کا احاطہ دشوار ہے۔ بڑی بڑی کتابیں ان کے حالات اور جانفشانیوں کا احاطہ نہیں کر سکیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر چند حضرات کے دو چار واقعات کا ذکر اس لئے کیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ علم حدیث جو آج ساڑھے تیرہ سو برس تک نہایت آب و تاب سے باقی ہے وہ کس محنت اور جانفشانی سے باقی رکھا گیا ہے اور جو لوگ علم حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اپنے آپ کو طالب علم کہتے ہیں۔ وہ کتنی محنت اور مشقت اس کے لئے گوارا کرتے ہیں۔ اگر ہم لوگ یہ چاہیں کہ ہم اپنی عیش و عشرت' راحت و آرام' سیر و تفریح اور دنیا کے دوسرے مشاغل میں لگے رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک کلام کا یہ شیوع اسی طرح باقی رہے' تو ایں خیال است ومحال است وجنوں کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔(فضائل اعمال)

مفتی اعظم رحمہ اللہ کے اہل علم کیلئے گراں قدر ملفوظات

مفتی کیلئے ذوق کی ضرورت

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱۔ فرمایا کہ فتویٰ کا خاص ذوق اور ملکہ ہوتا ہے جو مفتی میں ہونا ضروری ہے اور وہ کتنی ہی کتابیں پڑھنے کے باوجود اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک برسہابرس کسی ماہر مفتی کے زیر ہدایت فتویٰ لکھنے کا کام نہ کیا ہو۔

فارغ التحصیل کا مفہوم

۲۔ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے ہمیں دورہ حدیث ہی کے سال میں اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل ہو جانے کو کبھی منتہائے مقصود نہ سمجھنا۔ فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد انسان میں قوت مطالعہ پیدا ہو جاتی ہے اور علم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب یہ فارغ ہونے والے کا کام ہے کہ وہ علم کی چند کلیوں پر قناعت کرنے کے بجائے اس دروازہ میں داخل ہو اور اس قوت مطالعہ کو کام میں لاکر علم میں وسعت و گہرائی پیدا کرے۔

فتویٰ نویسی میں ضرورت احتیاط

۳۔ فرمایا کہ فقہاء کرام نے محقق ابن ہمام رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا تو بعد کے علماء کا معاملہ تو ان کے مقابلے میں بہت اہون ہے چنانچہ اگر کبھی آپ (مفتی اعظم) کا ذہن کسی ایسی رائے کی طرف مائل ہوتا جو معروف نقطہ

نظر سے مختلف ہوتی تو آپ اس تلاش میں رہتے کہ یا تو فقہاء متقدمین میں کسی کا قول اس کے موافق مل جائے یا معاصر علماء اس رائے پر مطمئن ہو جائیں اور جب تک یہ نہ ہوتا اس وقت تک آپ عموماً اس رائے کے مطابق فتویٰ نہ دیتے تھے۔

فقیہ کون ہے

۴۔ فرمایا کہ محض فقہی کتابوں کے جزئیات یاد کر لینے سے انسان فقیہ یا مفتی نہیں بنتا میں نے ایسے بہت سے حضرات دیکھے ہیں جنہیں فقہی جزئیات ہی نہیں ان کی عبارتیں بھی ازبر تھیں لیکن ان میں فتویٰ کی مناسبت نظر نہیں آئی۔ وجہ یہ ہے کہ درحقیقت فقہ کے معنی ''سمجھ'' کے ہیں اور فقیہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرمادی ہو یہ سمجھ محض وسعت مطالعہ یا فقہی جزئیات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کیلئے کسی ماہر فقیہ کی صحبت اور اس سے تربیت لینے کی ضرورت ہے۔

تقلید شخصی کی ضرورت

۵۔ فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرمایا کرتے کہ تقلید شخصی کوئی شرعی حکم نہیں ہے بلکہ ایک انتظامی فتویٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین برحق ہیں اور ہر ایک کے پاس اپنے موقف کیلئے وزنی دلائل موجود ہیں لیکن اگر ہر شخص کو یہ کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جب جس امام کے مسلک کو چاہے' اختیار کر لے تو ہر شخص اپنی آسانی کی خاطر آج ایک مسلک پر عمل کر لے گا کل دوسرے مسلک پر اور اس طرح اتباع خداوندی کے بجائے اتباع نفس کا دروازہ کھل جائے گا۔

فتویٰ نویسی کا ایک اصول

۶۔ فرمایا کہ فتویٰ نویسی ایک مستقل فن ہے جس طرح مفتی کو بہت سی باتوں کی رعایت رکھنی پڑتی ہے مثلاً سب سے پہلے مفتی کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ مستفتی کا سوال قابل جواب ہے یا نہیں اور بعض اوقات سوال کے انداز سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا مقصد عمل کرنا یا علم میں اضافہ کرنا نہیں بلکہ اپنے کسی مخالف کو زیر کرنا یا حالات ایسے ہیں کہ اس سوال کے جواب سے

فتنہ پیدا ہو سکتا ہے ایسی صورت میں استفتاء کے جواب سے گریز کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سوال کے مطابق جواب

۷۔ فرمایا کہ فتویٰ میں مسئلے کا مختصر حکم اور اس کے مفصل دلائل بالکل ممتاز ہونے چاہئیں تا کہ جو شخص صرف حکم معلوم کرنا چاہتا ہو وہ بآسانی حکم معلوم کر لے اور جس شخص کو دلائل سے دلچسپی ہو وہ دلائل بھی پڑھے فتویٰ میں عام آدمی کیلئے تو صرف حکم ہوتا ہے اور دلائل اہل علم کیلئے ہوتے ہیں۔

منتہی کتب کی تدریس

۸۔ فرمایا کہ درس حدیث میں ''روایۃ'' اور ''درایۃ'' کی تفریق عہد حاضر کی بدعت ہے اسلاف میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا بعض ابواب پر بحث کے دوران انتہائی درجے کی تحقیق کا مظاہرہ کیا جائے اور بعض کو تشریح مفہوم کے قابل بھی نہ سمجھا جائے۔ اس کے بجائے درس حدیث شروع سال سے اس معتدل انداز پر ہونا چاہئے کہ تمام ابواب کے تحت ضروری معلومات طالب علم کے سامنے آجائیں اور درس حدیث کا اصل فائدہ حاصل ہو۔

فقہی دلائل بیان کرنیکی حکمت

۹۔ فرمایا کہ درس حدیث میں جو فقہی اختلافات اور انکے مفصل دلائل بیان کئے جاتے ہیں ان کا مقصد جہاں اپنے مسلک کے دلائل کی وضاحت اور شبہات کا ازالہ ہوتا ہے وہاں اصل مقصد طالب علم میں تحقیق و نظر کی صلاحیت پیدا کرنا ہے تا کہ اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ حدیث سے مسائل و احکام کا استخراج' متعارض احادیث میں تطبیق اور احادیث میں صحیح و سقم کی تحقیق کن اصولوں کے تحت کس طرح کی جاتی ہے۔ چنانچہ جب سال بھر تک اس قسم کے مباحث طالب علم کے سامنے آتے رہتے ہیں تو اس سے ایک مزاج پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعے وہ آئندہ اپنی بساط کے مطابق تحقیقی کام کر سکتا ہے لہٰذا ان مباحث کے دوران استاد کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھتا رہے کہ طالب علم میں یہ مزاج پیدا ہوا یا نہیں؟ استاد کی تقریر کے ایک ایک لفظ کو یاد رکھنا طالب علم کی کامیابی کیلئے ضروری نہیں لیکن جن اصولوں

کے تحت یہ مباحث ہوتے ہیں ان کا محفوظ ہو جانا ضروری ہے۔

اسلاف سے حسن ظن کی ضرورت

۱۰۔ فرمایا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہو یا علامہ عینی رحمہ اللہ یہ سب حضرات صدیوں پہلے جنت میں اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں ان کی شان میں کوئی نامناسب بات کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔

اختلاف آئمہ رحمت

۱۱۔ فرمایا کہ ائمہ مجتہدین کا اختلاف تو ہوا ہی اس مقام پر ہے جہاں دلائل کی رو سے دونوں راہوں کی گنجائش موجود تھی لہٰذا یہ ثابت کرنے کی فکر کہ دوسرا مسلک بلا دلیل ہے بڑی نادانی کی بات ہے واقعہ یہ ہے کہ دلائل متعارض ہوں اس لئے اگر کسی حدیث کے بارے میں مان لیا جائے کہ یہ شافعیہ رحمہ اللہ' حنابلہ رحمہ اللہ یا مالکیہ رحمہ اللہ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے تو یہ واقع کے عین مطابق ہوگا کیونکہ اگر کسی مسلک پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہ حضرات اسے اختیار ہی کیوں فرماتے۔

حرم مکہ کے درس حدیث

۱۲۔ فرمایا کہ میں نے ۱۳۴۵ھ میں جو پہلا حج کیا تو وہاں حرم مکہ میں حدیث کے مختلف درس ہوا کرتے تھے ان میں شرکت کی تو ان کا طریقہ بہت پسند آیا کہ وہ حدیث میں تاویلات کرنے کے بجائے ایک ہی باب کی مختلف احادیث آئیں تو حدیث کے تحت فرماتے ''فیہ حجۃ ساداتنا المالکیۃ'' پھر اسکے مخالف دوسری حدیث آتی ہو تو فرماتے ''فیہ حجۃ ساداتنا الحنفیۃ''۔

عالم کی تلاوت

۱۳۔ فرمایا کہ قرآن کریم کی محض تلاوت بھی بلاشبہ بہت موجب اجر ہے لیکن ایک عالم کو چاہئے کہ وہ کچھ وقت تدبر قرآن کیلئے بھی نکالا کرے قرآن کریم کا کوئی لفظ حشو یا زائد نہیں ہے لہٰذا اگر غور کیا جائے تو اس کے ہر لفظ سے کسی نئے فائدے کی طرف رہنمائی مل سکتی ہے۔

فرق باطلہ کی تردید کا ادب

۱۴۔ فرمایا کہ باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت و تبلیغ ہی کی ایک قسم ہے لہٰذا

اس میں بھی ''حکمت موعظہ حسنہ اور مجادلہ بالتی ہی احسن'' کے اصولوں پر عمل ضروری ہے آج کل دوسروں کو تردید میں طعن و تشنیع' طنز و تعریض اور فقرے کسنے کا جو انداز عام ہو گیا ہے اس سے اپنے ہم خیال لوگوں سے داد تو وصول کی جاتی ہے لیکن اس سے مخالفین کے دل میں ضد اور عناد پیدا ہو جاتا ہے اور کسی کا ذہن بدلنے میں مدد نہیں ملتی۔

تنقید میں احتیاط

۱۵۔ فرمایا کہ یوں تو انسان کو اپنے ہر قول و فعل میں محتاط ہونا چاہئے لیکن خاص طور پر جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ یہ سوچ کر لکھو کہ اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرو جسے شرعی اصولوں کے مطابق ثابت کرنے کیلئے کافی مواد موجود نہ ہو۔

عملی سیاست سے یکسوئی

۱۶۔ فرمایا کہ اکابر علماء دیوبند کا طریقہ یہی رہا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہنے کی حالت میں انہوں نے عملی سیاست میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا لیکن جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ آزادی ہند کے سلسلے میں تحریکات خلافت میں موثر حصہ لینے لگے تو دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو گئے۔

اہل علم کا منصب

۱۷۔ فرمایا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ارباب اقتدار اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیں کہ ملا اقتدار چاہتا ہے میں واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم کبھی اقتدار میں آنا نہیں چاہتے لیکن ارباب اقتدار کو تھوڑا سا ملا بنانا ضرور چاہتے ہیں۔

حقیقی علم کیا ہے

۱۸۔ فرمایا کہ اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کیلئے کافی ہوتا تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں وہ بھی بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلوم رکھتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ایسے علم کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے اسی طرح جو علم انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز نہ ہو وہ بے کار ہے۔

اساتذہ کی دعاؤں کی برکات

۱۹۔ فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ میں نے تحصیل علم میں نہ تو محنت زیادہ کی ہے اور نہ بہت سی کتابیں میرے مطالعہ میں رہیں۔ بس اتنا اہتمام کیا کہ اپنے کسی بھی استاد کو ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے آپ سے ناراض نہیں ہونے دیا۔ یہ سب اسی کی برکت ہے کہ اللہ نے دین اور علم دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے اکثر اکبر مرحوم کا یہ شعر پڑھتے۔

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

فقیہ کا ایک وصف

۲۰۔ فرمایا کہ حضرات فقہاء نے "من لم یعرف عرف زمانہ فھو جاھل" (یعنی جو اپنے زمانہ کے رسم ورواج وغیرہ سے واقف نہ ہو وہ فقیہ نہیں ہوسکتا) بالکل صحیح فرمایا ہے۔

عملی سیاست سے احتراز

۲۱۔ طلباء واساتذہ سے فرمایا کہ آپ کو ملکی سیاست کا علم ہونا ضروری ہے البتہ جب تک علمی مشغلہ میں مصروف ہیں اس وقت تک عملی سیاست میں قطعاً حصہ نہ لیں اور نہ کسی دوسری تنظیم کے رکن بنیں کیونکہ اس سے تحصیل علم میں خلل واقع ہوگا۔

علم نافع کیا ہے

۲۲۔ فرمایا کہ قرآن عظیم میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ جو طائفہ علم دین حاصل کرنے کے نام پر جمع ہوا ہے اس کا کام یہ ہے کہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرے اور سمجھ بوجھ اس کو کہا جائے گا جبکہ اس علم کے ساتھ عمل ہو جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو وہ دین کی سمجھ بوجھ نہیں کہلاتی ایسا علم تو شیطان کو بھی ہے۔

تحصیل علم میں اخلاص نیت

۲۳۔ فرمایا کہ تم شروع سال ہی سے اپنی نیت کو درست کرلو اپنی نیت یہ رکھو کہ ہم جو کچھ پڑھ لکھ رہے ہیں اس سے رضائے خداوندی حاصل کرنا ہے اگر اس مقصد کو مدنظر رکھ کر تم نے تعلیم کی ابتدا کی تو ان شاء اللہ تم کو پڑھنے کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ اگر خدانخواستہ یہ علم پڑھنے

سے کوئی اور ارادہ ہے مثلاً یہ کہ لوگ تمہاری عزت کریں، تمہیں مفتی صاحب کہیں اور تمہارے بالوں اور قدموں کو بوسہ دیں۔ اگر یہ نیت ہے تو فوراً توبہ کرو اور اپنی نیت کو فوراً صحیح کرو۔

علماء کو خطابت کی ضرورت

۲۴۔ طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تقریر کرنے کی مشق کیا کریں فرمایا کہ مولویوں کیلئے ضروری ہے کہ ان کو تقریر کرنی آتی ہو فرمایا کہ ایک اچھا واعظ اور مقرر بننے کیلئے ضروری ہے کہ ہر واعظ قرآن حکیم کی اس آیت کو ملحوظ رکھے۔ "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن"۔

تفریح کی ضرورت

۲۵۔ طلبہ سے فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد کھیل وغیرہ ہلکی ورزش کا اہتمام کیا جائے اگر یہ نہ ہوسکے تو چہل قدمی ہی کی جائے۔ اس سے ان شاء اللہ صحت اچھی رہے گی اور پڑھائی وغیرہ میں دل لگے گا اور انسان دل جمعی کے ساتھ رات کے وقت مطالعہ کرسکے گا۔ فرمایا کہ چہل قدمی کیلئے بازار یا مارکیٹ یا پارکوں کا اہتمام نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں بہت بڑی خرابی ہے اول یہ کہ بازار وغیرہ جاکر انسان خواہ مخواہ کے گناہوں کا مرتکب ہوجاتا ہے اور بازاروں اور پارکوں وغیرہ سے دل مردہ ہوجاتا ہے اس لئے اہل علم کو ایسے مقامات پر خواہ مخواہ جانا مناسب نہیں۔ ہاں بقدر ضرورت اگر کسی کام سے جائے تو چاہئے کہ فوراً لوٹ آئے۔

مدارس میں روحانیت کا فقدان

۲۶۔ فرمایا عزیزو! ایک عرصہ سے مدارس عربیہ کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے سب سے پہلے مدارس میں روحانیت کی کمی واقع ہونی شروع ہوئی مگر تعلیمی استعداد پھر بھی اچھی تھی مگر اب یہ افتاد آگئی ہے کہ عادات واعمال کے ساتھ ساتھ تعلیمی استعداد بھی گرتی جارہی ہے اور اب مدارس بالکل بانجھ ہوگئے ہیں کہ اب بہت ہی کم اللہ والے علماء فارغ التحصیل ہوکر نکلتے ہیں۔

علماء کو صحبت کی ضرورت

۲۷۔ فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا علم ہمیشہ باقی اور تازہ رہے اور اس میں دن رات اضافہ ہو

تو تم کو چاہئے کہ اپنے اندر عمل پیدا کرنے کی کوشش کرو۔فرمایا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی پیر کامل اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کی جائے اور اس سے اپنی اصلاح باطن کروائیں۔

اعتراف عدم علم

۲۸۔فرمایا کہ جہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے اور پھر امام مالک رحمہ اللہ کا مقولہ سنایا کہ وہ فرمایا کرتے "علموا اصحابکم قول لاادری" اپنے ساتھیوں کو لاادری (میں نہیں جانتا) کہنا بھی سکھاؤ۔

فتویٰ نویسی کا ثواب

۲۹۔فرمایا کہ دینی خدمت کے میرے سامنے اور بھی طریقے اور راستے تھے لیکن میں نے فتویٰ کی خدمت کو اپنا مقصد زندگی سوچ سمجھ کر بنایا اس لئے کہ اس کا نفع نقد اور دوسرے طریقوں میں ایسا نہیں فرمایا کہ اگر کوئی شخص صرف تصنیف وتالیف کو اپنا مقصد زندگی بنالے اور کتابیں لکھا کرے تو اس کا نفع مصنف کو اسی وقت حاصل ہوگا جب کوئی کتاب کو پڑھے گا اور اس پر عمل کرے گا اور معلوم نہیں کہ ایسا ہوگا بھی یا نہیں۔

اصلاح مفتی

۳۰۔فرمایا کہ مفتی کو ہمیشہ اس امر کا خصوصی طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ اس کے فتویٰ سے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہوجائے۔نہایت سوچ سمجھ کر لکھنا چاہئے کتب کی طرف مراجعت کے ساتھ ساتھ موقع اور محل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔فقہاء نے فرمایا ہے"من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل"۔

اہل علم کی ضرورت صحبت

۳۱۔فرمایا کہ مفتی کو چاہئے کہ جن مسائل کا تعلق اپنی ذات سے ہو ان مسائل میں دوسرے علماء سے استفسار کرے اپنے نفس پر اعتماد نہ کرے کیونکہ نفس کے کید خفی کا اندیشہ ہے۔

پیشہ ور مولوی

۳۲۔فرمایا کہ میری زیادہ تر یہ خواہش رہتی ہے کہ مدرسہ میں چند اللہ والے جمع

ہو جائیں اگر چہ زیادہ محقق نہ ہوں جس مدرس کا مقصود تنخواہ لینا ہو اس کو حضرت رحمہ اللہ اپنی اصطلاح میں پیشہ ور مولوی فرمایا کرتے تھے۔

تدریس میں امانت ودیانت

۳۳۔ایک دفعہ فرمایا کہ بعض مدرسین مدرسہ سے تنخواہ تو پوری وصول کر لیتے ہیں مگر مدرسہ کی طرف سے جو کام ان کے ذمہ ہوتا ہے اس کو پورا نہیں کرتے کبھی سبق میں دیر سے پہنچتے ہیں کبھی بلاوجہ سبق کا ناغہ کر دیتے ہیں کبھی سبق میں بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرتے ہیں جس سے سبق کی کمیت اور کیفیت کا نقصان ہو جاتا ہے یہ سب باتیں امانت ودیانت کے خلاف ہیں خیانت اور تطفیف میں داخل ہیں۔

علمی وقار

۳۴۔فرمایا کہ مدرسہ کی ضروریات کی اہل خیر کو عمومی اطلاع دے دی جایا کرے یا ان مخصوص حضرات کو اطلاع کر دی جائے جو ایسے مواقع خیر کے منتظر رہتے ہیں مگر چندہ کرنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے اہل علم کی بے وقعتی ہو۔

مولوی کون؟

۳۵۔فرمایا کہ میرے خیال میں مولوی وہ ہے جس میں اس قدر استعداد ہو کہ ہدایہ کی چاروں جلدوں میں جو جگہ اس کو بتلائی جائے اس کو حل کر کے سمجھا اور پڑھا سکے۔

اخلاص کی برکت

۳۶۔فرمایا کہ بقسم کہتا ہوں کہ میں نے ایک عالم بھی ایسا نہیں دیکھا جس نے اللہ کیلئے پڑھا اور پڑھایا ہو اور اللہ نے اس کو عزت وراحت کی زندگی عطا نہ کی ہو اگر عالم ہو کر کوئی رسوا ہو تو اپنی بدعملی سے ہوا۔

لمحات کی قدر

۳۷۔فرمایا کہ طلباء کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں اور اس دور میں سہل پسندی اور

کاہلی سے کام لے کر اپنی عمر کے قیمتی حصے کو برباد کر دیتے ہیں یاد رکھو! ایک ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے اس کو یوں ہی نہ گزارو۔

اپنا مدرسہ آباد کرنا

۳۸۔ فرمایا کہ جو استاد کسی مدرسے میں پڑھا رہا ہے اسے وہاں پڑھانے کے دوران اپنے مدرسے میں آنے کی دعوت دینا اصول کے خلاف ہے۔ اول تو اس میں ''سوم علی سوم اخیہ'' کا گناہ ہے۔ دوسرے ایک مدرسے کو اجاڑ کر دوسرا مدرسہ آباد کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں ہاں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی صاحب اس مدرسے سے الگ ہو گئے ہیں یا الگ ہونے کا ارادہ ہے تو ان سے زیادہ سے زیادہ جو بات فرماتے وہ یہ تھی کہ اگر آپ اس مدرسے کو خود چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو دارالعلوم حاضر ہے۔

علم کے انوار و برکات

۳۹۔ فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی وصیت کے مطابق جب تک دینی مدارس توکل، استغناء اور للّٰہیت پر کاربند رہیں گے ان کا کام ان شاء اللہ بابرکت ہوگا اور اہل علم سے دنیا کو فائدہ پہنچے گا لیکن جب اہل علم بھی توکل، استغناء سے محروم ہو جائیں اور اہل ثروت کی ثروت پر نگاہ جانے لگے تو ان کی تعلیم و تبلیغ بھی انوار و برکات سے خالی ہو جائے گی۔

دارالعلوم دکان نہیں

۴۰۔ حضرت والا (حضرت مفتی اعظم) نے تمام منتظمین کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہم نے دارالعلوم کی شکل میں کوئی دکان نہیں کھولی بلکہ خدمت دین کا ایک ادارہ قائم کیا ہے جب تک آپ حضرات اس ادارے کو صحیح اصولوں پر اور اللہ کی رضا کے مطابق چلا سکیں چلائیں اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ اسے صحیح اصولوں پر چلانا ممکن نہ رہے تو میرے نزدیک اسے بند کر دینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے غلط اصولوں پر چلایا جائے۔

معقولات کی اہمیت

۴۱۔ فلسفہ اور عقلیات کی حقیقت اور اس کے پائے چوبیں کی ناپائیداری حضرت والا

رحمہ اللہ پر روز روشن کی طرح واضح تھی لیکن جب کبھی آپ کے سامنے یہ تجویز پیش ہوتی کہ معقولات کو درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت والا صاحب رحمہ اللہ اس کی سخت مخالفت فرماتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عقائد پر لکھی ہوئی متقدمین کی کتابیں معقولات کی اصطلاحوں سے بھری ہوئی ہیں اور اگر قدیم منطق وفلسفہ کو بالکل دیس نکال دیا جائے تو اسلاف کی ان کتابوں سے خاطر خواہ استفادے کی راہ مسدود ہو جاتی ہے جو ہمارا اگرانقدر علمی سرمایہ ہے اس کے علاوہ منطق وفلسفہ کی تعلیم سے ذہن وفکر کو جلا ملتی ہے اور ذہن مسائل کو مرتب طریقے سے سوچنے کا عادی بن جاتا ہے اور اس طرح یہ علوم تفسیر، حدیث فقہ اور اصول فقہ کے مسائل کو سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں۔ حضرت والا رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان علوم کی اصل حقیقت کو ذہن نشین کر کے کوئی شخص اس نیت سے ان علوم کو پڑھے پڑھائے کہ ان سے دینی علوم کی تحصیل میں مدد ملے گی تو ان علوم کی تحصیل بھی عبادت بن جائے گی اور درس نظامی کے مرتبین نے اسی وجہ سے ان کو داخل درس کیا تھا۔ اور شیخ الہند رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر نیت بخیر ہو تو ہمارے نزدیک بخاری پڑھانے والے اور قطبی پڑھانے والے میں کوئی فرق نہیں دونوں اپنی اپنی جگہ خدمت انجام دے رہے ہیں اور دونوں کی خدمت موجب اجر وثواب ہے۔

تحصیل وتدریس علم میں عمل کی نیت

۴۲۔ فرمایا مدرس لمبی چوڑی تقریر کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے سبق کا حق ادا کر دیا کتاب سمجھا دی اور میرا حق ادا ہو گیا اور اسی طرح طالب علم سمجھتے ہیں کہ اب امتحان میں پاس ہو جائیں گے یا مدرس بن جائیں گے یہ کافی نہیں ہے زیادہ ضروری یہ امر ہے کہ مدرس اور طالب علم جو کچھ پڑھتے پڑھاتے جائیں ان پر عمل کرنے اور کروانے کی نیت سے پڑھنا پڑھانا چاہیے۔

بہترین اور بدترین کام

۴۳۔ ایک مرتبہ طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں اپنی اسی سالہ زندگی کا نچوڑ اور حاصل آپ کو بتلاتا ہوں اس کو توجہ سے سنو! یہ خلاصہ ساری دنیا دیکھ کر اور دنیاداروں اور دینداروں

کا تجربہ کر کے اور زندگی کے تمام اتار چڑھاؤ دیکھ کر بیان کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ جس کام میں لگے ہیں (یعنی تعلیم و تعلم) اگر یہ خلوص کے ساتھ محض حق تعالیٰ شانہ کی رضا کیلئے ہے تب تو یہ ایسا عظیم الشان کام ہے کہ دنیا کا کوئی کام اس کے برابر نہیں یہ سب سے بہتر اور افضل ہے اور اگر خدانخواستہ مقصود اس سے رضائے الٰہی نہیں دنیا کمانا پیش نظر ہے جیسا کہ آج کل یہ کام صرف ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے تو میرے عزیزو! پھر دنیا میں اس سے بدتر کوئی کام نہیں۔ (العیاذ باللہ)

مدرس کیسا ہو

۴۴۔ فرمایا کہ میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھا دے اسی سے کام چلالیتا ہوں آدمی مدرس ہو منتظم ہو صالح ہو مفسد نہ ہو۔ بس یہ کافی ہے اگر محقق ہو اور مفسد ہو تو مدرسہ اور طلبہ کا علم و عمل سب تباہ ہو جائے گا۔

دیوبند کا مبارک دور

۴۵۔ فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ تھا کہ مہتمم سے لے کر دربان اور چپڑاسی تک ہر شخص صاحب نسبت تھا۔

علوم دینیہ کی قدر و قیمت

۴۶۔ ختم بخاری شریف پر فرمایا آج ہمیں اپنے پورے سال کی محنت کا نتیجہ دیکھنا ہے اور سال بھر جو چکی پیسی ہے اس کے بارے میں غور کرنا ہے کہ حاصل کیا ہوا اور اس موقع پر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا ارشاد "جعجعة و لا طحين" نقل فرمایا کرتے تھے یعنی چکی تو چلالی اب یہ دیکھو کہ آٹا بھی ہے یا نہیں فرماتے تھے کہ سال بھر کی محنت سے چند آدمی تیار ہوتے ہیں لیکن ان کو جو سند دی جائے گی دنیا میں اس کی دو پیسے کی بھی قیمت نہیں اس کے علاوہ کالج یونیورسٹی میں کوئی ملازمت نہیں مل سکتی اور درحقیقت ہمارے مدرسوں سے فارغ ہونے والوں کو چاہئے بھی یہی کہ مدرسوں ہی میں زندگیاں گزار دیں دوسری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں اللہ کے یہاں علوم قرآن وحدیث کی قدر ہے بس ہمیں وہی چاہئے اہل دنیا کی ملازمت کی ہمیں ضرورت ہی کیا ہے۔

ملا حسن رحمہ اللہ

۴۷۔فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ملا حسن رحمہ اللہ کو منطق میں ''ید طولیٰ'' حاصل تھا یعنی بعض اوقات دور کی باتوں تک تو ان کی رسائی ہو جاتی تھی لیکن قریب کی باتیں گرفت میں نہیں آتی تھی۔

مسائل فقہ کی جامع کتاب

۴۸۔فرمایا حنفیہ کی کتابوں میں سے جس کتاب نے وقف کے مسائل کو سب سے زیادہ شرح وبسط اور انضباط کے ساتھ بیان کیا ہے وہ فتاویٰ ''مہدویہ'' ہے۔

مسئلہ بتانے میں احتیاط

۴۹۔فرمایا علامہ ابن عابد بن شامی رحمۃ اللہ علیہ انتہائی وسیع المطالعہ ہونے کے باوجود اس قدر تقویٰ شعار اور محتاط بزرگ ہیں کہ عام طور سے اپنی ذمہ داری پر کوئی مسئلہ بیان نہیں کرتے بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے اپنے سے پہلے کی کتابوں میں سے کسی نہ کسی کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں اگر ان اقوال میں بظاہر تعارض ہو تو ان کو رفع کرنے کیلئے بھی حتی الامکان کسی دوسرے فقیہ کے قول کا سہارا لیتے ہیں اور جب تک بالکل مجبوری نہ ہو جائے خود اپنی رائے ظاہر نہیں فرماتے۔

مفتی کیلئے ماہر مفتی کی صحبت

۵۰۔فرمایا فتویٰ کی اہلیت محض فقہی مسائل کو یاد کرنے یا فقہی کتابوں میں استعداد پیدا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک مستقل فن ہے جس کیلئے ماہر مفتی کی صحبت میں رہ کر باقاعدہ تربیت لینے کی ضرورت ہے اور جب تک کسی نے اس طرح فتویٰ کی تربیت حاصل نہ کی ہو اس وقت تک وہ خواہ دسیوں بار ہدایہ وغیرہ کا درس دے چکا ہو فتویٰ دینے کا اہل نہیں بنتا۔

فتویٰ سے مناسبت

۵۱۔فرمایا محض فقہی کتابوں کے جزئیات یاد کر لینے سے انسان فقیہ یا مفتی نہیں بنتا۔ میں نے ایسے بہت سے حضرات دیکھے ہیں جنہیں فقہی جزئیات ہی نہیں ان کی عبارتیں بھی

از بر تھیں لیکن ان میں فتویٰ کی مناسبت نظر نہیں آئی۔

اصلاح مفتی

۵۲۔فرمایا مفتی کو چاہئے عوام الناس کو قواعد کلیہ نہ بتائے بلکہ اس نے جو سوال کیا ہے اس جزیئے کا جواب دے دے اور جواب میں تشکیک نہ کرے کہ شقیں نکالے۔اگر ایسا ہو تو یہ جواب ہے ایسا ہو تو یہ جواب ہے اگر ایسا ہی ہے تو سوال کی وضاحت کرالے۔

آداب مفتی

۵۳۔فرمایا فتویٰ میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ عام لوگوں کو نفع پہنچے اور ان کو ضرر سے بچالیا جائے۔

دعاؤں کی برکات

۵۴۔حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بارہا فرمایا کرتے کہ میں نے تحصیل علم میں نہ تو محنت زیادہ کی اور نہ ہی بہت سی کتابیں میرے مطالعہ میں رہیں۔بس اتنا اہتمام کیا کہ اپنے کسی بھی استاد کو ایک لحہ کیلئے بھی اپنے سے ناراض نہیں ہونے دیا یہ سب اسی کی برکت ہے کہ اللہ نے دین اور علم دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

مدرس اور عملی سیاست

۵۵۔فرمایا کہ اگر کسی کی رائے میں عملی سیاست مں داخل ہونا ضروری ہو تو اس کو پہلے مدرسے سے قطع تعلق کر لینا چاہئے پھر جو چاہے کرے۔

ناغہ کی بے برکتی

۵۶۔فرمایا کہ ایک دن سبق میں ناغہ کا اثر چالیس دن تک رہے گا اس لئے ضروری ہے کہ اسباق میں حاضری کا اہتمام کیا جائے۔

حقیقی عالم

۵۷۔فرمایا (مدرسہ سے) علم بہ معنی ''دانستن'' تو حاصل ہو جائے گا اور وہ عرف میں اصطلاح میں عالم اور مولانا کہلائے گا مگر حقیقی عالم اور مولانا بننے کیلئے اس کے آگے اور کچھ

کام کرنے ہیں جب تم وہ کام کرلو تو واقعی مولانا اور طالب علم کہلاؤ گے تب ہی تم ان خوشخبریوں کے مصداق بنو گے جو حدیث میں آئے ہیں۔

علم اور عمل

۵۸۔فرمایا"تفقہ فی الدین" اس کا نام نہیں کہ کسی چیز کو جان لے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام یہ جائز ہے اور یہ ناجائز۔مکروہ ہے یا مستحب اتنا جان لینے کا نام علم نہیں دراصل تفقہ دین کی سمجھ بوجھ کا نام ہے جس کے پیچھے عمل ہونا چاہئے جس علم کے ساتھ عمل نہ آیا اور علم پر عمل مرتب نہ ہوا وہ علم کہلانے کا مستحق نہیں۔

علم کے ساتھ عمل کا اہتمام

۵۹۔فرمایا آپ کو یہ محسوس ہو کہ اگر ہم نے ہدایہ پڑھی، قدوری پڑھی، کنز پڑھی۔ان میں معاملات کا باب پڑھا کہ فلاں جائز ہے اور فلاں ناجائز اگر ہم بازار میں جا کر اپنے ان اسباق پر عمل نہیں کرتے تو ہمارا اتمام کا تمام لکھا پڑھا بے کار ہے اب تو ہمارا حال یہ ہے کہ کتاب مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے آگے مدرسہ کے باہر اس کتاب کا کوئی اثر ہمارے وجود میں نہیں ہوتا۔ معاملات کرنے کیلئے چلیں تو ہمیں کوئی فکر نہیں ہوتی کہ ہم سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ بول رہے ہیں جو جی چاہتا ہے کہہ دیتے ہیں اور کچھ فکر نہیں کرتے کہ آیا ہم غلط کر رہے ہیں یا صحیح کر رہے ہیں جو کچھ بھی پڑھا ہے اس کا اثر آپ کے اعمال پر ہونا چاہئے آپ کے معاملات اس طرح واضح اور صاف ہونا چاہئے کہ آپ کو دیکھ کر لوگ اپنی اصلاح شروع کر دیں۔

خوشنویسی کی ضرورت

۶۰۔حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے طلباء میں یہ بڑی کوتاہی ہے کہ ان کی تحریر کمزور ہوتی ہے اور وہ خوشخط بھی نہیں لکھ سکتے فرماتے کہ اگر مضمون کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو لیکن اگر خط اچھا نہیں ہے تو کوئی مضمون نہیں پڑھ سکتا اور نہ ہی کوئی ایسے مضمون کو پڑھے گا۔

علم و عمل کا تلازم

۶۱۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ علم اور عمل دونوں بھائی بھائی ہیں اور

جب ان میں ایک بھائی آجاتا ہے تو دوسرے بھائی عمل کو بلاتا ہے کہ میں یہاں آگیا ہوں تم بھی آجاؤ اگر وہ بھائی "عمل" آجاتا ہے تو علم بھی رہ جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ وہ بھائی نہ آئے تو علم بھی چلا جاتا ہے۔

صحبت شیخ کامل

۶۲۔فرمایا زمانہ طالب علمی ہی سے عمل کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اس سے علم میں نور پیدا ہوتا ہے فرمایا کرتے کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی پیر کامل اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کی جائے اور اس سے اپنی اصلاح باطن کروائیں۔

ضرورت اخلاص

۶۳۔فرمایا حضرت مولانا منفعت علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ نماز لباس اور داڑھی تو لوگوں کی وجہ سے ہے کہ کہیں بدنام نہ کریں بتاؤ اللہ واسطے کیا کرتے ہو۔

دو مفید کتب

۶۴۔فرمایا مذاہب اربعہ معلوم کرنے ہوں تو اس بارے میں امام شعرانی کی میزان معتبر کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں مذاہب اربعہ کے حوالے نقل کئے ہیں۔

ذوق اکابر کا فقدان

۶۵۔فرمایا حرف شناس عالم تو پیدا ہو رہے ہیں مگر اکابر جیسا دینی ذوق اور علمی مزاج رکھنے والے اور ان کے طرز فکر کے امین بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔

انحطاط علم

۶۶۔ایک دن فرمایا کہ بیس سال سے عالم دین پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں لیڈر، مقرر واعظ مضمون نگار پیدا ہو رہے ہیں عالم دین نہیں ملتا خیال ہوتا ہے کہ احکام القرآن عربی میں جو لکھ رہے ہیں آئندہ زمانوں میں اس کے سمجھنے والے بھی ہوں گے یا نہیں۔

ضرورت اخلاص

۶۷۔فرمایا تم اللہ کی رضا کیلئے پڑھو پڑھاؤ تمہاری دنیوی ضرورتیں بھی انشاءاللہ پوری ہوتی رہیں گی۔

جھگڑوں کی نحوست

۶۸۔ کسی بزرگ کا یہ مقولہ سنایا کرتے "المراء یذھب بنور العلم" یعنی جھگڑوں سے علم کا نور جاتا رہتا ہے۔

صحیح عالم کا نور

۶۹۔ فرمایا عالم جو صحیح معنی میں عالم ہو اگر تنہا بھی ہو تو دنیا کو نور سے بھر دیتا ہے۔

علم کے ساتھ ضرورت عمل

۷۰۔ فرمایا کہ اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کیلئے کافی ہوتا ہے تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں وہ بھی بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ایسے علم کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے۔ اسی طرح جو علم انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز نہ ہو وہ بے کار ہے۔

تحصیل علم میں ضرورت جائزہ

۷۱۔ اکثر طالب علموں سے خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ جب علم حقیقی کی علامت خشیت اللہ ہے تو ہر عالم یا طالب علم کو بار بار اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ یہ علامت اس میں پیدا ہوئی یا نہیں اور مثال دے کر فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مسافر ریل گاڑی میں سوار ہو کر کسی منزل کی طرف روانہ ہوتا ہے تو وہ بار بار کھڑکی سے منہ نکال کر دیکھتا ہے کہ اب کون سا اسٹیشن آیا ہے۔ اگر وہی اسٹیشن راستے میں پڑ رہے ہیں۔ جو منزل مقصود کے راستے میں آیا کرتے ہیں تو مطمئن ہو جاتا ہے اور انہی اسٹیشنوں سے یہ اندازہ لگاتا ہے کہ منزل کتنی دور ہے؟ اور اگر اسٹیشن ایسے نامانوس آنے لگیں جو اس منزل کے راستے میں نہیں پڑتے تو سمجھ جاتا ہے کہ گاڑی کسی اور رخ پر جا رہی ہے اور گھبرا کر گاڑی بدلنے کی فکر کرتا ہے اسی طرح علم کے مسافر کو بار بار اپنے دل کی کھڑکی میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ خشیت اللہ کا اسٹیشن آیا یا نہیں؟ اگر اس اسٹیشن کے کچھ آثار معلوم ہوتے ہیں تو سفر صحیح سمت میں ہو رہا ہے لیکن اگر خشیت

تواضع' انابت الی اللہ اور اتباع سنت کی بجائے بے فکری' تکبر وانانیت' حب جاہ ومال اور نفس پرستی کے اسٹیشن آرہے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کسی غلط گاڑی میں سوار ہے اور یہ گاڑی اسے علم کی منزل تک نہیں پہنچا سکتی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلوب ہے۔ اس موثر تمثیل کے بعد آپ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

خشیت اللہ رانشان علم داں آیت یخشی در قرآن بخواں

(مآثر مفتی اعظم مع اضافہ عنوانات)

حق تعالیٰ شانہ علوم تو اہل حق ہی کو عطا فرماتے ہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علوم تو حق تعالیٰ اہل حق ہی کو عنایت فرماتے ہیں منطقیوں کو تو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے علوم کو دیکھئے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمہ اللہ نے قسطنطنیہ جانے کے وقت جب ان کو سلطان نے بلایا تھا حاجی صاحب رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ آپ اجازت دیں تو آپ کا تذکرہ سلطان سے کروں۔ فرمایا کہ پھر کیا ہوگا غایت (انتہا) یہ ہوگی کہ معتقد ہو جائے گا پھر یہ ہوگا کہ آپ کی طرح بلائے گا پھر یہ ہوگا کہ بیت اللہ سے بعد اور بیت السلطان سے قرب ہوگا۔ اس تقریر میں ایک گونہ شان تھی تو بعد میں حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں سلطان چونکہ عادل اور سلطان عادل کی دعا منظور ہوتی ہے اس واسطے میرے لئے دعا کرائیں۔ اس سے نفس پر لتاڑے پھر فرمایا دعا کا طریق بھی میں عرض کر دیتا ہوں میرا اسلام عرض کر دیں وہ وعلیکم السلام کہیں گے یہی دعا ہے سبحان اللہ کیسے علوم تھے۔

علم کے ساتھ ضرورت اخلاق

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں آدمی کے جب تک اخلاق درست نہ ہوں اس وقت تک اعمال صحیح نہیں ہو سکتے اور اخلاق درست ہوں لیکن علم نہ ہو تو عمل کا راستہ نظر نہیں آ سکتا۔ تو دونوں چیزیں لازمی ہیں کہ علم کا راستہ بھی سامنے ہو اور چلنے کی طاقت بھی ہو۔ جب تک دونوں چیزیں سامنے نہیں ہوں گی نہ آدمی چل سکے گا اور نہ

منزل مقصود تک پہنچ سکے گا۔‘‘ (جواہر حکمت)

علم و معلومات کا فرق

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں۔ دیکھو ایک تو ابصار ہے اور ایک مبصرات ہیں۔ ان دونوں میں فرق ہے یعنی ایک تو وہ شخص ہے جس نے سیاحت بہت کی ہے مگر اس کی نگاہ کمزور ہے۔ اور ایک شخص نے سیاحت تو کم کی ہے مگر نگاہ بہت تیز ہے تو جس کی نگاہ کمزور ہے اور اس نے سیاحت بہت کی ہے اس کی مبصرات تو زیادہ ہیں مگر کسی مبصر (دیکھی ہوئی شئی) کی پوری حقیقت سے آگاہ نہیں کیونکہ اس نے کسی چیز کو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں ہر چیز کو سرسری طور پر یونہی دیکھا ہے اور جس کی نگاہ تیز ہے اور سیاحت زیادہ نہیں کی اس کے مبصرات گو کم ہیں مگر جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس کی حقیقت پر مطلع ہو جاتا ہے۔

بس یہ فرق ہے ہمارے اور حاجی صاحب میں کہ ہماری معلومات تو زیادہ ہیں مگر بصیرت قلب زیادہ نہیں اور حاجی صاحب کے معلومات گو قلیل ہیں مگر بصیرت قلب بہت زیادہ ہے اس لئے ان کے جتنے علوم ہیں سب صحیح ہیں وہ ہر معلوم کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور ہم حقیقت تک نہیں پہنچتے۔

غرض جیسے کثرت مبصرات کا نام ابصار نہیں اسی طرح کثرت معلومات کا نام علم نہیں۔ بلکہ علم یہ ہے کہ ادراک سلیم اور قوی ہو جس سے نتائج صحیحہ تک جلد وصول ہو جاتا ہو یہی ہے۔ حقیقت علم جو فقط پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے اور اسباب ہیں منجملہ ان کے ایک سبب تو دعا ہے۔ دوسرا سبب تقویٰ ہے، تقویٰ کے لئے تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے۔ تقویٰ اختیار کر کے دیکھ لو۔ الفاظ سے کمالات حقیقیہ کی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ (التبلیغ)

عالم کسے کہتے ہیں

عالم کہتے ہیں، متقی متبع سنت کو، کیونکہ مولوی میں نسبت ہے مولیٰ کی طرف یعنی مولیٰ والا سو جب تک وہ اللہ والا ہے اسی وقت مولوی بھی ہے لائق اتباع بھی ہے اور جب اس نے رنگ بدلا اسی وقت سے وہ مولوی نہیں رہا نہ قابل اتباع ہے بلکہ اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (التبلیغ)

علم موقوف علیہ اور خشیت کی شرط ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خشیت بدون علم کے نہیں ہوتی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں علم ہوگا خشیت بھی ضرور ہوگی۔ محض علم سے خشیت کا ہونا ضروری نہیں۔ اس کیلئے تدبیر مستقل کی حاجت ہے۔ (دعوات عبدیت)

بعض مولوی بھی جاہل ہوتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بعض جاہل مولوی ہوتے ہیں کیونکہ مولوی اصل میں وہ ہے جو اللہ والا ہو اور اللہ والا آدمی شریعت سے ہوتا ہے۔ مگر آج کل جہاں عربی کی دو چار کتابیں پڑھ لیں اسے مولوی کہنے لگتے ہیں۔ چاہے اس نے محض معقول وادب ہی پڑھا ہو۔ اگر معقول پڑھنے سے آدمی مولوی ہو جایا کرتے تو ارسطو اور جالینوس سب سے بڑے مولوی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ یہ لوگ معقول کے امام ہیں حالانکہ ان کے موحد ہونے میں بھی کلام ہے اور اگر ادب پڑھنے اور عربی گفتگو کر لینے اور تحریر لکھنے سے مولوی ہو جایا کرتے تو ابولہب اور ابوجہل سب سے بڑے مولوی ہونے چاہئے کیونکہ یہ لوگ بہت بڑے عربی داں اور فصیح و بلیغ تھے تو محض معقول وادب سے انسان مولوی نہیں ہو سکتا۔ (التبلیغ)

علماء کی ضرورت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ میں پوچھتا ہوں کہ آیا علماء کا قوم کیلئے ہونا ضروری ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ پھر اسلام کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بدون علماء کے اسلام قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ کوئی پیشہ بدون اس کے ماہرین کے چل نہیں سکتا یہ اور بات ہے کہ تھوڑی بہت دینی معلومات سب کو ہو جائیں اور اس سے وہ محدود وقت تک کچھ ضرورت رفع کریں۔ مگر اس سے اس مقدار ضرورت کا بقاء نہیں ہو سکتا بقاء کسی شی کا ہمیشہ اس کے ماہرین سے ہوتا ہے تو ماہرین علماء کی ضرورت ٹھہری۔

پھر یہ ماہرین کیسے پیدا ہوں؟ سو تجربہ سے اس کی صرف یہی صورت ہے کہ ساری قوم پر واجب ہے کہ چندہ سے کچھ سرمایہ جمع کر کے علماء کی خدمت کر کے آئندہ نسل کو علوم دینیہ پڑھائیں اور برابر یہی سلسلہ جاری رکھیں۔ سو عقلاً تو یہ بات واجب تھی کہ ساری قوم اس کی کفیل ہوتی۔ مگر ایک طالب علم بیچارہ آپ ہی ہر مصیبت جھیل کے تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا تو چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اس کی قدر کرتے بجائے اس کے رہزنی کرتے ہیں۔ کہ عربی پڑھو گے

تو کھاؤ گے کیا؟ کیا مسجد کے مینڈھے بنو گے؟ ہاں صاحب دنیا کا کتا بننے سے اچھا ہے۔

عالم کی مثال

عالم کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ اس کے طلوع ہوتے ہی نصف کرہ زمین (پوری زمین کا آدھا حصہ) منور ہو جاتا ہے اور ظلمت بالکل جاتی رہتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیندار عالم ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے تابع بن جائے اس کی صفت یہ ہو کہ **لایخافون فی اللہ لومۃ لائم** اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ (تحفۃ العلماء)

علم نبوت اور علم حقیقت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جہاد کتاب اللہ میں دقیق معنی کا ثبوت ہوتا ہے جنہیں غیر معمولی فہم کا آدمی سمجھ سکتا ہے وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ فہم کوئی اکتسابی چیز یا فن نہیں ہے جسے محنت سے حاصل کر لیا جائے بلکہ وہ ایک ملکہ عطائے الٰہی ہے جو خاص خاص افراد امت کو عطا ہوتا ہے' بعینہ اسی طرح جیسے رسالت و نبوت کوئی فن نہیں کہ جس کا جی چاہے محنت کر کے نبی بن جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں رسالت کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ "**اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ**" (یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھتا ہے) اور اس قسم کے صاحب فہم یا صاحب علم اسرار و حقائق کے بارے میں حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا (**وعلمناہ من لدنا علماً**) یعنی اور ہم نے انہیں (خضر علیہ السلام کو) اپنے پاس سے مخصوص علم دیا۔ غرض دونوں امور یعنی علم نبوت اور علم حقیقت کو اپنی طرف منسوب فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ علم کا یہ مرتبہ اکتسابی نہیں بلکہ محض عطائے الٰہی اور موہبت ربانی ہے' جس کے لئے من اللہ ہی افراد کا انتخاب فرمایا جاتا ہے''۔ (جواہر حکمت)

علماء آخرت کی چند نشانیاں

اپنے علم سے دنیا نہ کماتا ہو (عالم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت کا' اس کے کمینے پن کا' اسکے مقدر ہونے کا' اس کے جلد ختم ہو جانے کا اس کو احساس ہو۔ آخرت کی

عظمت ٗاس کا ہمیشہ رہنا اس کی نعمتوں کی عمدگی کا احساس ہو)۔

اس کے قول وفعل میں تعارض نہ ہو دوسروں کو خیر کا حکم کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ (حاتم اصم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس عالم سے زیادہ حسرت والا کوئی نہ ہوگا جس کی وجہ سے دوسروں نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا وہ تو کامیاب ہو گئے اور وہ خود عمل نہ کرنے کی وجہ سے ناکام رہا)

ایسے علوم میں مشغول ہو جو آخرت میں کام آنے والے ہوں۔ ایسے علوم سے احتراز کرے جن کا آخرت میں کوئی نفع نہیں ہے۔

کھانے پینے کی اور لباس کی عمدگیوں کی طرف متوجہ نہ ہو (ان چیزوں میں بقدر ضرورت توجہ سے علماء آخرت میں درجات کی بلندگی نصیب ہوگی)

سلاطین اور حکام سے دور رہے (بلاضرورت ان کے پاس ہرگز نہ جائے ملاقات کم سے کم رکھے تکلف ٗمداہنت ٗبے جا تعریف سے محفوظ رہے گا)

فتویٰ صادر کرنے میں جلدی نہ کرے۔ مسئلہ بتانے میں احتیاط کرے۔ جہاں تک ممکن ہو اہل کے حوالے کرے (ابوحفص نیسا پوری رحمہ اللہ کہتے ہیں عالم وہ ہے جسے مسئلہ بتاتے وقت یہ خوف ہو کہ کل قیامت میں یہ جواب دہی کرنا پڑے گی کہ مسئلہ کہاں سے بتایا تھا؟)

باطنی علم یعنی سلوک کا اہتمام بہت زیادہ ہو (اپنی اصلاح باطن اور اصلاح قلب میں بہت زیادہ کوشش کرنے والا ہو)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا یقین اور ایمان بڑھا ہوا ہو (یقین ہی اصل سرمایہ ہے)

ہر حرکت وسکون سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خوف ٹپکتا ہو۔ (اللہ سبحانہ وتقدس کی عظمت ٗجلال اور ہیبت کا اثر اس شخص کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا ہے)

ان مسائل میں زیادہ اہتمام ہو جن کا تعلق اعمال سے ہے (ایسے علوم سے زیادہ بحث نہ کرتا ہو جو محض دماغی تفریحات ہوں)

علوم میں بصیرت کے ساتھ تحقیقی نظر کرنیوالا ہو (محض لوگوں کی تقلید میں اور اتباع میں ان کا قائل نہ بن جائے)

بدعات سے بہت شدت اور اہتمام سے بچنے والا ہو (حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی

اللہ عنہ فرماتے ہیں عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ علم خواہشات کے تابع ہوگا یعنی جن چیزوں کو اپنا دل چاہے گا وہی علوم سے ثابت کی جائینگی)

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں علماء کو اپنے محاسبے کے دن سے خاص طور سے ڈرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی ذمہ داری بھی بڑھی ہوئی ہے اور انکا محاسبہ بھی سخت ہے اور قیامت کا دن جس میں یہ محاسبہ ہوگا بڑا سخت دن ہوگا۔ اللہ جل شانہ محض اپنے لطف وکرم سے اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے۔ آمین (فضائل صدقات)

علم نافع

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

علوم میں ایک بڑی تقسیم علم نافع کی ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم غیر نافع سے پناہ مانگی ہے اور حکمائے ملت نے فرمایا ہے۔

علمے کہ راہ حق نمایدت جہالت است

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے "علم نافع" کی یہ تشریح فرمائی ہے۔

"العلم النافع مایزید فی خوفک من اللہ تعالی" یعنی علم نافع وہ ہے جس سے خوف وخشیت خداوندی میں اضافہ ہو اور جس کی وجہ سے تجھے اپنے نفسانی عیوب پر پہلے سے زیادہ بصیرت حاصل ہو جائے اور حق جل شانہ کی معرفت اور اس کی عبادت کی کثرت ہو جائے اور اس علم کی وجہ سے دنیا کی رغبت میں کمی اور اخروی رغبت میں زیادتی ہو جائے وہ علم تیرے اعمال کو برباد کرنیوالی آفات کے متعلق تیری بصیرت کی آنکھیں کھول دے تاکہ تو ان آفات سے بچ سکے اور وہ علم تجھے شیطان کی فریب کاریوں اور دھوکہ بازیوں پر مطلع کردے کہ شیطان انسان حتی کہ علمائے سوء تک کو کیسے گمراہ کرتا ہے اور ایسے لوگ رحمت خداوندی کی بجائے اس کے غصہ وغضب کی لپیٹ میں آجاتے ہیں کیونکہ دنیا کے بدلے اپنا دین فروخت کرتے پھرتے ہیں اور اپنے علوم کو تحصیل مال کا ذریعہ اور وسیلہ بنارکھا ہے اور دن بھر میں ان کی سرگرمیوں کا مرکز ومحور لوگوں کے قلوب میں اپنا مقام پیدا کرنے کی فکر اور جاہ ومرتبہ کا حصول ہے اور ان جذبات اور گھٹیا مقاصد نے انہیں فخر وریاکاری

جھگڑے بازی میں مبتلا کر رکھا ہے تاکہ اس تصنع کاری سے اپنے علم وتقویٰ کا مظاہرہ کر کے جاہ ومرتبہ اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کر سکیں۔ (بحاصلہ مختصراً) امام غزالی رحمہ اللہ نے علم نافع کی صفات قدرے تفصیل سے ہمارے سامنے پیش کر دیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں اور اپنے علم کو ان پر منطبق کر کے دیکھیں۔ اگر اپنے علم کو اس کے مطابق پائیں تو اللہ پاک کا شکر بجالائیں۔ شکر کرنے پر ان شاء اللہ علم کے انوار وبرکات میں اضافہ ہوگا۔ فرمان باری ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا اور اگر خدانخواستہ ہمارا مردہ ورسمی علم، علم نافع کی زندہ صفات سے متصف نہیں۔ اس علم سے نہ خوف وخشیت خداوندی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ نہ اپنے عیوب ورزائل نظر آتے ہیں نہ اس علم سے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت پیدا ہو رہی ہے۔ قلب میں حق جل شانہ کی رضائے عالی حاصل کرنے کے بجائے مخلوق میں اپنا مقام ونام پیدا کرنے کی دھن ہے۔ دن رات خودنمائی وخودستائی اور جلب زر کی فکر ہے تو ہمارا یہ علم وہی علم ہے جس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ مانگی ہے اور اگر ایسی حالت پر مطمئن بھی ہے اور اپنے اس رسمی ومردہ علم کو علم سے زندہ کرنے کی نہ فکر ہے نہ اپنے قصور وکوتاہی کا اقرار واعتراف ہے تو یہ جہل مرکب نہایت خطرناک اور دنیا وآخرت میں خسران کا موجب ہے۔ ”اعاذنا اللہ من ذالک“۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز سب سے بدتر وہ عالم ہوگا جو اپنے علم سے منتفع نہیں ہوا۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ علم نافع سے بڑھ کر کوئی مفید اور علم غیر نافع سے زیادہ کوئی چیز نقصان دہ نہیں۔

بے یقینی

اس شخص کی بدبختی کا کیا ٹھکانہ ہے جو حیات جاودانی، شباب دائم اور غیر متناہی نعمتوں کے خزانوں پر بیٹھا ہے اور ان کے حصول کے ذرائع واسباب کا علم بھی رکھتا ہے مگر بے یقینی اور تذبذب کا شکار ہونے کیوجہ سے ان ذرائع واسباب کو استعمال میں نہ لا کر ان تمام ابدی انعامات سے محروم ہو جاتا ہے۔ صرف محرومی ہی نہیں بلکہ لذات وشہوات میں مبتلا ہو کر اپنے کو جہنم کا ایندھن بنا رہا ہے۔ الغرض علم نافع وہی ہے جو انسانی زندگی کو خوف وخشیت

خداوندی اعلیٰ اخلاق اور عمل صالح کے راستے پر ڈال دے اور حق جل شانہ کے ساتھ عبدیت وعبودیت کا سچا تعلق پیدا کر دے۔ انسانیت کیلئے یہ فلاح کی راہ ہے اور مدارس دینیہ کی اصل روح بھی یہی تعلق باللہ اور عمل صالح ہے۔ (مشعل ہدایت)

علماء مشائخ سے تقویٰ وطہارت میں کمی کی شکایت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

تقویٰ اور طہارت بڑی چیز ہے مگر آج کل قریب قریب ہر طبقے میں اس کی کمی ہے خصوص علماء اور مشائخ میں اس کی کمی ہونا نہایت ہی مذموم ہے اس لئے کہ یہ پیشوا اور مقتدا کہلائے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو غیر علماء کو یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے مدرسہ دیوبند میں خواجہ صاحب کا قیام ہوا۔ شب کا وقت ہوا مہتمم صاحب نے مہمان خانہ میں خادم مدرسہ کو روشنی کرنے کیلئے حکم فرمایا۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ اگر یہ لالٹین اور تیل آپ کا نجی ہے تب تو کوئی حرج نہیں اور اگر مدرسہ کا ہے تو میں خود انتظام کرلوں گا۔ امیر شاہ خان صاحب بھی اس وقت مدرسہ میں ٹھہرے ہوئے تھے سن کر میرا نام لیکر کہا کہ یہ تو اس کے ملنے والوں میں ہے۔ ایک مرتبہ مولانا اصغر حسین صاحب جونپور میں بحیثیت مدرسی مقیم تھے۔ ایک نووارد طالب علم مسجد کے چراغ میں مطالعہ کرنے بیٹھے اور جس وقت چراغ گل ہونے کا معمول تھا اس وقت خود چراغ گل کر دیا اور اس کی روشنی میں پھر کتاب کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ اپنا چراغ روشن کر لیا۔ مولانا اصغر حسین صاحب نے کہا کہ میں یہ خیانت سمجھتا ہوں اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی مریض طبیب کے پاس جائے طبیب بوجہ اخلاق کے نہ کوئی کڑوی دوا لکھے اور نہ پرہیز بتلائے تو جیسے یہ خیانت ہے ایسے ہی وہ شیخ بھی خائن ہے جو طالب کی اصلاح پر توجہ نہ کرے اور اس کے معتقد یا غیر معتقد ہونے کے ڈر سے ڈانٹ ڈپٹ روک ٹوک نہ کرے مجھ کو یہ تو آسان ہے کہ اصلاح کا کام بند کر دوں مگر یہ چاپلوسی اور خوشامد نہیں ہو سکتی۔ غیرت آتی ہے کہ طریق کو طالب بنایا جائے کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔ (ملفوظات ج ۶)

عالم اور مولوی کا فرق

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عالم دین مولوی ہی کو نہیں کہتے بلکہ

ان دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر مولوی عالم دین ہے مگر ہر عالم دین مولوی نہیں ہوتا۔ علم دین کبھی صحبت سے حاصل ہوتا ہے کبھی پڑھنے سے۔ (تحفۃ العلماء)

ہر مسلمان طالب علم ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر مسلمان ہر وقت مسلمان ہونے کی حیثیت سے طالب علم ہے کیونکہ ایک درجہ طالب علم کا ہر مسلمان پر فرض ہے اور وہ ضرورت کا علم ہے یعنی بقدر ضرورت عقائد کا اور علم کا ہر مسلمان پر فرض ہے اور وہ ضروریات کا علم ہے یعنی بقدر ضرورت عقائد کا اور احکام صلوٰۃ وصوم اور احکام معاملات ومعاشرات کا علم ہر مسلمان پر لازم ہے۔ نیز اس کی بھی ضرورت ہے کہ دین اور علم دین سے مناسبت پیدا کرے اور دین کی سمجھ حاصل کرے اور فہم کو بڑھائے اسی کا نام طالب علمی ہے۔ (الحکمۃ ضالۃ المومن فحیث وجدھا فھو احق بھا)۔ یعنی علم وحکمت مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے جب اور جہاں کہیں اس کو پائے وہ اس کے زیادہ لائق ہے۔ (التبلیغ)

علماء کی فضیلت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فخر اگر کریں تو علماء کر سکتے ہیں کیونکہ وہ خود راہ راست پر ہیں اور دوسروں کے لئے دلیل راہ بنتے ہیں اور مال کو تو اگر غور کیا جائے تو اس کا نہ ہونا موجب فخر ہو سکتا ہے کیونکہ مال کی حالت سانپ کی سی ہے کہ اس کا ظاہر نہایت دلکش دلفریب چکنا چمکدار، لیکن اس کے باطن میں مہلک زہر بھرا ہے۔ اسی طرح مال اگرچہ ظاہر میں آسائش وآرائش راحت وآرام کا سبب ہے لیکن اس کا بطن تمام خرابیوں اور مصیبتوں کی جڑ ہے، مال پر فخر کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی اس پر فخر کرنے لگے کہ میرے تمام جسموں پر سانپ لپٹے ہوئے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

رضیا قسمۃ الجبار فینا لنا علم وللاعداء مال

فان المال یفنی عن قریب وان العلم باق لایزال

یعنی مال تو فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا۔ علم جس کے ساتھ ہو وہ دنیا بھر سے مستغنی

ہے اس کو نہ رفیق کی ضرورت نہ مونس کی ضرورت، ہر کسی بادشاہ کو بھی وہ خوشی اور اطمینان حاصل نہیں۔ بادشاہ کو اپنے مصاحبوں ہی سے خطرہ ہوتا ہے کہ یہ مجھے زہر نہ دے دیں، مار نہ ڈالیں۔ اور عالم کے اطمینان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ تن تنہا جنگل میں ہے، مگر محفوظ، بادشاہ سے زیادہ اطمینان میں ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ علم کے ثمرات اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ (دعوات عبدیت)

مشغلہ علم دین کی فضیلت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آج کل مشغلہ علم دین سب سے اچھا ہے۔ دین کی تعلیم سے بہتر آج کل کوئی خدمت نہیں جس کو خدا تعالیٰ علم دے تو اس کیلئے اس سے بہتر کوئی اور مشغلہ نہیں۔ اس کی آج کل سخت ضرورت ہے۔ اور فضیلت بھی اس کی اس قدر ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے عمل کی ہو جب تک تعلیم کا سلسلہ چلا جائے گا، قیامت تک نامہ اعمال میں ثواب بڑھتا جائے گا۔ (حسن العزیز)

عزت لباس پر موقوف نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

میں کانپور میں مدرسہ میں پڑھ رہا تھا ایک شخص آیا وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر تھے اور ایک چادر میلی سی سر سے اوڑھے ہوئے تھے ٹوپی ندارد طالب علم ان کی حالت پر ہنسے پھر انہوں نے جائے نماز پر اعتراض کیا کہ یہ منقش ہونے کی وجہ سے خلاف سنت ہے۔ استعمال اس کا آپ لوگوں نے کس طرح گوارا کیا اور ایک عالمانہ تقریر کی جس کو سن کر سب دنگ رہ گئے پھر حضرت والا نے فرمایا کہ عزت لباس پر موقوف نہیں ہے خیر دنیا داروں کی تو اچھا لباس پہننے میں مصلحتیں ہوتی ہیں ان کو حکام سے ملنا ہوتا ہے مگر طلبہ کو کیا ضرورت ہے۔

شالباف کی ٹوپی کا ہدیہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

ایک شخص حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک چھینٹ کی ٹوپی لائے اس میں شالباف کی گوٹ لگی ہوئی تھی اور گوٹا بھی ٹکا ہوا تھا مولانا رحمہ اللہ نے سر پر رکھ لی پھر کسی بچہ کو دیدی اور فرمایا کہ میں نے اس بیچارے کا دل خوش کرنے کیلئے سر پر رکھ لی تھی۔ (ملفوظات ج ۱۸)

حقیقی مولوی اور عالم کی تعریف

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مولوی احکام داں کو کہتے ہیں، عربی داں کو نہیں کہتے۔ عربی داں ابو جہل بھی تھا۔ مگر لقب تھا ابو جہل نہ کہ عالم۔ (کلام الحسن)

مولوی سے مراد عالم باعمل ہے جس کا نام چاہے آپ درویش رکھ لیجئے۔ جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ مولویوں میں داخل ہی نہیں۔ ہم صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے۔ مصر، بیروت میں عیسائی یہودی عربی داں ہیں تو کیا ہم ان کو مقتداء دین کہنے لگیں۔ (تجدید تعلیم)

مولوی اسی کو کہتے ہیں جو مولا والا ہو یعنی علم دین بھی رکھتا ہو اور متقی بھی ہو خوف خدا وغیرہ، اخلاق حمیدہ بھی رکھتا ہو۔

صرف عربی جاننے سے آدمی مولوی نہیں ہوتا چاہے وہ کیسا ہی ادیب ہو، عربی میں تقریر بھی کر لیتا ہو تحریر بھی لکھ لیتا ہو کیونکہ عربی داں تو ابو جہل بھی تھا بلکہ وہ آج کل کے ادیبوں سے زیادہ عربی داں تھا تو وہ بڑا محقق عالم ہونا چاہئے۔ حالانکہ اس کا نام ہی ابو جہل تھا۔ معلوم ہوا کہ صرف عربی داں کا نام مولویت نہیں۔ (التبلیغ)

علم ایک نور ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم سے مراد یہ نہیں کہ قال دراصل قول بود جانتا ہو بلکہ علم ایک نور ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وجعلنا له نورا یمشی به فی الناس۔ ہم نے علم کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعہ آپ لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ اور اس نور کے ہوتے ہوئے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر چاروں طرف سے اسے تلواروں میں گھیر لیا جائے تب بھی اس کے دل پر ہراس نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر میں تھے۔ دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لئے اترے۔ آپ نے اپنی تلوار درخت میں لٹکا دی اور درخت کے نیچے سو گئے۔ ایک دشمن نے موقع غنیمت سمجھا اس نے دبے پاؤں آکر تلوار پر قبضہ کیا اس کے بعد اس کو نہایت آہستگی سے نیام سے نکالا اور آپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا آپ کو بیدار کیا

اور پوچھا کہ من یعصمک منی۔ اس وقت آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے اس کی یہ ہیئت دیکھ کر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں فرمائی اور اس سوال کے جواب میں نہایت اطمینان سے فرمایا کہ اللہ یعنی مجھے اللہ بچائے گا۔ بھلا ایسا کوئی کر کے تو دکھادے۔ بدون خدا کے تعلق کے کوئی ایسا نہیں کر سکتا تو علم اس کا نام ہے، ورنہ نرے الفاظ تو شیطان بھی خوب جانتا ہے۔

اور راز اس کا یہ ہے کہ علم کامل سے کامل معرفت ہوتی ہے وہ جانتا ہے کہ: عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم (ہوسکتا ہے کسی شئی کو تم برا سمجھتے ہو، لیکن تمہارے حق میں وہ بہتر ہو) اس لئے گھبراتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے لئے علاج اور کفارہ سیئات ہو رہا ہے نیز اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم خدا کے ہیں اپنے نہیں ان کو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لئے مناسب سمجھیں، اس میں رکھیں۔ (تحفۃ العلماء)

بڑے بڑے علماء کو اخلاق کی ماہیت معلوم نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

ایک بزرگ نے ایک مدرسہ میں درس میں سلوک کی کتب داخل کی تھیں مگر چلی نہیں کم از کم غزالی رحمہ اللہ کی ہی کوئی کتاب داخل ہو جائے تو بہتر ہے۔ بہت سے اہل علم کو بھی اپنے اخلاق کا خیال نہیں جو حدیث ختم کر چکا ہو۔ اس سے پوچھئے کہ کبر و عجب کی کیا تعریف ہے اور دونوں میں کیا فرق ہے اور ان اخلاق کی ماہیت اس قدر دقیق ہے کہ بکثرت دھوکہ ہو جاتا ہے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ بعض میں کبر بصورت تواضع ہوتا ہے ہم لوگوں کے الفاظ تواضع کے ہوتے ہیں لیکن واقع میں اپنے کو ایسا سمجھتے نہیں۔ چنانچہ مدح کے جواب میں کہتے ہیں کہ میں اس قابل نہیں اس سے زیادہ مدح کرتا ہے بس اچھا طریق وہ ہے جو مولانا ممدوح کا تھا کہ مداح کا رد نہیں کرتے چپ رہتے تھے مدح کے قطع کرنیکا یہ طریقہ ہے کہ چپ رہے اور مذمت کے وقت بھی خاموش رہے نہ اسکا اثر نہ اس کا اثر بس یہ تواضع ہے۔ (ملفوظات ج ۱۸)

طالب علم کی تعریف اور طلب علم کی فضیلت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طلب علم کے یہ معنی نہیں کہ وہ عربی

پڑھیں یہ تو ان کیلئے ہے جو فارغ ہوں اور نہ یہی معمول رہا ہے صحابہ کا بھی اور تابعین کا بھی کہ ضرورت کے موافق پڑھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے تو عربی نہ پڑھنے والے یہ نہ سمجھیں گے کہ ہم کو طلب دین کی فضیلت حاصل نہیں حدیث میں ہے ملائکہ ان کیلئے جھک جاتے ہیں تضع کے یہی معنی ہیں اور یہ کہیں سے نظر سے نہیں گزرا کہ طالب علم کے پیر کے نیچے پر بچھا دیتے ہیں اگر انہیں لفظوں سے یہ سمجھا ہے تو محل کلام ہے اور اگر کوئی اور روایت ہے جو ہم تک نہیں پہنچی تو بسر وچشم قبول ہے ان روایتوں کو سن کر اکثر لوگ دل شکستہ ہوتے ہیں کہ ہم کو یہ فضیلت حاصل نہیں مگر میں مطلع کرتا ہوں کہ کوئی دل شکستہ نہ ہو۔ ہر شخص یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ معاملات وعقائد وغیرہ کا اہتمام کرے اور غور کرتا رہے اور جو نہ معلوم ہو پوچھتا رہے بس یہ طالب علم ہوگیا اور اس کیلئے وہی تعظیم ہوگی ہاں جو مقتدا بن جائے وہ اس فضیلت کیساتھ نائب رسول بھی ہوگا ورنہ طلب علم کی فضیلت ہر شخص کو حاصل ہوسکتی ہے۔ (دعوات عبدیت، طلب العلم)

کتاب اور شخصیت دونوں کی ضرورت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’فقط کتاب ہوگی تو تکبر پیدا ہوگا اور فقط شخصیت کی پیروی ہوگی تو ذلت نفس پیدا ہوگی اور کتاب اور شخصیت دونوں کو ملا دو‘ تو وقار کے ساتھ تواضع للہ پیدا ہو جائے گی‘ تو نہ کبر باقی رہے گا نہ ذلت نفس باقی رہے گی۔ امت مسلمہ نے یہ دونوں چیزیں سنبھال لیں۔ ایک طرف تو اہل اللہ کا دامن پکڑا اور دوسری طرف کتاب اللہ اور سنت کا دامن پکڑا‘ دونوں چیزوں کو ملا کر چلتے ہیں‘ تو وقار بھی ہے خودداری بھی ہے اور تواضع للہ بھی ہے۔‘‘

قرآنی لفظ علماء کی وسعت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’قرآن کریم کی جو آیت ہے کہ ’’انما یخشی اللہ من عبادہ العلموء‘‘ اس آیت میں حصر کردیا کہ ’’علماء ہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں یعنی خوف وخشیت ان ہی کے قلوب

میں ہے۔" یہاں علماء سے مراد صرف علماء فقہ ہی نہیں ہے جو جائز و ناجائز اور حلال وحرام کے مسائل سے واقف ہوں بلکہ قرآن کی ان نشانیوں سے واقف ہوں جو ضروریات زندگی کے سلسلہ میں دنیوی علوم کی طرف توجہ دلاتے ہیں اس میں ستاروں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ اس میں زمین کے مخفی عجائبات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ قرآن پاک خلاوفضا کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے اور ان کی طرف اشارات بھی کئے گئے ہیں اور ان سب کا مقصد بھی درحقیقت معرفت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہے اس لئے کہ آثار کو دیکھ کر ہی ذی اثر کا پتہ چلتا ہے"۔

حقیقی عالم کون

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"علم کا خاصہ ترقی، اونچائی اور بڑائی ہے اسی وجہ سے انسان کے لئے عبدیت لازم کی گئی اس لئے کہ علم محض اسے متکبر بنادے گا اس کا علاج عبدیت میں رکھا گیا ہے تو جب علم کے ساتھ عبدیت جمع ہوتی ہے تو علم کے آثار میں استکبار کے بجائے وقار پیدا ہوتا ہے اور عبدیت سے ذلت نفس کے بجائے تواضع للہ پیدا ہوجاتی ہے تو عالم حقیقی وہ ہے کہ جو متکبر نہ ہو بلکہ باوقار ہو جو ذلیل النفس نہ ہو بلکہ متواضع ہو"۔ (جواہر حکمت)

علم کے نافع ومضر ہونے کی مثال

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

ایک اہل علم کے خلاف احکام شرعیہ افعال کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ علم پڑھ کر بھی جس میں خشیت نہ پیدا ہو اس سے وہ جاہل اچھا جس میں خشیت ہو علم کی مثال نافع ومضر ہونے میں تلوار کی دھار کی سی ہے۔ اس سے دوست بھی کٹتا ہے اور دشمن بھی کٹتا ہے اگر تلوار چلانے والا ماہر فن نہ ہو تو کبھی اس سے اپنے ہی کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس طرح کہ مارا ہاتھ دشمن کے اور وہ خالی گیا اور لوٹ کر اپنے ہی پر پڑ گیا۔ اسی طرح علم بڑی ہی ۔ چیز ہے اس میں امن بھی ہے اور خوف بھی ہے گو غالب امن ہی ہے مگر حسن استعمال نہ ۔ ت ہے۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ جتنے گمراہ فرقے بنے ہیں یہ لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ ہی

لوگوں کی بدولت بنے ہیں کسی جاہل نے بھی کوئی فرقہ بنایا ہے اور جاہل کا معتقد ہی کون ہونے لگا۔ اب اسی غلام احمد قادیانی کو دیکھ لیجئے جس نے پہلے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر محدث ہونے کا۔ پھر مہدی ہونے کا دعوی کیا پھر کرشن ہونے کا دعویٰ کیا پھر نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر۔ پھر پھار کے لفظوں میں خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا پھر خود خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ کبھی عورت بنا۔ پھر اس کو حمل قرار پایا۔ کیا اس کو ہذیان نہ کہیں گے؟ مگر لوگ ہیں کہ معتقد ہیں۔ خصوص انگریزی خواں ان لوگوں کے یہاں کسی چیز کا معیار قبولیت صرف یہ ہے کہ وہ چیز نئی ہو' چاہے کتنی ہی بعید از عقل ہو مگر ہو نئی اس کو قبول کر لیتے ہیں اور کوئی بات کتنی ہی قریب از عقل ہو مگر ہو پرانی اس کو قبول نہیں کریں گے۔ (ملفوظات ج ۲۶)

بڑا بننے کا طریقہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا بڑا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بنے پھر خود بخود اس میں اثر ہے کہ بڑا بن جائے گا اس واسطے سلاطین اور مشائخ کی ہزاروں حکایتیں ہیں کہ انہوں نے تواضع اختیار کی اس سے ان کو بڑائی حاصل ہوئی کسی نے ان کے بڑا ہونے کی حکایت نقل نہیں کی اور فرمایا اس میں ذلت نہیں ذلت کی حقیقت ''عرض حاجت'' ہے۔ بوجھ اٹھانا اور گاڑھا پہننا وغیرہ ذلت نہیں۔ (ملفوظات ج ۲۶)

علم کی عزت افزائی

ہشیم بن بشیر اصل میں بخارا کے تھے لیکن بغداد میں آ کر آباد ہو گئے تھے ان کے والد بشیر باورچی تھے' کھانا پکانا پیشہ تھا' ہشیم کو بچپن ہی سے پڑھنے کا شوق تھا' انہیں اپنے آبائی پیشہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جبکہ ان کے گھر والوں کو ان کا پڑھنا پسند نہیں تھا وہ گھر والوں کے نہ چاہنے کے باوجود مسلسل پڑھتے رہے' بغداد میں قاضی ابو شیبہ کا درس حدیث مشہور تھا یہ اس میں پابندی سے جانے لگے' پابندی سے پڑھنے والا طالب علم استاذ کی نظروں میں آ جاتا ہے' ایک مرتبہ ہشیم بیمار ہوئے اور درس میں نہیں آئے' قاضی ابو شیبہ نے ان کا پوچھا' کسی نے کہا' بیمار ہے' فرمایا ''چلئے' ہم ان کی عیادت کر آتے ہیں'' عیادت کیلئے جانے لگے تو اہل مجلس اور

شاگرد بھی ساتھ ہو گئے' سب نے بشیر باورچی کے گھر جا کر ان کے بیٹے ہشیم کی عیادت کی' قاضی کے واپس جانے کے بعد بشیر باورچی ان سے کہنے لگے'' بیٹے! میں تمہیں علم حدیث حاصل کرنے سے روکتا تھا لیکن اب نہیں روکوں گا' یہ اس علم ہی کی برکت ہے کہ قاضی آج میرے دروازے پر آیا' ورنہ مجھے اس کی کہاں امید تھی''۔ (تاریخ بغداد ص ۵۷' ج ۱۴)

علمی استحضار

محمد بن احمد بن ابی سہیل سرخسی شمس الائمہ سرخسی کے نام سے مشہور ہیں۔ بعہد خلیفہ القادر باللہ ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے' بڑے حق گو اور حریت پسند تھے۔ کلمہ حق کہنے میں کسی کا خوف نہیں کرتے تھے۔ بادشاہ کو اس کے بعض نقائص سے آگاہ کیا اسے بتایا کہ رعب وداب اور طاقت کے زور سے رعایا خاموش تو ہو جاتی ہے مگر مطیع نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے دلوں پر حکومت ہو سکتی ہے۔ رعایا کا دل صرف اسی طریقے پر قابو کیا جا سکتا ہے کہ سختیاں دور کی جائیں۔ ان کی فریاد اور چیخ وپکار سنی جائے اور ہر طرح افراد رعایا کی دلجوئی کی جائے۔ بادشاہ ایسی آزادانہ گفتگو سننے کے بہت کم عادی ہیں اس نے ناراض ہو کر شہر روز جند میں ایک پرانے کنویں کے اندر قید کر دیا۔ آپ عرصہ تک وہاں قید رہے اور آپ کے شاگرد کنویں پر آ کر آپ سے سبق پڑھتے رہے اور آپ جو کچھ کنویں کے اندر کہتے وہ اسے لکھتے جاتے۔ محبوسی کی حالت ہی میں چار پانچ ضخیم کتابیں تیار ہو گئیں۔ آخر رہا ہوئے اور فرغانہ پہنچے۔ امیر فرغانہ نے بڑی عزت کی۔ آپ کے تمام شاگرد بھی اسی جگہ آ گئے اور یہاں بھی درس فقہ وحدیث جاری ہو گیا آپ کی وفات بقول بعض ۴۹۰ھ اور بقول بعض ۵۰۰ھ میں ہوئی ہے یہ زمانہ المستظہر باللہ کا تھا۔ (خزینہ)

اکابر کا انداز نصیحت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ جہاں تک وعظ وخطابت کا تعلق ہے اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو ایسا عجیب وغریب ملکہ عطا فرمایا تھا اسکی نظیر مشکل سے ملے گی۔ بظاہر تقریر کی عوامی مقبولیت کے جو اسباب آج کل ہوا کرتے ہیں

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے وعظ میں وہ سب مفقود تھے' نہ جوش وخروش' نہ فقرے چست کرنے کا انداز' نہ پر تکلف لسانی' لہجہ وترنم' نہ خطیبانہ ادائیں لیکن اس کے باوجود وعظ اس قدر موثر' دلچسپ اور مسحور کن ہوتا تھا کہ اس سے عوام اور اہل علم دونوں یکساں طور پر محظوظ اور مستفید ہوتے تھے۔ مضامین اونچے درجے کے عالمانہ اور عارفانہ لیکن انداز بیان اتنا سہل کہ سنگلاخ مباحث بھی پانی ہوکر رہ جاتے' جوش وخروش نام کو نہ تھا لیکن الفاظ ومعانی کی ایک نہر سبیل تھی جو یکساں روانی کے ساتھ بہتی اور قلب ودماغ کو نہال کر دیتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ منہ سے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے موتی جھڑ رہے ہیں۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے مخالف فرقوں کی تردید کو اپنی تقریر کا موضوع کبھی نہیں بنایا لیکن نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں نے ان کے مواعظ سے ہدایت پائی اور کتنے غلط عقائد ونظریات سے تائب ہوئے۔ (نقوش رفتگاں)

فاتح بمبئی ''بمبئی میں''

خود حکیم الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں پہلی مرتبہ بمبئی گیا تو میرے خلاف مخالف مسلک والوں نے قد آدم پوسٹر لگائے اور عوام کو بتایا گیا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا مرید ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مجاز ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا مخصوص شاگرد ہے اور حضرت قاسم العلوم نانوتوی رحمہ اللہ کا سگا پوتا ہے اس لئے اس میں ساری کفریہ نسبتیں جمع ہیں۔ ہمارے مسلک کے بھائیوں کو چاہئے کہ اس کی صورت بھی نہ دیکھیں ورنہ ایمان کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہے۔

عجیب اتفاق یہ پوسٹر ہی اس جلسہ میں جس میں حکیم الامت کی تقریر ہونیوالی تھی لوگوں کی غیر معمولی حاضری کا سبب بن گیا' لوگوں نے کہا کہ دیکھنا تو چاہئے کہ آخر اتنے بڑے ''کافر'' کی صورت شکل کیسی ہوگی اور وہ کیا کیا کفریہ باتیں لوگوں کو تلقین کرے گا۔

> لیکن خلاف توقع اس دن وعظ میں اتنا بڑا اجتماع ہوا کہ بمبئی کی تاریخ میں اتنا بڑا مجمع لوگ کہتے ہیں کہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا' لوگوں کا محتاط اندازہ ہے کہ تیس چالیس ہزار انسانوں کا اجتماع تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا بمبئی ٹوٹ پڑا ہے اس دن آپ کا وعظ تقریباً تین گھنٹے ہوا۔ مجمع پر سکوت

طاری تھا آپ اپنے دستور کے مطابق مثبت انداز میں تقریر فرما رہے تھے آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے اکابر اولیاء اللہ کے واقعات اور اپنے اسلاف واکابر کی خدمات کا تذکرہ بڑے موثر انداز میں بیان فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سامعین نے غیر معمولی اثر لیا اور پورے بمبئی میں مشہور ہوگیا کہ اگر علماء دیوبند ایسے ہوتے ہیں پھر ان سے بہتر تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان محلوں سے تقریر کی دعوتیں آنا شروع ہوگئیں جو خاص مخالفین کے محلے کہلاتے تھے اور پھر انتیس دن تک مسلسل یومیہ آپ کی تقریریں بمبئی کے مختلف محلوں میں ہوتی رہیں جن میں عوام وخواص کی بہت بڑی تعداد حاضر ہوتی رہی۔ اسی کے پیش نظر ''فاتح بمبئی'' کا خطاب عطا فرمایا۔ (مجالس حکیم الاسلام)

اہل علم کیلئے بیش قیمت تحفہ

تفسیر قرآن کیلئے ضروری پندرہ علوم اور ان کا مختصر تعارف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اہل فن نے تفسیر کے لئے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے وقتی ضرورت کی وجہ سے مختصراً عرض کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ بطنِ کلامِ پاک تک رسائی ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔

۱۔**علم لغت:** لغت جس سے کلام پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جاویں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو جائز نہیں کہ بدوں معرفت لغات عرب کے کلامِ پاک میں کچھ لب کشائی کرے اور چند لغات کا معلوم ہو جانا کافی نہیں۔ اس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

۲۔**علم نحو:** نحو کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ اعراب کے تغیر و تبدّل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔

۳۔**علم صرف:** صرف کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ بنا اور صیغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابنِ فارسؒ کہتے ہیں کہ جس شخص سے علم صرف فوت ہو گیا اس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔ علامہ زمخشریؒ اعجوبات تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کلامِ پاک کی آیت یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍۭ بِإِمَامِهِمْ ترجمہ (جس دن کہ پکاریں گے ہم ہر شخص کو اس کے مقتدا اور پیش رو کے ساتھ) اس کی تفسیر صرف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو ان کی ماؤں کے ساتھ۔ امام کا لفظ جو مفرد تھا اس کو اُمّ کی جمع سمجھ گیا۔ اگر وہ صرف سے

واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ اُم کی جمع امام نہیں آتی۔

۴- علم الاشتقاق: اشتقاق کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ لفظ جبکہ دو مادوں سے مشتق ہو تو اس کے معنی مختلف ہوں گے جیسا کہ مسیح کا لفظ ہے کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے، جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں اور مَساحت سے بھی ہیں، جس کے معنی پیائش کے ہیں۔

۵- علم معانی: علم معانی کا جاننا ضروری ہے، جس سے کلام کی ترکیبیں معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔

۶- علم بیان: علمِ بیان کا جاننا ضروری ہے، جس سے کلام کا ظہور و خفا، تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔

۷- علم بدیع: علمِ بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہ تینوں فن علمِ بلاغت کہلاتے ہیں۔ مفسر کے اہم علوم میں سے ہیں، اس لئے کہ کلامِ پاک جو سرا سر اعجاز ہے اس سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

۸- علم قراءت: علم قراءت کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے کہ مختلف قراءتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہو جاتی ہے۔

۹- علم عقائد: علمِ عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے کہ کلامِ پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری معنی کا اطلاق حق سبحانہٗ و تقدس پر صحیح نہیں، اس لئے ان میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی جیسے کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ۔

۱۰- اصولِ فقہ: اصولِ فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ جس سے وجوہِ استدلال و استنباط معلوم ہو سکیں۔

۱۱- اسبابِ نزول: اسبابِ نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شانِ نزول سے آیت کے معنی زیادہ واضح ہونگے اور بسا اوقات اصل معنی کا معلوم ہونا بھی شانِ نزول پر موقوف ہوتا ہے۔

۱۲- ناسخ و منسوخ کا علم: ناسخ و منسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام معمولِ بہا سے ممتاز ہو سکیں۔

۱۳- علم فقہ: علم فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

۱۴- احادیث تفسیر: ان حدیث کا جاننا ضروری ہے، جو قرآنِ پاک کی مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

۱۵- خاص وہبی علم: ان سب کے بعد پندرھواں وہ علمِ وہبی ہے جو حق سبحانہٗ وتقدس کا عطیہ خاص ہے اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم. (جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا)

اسی کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اشارہ فرمایا جب کہ اُن سے لوگوں نے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کچھ خاص علوم عطا فرمائے ہیں یا خاص وصایا جو عام لوگوں کے علاوہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے جنت بنائی اور جان پیدا کی اس فہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کلامِ پاک کے سمجھنے کے لئے کسی کو عطا فرمادیں۔ ابن ابی الدنیاؒ کا مقولہ ہے کہ علومِ قرآن اور جو اس سے حاصل ہو وہ ایسا سمندر ہے کہ جس کا کنارہ نہیں یہ علوم جو بیان کئے گئے مفسر کے لئے بطور آلہ کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ صحابہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے علومِ عربیہ طبعاً حاصل تھے اور بقیہ علوم مشکوٰۃ نبوت سے مستفاد تھے۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ شاید تجھے یہ خیال ہو کہ علم وہبی کا حاصل کرنا بندہ کی قدرت سے باہر ہے لیکن حقیقت ایسی نہیں بلکہ اُس کے حاصل کرنے کا طریقہ ان اسباب کا حاصل کرنا ہے جس پر حق تعالیٰ شانہٗ اس کو مرتب فرماتے ہیں مثلاً علم پر عمل اور دُنیا سے بے رغبتی وغیرہ وغیرہ۔ (فضائل اعمال)

اہل علم کی اصلاح وتربیت کیلئے
حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کے حالات وسوانح

ولادت

آپ کا اسم گرامی محمد عرف غزالی لقب حجۃ الاسلام ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب محمد بن محمد بن احمد ہے۔ آپ خراساں کے ضلع طوس کے ایک مشہور سہر طاہران میں ۴۵۰ھ م ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ طوس وہی مقام ہے جس کے قریب آج ایران کا مشہور شہر مشہد واقع ہے آپ کے والد رشتہ فروش تھے۔ اسی لحاظ سے آپ غزالی کہلاتے ہیں (غزالی رشتہ فروش کو کہتے ہیں) لیکن علامہ سمعانیؒ نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ غزالہ طوس کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ امام صاحبؒ وہیں کے رہنے والے تھے۔ اس وجہ سے غزالی کہلاتے ہیں۔ اس تحقیق پر غزالی کا رابہ تخفیف پڑھا جائے گا ورنہ پہلی تحقیق کے مطابق وموافق بتشدید پڑھا جاتا ہے۔ محققین نے ترجیح اول الذکر کو دی ہے یعنی غزالی بہ تشدید ہے کیونکہ طوس کے ضلع میں کوئی گاؤں غزالہ نہیں ہے۔

امام صاحبؒ کے خاندانی پیشہ کے ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس دور میں تعلیم اس قدر عام ہوگئی تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ پیشے والے بھی اسلامی تعلیم سے محروم نہیں تھے۔ انہی لوگوں میں بعض ایسے اصحاب کمال پیدا ہوئے جو آج امام اور علامہ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں علم کی تحصیل اور اس سے بہرہ مندی میں ذات پات اور پیشہ کا کوئی تعلق، تخصیص اور قید نہیں ہے۔ اسلام کی ابر رحمت کا فیضان سب کیلئے عام ہے۔ بمقابلہ دوسرے ادیان کے کہ جہاں ایک خاص ذات اور ایک مخصوص طبقہ ہی اس کیلئے مقرر کر دیا گیا ہے اور یہ تخصیص اور قید اس قدر سخت ہے اگر کوئی دوسرے طبقہ یا ذات کے کسی فرد کے کان میں وہ بات بلا

ارادہ ہی پڑ جائے تو کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالنے کی ہدایت ہے جیسا کہ ہنود کی کتاب منوسمرتی میں آیا ہے لیکن خدا کے آخری دین کی یہ حالت ہے کہ اس کا سب سے بڑا امام کپڑا فروش تھا۔ ہماری مراد حضرت امام اعظمؒ ہیں جو بزار یعنی کپڑا فروش تھے اور دیکھئے حضرت شمس الائمہ حلوائی تھے امام ابوجعفر کفن دوز تھے۔ علامہ قفال مروزی قفل ساز تھے۔ وغیرہ وغیرہ' بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تعلیم کی بدولت خود یہ پیشے ذلیل نہ رہے۔ بڑے بڑے علماء پیشہ اختیار کرتے تھے اور انہی پیشوں کے انتساب سے ان کا نام لیا جاتا تھا۔

امام صاحبؒ کے والد اتفاق سے تعلیم سے محروم رہ گئے تھے۔ انہوں نے انتقال سے پہلے امام صاحبؒ اور ان کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالیؒ کو اپنے ایک دوست کے حوالے کرتے ہوئے کہا مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں تعلیم سے محروم رہا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ میرے ان دونوں لڑکوں کو تعلیم دلاؤں تاکہ میری جہالت کا کفارہ ہو جائے۔ ان کے انتقال کے بعد ان بزرگ نے امام صاحبؒ کی تعلیم کا انتظام کیا کچھ عرصہ کے بعد امام صاحبؒ کے والد کا بغرض تعلیم دیا ہوا سرمایہ ختم ہو گیا۔ تب انہوں نے امام صاحبؒ سے کہا کہ آپ کے والد کا سرمایہ ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے تم دونوں بھائی کسی مدرسہ میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ امام صاحب نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اگرچہ اس زمانہ میں مدارس کا باقاعدہ نظام نہ تھا مگر خانگی درس گاہیں بکثرت تھیں۔ علماء اور ائمہ فن اپنے اپنے گھروں اور مساجد میں تعلیم دیتے تھے اور شہر کے امراء تعلیم کے مصارف برداشت کرتے تھے۔

تعلیم و تربیت

امام صاحبؒ نے فقہ کی ابتدائی کتابیں احمد بن محمد رازکانی سے پڑھیں' اس کے بعد آپ جرجان گئے۔ امام ابونصر اسماعیلی سے تحصیل شروع کی اس زمانہ میں تعلیم کا یہ قاعدہ تھا کہ استاد مسائل و مطالب علمیہ پر تقریر کرتے تھے اور شاگرد اس کو قلم بند کرتے تھے اور ان کو کمال احتیاط سے محفوظ رکھتے تھے۔ ان یادداشتوں کو تعلیقات کہا جاتا تھا۔ امام صاحبؒ نے بھی ان کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ امام صاحبؒ چند روز کے بعد وطن واپس ہوئے۔ اتفاق سے راستہ میں ڈاکہ پڑا آپ کا سامان بھی لٹ گیا۔ اس میں وہ تعلیقات بھی تھیں جو امام ابونصرؒ نے لکھوائی تھیں۔ امام صاحبؒ کو ان کا بڑا صدمہ تھا۔ چنانچہ ڈاکوؤں کے سردار سے مل

کر ان کو حاصل کیا اور فرمایا کہ یہ سفر میں نے انہی کے سننے اور یاد کرنے کیلئے کیا تھا۔ سردار نے ہنس کر کہا کہ تم نے کیا خاک سیکھا' کاغذ نہ رہا تو تم کورے ہو گئے اور کاغذات واپس کر دیئے۔ امام صاحبؒ پر یہ طعن آمیز جملے نوائے سروش ثابت ہوئے چنانچہ وطن پہنچ کر آپ نے ان یادداشتوں کو تین برس میں از بر کر لیا اور ان مسائل کے حافظ ہو گئے۔

اب امام صاحبؒ کی علمی تحصیل اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ معمولی درجہ کے علماء ان کی تشفی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے تکمیل علوم کیلئے وطن سے نکلنے کا ارادہ کر لیا۔ اس زمانہ میں تمام ممالک اسلامیہ میں علوم کے دریا بہہ رہے تھے۔ ایک ایک قصبہ مدرسوں سے معمور تھا۔ بڑے شہروں میں سینکڑوں علماء موجود تھے جن سے طلباء دور دور سے آ کر فیض یاب ہو رہے تھے ان سب میں دو شہر علوم وفنون کا مرکز تھے۔ ایک نیشاپور اور دوسرا بغداد کیونکہ ان دو شہروں میں امام الحرمینؒ اور علامہ ابو اسحاق شیرازیؒ بالترتیب مسند درس پر متمکن تھے۔ یہ دونوں بزرگ اس وقت خراساں' فارس اور عراق میں استاذ الکل مانے جاتے تھے جن سے استفادہ کیلئے شد رحال کیا جاتا تھا۔ مقدم الذکر شہر نیشاپور کی قربت کی وجہ سے امام صاحبؒ نے وہیں کا قصد کیا اور امام الحرمین کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔

عالم اسلام کا پہلا مدرسہ

نیشاپور کو یہ فخر حاصل ہے کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلے یہیں مدرسہ قائم ہوا۔ جس کا نام بیہقیہ تھا حالانکہ عام طور پر یہی شہرت ہے کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ نظامیہ بغداد ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اور یہ شرف نیشاپور کے حصہ میں آتا ہے کیونکہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے وجود میں آنے سے پیشتر نیشاپور میں نہ صرف بیہقیہ بلکہ دوسرے متعدد مدرسے قائم ہو چکے تھے جن میں مذکورہ مدرسہ بیہقیہ کے علاوہ سعدیہ اور نصریہ شامل ہیں لیکن ان سب میں ممتاز مدرسہ نظامیہ نیشاپور تھا۔ امام الحرمین اسی مدرسہ کے صدر المدرسین تھے۔

امام الحرمین کے حالات

ہم یہاں برسبیل تذکرہ امام الحرمین کا مختصر ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ کا اسم

گرامی عبدالملک اور لقب ضیاء الدین تھا اور امام الحرمین کے لقب سے معروف تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے ابوالقاسم السکانی مدرس اعظم بیہقیہ سے استفادہ کیا۔ فراغ تحصیل کے بعد بغداد گئے اور وہاں سے نامور علماء کبار کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ بغداد سے واپس ہو کر نیشاپور میں مسند درس پر بیٹھے' اسی زمانے میں عمید کندری کی تحریک سے الپ ارسلان سلجوقی نے حکم دیا تھا کہ مساجد میں امام ابوالحسن اشعری پر خطبہ میں لعنت پڑھی جائے اس پر ناراض ہو کر آپ حرمین چلے گئے۔ یہاں آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور آپ کا حلقہ درس مرجع عام بن گیا۔ حرمین شریفین کا منصب افتاء آپ ہی کو حاصل ہوا۔ اس بناء پر آپ امام الحرمین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ عمید کندری کے بعد نظام الملک' الپ ارسلان کے وزیر مقرر ہوئے' نظام الملک کی بے تعصبی' عدل و انصاف اور قدر دانی کی شہرت عام تھی۔ امام الحرمین اس شہرت کو سن کر نیشاپور لوٹ آئے۔ نظام الملک نے خاص ان کیلئے ایک بڑے مدرسے کو قائم کیا اور اسے نظامیہ سے موسوم کیا۔

امام الحرمین درس تدریس کے علاوہ مذہبی امور اور صیغہ جات کے بھی ذمہ دار تھے۔ وعظ' امامت' خطابت اور تمام ممالک اسلامیہ کے اوقات بھی انہی کی نگرانی میں تھے اس سے ان کے مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے یہاں تک کہ سلاطین وقت بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ملک شاہ سلجوقی کے ایک حکم کے رد میں اعلان کرا دیا تھا کہ ملک شاہ کا حکم غلط ہے اور وہ اس کا مجاز نہیں ملک شاہ نے ادنیٰ مخالفت نہ کی بلکہ خود آپ کی تائید میں اعلان کرا دیا کہ میں غلطی پر تھا اور امام الحرمین کا حکم صحیح ہے۔ ایسے ہی علماء کثر اللہ امثالھم کے متعلق کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ان الملوک لیحکمون علی الوری وعلی الملوک لتحکم العلماء

ترجمہ۔ (بے شک بادشاہ اور سلاطین مخلوق پر حکومت کرتے ہیں اور لیکن بادشاہوں پر علماء حکومت کرتے ہیں)

امام الحرمین ایک بلند مرتبہ' کثیر التصانیف مصنف بھی تھے۔ غرض امام غزالیؒ نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر بڑی جدوجہد سے علم حاصل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں فارغ التحصیل ہو گئے اور تمام اقران اور معاصرین میں ممتاز ہو گئے۔ امام الحرمینؒ

کے درس میں چار سو طلبہ رہتے تھے۔ تین طالب علم سب سے ممتاز تھے جن میں ایک امام صاحب ؒ بھی تھے۔ امام غزالیؒ کو امام حرمینؒ دریائے ذخار کہا کرتے تھے۔ دوسرے دو طلبہ کی ہمسری طالب علمی ہی کی حد تک رہی ورنہ امام غزالیؒ نے جو رتبہ حاصل کیا وہ امام الحرمین کو بھی نصیب نہ ہوا۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ استاد کے درس کے بعد شاگردوں میں جو سب سے ممتاز ہوتا تھا وہ باقی طلبہ کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے بتائے ہوئے مضامین اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا۔ اس منصب کے پانے والے طالب علم کو معید کہتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب ؒ بھی اس منصب کیلئے منتخب کئے گئے اور معید کہلائے۔ ہمارے دور میں اس شغل کو تکرار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صرف ممتاز طلبہ یہ منصب وقیع پاتے ہیں۔

۴۷۸ھ ۱۰۸۵ء میں امام الحرمین نے وفات پائی۔ ان کی وفات کے دن نیشاپور کے تمام بازار بند ہو گئے اور جامع مسجد کا منبر منہدم کر دیا گیا ان کے شاگرد جو چار سو کے قریب تھے۔ سب نے دوات و قلم توڑ ڈالے اور ان کے ساتھ سانحہ ارتحال کا سخت ماتم کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد کا دور

امام غزالیؒ نے امام الحرمینؒ کی زندگی ہی میں شہرت عام حاصل کر لی تھی اور صاحب تصنیف و تالیف ہو گئے تھے اور امام الحرمین کیلئے باعث نازش بن گئے تھے۔ تاہم امام الحرمین کی زندگی میں ان کی صحبت سے الگ نہ ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد نیشاپور سے ۱۰۸۵ء میں اس شان سے نکلے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں ان کا کوئی ہمسر و ہم پایہ نہ تھا۔ حالانکہ آپ کی عمر صرف ۲۸ سال تھی۔

امام غزالیؒ کے آئندہ حالات زندگی کے ذیل میں اس وقت کی دنیائے اسلام پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا متعدد وجوہ سے ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ

تازہ خواہی داشتن گرد اغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خوان ایں قصہ پارینہ را

عباسیوں کے روبزوال ہونے کے بعد ہر طرف مملکت اسلامیہ میں خود مختاری کی ہوا چل گئی اور اقتدار و حکومت کیلئے مسابقت کا آغاز ہوا اور اس میں ترک کامیاب رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں سارے عالم میں ان کا طوطی بولنے لگا اور وہ تمام دنیائے اسلام کے سیاہ و سپید کے

مالک بن گئے۔امام صاحبؒ کے زمانے میں ترکوں میں سے سجلوقی خاندان فرمانروا تھا۔اس خاندان کا پہلا بادشاہ طغرل بیگ تھا۔اس نے ۴۲۹ھ میں طوس پر قبضہ کیا پھر ۴۴۷ھ میں عراق پر قابض ہوگیا۔طغرل کے بعد اس کا بیٹا الپ ارسلان نے اقتدار سنبھالا۔الپ ارسلان کے بعد اسکا بیٹا ملک شاہ تخت نشین ہوا اسکا دور سلجوقی سلطنت کا عہد شباب تھا۔اسے وہ وسعت حاصل ہوئی کہ کوئی سلطنت اس وسعت کو نہ پہنچی۔اس کی سلطنت کاشغر سے لیکر بیت المقدس تک طویل قسطنطنیہ سے لیکر بحر خزر تک عریض تھی۔اس نے رفاہی اور ترقیاتی کام بے حد کئے تمام ملک میں سرائیں اور پل تعمیر کئے۔ہر قسم کے ٹیکس موقوف کردیئے۔امن وامان کا یہ حال تھا کہ پورے ملک میں بغیر کسی حفاظت اور بدرقہ کے قافلے اور کاروان سفر کرتے تھے بلکہ لوگ تن تنہا ہزاروں میل کا سفر کرتے تھے۔یہ سارا حسن انتظام اور حسن تدبیر وزیر مملکت نظام الملک طوسی کا تھا۔انہی کی بدولت حکومت یہ عظمت وشان اور یہ کروفر تھا۔خود امام صاحبؒ کا نظام الملک سے خاص تعلق تھا۔اس لئے ان کا تذکرہ بھی باعث معلومات ہوگا۔

نظام الملک طوسی کے حالات

نظام الملک کا نام حسن بن علی تھا اور وہ امام صاحبؒ کے ہم وطن یعنی طوسی تھے حدیث وفقہ کی تحصیل کے بعد دنیوی اشغال میں مصروف ہوگئے تھے۔یہاں تک کہ حاکم بلخ کے میر منشی ہوگئے۔رفتہ رفتہ ترقی کر کے الپ ارسلان کے وزیر اعظم ہوگئے۔۴۶۵ھ میں الپ ارسلان کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے سلطنت کیلئے صف آرائی کی لیکن نظام الملک نے اپنے حسن تدبیر سے ملک شاہ کو تخت وتاج کا مالک کردیا جس کا وہ مستحق تھا۔ملک شاہ نے سریر آرا ہو کر تمام امور سلطنت کی زمام نظام الملک کے تفویض کردی ملک شاہ نے ۴۸۵ھ میں وفات پائی۔نظام الملک نے سلطنت کو وہ رونق اور وسعت دی کہ خلفاء کے بعد کبھی نہیں ہوئی تھی نیز نظم ونسق مملکت اور اس کا امن وامان اس قدر عمدہ تھا کہ جس کی نظیر نہ تھی۔دوسری طرف تعلیم وتدریس کو وہ ترقی ہوئی کہ تمام ممالک اسلامیہ میں چپہ چپہ پر مدارس قائم کئے گئے۔اخبار الدولتین میں مسطور ہے کہ کوئی شہر ایسا نہ تھا کہ جہاں ان کا تعمیر کردہ مدرسہ موجود نہ ہو۔علامہ قزوینی نے آثار البلاد میں تصریح کی ہے کہ ان کے زمانے

میں مدارس کا سالانہ خرچ ۶ لاکھ اشرفی تھا اور سلجوقی دور کی اشرفی کم از کم پچیس روپے کے برابر ہوتی ہے۔ انکی علم پروری کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہاں تک کہ اپنی کل جاگیرات کا دسواں حصہ تعلیم کے مصارف کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ علاوہ ازیں شاہی خزانے سے ایک کروڑ پچاس لاکھ روپے کی رقم سالانہ مد تعلیم میں صرف کی جاتی تھی۔ اس کی نظیر اس قوم کے علاوہ اس دور کی کسی اور قوم میں نہیں ملتی کہ کہیں اس قدر خطیر رقم صرف مد تعلیم پر خرچ کی گئی ہو۔ نظام الملک خود صاحب علم وفضل تھے اور اہل فضل وکمالات کے بہت بڑے قدر دان اور گوہر شناس تھے۔ ابوعلی فارمدی ان کے دربار میں آتے تھے تو ہمیشہ ان کیلئے مسند خالی کردیا کرتے تھے اور امام الحرمین اور ابواسحاق شیرازیؒ کا نہایت ادب کرتے تھے۔ جب وہ دربار میں آتے تو سروقد کھڑے ہوجاتے اور ان کا استقبال کرتے تھے۔ اس قدر دانی اور گوہر شناسی نے ان کے دربار کو علماء فضلاء اور اہل کمال کا گلدستہ بنادیا تھا۔ سینکڑوں اہل کمال ان کے دربار میں رہتے تھے۔ نظام الملک ان کے مباحث علمیہ اور مناظرات میں شریک ہوکر خود دخل دیتے تھے اور مستفید ہوتے تھے۔

امام غزالیؒ ابتداء میں جاہ پسند تھے۔ امام الحرمین کی صحبت میں انہوں نے علماء کی جوقدر ومنزلت دیکھی تو ان کی طبیعت میں بھی اس کا ولولہ فروغ پایا جب علامہ اسحاق شیرازی عباسیوں کی طرف سے سفیر ہوکر بغداد سے نیشاپور کو چلے گئے تو اس کا سماں ایسا اثر انگیز تھا کہ اس سے ہر دیکھنے والا پذیرہوئے بغیر نہ رہ سکا جہاں سے بھی آپ کا گزر ہوتا شہر کے شہر مشایعت کرتے۔ ہر دکاندار نے اپنا مال ومتاع ان کے قدموں میں نثار کیا یہاں تک کہ صرافوں نے روپے اشرفیاں لٹائیں۔ جب وہ نیشاپور میں داخل ہوئے تو خود امام الحرمین ان کا غاشیہ اپنے کندھے پر رکھ کر ہمرکاب رہے۔

غرض امام صاحبؒ نے جاہ ومنزلت کی امید میں درس گاہ سے نکل کر نظام الملک کے دربار کا رخ کیا چونکہ ان کی شہرت علمی دنیا میں دور دور تک پہنچ چکی تھی اس لئے نظام الملک نے نہایت عزت وشان اور تعظیم وتکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اس وقت فضیلت و کمال اور ذاتی جوہر کے اظہار کا ذریعہ علمی مباحث اور مناظرے تھے۔ وزراء اور امراء کے

دربار میں علماء اور فضلا جمع ہوتے اور علمی و دینی مسائل میں مناظرانہ بات چیت ہوتی۔ جو شخص زور بیان اور استدلال سے اپنے حریفوں پر غالب آتا وہی سب سے ممتاز مانا جاتا اور عزت و اعزاز کا تاج اسی کے سر پر ہوتا۔

امام صاحب کا مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعلیٰ متعین ہونا

جب امام صاحبؒ نظام الملک کے دربار میں پہنچے تو اس وقت وہاں سینکڑوں اہل کمال کا ہجوم تھا دربار میں مناظرے اور مباحثے کی محفلیں گرم ہوتیں اور ارباب کمال کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملتا۔ مختلف علمی مسائل میں مباحث ہوئے اور ہر معرکے میں جیت امام غزالیؒ کی رہی۔ ان کامیابیوں اور شہرت نے انکی عزت و عظمت کے آفتاب کو نصف النہار تک پہنچا دیا۔ نظام الملک نے امام صاحبؒ کو ۴۸۴ھ مطابق ۱۰۹۱ء میں نظامیہ کی مسند صدارت کیلئے منتخب کیا۔ اس وقت امام صاحبؒ کی عمر صرف ۳۴ سال کی تھی۔ اس عمر میں کسی کو یہ اعزاز اور منصب نہ ملا تھا۔ نظامیہ کے مدرسی کے نظام کا اعزاز ایسا عظیم الشان تھا کہ بڑے بڑے اہل کمال اور اہل علم اس کی آرزو میں تھے اور کتنے ہی اس کی حسرت دل میں لئے اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ چنانچہ امام ابو منصور محمد برردی جو مدرسہ بہائیہ کے مدرس اول تھے۔ نظامیہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اثناء وعظ میں نظامیہ کی مسند درس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حسرت آمیز اشعار پڑھا کرتے تھے۔ ابن خلکان نے اس واقعہ کو لکھ کر یہ صراحت کی ہے کہ موصوف اس منصب جلیلہ کے مستحق بھی تھے اور ان سے اس کا وعدہ بھی کیا گیا تھا مگر دست اجل نے جلدی کی اور ان کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ اسی طرح ایک اور دوسرے صاحب کمال فخر الاسلام محمد بن احمدؒ کا واقعہ ہے جو بہت بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ ۵۰۵ھ میں نظامیہ کے مدرس ہوئے لیکن مسند درس پر بیٹھنے کے بعد ان پر بے حد رقت طاری ہوئی۔ وہ بار بار یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

خلت الدیار فسدت غیر مسود ومن الشقاء تفردی بالسود

(ملک بڑوں سے خالی ہو گیا تو میں ہی سردار بنا اور میرا سردار بنا درحقیقت ملک کی بدنصیبی ہے)

عرض امام صاحبؒ ۴۸۴ھ م ۱۰۹۱ء میں بڑی عظمت وشان وعزت وجا کے ساتھ بغداد میں داخل ہو گئے اور نظامیہ کی مسند درس کو زینت بخشی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے علم وفضل کا یہ اثر ہوا کہ اعیان حکومت کے ہم پایہ اور ارکان سلطنت کے ہم سر ہو گئے یہاں تک کہ سلطنت کے اہم امور بھی ان کی شرکت کے بغیر طے نہ پاتے تھے۔ اس زمانہ میں اسلامی دنیا کے جاہ وجلال کے دو مرکز تھے۔ ایک خاندان سلجوقی اور دوسرا آل عباس، امام صاحبؒ سلجوقیوں اور آل عباس دونوں میں محترم ومعزز تھے۔ چنانچہ آپ کے بعض خطوط میں اس طرف اشارہ ہے۔ ملک شاہ سلجوقی نے ۴۸۵ھ میں جب وفات پائی تو بیگم شاہ ترکان خاتون نے امراء اور عمائد سلطنت کو اس بات پر متفق کیا کہ اس کا چار سالہ بیٹا محمود تخت وتاج کا مالک ہو اس کے بعد اس نے خلیفہ مقتدر باللہ سے درخواست کی کہ اس کو تسلیم کرے۔ نیز اس نے یہ بھی درخواست کی کہ خطبہ میں بھی ان کا نام پڑھا جائے۔ خلیفہ نے اپنی کمزوری سے یہ درخواست قبول کی تا کہ سلطنت کے تمام کام ترکان خاتون کے زیر حمایت طے پائیں لیکن خطبہ میں آل عباس کا نام ہی لیا جاتا رہا۔ ترکان خاتون کو اپنی بات پر اصرار تھا۔ یہ عقدہ حل نہ ہو سکا تو امام غزالیؒ کو سفیر بنا کر روانہ کیا گیا۔ آپ کے حسن تقریر یا تقدس کے اثر سے ترکان خاتون راضی ہو گئی اور ایک عظیم فتنہ فرو ہو گیا۔

۴۸۷ھ میں خلیفہ مقتدر باللہ نے وفات پائی۔ مستظہر باللہ خلیفہ ہوئے۔ امام غزالیؒ نے اراکین سلطنت کے ساتھ بیعت کی۔ خلیفہ مستظہر باللہ بہت علم دوست تھا اور اہل علم کا بڑا قدر دان تھا۔ اسکو امام صاحبؒ سے خاص ربط تھا۔ اس زمانہ میں فرقہ باطنیہ نے زور پکڑا تو خود اس نے اس باطل فرقہ کے رد میں کتابیں لکھنے کا فرمان آپ کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ امام صاحبؒ نے ایک کتاب لکھ کر خلیفہ کی طرف منسوب کی اور اس کا نام مستظہری رکھا۔ یہ تو امام صاحبؒ کے خلافت وحکومت سے ربط وتعلق کا حال تھا۔ آپ کا علمی پایہ یہ تھا کہ تین سو مدرسین اور سو امراء حاضر خدمت رہا کرتے تھے۔ آپ درس وتدریس کے علاوہ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ شیخ صاعد بن الفارس المعروف ابن اللبان نے مواعظ کو قلم بند کیا جن کا مجموعہ دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوا ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے اس مجموعہ پر نظر ثانی کی اور اس مجموعہ کا نام مجالس غزالیہ رکھا۔

ترک تعلقات اور عزت وسیاحت

امام غزالیؒ کے ترک تعلقات کا واقعہ بھی دنیا کے عجیب وغریب واقعات میں سے ایک ہے اور آپ کے ترک تعلقات کرنے کے اسباب بھی نئی قسم کے ہیں۔ خود آپ نے اپنی کتاب ''المنقذ من الضلال'' میں اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے انہوں نے جس ماحول میں تعلیم وتربیت پائی تھی اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ اپنے ہم مشرب کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ دیں مگر آپ نے شروع سے ایسی افتاد پائی تھی کہ ان کے سامنے جس قدر مذہبی فرقے موجود تھے اور ان کے جو عقائد وخیالات تھے سب پر وہ غور وفکر کی نظر ڈالتے تھے۔ نیشاپور میں حکومت سلجوقیہ کی رعب وداب کی وجہ سے دوسرے مذاہب اور فرقوں کا چرچا بہت کم تھا۔ لیکن بغداد دنیا بھر کے عقائد وخیالات کا میدان بلکہ دنگل تھا۔ یہاں ظاہر خیال کی پوری آزادی تھی اس لئے آئے دن معرکہ آرائی رہتی تھی۔ بغداد میں سنی، شیعی، معتزلی، زندیق، ملحد، مجوسی اور عیسائی بہر کیف ہمہ اقسام اور مذاہب کے پیرو آباد تھے۔ ان کے مابین علمی معرکہ آرائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ کوئی روک ٹوک نہ تھی اس اظہار خیال کی آزادی کی بدولت یہاں ہر قسم کے عقائد وخیالات پھیلے ہوئے تھے۔ امام غزالیؒ جب بغداد پہنچے تو ہر فرقہ اور ہر مسلک ومشرب کے افراد سے ملے۔ ان کے افکار وخیالات سے واقف ہوئے۔ آپ خود لکھتے ہیں کہ میں ایک ایک باطنی، ظاہری، فلسفی، متکلم، ملحد اور زندیق سے ملتا تھا اور ان کے خیالات دریافت کرتا تھا۔ مختلف فرقوں کے افراد سے ملنے سے امام پر یہ اثر ہوا کہ ان کی زندگی کی کایا پلٹ ہوگئی گویا ان کی دنیا ہی بدل گئی۔ اب ہم امام صاحبؒ ہی کے ایمان افروز اور اثر انگیز الفاظ میں اس وجد آفرین سرگزشت کو نقل کرتے ہیں۔

چونکہ میری طبیعت شروع ہی سے تحقیق وتدقیق کی طرف مائل تھی، رفتہ رفتہ یہ حال ہوا کہ تقلید کی ساری بندشیں ٹوٹ گئیں اور اس کا قلادہ سر سے اتر گیا اور جو عقائد اور مذہبی خیالات بچپن سے سنتے سنتے ذہن میں جم گئے تھے اور دل ودماغ میں بیٹھ گئے ان کی وقعت اور اعتبار جاتا رہا۔ میں نے خیال کیا کہ اس قسم کے تقلیدی عقائد اور خیالات یہودی اور عیسائی بھی رکھتے ہیں لیکن حقیقی علم وعرفان یہ ہے کہ کسی قسم کے شبہ کا احتمال باقی نہ رہے۔ یہ

امر یقینی ہوتا ہے کہ دس کا عدد تین سے بڑا ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں تین کا عدد زائد ہے اور دعویٰ کے ثبوت میں وہ یہ کہے کہ میرا دعویٰ حق ہے کیونکہ میں عصا کو سانپ بنا سکتا ہوں اور وہ یہ کرشمہ دنیا کو بھی دکھا دے لیکن اس کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ عصا کا سانپ ہو جانا حیرت ناک ہے مگر اس سے اس یقین میں کوئی فرق نہیں آ سکتا کہ دس' تین سے زائد ہے اور فرماتے ہیں اب میں نے غور و خوض شروع کیا کہ اس قسم کا یقینی علم مجھ کو کس حد تک حاصل ہے۔ معلوم ہوا کہ ضروری اور بدیہات کی حد تک ہے لیکن جب مزید جدوجہد اور کدوکاش بڑھی تو حسیات میں بھی شک ہونے لگا یہاں تک کہ کسی امر کی نسبت یقین نہیں رہا۔ قریب قریب دو مہینے تک یہی حالت رہی پھر خدا کے فضل و کرم سے یہ حالت تو جاتی رہی لیکن مختلف مذاہب کے بارے میں جو شکوک تھے وہ باقی رہے۔ اس وقت جس طرف دیکھا یہی فرقے تھے' متکلمین' باطنیہ' فلاسفہ اور صوفیہ میں نے ایک ایک فرقہ کے علوم وعقائد کی تحقیقات شروع کیں۔ علم کلام کے متعلق جس قدر قدماء کی تصانیف تھیں سب پڑھیں لیکن وہ میری تسلی کیلئے کافی نہ تھیں کیونکہ ان میں جن مقدمات سے استدلال ہوتا ہے۔ ان کی بنیاد تقلید ہے یا اجماع یا قرآن وحدیث کے نصوص اور یہ چیزیں اس شخص کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتیں جو بدیہیات کے سوا اور کسی چیز کا قائل نہ ہو۔

فلسفہ کا جس قدر حصہ یقینی ہے یعنی ریاضیات وغیرہ اس کو مذہب سے تعلق نہیں اور جو حصہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے یعنی الٰہیات وغیرہ' وہ یقینی نہیں۔ فرقہ باطنیہ کے تمام عقائد کا تمام تر مدار امام وقت کی تقلید پر ہے لیکن امام وقت کی نسبت کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے؟ اب صرف تصوف باقی رہ گیا ہے۔

سب سے اخیر میں میں نے تصوف کی طرف توجہ کی۔ اس فن کے متعلق بایزید بسطامی کے جو ملفوظات ہیں ان کو دیکھا ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور حرث محاسبی کی تصنیفات پڑھیں لیکن چونکہ یہ فن عملی فن ہے اس لئے صرف علم سے نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور عمل کے لئے ضروری تھا کہ زہد و ریاضت اختیار کیا جائے۔ ادھر اپنے اشغال کو دیکھا تو کوئی خلوص پر مبنی نہ تھا۔ درس و تدریس کی طرف طبیعت کا میلان اس وجہ سے تھا کہ وہ جاہ پرستی اور

شہرت عامہ کا ذریعہ تھی۔ ان واقعات نے دل میں تحریک پیدا کی کہ بغداد سے نکل کھڑے ہوں اور تمام تعلقات کو چھوڑ دوں۔ یہ خیال رجب ۴۸۸ھ میں پیدا ہوا لیکن چھ مہینے انہی خیالات میں گزرے نفس کسی طرح گوارا نہیں کرتا تھا کہ ایسی عظمت وجاہ سے دستبردار ہو جاؤں۔ ان ترددات میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ زبان رک گئی۔ درس دینا بند ہو گیا' رفتہ رفتہ ہضم کی قوت جاتی رہی۔ آخر طبیبوں نے علاج سے ہاتھ اٹھا لیا اور کہہ دیا کہ ایسی صورت میں علاج کچھ سود مند نہیں ہو سکتا۔ بالآخر میں نے سفر کا قطعی ارادہ کر لیا۔ علماء اور ارکان سلطنت کو جب خبر ہوئی تو سب نے نہایت الحاح کے ساتھ روکا اور حسرت کے ساتھ کہا کہ یہ اسلام کی بدقسمتی ہے۔ ایسی نفع رسانی سے آپ کا دست بردار ہو جانا شرعاً کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ تمام علماء فضلاء یہی کہتے تھے لیکن اصل میں حقیقت کو جانتا تھا اس لئے سب چھوڑ چھاڑ کر دفعۃً کھڑا ہوا اور شام کی راہ لی۔ صائب نے کیا خوب کہا ہے۔

ہیچ کارے گرچہ صائب بے تامل خوب نیست
بے تامل آستین افشاندن از دنیا خوش است

امام صاحبؒ ذوقعدہ ۴۸۸ھ میں بغداد سے نکلے۔

امام صاحب جس حالت میں بغداد سے نکلے وہ عجیب ذوق اور وارفتگی کا عالم تھا پرتکلف لباس فاخرہ کی بجائے بدن پر کمبل تھا۔ لذیذ غذا کی بجائے ساگ پات پر گزر بسر تھی۔ یوں تو امام صاحبؒ عرصہ دراز سے ترک دنیا' عزلت گزینی اور صحرا نوردی کا ارادہ کر رہے تھے مگر علائق کی بندشیں اور تعلقات کی گرفت دست کش ہونے نہیں دے رہی تھی۔ ایک دن آپ وعظ فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ کے چھوٹے بھائی' امام احمد غزالی جو صوفی اور صاحب حال بزرگ تھے ادھر آ نکلے اور یہ اشعار پڑھے۔

واصبحت تهدى ولا تهتدى وتسمع وعظا ولا تسمع
فياحجر الشجر حتى متى تسن الحديد ولا تقطع

امام صاحب کا دمشق پہنچنا

غرض بغداد سے نکل کر آپ نے شام کا رخ کیا اور دمشق پہنچ کر ریاضت ومجاہدہ میں مشغول

ہوگئے اور روزانہ یہ معمول تھا کہ جامع اموی کے غربی مینار پر چڑھ کر دروازہ بند کرلیتے اور تمام تمام دن مراقبہ اور ذکر اور شغل میں رہتے۔ مسلسل دو برس تک دمشق میں رہے۔ گو زیادہ اوقات مراقبہ اور مجاہدہ میں گزارتے تھے بایں ہمہ علمی اشغال ختم نہیں ہوئے۔ جامع اموی' جو دمشق کی گویا یونیورسٹی تھی۔ اس میں غربی جانب جو زاویہ تھا وہاں بیٹھ کر آپ درس دیا کرتے تھے۔

شیخ بوعلی فارمدی رحمہ اللہ سے بیعت

خود امام صاحب نے یہ واضح کیا ہے کہ خلوت وعزلت گزینی اور ریاضت ومجاہدہ کا طریقہ میں نے تصوف کی کتابوں سے سیکھا ہے چونکہ علم وفن کتابوں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے یقین ہے کہ کسی شیخ کامل اور مرشد صادق کے ہاتھ پر بیعت کی ہو۔ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام صاحب نے حضرت شیخ بوعلی فارمدی (افضل بن محمد بن علی) سے بیعت کی تھی۔ شیخ موصوف بہت عالی مرتبہ صوفی تھے۔ نظام الملک طوسیؒ ان کا احترام کرتے تھے۔ جب شیخ صاحب نظام الملک کے دربار میں آتے تھے تو تعظیما کھڑے ہوجاتے اور آپ کو اپنی مسند پر بٹھا کر خود سامنے مودب بیٹھ جاتے حالانکہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری کیلئے صرف قیام کرتے تھے اور اپنی جگہ سے الگ نہیں ہوتے تھے۔ اس کی وجہ لوگوں نے پوچھی تو کہا کہ حضرت شیخ مجھ پر میرے عیوب ظاہر کرتے ہیں اور میرے مظالم بتلاتے ہیں برخلاف اس کے دوسرے لوگ میرے منہ پر میری تعریف کرتے ہیں جس سے میرا نفس خود پسند اور نخوت پرست ہوجاتا ہے۔ شیخ فارمدیؒ نے ۴۷۷ھ میں بمقام طوس وفات پائی ہے اس لئے یقین ہے کہ امام صاحبؒ نے طالب علمی کے زمانے میں ہی جب کہ انکی عمر ۲۷ برس سے زیادہ نہ تھی حضرت فارمدیؒ سے بیعت کی ہوگی۔

بیت المقدس کا سفر

امام صاحب نے دو برس کے بعد بیت المقدس کا قصد فرمایا۔ علامہ ذہبیؒ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ایک دن امام غزالیؒ مدرسہ امینیہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے ایک مدرس نے جو انکو نہ جانتے تھے۔ اثناء تقریر میں فرمایا کہ غزالیؒ نے یہ لکھا ہے کہ امام صاحب

اس خیال سے کہ یہ امر عجب وغرور کا سبب ہو سکتا ہے اسی وقت دمشق سے نکل پڑے۔
الغرض بیت المقدس پہنچے یہاں بھی یہی شغل رہا کہ صخرہ کے حجرہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے اور ریاضت ومجاہدہ میں مصروف ہو جاتے۔ بیت المقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر مقام خلیل گئے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار ہے۔ پھر حج کی نیت سے مکہ معظمہ اور مدینہ کا ارادہ کیا' مکہ میں عرصہ تک قیام کیا۔ اسی سفر میں مصر اور اسکندریہ بھی گئے۔ اسکندریہ میں ایک عرصہ تک قیام رہا۔ یہاں سے یوسف بن تاشقین سے ملنے کیلئے مراکش جانا چاہتے تھے مگر اس کے انتقال کی وجہ سے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ امام صاحب چونکہ امن واطمینان قلبی اور سکون ویکسوئی چاہتے تھے وہ اس ماحول میں کہاں میسر ہو سکتے تھے اس لئے سفر کا ارادہ کیا تھا کیونکہ بغداد میں ان کے حصول کا امکان نہ تھا۔ غرض امام صاحب مسلسل دس برس تک مقامات متبرکہ میں پھرتے رہے۔ وہ اکثر ویرانوں میں نکل جاتے اور یاد حق میں چلے کھینچتے تھے۔ اس حیرت انگیز دلچسپ سفر کے حالات بہت کم معلوم ہو سکے۔ چند عبرت آموز واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ اس سفر کے دوران میں ایک شخص نے آپ کو ایک بیابان میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ کے بدن پر ایک خرقہ اور ہاتھ میں پانی کی ایک چھاگل تھی۔ وہ شخص آپ کو چار سو شاگردوں کے حلقہ میں درس دیتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ کیا درس دینے سے یہ حالت بہتر ہے امام صاحبؒ نے اس کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھا اور یہ اشعار پڑھے۔

ترکت ہوی لیلی وسعدی بمعزل   وعدت الی مصحوب اول منزل
فناوت بی الاشواق مہلا فہذہ   منازل من تھوی رویدک فانزل

(میں نے لیلیٰ اور سعدی کی محبت کو دور پھینکا اور پہلی منزل کے ساتھی کی جانب رجوع کیا اور لوٹا پس مجھے شوق نے پکارا' ٹھہر جا یہ منزلیں تیرے محبوب کی ہیں تھم جا اور سواری سے اتر جا)

مقام خلیل میں تین باتوں کا عہد

۴۹۹ھ میں جب آپ مقام خلیل پر پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر تین باتوں کا عہد کیا۔

۱-کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا۔ ۲-کسی بادشاہ کا عطیہ نہیں لوں گا۔
۳-کسی سے مناظرہ ومباحثہ نہیں کروں گا۔

چنانچہ مرتے دم تک ان باتوں کے پابندرہے۔

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ نے اسی سفر میں احیاء العلوم تالیف کی اور دمشق میں ہزاروں شائقین نے خود آپ سے پڑھا ہے گو بعض مورخین نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ اسی عرصہ میں امام صاحب نے یہ کتاب مستطاب لکھی ہے اس کے علاوہ قواعد العقائد بھی اسی سفر کے دوران بیت المقدس والوں کی فرمائش پر لکھی۔ ابوالحسن علی بن مسلم نے اسی زمانہ میں آپ سے علوم کی تحصیل کی جنہوں نے قوم کی زبان سے جمال الاسلام کا لقب پایا۔
امام صاحب نے خود المنقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ حج کرنے کے بعد اہل وعیال کی کشش نے وطن پہنچایا حالانکہ میں وطن کے نام سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔ وطن میں آپ خلوت گزیں ہوگئے لیکن ضروریات زندگی دل کی صفائی اور یکسوئی میں تکدر پیدا کردیتی تھیں پھر بھی سکون خاطر اور دل جمعی کے مواقع کبھی کبھار ہاتھ آجاتے تھے گویا آپ کی حالت اس شعر کے مصداق تھی۔

گہے برطارم اعلیٰ نشینم گہے برپشت پائے خود نہ بینم

دوبارہ درس وتدریس کا آغاز

امام صاحب نے صرف تحقیق حق اور انکشافات حقیقت کیلئے یہ بادیہ پیمائی اور صحرا نوردی کی۔ ان ریاضات شاقہ اور مجاہدات سے دل میں ایسی جلا اور صفائی پیدا ہوگئی کہ سب حجابات اٹھ گئے اور سارے شکوک وشبہات جاتے رہے۔ ان انکشاف حقیقت اور وضوح حق کے بعد امام صاحبؒ نے دیکھا کہ عالم کا عالم مذہب سے بے گانہ ہورہا ہے اور یقین واذعان کی جگہ شکوک وشبہات کو مل رہی ہے اور منطق وفلسفہ کے مقابلہ میں مذہبیات کی ہوا اکھڑرہی ہے۔ ان مذہب بیزار اور ایمان سوز حالات کو دیکھ کر امام صاحبؒ نے خلوت سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ اسی دوران حسن اتفاق سے سلطان وقت کا فرمان پہنچا کہ آپ فوری طور پر درس وتدریس اور تعلیم وتلقین میں مصروف ہوجائیں۔ حکم اس قدر تاکیدی تھا کہ آپ کو انکار اور گریز کا موقع بھی نہ تھا۔ انکار کرنے سے بادشاہ کے ناراض ہوجانے کا ڈر تھا۔ پھر بھی امام

صاحب کو تامل و تردد تھا۔ اس لئے آپ نے صوفی اور صاحب دل دوستوں سے مشورہ کیا۔ سب نے عزلت گزینی چھوڑ کر میدان عمل میں آنے کی دعوت دی اور اس بات پر زور دیا گئی دوستوں نے کہا کہ ہم کو القاء بھی ہوا ہے کہ یہ امر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب و باعث ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد پیدا کرتا ہے۔ (بہ نص حدیث شریف) حسن اتفاق سے جب آپ نے خلوت گزینی کو چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت چھٹی صدی کے شروع میں ایک مہینہ رہ گیا تھا۔ غرض ذوقعدہ ۴۹۹ھ میں امام صاحب نے نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں مسند درس کو زینت دی اور درس و تدریس اور تعلیم وافادہ میں مشغول ہو گئے اور مقام مجددیت سے سرفراز ہوئے۔

اوپر سلطان وقت کی ترکیب سے جس کو تعبیر کیا گیا ہے وہ سلطان فخر الملک تھا جو نظام الملک کا بڑا بیٹا اور اس زمانہ میں سنجر سلجوقی کا وزیر اعظم تھا۔ وہ نہایت علم دوست اور مرتبہ شناس تھا۔ اس نے امام صاحبؒ کے تقدس اور جامعیت کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں آکر نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ آپ نظامیہ نیشاپور کی مدرسی قبول فرمائیں۔ آپ نے استدعا کو رد نہ کیا اور مدرسی قبول فرمائی لیکن فخر الملک کو محرم ۵۰۰ھ میں ایک شقی باطنی نے شہید کر دیا اور اس کی شہادت کے تھوڑے ہی دن امام صاحبؒ نے پھر کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی جہاں تادم زیست آپ ظاہری اور باطنی علوم دونوں کی ہدایت اور تلقین کرتے رہے۔

امام صاحب کے حاسدین

امام صاحبؒ کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کے حاسدوں اور خوردہ گیروں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی خصوصاً احیاء العلوم میں آپ نے جس طرح علماء ومشائخ کی ریاکاریوں کو واشگاف کیا تھا اس سے ایک زمانہ آپ کا دشمن ہو گیا تھا۔ بہتوں نے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی علانیہ آپ پر الزامات اور اتہامات لگانے لگے۔ اس زمانے میں خراساں کا بادشاہ سنجر بن مالک شاہ سلجوقی تھا۔ اس خاندان کو امام اعظم ابو حنیفہؒ سے نہایت حسن عقیدت تھی۔ امام غزالیؒ نے اپنی جوانی میں ایک کتاب منخول نامی اصول فقہ میں تصنیف کی تھی۔ اس میں حضرت امام اعظمؒ پر سخت نکتہ چینی کی تھی اور نہایت گستاخانہ الفاظ ان کی شان میں استعمال کئے تھے۔ امام صاحبؒ کے

حاسدوں اور دشمنوں کو یہ ایک محکم دستاویز ہاتھ لگ گئی ان لوگوں نے سنجر کے دربار میں یہ کتاب پیش کردی اور بدنام کرنے میں مبالغہ سے کام لیا نیز آپ کی دیگر کتابوں میں بھی تحریف و تبدیلی کر کے کئی ایک باتیں پیش کیں اور دعویٰ کیا کہ غزالیؒ کے عقائد زندیقانہ اور ملحدانہ ہیں۔

چونکہ سنجر سلجوقی خود صاحب علم نہ تھا اس لئے معاندین کی شکایتوں کا فیصلہ نہ کر سکا اور جبہ و دستار والوں کی باتوں پر یقین کر لیا اور امام صاحب کی حاضری کا حکم جاری کیا۔ امام صاحبؒ عہد کر چکے تھے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جائیں گے ادھر فرمان خسروی کا خیال کرنا بھی ضروری تھا۔ آپ مشہد رضا تک گئے اور وہاں ٹھہر کر سلطان کو فارسی زبان میں ایک مفصل خط لکھا۔

امام غزالی رحمہ اللہ سلطان سنجر کے دربار میں

اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد سلطان کو امام صاحبؒ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا اور درباریوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ بالمشافہ باتیں کر کے ان کے عقائد اور خیالات معلوم کروں۔ مخالفین کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اپنے انجام سے ڈرے کہ کہیں بادشاہ پر امام ہمام کا جادو نہ چل جائے۔ اس لئے یہ کوشش کی کہ امام صاحب لشکر گاہ تک آئیں مگر دربار میں نہ جا سکیں بلکہ باہر ہی مجلس مناظرہ قائم ہو اور امام صاحب کو تنگ کیا جائے۔

طوس کے علماء و فضلاء کو یہ خبر پہنچی تو وہ لشکر گاہ تک گئے اور مخالفین و معاندین سے کہا کہ ہم امام صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔ حل طلب مسائل ہمارے سامنے پیش ہوں۔ جب ہم عہد برآنہ ہو سکیں تو امام صاحب کو تکلیف دینی چاہئے۔ تمہارا یہ مقام نہیں ہے کہ امام صاحب تم سے بحث و مباحثہ کریں۔ سلطان نے یہ خلفشار دیکھا تو یہی مناسب خیال کیا کہ امام صاحب کو سامنے بلا کر فیصلہ کر لیا جائے معین الملک وزیر اعظم نے امام صاحب کی طلبی کا حکم دیا۔ امام صاحب مجبوراً لشکر گاہ میں آئے۔ وزیر اعظم بڑی ہی عزت و احترام سے پیش آیا۔ آپ کے ہمراہ دربار تک گیا۔ سلطان بھی تعظیم کیلئے اٹھا اور معانقہ کے بعد تخت شاہی پر جگہ دی۔ امام صاحب نے اگرچہ بڑے بڑے دربار دیکھے تھے مگر سلطان سنجر کے جاہ و جلال سے مرعوب ہو گئے۔ جسم پر رعشہ طاری ہوا۔ ایک قاری ساتھ تھا اس سے کہا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھو اس نے یہ آیت پڑھی۔

الیس اللہ بکاف عبدہ یعنی کیا خدا اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے؟ اس آیت

کے اثر سے دل قوی ہو گیا۔ سلطان کو خطاب کرتے ہوئے ایک طویل تقریر فرمائی جو آپ کے مکتوبات میں بعینہ درج ہے۔ تقریر کے ختم پر آپ نے فرمایا کہ میں تجھ سے دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں ایک تو یہ کہ اہل طوس ارضی و سماوی مصائب میں مبتلا ہے۔ ان پر رحم کر' خدا تجھ پر رحم کرے گا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کی گردنیں مصائب و نوائب سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوقہائے زریں سے لدی ہوئی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں بارہ سال تک گوشہ نشین رہا۔ پھر فخر الملک کے اصرار پر یہاں تک آیا ہوں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک بات بھی سچی کہنا چاہتا ہے تو زمانہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے مگر فخر الملک نے نہ مانا اور کہا کہ بادشاہ عادل ہے پھر بھی اگر کوئی بات خلاف ہو تو میں سینہ سپر ہو جاؤں گا۔

میری نسبت یہ مشہور کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ پر طعن و طنز کرتا ہوں یہ بالکل غلط ہے۔ امام اعظم کے تعلق سے میرا وہی اعتقاد ہے جو میں نے کتاب احیائے علوم میں لکھا ہے میں ان کو فقہ میں انتخاب روزگار خیال کرتا ہوں۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی تقریر کا اثر

سلطان سنجر نے امام صاحبؒ کی بصیرت افروز تقریر سن کر کہا کہ آج خراسان اور عراق کے تمام علماء ہوتے تو سب آپ کے کلام سے مستفید ہوتے۔ تاہم یہ حالات آپ اپنے ہاتھ سے قلم بند کیجئے تاکہ تمام ملک میں مشتہر ہوں۔ تاکہ عوام کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ میرا اعتقاد علماء کے تعلق سے کیا ہے۔ آپ درس کی خدمت بھی ضرور قبول کریں۔

فخر الملک نے آپ کو نیشا پور کے قیام پر مجبور کیا تھا۔ جو میرا ادنیٰ خادم ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تمام علماء سال میں ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنی مشکلات آپ سے حل کریں۔

دربار شاہی سے لوٹ کر آپ شہر طوس آئے' تمام اہل شہر نے آپ کا استقبال کیا اور جشن عام کر کے زر و جواہر آپ پر نثار کیے۔

اس واقعہ سے بھی مخالفین شرارت سے باز نہیں آئے۔ آپ سے پوچھا' آپ کس کے مقلد ہیں' امام صاحبؒ نے فرمایا عقلیات میں عقل کا اور منقولات میں قرآن مجید کا آئمہ

میں کسی کا مقلد نہیں ہوں۔ مخالفین نے آپ کی بعض تصنیفات پر اعتراض کیا۔ امام صاحبؒ نے تفصیل سے محققانہ طور پر جواب دیا۔

نظامیہ بغداد میں طلبی

یہ فتنہ گو فرو ہو گیا لیکن امام صاحب کی شہرت و مقبولیت ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ ۵۰۰ھ میں سلطان محمد بن ملک شاہ نے جب نظام الملک کے بڑے بیٹے احمد کو وزیر اعظم مقرر کر کے قوام الدین نظام الملک صدر الاسلام کا لقب دیا تو اس نے امام صاحب کو پھر بغداد میں بلانا چاہا۔ بغداد کا نظامیہ تمام دنیا میں مسلمانوں کا علمی مرکز تسلیم ہو چکا تھا۔ حضرت امام صاحب کے سوائے کوئی دوسری موزوں ہستی نہیں ملتی تھی۔ قوام الدین صدر الاسلام احمد نے وزارت عظمیٰ پر فائز ہو کر سب سے پہلے اس جانب توجہ کی اور خلیفہ بغداد کو خود بھی اس کا بہت خیال تھا۔ خراساں جس میں طوس واقع تھا۔ سلطان سنجر کے ہی زیر حکومت تھا اور صدر الدین محمد فخر الملک بن نظام الملک سنجر کا وزیر تھا۔ احمد نے صدر الدین کو ایک خط لکھا کہ امام غزالیؒ کو نظامیہ بغداد کی مدرسی کیلئے آمادہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ امام صاحب کے نام بھی ایک خط لکھا تھا کہ دونوں خط ان کی خدمت میں ساتھ بھیجے جائیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ نظامیہ حضرت نام الملک شہیدؒ کا قائم کردہ ایک مقدس یادگار ہے اور بغداد مستقر خلافت اور ایک ایسا مقدس مقام ہے کہ وہ علم دین کا معدن اور علمائے عظام اور طلبہ علم و فضل کا منبع بننے کا مستحق ہے۔ حضرت شہیدؒ کی یادگاریں دنیا میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں۔ لیکن نظامیہ بغداد کو آستانہ خلافت سے قریب ہونے کی وجہ سے جب تک یہ دنیا ہے۔ اسے سرچشمہ علم و خیر رہنا چاہئے۔ اس لئے ہم سب پر اور تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس کی بنیاد کو استوار کرنے میں پوری کوشش کریں۔ اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام لوگوں نے خلیفہ بغداد مستظہر باللہ سے التجا کی تھی کہ جس طرح ہو سکے امام صاحب کو نظامیہ میں درس دینے کیلئے بلایا جائے۔

اس فرمان پر دربار خلافت کے تمام ارکان کے دستخط تھے اور یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ ہر شخص امام صاحبؒ کیلئے چشم براہ ہے۔

احمد بن نظام الملک کے امام صاحبؒ کے نام ذاتی خط کا ماحصل یہ ہے کہ اگرچہ آپ جہاں تشریف رکھیں گے وہی جگہ درس گاہ عام بن جائے گی لیکن جس طرح آپ مقتدائے روزگار ہیں

آپ کی قیام گاہ بھی وہی شہر ہونا چاہئے جو تمام عالم اسلام کا مرکز ہوتا ہے کہ تمام دنیا کے ہر حصے کے لوگ باآسانی وہاں پہنچ سکیں اور ایسا مقام صرف اور صرف دارالاسلام ہے۔ (یعنی بغداد)

امام صاحب رحمہ اللہ کا انکار اور معذرت

امام صاحبؒ نے ان خطوط کے جواب میں ایک طویل خط لکھا اور بغداد نہ آنے کے متعدد وجوہ پیش کئے۔ ایک یہ کہ۔

یہاں یعنی طوس میں اس وقت ڈیڑھ سو طلبہ مستعد مصروف تحصیل علم ہیں جن کو بغداد جانے میں زحمت ہوگی۔ دوسرے یہ کہ جب میں بغداد میں تھا تو میرے اہل وعیال نہ تھے۔ اب بال بچوں کا جھگڑا ہے اور یہ لوگ ترک وطن کی زحمت نہیں اٹھا سکتے۔ تیسرے یہ کہ میں نے مقام خلیل میں یہ عہد کیا تھا کہ کبھی مناظرہ مباحثہ نہ کروں گا اور بغداد میں مباحثہ کے بغیر چارہ نہیں اس کے علاوہ دربار خلافت میں سلام کرنے کیلئے حاضر ہونا پڑے گا اور میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ میں مشاہرہ اور وظیفہ قبول نہیں کر سکتا اور بغداد میں میری کوئی جائیداد نہیں ہے غرض سلطنت وخلافت کی طرف سے بہت کچھ رد وکد ہوئی۔ بایں ہمہ صاف انکار کر دیا اور گوشہ عافیت سے نہ نکلنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

فن حدیث کی تکمیل

امام صاحبؒ نے حدیث کا فن طالب علمی کے زمانے میں نہیں سیکھا تھا۔ اب اس کی تکمیل کا خیال آیا۔ حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسیؒ ایک مشہور محدث تھے۔ وہ اتفاقاً طوس میں آئے۔ امام صاحبؒ نے ان کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور ان سے صحیح بخاری ومسلم کی سند لی۔ حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ نے صحیح بخاری ابو اسماعیل حفصی سے پڑھی۔

امام صاحبؒ اخیر عمر میں اگرچہ بالکل عابد مرتاض بن گئے تھے اور شب وروز مجاہدات وریاضات میں بسر کرتے تھے۔ تاہم تصنیف وتالیف کا مشغلہ بالکل ترک نہیں کیا۔ اصول فقہ میں مستصفیٰ نامی کتاب جو ان کی نہایت اعلیٰ تصنیف ہے۔ ۵۰۴ھ میں لکھی ہے۔ جس کے ایک برس بعد آپ نے انتقال کیا۔

وفات: امام صاحبؒ نے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ م ۱۱۱۱ء میں بمقام طاہران انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ ابن الجوزیؒ نے ان کے انتقال کا واقعہ ان کے بھائی امام

احمد غزالیؒ کی روایت سے اس طرح لکھا ہے۔

پیر کے دن امام صاحبؒ صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے، وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا ''آقا کا حکم سر آنکھوں پر'' یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے۔ لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔ رحمہ اللہ۔

امام صاحب رحمہ اللہ کا تجدیدی کارنامہ

امام صاحبؒ ایک عظیم مجدد اور مصلح تھے آپ جس زمانے میں پیدا ہوئے اس وقت سارے عالم اسلام کی عجیب حالت تھی۔ سینکڑوں فرقے اور جماعتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ جو عقائد و مسائل میں باہم دست و گریبان تھے۔ تقلید محض اور جمود کا دور دورہ تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر کفر اور زندقہ کے فتوے نکلتے تھے۔ الپ ارسلان کے زمانے میں شیعوں اور اشعریوں پر مدت تک مساجد میں منبروں پر لعنت پڑھی جاتی تھی۔ اوہام باطلہ اور غلط خیالات عقائد کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ ایسے حالات میں امام صاحبؒ نے نہایت دلیری اور ہمت سے اصلاح و تجدید کیلئے کمر باندھی اور بلاخوف لومۃ لائم اصلاح و تجدید کے کام کو انجام دیا۔ آپ نے سب سے پہلے عقائد کی اصلاح کی اور تعلیم و تربیت کے نظام کو درست کیا۔ بہر کیف آپ نے ہر میدان میں اصلاح حال کی سعی فرمائی۔ مولانا شبلیؒ نے آپ کے اصلاحی اور مجددانہ کارناموں پر اپنی کتاب الغزالی میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے وہاں ان کا مطالعہ کر لیا جائے۔ ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ

ازاں کہ پیروی خلق گمراہی آرد نمی رویم براہے کہ کارواں رفتہ است

ہر دور میں امتداد زمانہ اور ماحول کے برے اثرات سے انسان جادہ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں اور ہوتے ہوتے خود ساختہ خیالات اور عقائد ایک مسلمہ حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس وقت جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ مجدد مصلح پیدا کرتا ہے۔ وہ طعن و تشنیع کی بوچھاڑ اور مخالفتوں کی بھرمار میں پرچم اصلاح بلند کرتے ہیں پھر ان کی قربانیوں کے صلہ میں وہ وقت آتا ہے کہ آفتاب دین بدعات وخرافات اور اوہام واباطیل کے سیاہ بادلوں کی اوٹ سے نکل کر اپنی ضیا پاش اور جہانگیر کرنوں سے تمام قلوب کو منور کر دیتا ہے اور ساری ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔

آج بھی ہر طرف وہی حالت ہے کہ جن میں امام غزالیؒ نے مجددانہ جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ ایسا

یسے عقائد رسومات اور افکار مسلمہ عقائد کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں جن کے ڈانڈے راستے طور پر شرک' بدعت اور گمراہی سے ملتے ہیں' اس لئے احیاء دین وسنت اور اصلاح امت کی ضرورت آج ہمیشہ سے بڑھ کر معلوم ہوتی ہے اس لئے اصلاح وتجدید کیلئے کمر بستہ ہونے کی ضرورت ہے۔

امام صاحبؒ کی شاعری

امام صاحبؒ کے زمانہ میں فارسی ادب وشاعری اوج شباب پر تھے اسی لئے زمانہ کے اقتضاء اور فطری صلاحیت کی بنیاد پر امام صاحبؒ نے بھی شاعری کی ہے۔ آپ نے عربی اور فارسی دونوں میں شعر کہے ہیں۔ آپ کا ایک فارسی قطعہ نمونہ کے طور پر درج ہے۔

گفتم دلا! تو چندیں برخویشتن چہ پیچی!! با یک طبیب محرم ایں راز درمیان نہ'
گفتا کہ ہم طبیبے فرمودہ است بامن! گر مہر یار داری صد مہر بر زبان نہ!!

تصنیفات

تصنیفات کے لحاظ سے امام صاحبؒ کی حالت نہایت درجہ حیرت انگیز ہے۔ انہوں نے کل ۵۴'۵۵ برس عمر پائی ہے۔ تقریباً بیس برس کی عمر سے تصنیف کا مشغلہ شروع کیا۔ دس گیارہ برس صحرانوردی اور بادیہ پیمائی میں گزرے۔ درس وتدریس کا شغل ہمیشہ جاری رہا اور کبھی کسی زمانے میں ان کے شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہیں رہی۔ فقہ وتصوف کے مشغلے جدا اور دور دور سے جو فتاویٰ آتے تھے ان کے جواب الگ' بایں ہمہ سینکڑوں کتابیں لکھیں جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں میں ہیں اور گوناگوں مضامین سے پر ہیں اور جو کتاب ہے اپنے مضمون اور باب میں بے نظیر ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

علامہ نووی نے بستان میں ایک مستند شخص سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام غزالیؒ کی تصنیفات اور ان کی عمر کا حساب لگایا تو روزانہ اوسطاً چار کراسے پڑا۔ ایک کراسہ تقریباً ۴ صفحوں کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ۱۶ صفحے روزانہ ہوئے۔ آپ کی سب سے مشہور تصنیف احیاء علوم الدین ہے جس کا اردو ترجمہ مذاق العارفین ضرور پڑھنا چاہئے۔ آپ کی ایک مشہور تصنیف کیمیائے سعادت فارسی کا بھی اردو ترجمہ ہو چکا ہے جس کا نام اکسیر ہدایت ہے۔ (از مقدمہ توشہ آخرت)

عالم کے لئے آداب

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اگر وہ اہل علم میں سے ہو تو عالم کے آداب یہ ہیں کہ وہ فراخ حوصلہ، بردبار اور خوش اخلاق ہو اس کی نشست و برخاست یعنی اٹھنے بیٹھنے سے وقار، حرمت و متانت اور آہنگی ظاہر ہو۔ تواضع کی وجہ سے اس کا سر ہمیشہ جھکا ہوا ہو۔ یہ چیز تکبر کی وجہ سے نہیں بلکہ علم کی حرمت اور ہیبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مخلوق میں کسی پر بھی تکبر اور غرور کا اظہار نہ کرے۔ مگر ہاں ظالموں پر اس کا مظاہرہ ہو سکتا ہے تا کہ انکو اور انکے ظلم کو دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل کر دیں۔

مجلسوں اور محفلوں میں اونچے اور صدر مقام کی جستجو نہ کرے کیونکہ یہ غرور اور تکبر کی علامت ہے۔ بے ہودہ باتوں، ہنسی مذاق اور ٹھٹھا کی عادت نہ ڈالے کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت نکل جاتی ہے شاگردوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔ عالم کی شان یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی اس سے سوال کرتا ہے تو جھڑکتا نہیں ہے اگر اس کے سوال میں کوئی نقص اور خلل ہو تو اس کی اصلاح کرتا ہے اور غصہ نہیں کرتا۔ اگر کوئی بات نہ جانتا ہو تو کہہ دینے میں عار اور شرم محسوس نہ کرے کہ میں نہیں جانتا اگر کوئی غلطی پکڑے تو دلیل اور حجت سے قبول کر لیتا ہے۔ اس میں کوئی عیب نہیں کہ وہ اپنی بات سے رجوع کرے یا اپنی غلطی کا اعتراف کرے اپنے شاگردوں کو اس علم سے منع کرو جو نقصان دہ اور مضرت رساں ہو۔ پہلے اس کو نفع دینے والے علم میں مشغول کرو کیونکہ وہ فرض عین ہے نہ کہ فرض کفایہ۔

فرض عین علم تقویٰ ہے کہ اس کے ظاہر اور باطن کو ناشائستہ اور رذیل اخلاق و افعال سے پاک کرتا ہے اور اس کو دنیا سے آخرت کی طرف بلاتا ہے۔ حرص و ہوس سے بچا کر زہد و قناعت کی طرف بلاتا ہے یہی چاہئے کہ دوسرے کو کسی بات کا حکم دینے سے پہلے خود اس

پر عمل کر لے کیونکہ گفتار بے کردار اثر نہیں رکھتی۔ (توشہ آخرت)

ہمارے اکابر کا فیض

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ آپ بیتی میں لکھتے ہیں شمرد ایک فرانسیسی تھا اس کی ایک بیگم تھی جس کا امراء میں بڑا درجہ تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس مثل والیان ملک کے فوج بھی تھی۔ میرٹھ میں جو بیگم کا پل مشہور ہے وہ بھی اسی کا بنوایا ہوا ہے۔ اس کی ایک کوٹھی تھی جو فرانسیسی وضع پر بنی ہوئی تھی وہ اپنے ملازموں کی بڑی قدردان تھی، وہ کہا کرتی تھی کہ میں تمہیں ایسا کر کے چھوڑوں گی کہ تم کہیں کے نہیں رہو گے تمہیں کوئی بھیک بھی نہیں دے گا' وہ کہتے کہ حضور اتنی عنایت کرتی ہیں اور حضور کے یہاں ہم تعلیم یافتہ ہیں تو ہمیں ملازمت کی کیا کمی' وہ کہتی کہ دیکھ لینا۔ چنانچہ یہ دیکھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ملازم کسی اور کی ملازمت نہ کر سکے۔ نہ ویسا کوئی قدردان ملا نہ نوکری کر سکے۔ اس کے مرنے کے بعد وہ لوگ واقعی بھوکے مرے۔ ہمارے بزرگوں نے بھی ہمیں اس طرح نکما کر دیا' اب کوئی پسند ہی نہیں آتا۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے تم بھی بدل جاؤ۔ بھائی ہم سے تو اب بدلا نہیں جاتا تمہیں اختیار ہے کسی نے کہا ہے:

زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ بساز

زمانہ بدل گیا ہے تو بھی بدل جا لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں:

زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ مساز

اور زمانہ کیا بدلتا اگر درحقیقت دیکھا جائے تو زمانہ ہمارا تابع ہے۔ ہم ہی تو زمانہ کو بدلتے ہیں' زمانہ بیچارہ ہمیں کیا بدلے گا' جب ہم اپنے آپ کو بدل دیتے ہیں تب ہی زمانہ بدلتا ہے۔ زمانہ ہم سے علیحدہ کوئی چیز تھوڑا ہی ہے تو جب زمانہ کو ہم خود بدل سکتے ہیں تو ہم اس کو محفوظ بھی کر سکتے ہیں یہ اکبر حسین جج کا نکتہ ہے۔ بڑی اچھی بات ہے' کہتے تھے کہ لوگ زمانہ کی برائی کرتے ہیں کہ بھائی کیا کریں زمانہ ہی بدل گیا ہے۔ جب تم سب بدل گئے تو یہی زمانہ کا بدلنا ہو گیا' زمانہ کوئی مستقل چیز تھوڑا ہی ہے زمانہ تو تم خود ہو۔ واقعی سچ کہا ہے' زمانہ کی حقیقت تو خود ہم ہی ہیں' ہم اگر نہ بدلیں تو زمانہ بھی نہ بدلے۔ کیا اچھی بات کہی' بڑا حکیمانہ دماغ تھا۔

اکابر کا طلب علم میں انہماک

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ میرے والد صاحب کے طالب علمی کے زمانہ میں ڈاکٹروں نے یہ کہہ دیا تھا کہ ان کی آنکھوں میں نزول آب شروع ہو گیا، کتب بینی ہرگز نہ کیا کریں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ خبر سن کر کتب بینی میں اتنی محنت کی اس خیال سے کہ پھر تو یہ آنکھیں جاتی رہیں گی جو کرنا ہے ابھی کر لیں۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ مدرسہ حسین بخش والوں کا اصرار ان کے والد یعنی میرے دادا پر یہ تھا کہ وہ دورہ حدیث میں شریک ہوں جس پر والد صاحب نے انکار کر دیا لیکن امتحان میں شرکت قبول کر لی۔ نظام الدین کے ایک حجرہ میں جو بہت ہی تنگ و تاریک تھا اور اس میں جنگل کی طرف ایک دروازہ کھلا ہوا تھا وہاں پر اب کھڑکی ہے اس میں شب و روز مطالعہ میں مشغول رہتے اور ایک دولڑ کے متعین تھے کہ وہ اذان کے بعد ایک دو لوٹے وضو، استنجاء کے لیے رکھ دیں اور دونوں وقت کھانا لا کر اسی کھڑکی میں سے میرے پاس رکھ دیں۔

اس زمانہ میں کاندھلہ سے ایک تار شادی کے سلسلہ میں ان کے بلانے کا آیا تھا تو نظام الدین کے حضرات نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ وہ کئی ماہ سے یہاں نہیں ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پانچ چھ ماہ میں بخاری شریف، سیرت ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ، فتح القدیر اتنے انہماک سے دیکھیں کہ جس کے بعد امتحان کی تعریف حضرت سہارن پوری ممتحن نے بڑے مجمع میں کی اور اسی بناء پر حضرت گنگوہی سے سفارش کی جس پر حضرت گنگوہی نے آخری دورہ پڑھایا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ سبق کے بعد سب سے پہلے میں استاد کی تقریر عربی میں نقل کرتا تھا، اس کی مدد سے دوسرے رفقاء درس اردو میں اپنی تقریریں نقل کیا کرتے تھے اور پورے دورہ میں ان کی ایک حدیث بھی ایسی نہ گزری جو استاد کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو۔

علم و ذہانت کا عجیب واقعہ

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ لکھتے ہیں مفتی الٰہی بخش صاحب کے متعلق ایک عجیب قصہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ دہلی میں بعض علماء کے درمیان بعض مسائل میں بحث ہو گئی اور آپس میں طے نہ کر سکے۔ شاہ دہلی نے اس کو قلم بند کرا کر ایک شتر سوار کے ہاتھ کاندھلہ مفتی

صاحب کے پاس بھیجا' شتر سوار مغرب کے وقت پہنچا اور مفتی صاحب کی خدمت میں وہ سوالات پیش کیے۔ مفتی صاحب نے اسی مجلس میں برجستہ ان کے جواب مع حوالہ کتب تحریر فرما کر طلبہ کے حوالے کیے کہ ان حوالوں کو اصل کتب سے ملالیں اور خود کھانا کھانے اندر تشریف لے گئے۔ اتنے میں حضرت مفتی صاحب کھانا کھا کر تشریف لائے' طلبہ نے حوالوں کا کتابوں سے مقابلہ کر لیا تھا اور اسی وقت جوابی لفافہ میں بند کر کے شتر سوار کے حوالہ کر دیا۔ شتر سوار نے عرض کیا کہ حضور شاہی حکم یہ ہے کہ جواب ملنے تک ٹھہرنا' اس کے بعد دیر نہ کرنا حضور میں صبح کا چلا ہوا ہوں' تھک رہا ہوں' حضور جواب صبح کو عطاء فرمادیں۔ چنانچہ مفتی صاحب نے صبح کو عطاء کیا اور وہ شام تک دہلی پہنچ گیا اور جب ان جوابات کو علماء کرام کے سامنے رکھا گیا تو سب نے ان کی صحت کو تسلیم کیا اور حیران رہ گئے کہ ایسے مغلق مسائل کا اتنا مدلل جواب اس تھوڑے سے وقت میں کس طرح لکھا گیا۔

علمی خدمت کا انہماک

مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کی بابت لوگ کہتے ہیں کہ تصنیف کا اوسط اتنے روزانہ کا پڑتا ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بے چاروں کا دماغ اسی میں ضعیف ہو گیا' صرع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے ہر چند منع کیا مگر نہیں مانے' علمی خدمت کے مقابلہ میں بے چاروں نے جان تک کی پرواہ نہ کی۔ (آپ بیتی)

قومی ترقی کیلئے علم دین ضروری ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

افسوس ہے کہ آپ کے ہم وطن ہندوؤں نے تو تعلیم کے اہم ہونے کو محسوس کیا کہ ان میں بکثرت لوگ امتحان سے فارغ ہو کر اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک بڑی جماعت سررشتہ تعلیم (سرکاری تعلیم کا محکمہ) میں داخل ہو اس لئے کہ سب شاخیں اسی کی فرع ہیں تو تعلیم میں دخیل ہونا ذریعہ ہے ترقی قومی کا' مگر ہم کو اب تک اس کی خبر نہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو عاقل سمجھے ہوئے ہیں۔ تعلیم کی حالت دوسرے کاموں کے مقابلوں میں ایسی ہے

جیسے انجن کا پہیہ کہ اس کے چکر میں تمام گاڑیوں کو حرکت ہوتی ہے اگر اس کی حرکت بند ہو جائے تو تمام گاڑیوں کی حرکت بند ہو جائے۔ مگر اس کی ضرورت کا احساس لوگوں کو نہیں ہوتا۔ درس و تدریس سب محکموں کی روح ہے۔ خواہ تقریر ہو خواہ تحریر خواہ تصنیف سب اسی تعلیم کی فرع ہیں مگر اس وقت سب سے زیادہ اسی کو بیکار سمجھ رکھا ہے۔ عام طور سے لوگوں کی نظر میں علماء کی وقعت کم ہے۔ (ضرورۃ العلماء، عبدیت)

حقیقت علم

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انسان' انسان جب بنتا ہے جب اس کے اندر علم آ جائے اور علم بھی وہ ہو کہ وہ محض دانستن کا نام علم نہیں محض جان لینے کا نام علم نہیں اس لئے کہ تھوڑا بہت علم جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ اتنا علم اگر انسان میں آ جائے تو اتنا علم حیوانیت کیلئے بھی ہے۔ حقیقی علم وہ ہے کہ جس سے انسان حلال و حرام کو پہچانے اور جائز و ناجائز میں فرق کرے۔ یہ کام انسانی قلب کا ہے' ہاتھ اور پیر کا نہیں''۔ ''علم کی حقیقت ہی در حقیقت تمیز ہے۔ یعنی دو چیزوں کو ممتاز کئے رکھنا' اگر دو چیزیں رل مل جائیں تو کہیں گے کہ اس شخص کو علم نہیں۔ اگر علم ہوتا تو دو چیزوں کو الگ الگ دیکھتا اور دونوں چیزوں کو الگ الگ سمجھتا تو امتیاز پیدا کر دینا یہ علم کا مرتبہ ہے اور علم میں کمال تقویٰ سے آتا ہے جتنا تقویٰ و طہارت ہو گا اتنا علم میں کمال پیدا ہو جائے گا اس لئے قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ **یایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا** اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرنے لگو اور متقی بن جاؤ تو اللہ تم میں فرقان پیدا کر دے گا۔ س ''فرقان'' ز کے معنی اس اندرونی قوت کے ہیں جو حق و باطل میں امتیاز پیدا کر دے' جب یہ تمیز پیدا ہو جائے تو کہا جائے گا کہ تقویٰ کامل ہو گیا۔ تقویٰ کا اثر یہ ہے کہ انسان کا دل خود بھلائی اور برائی میں امتیاز کرنے لگتا ہے۔'' (جواہر حکمت)

علم صفت خداوندی

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علم کوئی سا بھی ہو ہر انسان کا ایک طبعی مرغوب ہے' اس میں یہ قید نہیں ہے کہ بھئی یہ ہندوستان والوں کا علم ہے ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔ علم میں پاکستانی و ہندوستانی کی تقسیم ہے ہی نہیں وہ تقسیم سے بالاتر ہے لہٰذا سب

جھکیں گے کہ اس کی وجہ یہ کہ علم ہماری صفت نہیں اگر ہماری صفت ہوتی تو اس میں تعصب ہوتا۔ یہ ہمارے خدا کی صفت ہے اور حق تعالیٰ ان ساری حد بندیوں سے بالاتر ہے ان کی صفت پر جب ہم آئیں گے تو اتحاد پیدا ہوگا"۔

"علم خود ذاتی طور پر رفعت کی چیز ہے وہ اللہ کی صفت ہے علم کبھی نیچا ہو کر نہیں رہتا' اس لئے اگر کوئی واقع میں عالم ہے وہ بھی کبھی نیچا ہو کر نہیں رہے گا۔ علم میں طبعی طور پر ترفع اور بلندی ہے مگر اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی میں کہیں تکبر پیدا نہ ہو جائے' اس لئے اس کا بدرقہ عبدیت ہے کہ علم کے ساتھ جب تک عبدیت جمع نہ ہوگی تو تکبر اور نخوت اس سے الگ نہیں ہو سکتا اور عبدیت یہ ہے کہ کسی مرد کامل کے سامنے پامال بنے"۔ (جواہر حکمت)

علماء کو امامت وغیرہ کے جھگڑے میں پڑنا مناسب نہیں

حکیم الامت رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: گو میں کچھ نہیں ہوں مگر الحمد للہ اپنے اکابر کے اس طرز کا عاشق ہوں اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس رمضان گزشتہ میں لوگوں نے جامع مسجد کی امامت کیلئے مجھ سے درخواست کی حالانکہ امامت وخطابت قدیم سے ہمارے قصبہ میں خطیبوں ہی کے خاندان میں ہے جن میں سے میں بھی ہوں مگر اب تک دوسرے خاندان کے لوگ امام تھے تو مجھے واللہ ایک دن بھی یہ وسوسہ نہیں آیا کہ اپنا منصب دوسرے کے پاس کیوں ہے مگر اب بعض وجوہ سے لوگوں کو پہلے امام سے انقباض ہو گیا اور مجھے امام کرنا چاہا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ جب تک خود وہ امام اجازت نہ دے میں امامت نہیں کر سکتا چنانچہ خود ان لوگوں نے بھی درخواست کی تو میں نے ممبر پر کھڑے ہو کر صاف کہہ دیا کہ میں اس وقت آپ لوگوں کے کہنے سے امامت قبول کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ یہ میرا حق نہیں جیسا کہ عام طور پر لوگ اس کو اپنا حق سمجھ لیتے ہیں نہ میرے خاندان کو اس حق کی میراث پہنچے گی اور میں صرف اس وقت تک امام رہوں گا جب تک آپ سب لوگ راضی رہیں اور اگر کسی ایک شخص کی بھی مرضی نہ ہو خواہ وہ جلاہا یا تیلی ہی ہو تو وہ ڈاک میں جس وقت بھی ایک کارڈ میرے نام ڈال دے گا کہ امامت سے الگ ہو جاؤ اسی دن میں امامت چھوڑ دوں گا واللہ مجھے ممبر اور وعظ وامامت کی خواہش نہیں کہ لوگ مجھ سے ممبر اور وعظ وغیرہ کا کام لے لیں اور مجھے اس سے منع کر دیں اور

ایک حجرہ مجھے مل جائے تو میں اس پر راضی ہوں اگر حجرہ بھی چھین لیا جائے تو مجھے اس سے بھی دریغ نہیں میں اپنے گھر میں یا جنگل میں بیٹھ کر اپنے خدا کو یاد کرلوں گا۔

افسوس آج کل کے علماء کے اندر یہ بات نہیں دیکھی جاتی بلکہ جگہ جگہ یہ سننے میں آیا ہے کہ وہاں امامت پر جھگڑا ہے وہاں وعظ پر فساد ہے بات یہ ہے کہ مقصود جاہ ہے اس میں دوسرا شریک ہوجاتا تو ناگواری ہوتی ہے خدا مقصود نہیں اگر خدا مقصود ہوتا تو یہ امامت ومنصب وبال جان معلوم ہوتا ہے۔ (الفاظ القرآن)

تعلیم وتعلم سے بقائے انسان

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آج جو مدارس ومکاتب قائم کئے جارہے ہیں یہ دراصل انسانی خصوصیت کو اجاگر کیا جارہا ہے کہ اگر یہ مدارس قائم نہ کئے جائیں یہ جوامع قائم نہ کی جائیں اور تعلیم نہ دی جائے اور فرض کیجئے کہ تعلیم مٹ گئی تو انسانیت مٹ گئی تو یہ تعلیم وتعلم کا سارا جھگڑا انسان کی بقاء کیلئے ہے''۔

مسلمانوں کی ایک خصوصیت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے ہاں ہر چیز ''سند'' کے ساتھ پائی جاتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں۔ اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو پڑھایا سلسلہ ہم تک پہنچ گیا تعلیم ہی سے پہنچا محض علم سے نہیں پہنچا۔ علم جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ آپ کی ذات بابرکت کے ساتھ خاص ہے اگر آپ تعلیم نہ دیتے تو ہم تک علم کیسے پہنچتا۔ تعلیم کے ذریعے ہم تک پہنچا اور ہم عالم بنے''۔ (جواہر حکمت)

غسل کا پانی

ابن جوزی رحمہ اللہ کے نواسے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا (شیخ ابن جوزی) کو ایک بار سر منبر کہتے سنا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں جس شیخ وقت نے ڈھائی سو کتابیں تصنیف کی ہوں اس کا دو ہزار جلدیں لکھ لینا ناممکن نہیں۔ جن قلموں

سے انہوں نے حدیث شریف کی کتابیں لکھی تھیں انکا تراشہ جمع کرتے گئے تھے جب وفات پانے لگے تو وصیت کی کہ غسل کا پانی اسی تراشے کے پانی سے گرم کیا جائے چنانچہ ان کے غسل کا پانی اسی پاک ایندھن سے گرم ہوا۔ (خزینہ)

علماء کا اصل فریضہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں
کہ علماء کو یہ چاہئے کہ وہ قوم پر ہرگز نظر نہ کریں بلکہ

دلارامے کے داری دل درو بند　　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(تو جو بھی اپنا معشوق رکھتا ہے اسی میں دل لگا کر دوسری تمام دنیا سے آنکھیں بند کر)

اور ہر وقت اس کو پیش نظر رکھیں "وللہ خزآئن السموت والارض" (اللہ ہی کیلئے ہیں آسمانوں زمین کے خزانے)

اکبر بادشاہ کی حکایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شکار میں گئے اور ساتھیوں سے بچھڑ کر کہیں دور نکل گئے ایک دیہاتی نے ان کو مہمان رکھا اکبر اس سے بہت خوش ہوئے اور کہا کہ دار السلطنت میں آنا چنانچہ وہ دہلی آیا اکبر اس وقت نماز پڑھ رہے تھے نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگی دیہاتی نے یہ حالت دیکھی جب دعا سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے اکبر نے کہا خدا سے دعا کر رہا تھا اور مراد مانگ رہا تھا کہنے لگا کیا تم کو بھی مانگنے کی ضرورت ہوتی ہے اکبر نے کہا کہ بے شک کہنے لگا کہ پھر میں اسی سے کیوں نہ مانگوں جس سے تم کو بھی ضرورت مانگنے کی ہوتی ہے۔ اہل علم کو چاہئے کہ اگر خدمت دین کریں تو نہ اس لئے کہ ہم کو نذرانہ ملے گا خدا کی قسم خدا کا نام دونوں عالم سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے خوب کہا ہے

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ　　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(تو اپنی قیمت دونوں عالم کو بتلاتا ہے اور قیمت بڑھاؤ ابھی تو بہت سستا ہے) (تکمیل الاسلام)

علماء کی تین قسمیں

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کی تین قسمیں ہیں (۱)

عالم باللہ (۲) عالم بامر اللہ (۳) عالم باللہ۔ وبامر اللہ۔ عالم باللہ یعنی ذات صفات کی معرفت اس کو حاصل ہو۔ رات ودن اس میں مستغرق ہو مگر مسائل وعلم سے زیادہ واقف نہیں اور اصطلاح سے بھی واقف نہیں اور ایک عالم بامر اللہ ہے کہ قانون شرعی کا عالم ہے اور محقق بھی ہے مگر معرفت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس راستے کو طے ہی نہیں کیا اور ایک عالم باللہ وبامر اللہ ہے وہ ظاہری علوم بھی جانتا ہے اور باطن کے علوم بھی کیونکہ وہ اس راستے پر چلا ہوا ہے۔ ہمارے اکابر مرحومین جامع تھے عالم باللہ بھی تھے اور عالم بامر اللہ بھی تھے دن میں درس وتدریس کا کام ہو رہا ہے اور رات کو مصلے پر بیٹھے ہوئے ذکر اور ذات وصفات کے مسائل بیان کر رہے ہیں اور معرفت کی باتیں ہو رہی ہیں یہ دونوں چیزیں جمع تھیں۔ (جواہر حکمت)

چار طالب علموں کا عجیب واقعہ

چار نوجوان اتفاق سے مصر کی ایک جامع مسجد میں جمع ہو گئے۔ چاروں طالب علم تھے ایک دوسرے سے تعارف ہوا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ چاروں کا نام محمد تھا ایک نے اپنا نام محمد بن جریر بتایا' دوسرے نے محمد بن اسحاق' تیسرے نے محمد بن مزوری اور چوتھے نے محمد بن ہارون بتایا۔ چاروں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ''سبحان اللہ'' ان کا کام بھی ایک ہی تھا اور نام بھی ایک۔ تمام دن استاد صاحبان سے حدیث کا علم حاصل کرتے شام کو اپنے مکان میں آکر دن بھر کی یاد کی ہوئی احادیث کو ایک رجسٹر میں لکھ لیتے۔ ایک دن ایک نے کہا بھائیو! ہماری جمع شدہ رقم ختم ہو چکی ہے کوئی بات نہیں ہم مزدوری کر لیں گے۔ دوسرے نے کہا۔

مزدوری کرنے پر اعتراض نہیں۔ اس طرح ہم احادیث کا علم کس طرح حاصل کریں گے تیسرے نے کہا۔ ہاں! اس طرح تو ہم تاجر بن جائیں گے۔ چوتھے نے کہا تب پھر اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم میں سے صرف ایک مزدوری کرے' باقی تین علم حاصل کریں قرعہ اندازی کر لی جائے۔ قرعہ ڈال دیا گیا محمد بن اسحاق کا نام نکلا وہ بولے پہلے میں اپنے رب سے استخارہ کر لوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے نماز کی نیت باندھ لی۔ ایسے میں باہر سے آواز آئی کیا وہ یہی گھر ہے؟ کسی نے کہا ہاں یہی ہے' نشانیاں تو وہی ہیں باہر کی آواز سن کر یہ چونک گئے' گھبرا گئے' سارا شہر اس وقت

نیند کی آغوش میں تھا۔ پھر یہ کون لوگ تھے جوان کے مکان کے باہر جمع تھے۔ ایسے میں دستک ہوئی آواز آئی السلام علیکم! کیا ہم اندر آسکتے ہیں۔ ہم بادشاہ کے قاصد ہیں وہ ایک ساتھ بولے۔

وعلیکم السلام! تشریف لائیے۔ محمد بن ہارون نے دروازہ کھول دیا۔ وہ کئی آدمی تھے ان کے ہاتھوں میں روشنی کی قندیلیں تھیں چہروں سے سوجھ بوجھ والے لوگ لگ رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا آپ میں سے محمد بن جریر کس کا نام ہے۔ جی میرا نام ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا یہ لیجئے پانچ سو دیناروں کی تھیلی پھر اس نے کہا اور آپ میں سے محمد بن نصر کون ہے؟ آنے والوں نے ایک تھیلی انہیں تھما دی۔ پھر بولا محمد بن اسحاق کون ہے یہ جو نماز پڑھ رہے ہیں۔ محمد بن نصر نے بتایا۔ یہ تھیلی ان کی ہے آپ میں سے محمد بن ہارون کون ہیں؟ نام معلوم کر کے ایک تھیلی انہیں دے دی گئی۔ اب یہ چاروں حیران ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے آنے والوں میں سے ایک نے ان کی حیرت دور کرنے کیلئے کہا۔ مصر کے بادشاہ احمد بن طولون کل دوپہر اپنے محل میں سو رہے تھے۔ انہوں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا وہ ان سے کہہ رہا تھا محمد نام کے چار طالب علم بھوک سے پریشان ہیں اور تو میٹھی نیند سو رہا ہے۔ بادشاہ نے اس شخص سے آپ لوگوں کا پتہ نشان پوچھا اور یہ تھیلیاں بطور ہدیہ بھیجی ہیں اور اس نے قسم دے کر کہا ہے کہ جب یہ رقم ختم ہو جائے تو انہیں ضرور اطلاع دی جائے تا کہ وہ مزید رقم ارسال کر سکیں۔ بادشاہ کے آدمی تسلیاں دے کر چلے گئے لیکن اس کے بعد یہ چاروں پھر مصر میں نہ ٹھہرے وہاں سے نکل گئے تا کہ دولت کے چکر میں دین کے علم سے محروم نہ ہو جائیں۔ (ماہنامہ محاسن اسلام)

آج بھی رازی وغزالی پیدا ہو سکتے ہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مولوی منفعت علی صاحب سلمہ (اس وقت مولوی صاحب مرحوم حیات تھے ۱۲ منہ) سے ایک شخص نے کہا کہ کیا وجہ علماء میں اب رازیؒ وغزالیؒ پیدا نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت انتخاب کا قاعدہ یہ تھا کہ قوم میں جو سب سے ذہین اور ذکی ہو وہ علوم دین کے لیے منتخب ہوتا تھا اور اب انتخاب کا قاعدہ یہ ہے کہ جو سب سے زیادہ احمق اور غبی ہو وہ اس کے لیے تجویز ہوتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اب بھی جو ذہین و ذکی پڑھتے ہیں وہ غزالیؒ اور رازیؒ سے کم نہیں ہوتے۔ میرے

ساتھ چلو اور علماء کی حالت دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت بھی غزالیؒ اور رازیؒ جیسے موجود ہیں اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں لیکن عدد میں کم ضرور ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جو لوگ قابل ہیں وہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔

ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر بیس آدمی ایسے پڑھیں تو ان میں پندرہ ضرور غزالیؒ اور رازیؒ نکلیں گے۔

اب بے چارے غرباء جولاہے' دُھنے پڑھتے ہیں ان کی جیسی سمجھ ہوتی ہے ویسے ہی نکلتے ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ غریب غرباء کے بچوں کو نہ پڑھایا جائے کیونکہ امراء نے خود چھوڑا اور ان سے ہم چھڑا دیں تو پھر علم دین کس کو پڑھائیں؟ نیز غریب غرباء کیا کریں؟ انگریزی پڑھ نہیں سکتے کیونکہ اس کی تعلیم نہایت گراں ہے اور عربی ہم نہ پڑھائیں تو یہ بے چارے تو بالکل ہی کورے رہے اور واقعی علم دین ایسی عجیب چیز ہے کہ اس میں محنت بھی کم اور خرچ بھی کم۔ بخلاف انگریزی کے۔ (اشرفی بکھرے موتی)

علماء کا احترام

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ فن طریقت کے امام تھے۔ حضرت کی بصیرت کا کیا ٹھکانا تھا۔ کہ مجھ کو بیعت کرتے وقت یہ شرط لگائی تھی۔ کہ پڑھنے پڑھانے کے شغل کو ترک نہ کرنا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی ضرورت کا کس درجہ ادراک تھا۔ اسی لئے علماء کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی رحمت اللہ صاحب نے حضرت پر کچھ اعتراضات کئے۔ اس پر حضرت کو بھی طبعًا ناگواری ہوئی اور جواب دے کر یہ بھی فرمایا کہ اگر میں اپنے بچوں کو بلالوں گا۔ تو ناطقہ بند کردیں گے۔ اتفاق سے اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت مولانا گنگوہی حج کو تشریف لے گئے اور یہ واقعہ سن کر ان حضرات کو بھی ناگوار ہوا اور باہم یہ مشورہ کیا کہ ہم مولوی صاحب سے جا کر پوچھیں گے۔ جب حضرت حاجی صاحبؒ کو خبر ہوئی۔ تو فرمایا کہ نہ بھائی تم کچھ نہ بولنا۔ میں ان کا احترام کرتا ہوں ہاں جا کر مل آؤ۔ تب یہ حضرات گئے اور مل کر چلے آئے۔ (اشرفی بکھرے موتی)

علماء میں پارٹی بندی کی مذمت اور اصل سبب

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

علماء نے محض کتابی علم کو کافی سمجھ رکھا ہے یہ علم حاصل کر کے عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ علم سے مقصود عمل ہی ہے ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے اخلاق باطنہ درست نہیں نہ اس کی فکر ہے جن میں دو خلق مجھے سخت ناگوار ہیں اور میں کیا ہوں اللہ تعالیٰ کو ان سے سخت نفرت ہے ایک طمع یعنی حب مال' دوسرا حب جاہ علماء کو ان ہی دو باتوں نے زیادہ تباہ کیا ہے ۔مدرسین کی یہ حالت ہے کہ تنخواہ پر جھک جھک کرتے ہیں یہ نہایت واہیات ہے اسی لئے کہ کسی مدرسہ کے مہتمم کو اپنے کسی مدرس پر اعتماد نہیں ہوتا کہ یہ رہے گا یا نہیں؟ کیونکہ کسی دوسری جگہ سے پانچ روپیہ زائد پر بھی دعوت آگئی تو مدرسین صاحب فوراً اس مدرسہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چل دیں گے اگرچہ وہاں دین کی خدمت زیادہ نہ ہو اور پہلی جگہ دین کی خدمت زیادہ ہو رہی ہو اور گزر بھی ہو رہا ہو' یہ صریح دین فروشی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو محض تنخواہ مقصود ہے' دین کی خدمت مقصود نہیں البتہ اگر پہلی جگہ کی تنخواہ میں گزر نہ ہوتا ہو' ضروریات میں تنگی پیش آتی ہو تو دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ تنگی واقعی ضروریات میں ہو کیونکہ فضول ضرورتوں میں تنگی ہونا معتبر نہیں وہ دراصل ضروریات ہی نہیں پس یہ نہایت نازیبا حرکت ہے کہ عالم دین ہو کر مال پر رال ٹپکاتے پھریں۔

دوسرا مرض ان میں حب جاہ کا ہے جس کی وجہ سے علماء کے اندر پارٹی بندی ہو گئی ہے ہر شخص اپنی ایک جدا جماعت بنانے کی فکر میں ہے علماء کاملا کے باب میں تو یہ مذاق ہونا چاہئے۔

اے دل بہ آں خراب از مئے گلگوں باشی بے ضرر گنج حشمت قارون باشی

(الفاظ القرآن)

تحصیل علم کیلئے تین سال تک مکان میں بند

سند بن علی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں تین سال تک ایک مکان میں (طلب علم کیلئے) بند رہا اور اتنا لمبا عرصہ ایک دن کی طرح گزر گیا۔ اس درمیان والد کی میرے اوپر نظر تک نہ پڑی' میں برابر محنت اور کوشش میں لگا رہا' جب تین سال کے بعد میں نے کتاب کو مکمل طور پر حل کر لیا اور اس کی مشکل ترین شکلوں اور نقشوں کو بنانے میں کامیاب ہو گیا تو ان کاغذات کو اپنی آستین میں رکھ کر گھر سے باہر نکلا اور لوگوں سے پوچھا کہ کیا شہر میں کسی

مقام پر علم ہندسہ اور حساب کے ماہرین کی نشست لگتی ہے؟ کسی نے بتایا کہ ہاں مامون کے ہم نشین مصاحب خاص عباس بن سعید جوہری کے مکان میں ایک نشست لگتی ہے جس میں علم ہیئت و ہندسہ کے بڑے بڑے ماہرین علماء وفضلاء شریک ہوتے ہیں' میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مجلس میں سب معمر اور سن رسیدہ بزرگ موجود ہیں صرف میں ہی ایک نوجوان تھا' اس وقت میری عمر ۲۰ سال کے لگ بھگ تھی۔ (المکافاۃ)

تحصیل علم کیلئے سات سال ایک کمرہ میں گزارنا

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۷ سال کی عمر میں فارغ ہوگئے تھے ابھی بچپن ہی تھا کوئی بھی بن جائے شیخ واستاذ ہی کیوں نہ ہو جائے بچپن بچپن ہی ہوتا ہے ان کی ماں پریشان ہوئی تھی کہ یہ کچھ کرتا نہیں آزاد ٹہلتا پھرتا ہے پتنگ اڑاتا ہے ایک مرتبہ کی بات ہے کچھ لوگ کسی کتاب کا تکرار کر رہے تھے اور کسی مسئلہ میں الجھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے کون سا مسئلہ ہے؟ کہا کچھ نہیں صاحبزادہ آپ جایئے آپ کو اس سے کیا مطلب آپ تو پتنگ اڑایئے جا کر یہ جملہ سننا تھا کہ دل پر ایک چوٹ سی لگی اسی وقت گھر آئے پتنگ توڑ کر پھینکی اور والدہ سے کہا آج کمرہ خالی کردو میں پڑھنا شروع کروں گا کھانا یہیں بھیج دیا کریں والدہ بہت خوش ہوئیں اس کے بعد جو کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اس قدر علمی انہماک ہوتا تھا کہ نہ کھانے کا خیال نہ پینے کا بسا اوقات صبح کا کھانا شام کو کھلایا جارہا ہے اور شام کا صبح سات سال تک اسی انہماک کے ساتھ مطالعہ کیا ہے حجرہ سے باہر ہی نہ نکلتے تھے بس ضروریات نماز وغیرہ کیلئے باہر آتے تھے یہ ہمارے جیسے انسان تھے فرشتہ نہ تھے۔

ایک طرف ان اکابرین کے حالات کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے طالب علمی کے زمانہ میں گھر سے تعلق ختم کیا تو انکو علم حاصل ہوا جب کہ آج اس دور میں طلبہ کو ایک سال لگاتار مدرسہ میں گزارنا مشکل ہوگیا بلکہ بعض تو ہر مہینہ بعض تو ہر ہفتہ گھر جاتے ہیں زمانہ طالب علمی میں گھر زیادہ جانا مضر ہے۔ (تربیتی واقعات)

علماء کا مقام

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شروع شروع میں بمقام کانپور

جب میری عمر کوئی ۲۰ برس کی ہوگی ایک وکیل صاحب نے میرا بیان سنکر کہا کہ یہ شخص ملانوں میں کہاں جا پھنسا۔ یہ تو وکالت کا امتحان پاس کرتا تو اس کا کوئی نظیر نہ ہوتا ایک بار آلہ آباد میں اسی واقع کو بیان فرما کر اور دیگر مؤیدات کا ذکر کر کے فرمایا کہ میرا مقصود ان واقعات سے یہ ہے کہ اگر ہم لوگ ملانے دنیا کمانے پر آجائیں تو آپ لوگوں سے اچھی کما کر دکھلا دیں لیکن باوجود اس قدرت کے پھر قدر ضروری پر راضی رہ کر خدمت دین میں مشغول ہیں۔ وعظ میں اس بات کا ذکر فرما رہے تھے کہ ہم لوگوں کو پست ہمت احدیوں کی پلٹن، کم حوصلہ، ترقی کے دشمن نہ معلوم کیا کیا خطاب دیئے جاتے حالانکہ اگر آپ کا کوئی نوکر جس کو آپ صرف پانچ روپیہ ماہوار دیتے ہوں دوسرے شخص کے بیس روپے ماہوار پر لات مار کر کہہ دے کہ میں اپنے آقا کو نہ چھوڑوں گا تو میں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اس کو یہی خطاب دیجئے گا کہ بڑا پست ہمت کم حوصلہ شخص ہے۔ کہ ترقی کو چھوڑ رہا ہے یا یہ کہے گا کہ سبحان اللہ کیسا عالی حوصلہ اور بلند نظر شخص ہے کہ اپنے آقا کی وفاداری میں بیس روپے پر لات ماردی اور اپنے آقا کے پانچ روپے پر قناعت کی۔ اسی طرح اگر ہم لوگ باوجود اس کے کہ اگر دنیا کمانے پر آجائیں تو آپ لوگوں سے اچھی کما کر دکھادیں پھر بھی اپنے آقا یعنی حق تعالیٰ کی وفاداری کو نہیں چھوڑتے اور خدمت دین میں مشغول ہیں اور اپنے انہیں سوکھے ٹکڑوں پر راضی ہیں تو ہم کو پست ہمت اور کم حوصلہ کیوں کہا جاتا ہے انہی وکیل صاحب مذکور نے بعد اس وعظ کے جو حال میں بمقام کانپور ہوا تھا حضرت سے عرض کیا کہ دوران وعظ میں تو یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

تو مکمل از کمال کیستی　　تو منور از جمال کیستی

وکیل صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد فرمایا کہ اس شعر کا جواب اس وقت میرے ذہن میں آیا تھا لیکن میں نے کہا کہ میں کیوں کمال اور جمال کا دعویٰ کروں اس لئے خاموش رہا وہ جواب یہ تھا

من مکمل از کمال حاجیم　　من منور از جمال حاجیم

(حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

تحصیل علم کیلئے مجاہدہ

مراد آباد کے قیام کے دوران کھانے کا انتظام مدرسہ کی طرف سے تھا لیکن تعلیم کے

دوران دیگر اخراجات آپ (مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ) خود ہی برداشت کرتے تھے۔ آپ کے والد نادار تھے۔ اس لئے وہ تعلیم کے پورے اخراجات برداشت نہ کرسکتے تھے اور دوسروں کے عطیات سے طبعاً نفرت تھی۔ تحصیل علم کے تمام زمانہ میں کسی مسجد میں قیام نہیں کیا۔ اپنی طالب علمی کے دوران میں تاگے کی ٹوپیاں کروشیا سے بنتے تھے اور فروخت کرتے تھے بہت عمدہ، مختلف رنگوں کے ریشمی پھول بناوٹ میں ہوتے تھے۔

دو تین روز میں ایک ٹوپی تیار ہوتی تھی، دو روپے میں فروخت ہوتی تھی۔ وہ کتاب میرے پاس موجود ہے جس میں قلم سے آپ نے ٹوپیوں کے مختلف ڈیزائن اور نمونے بنائے تھے، فنکاری اور ہنرمندی کا بہترین نمونہ ہے۔ (مفتی کفایت اللہ نمبر 30)

ضرورت علم

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک بزرگ کا قصہ بیان فرمایا کہ ان سے کسی شخص کو عداوت تھی اور انکو بہت بہت ستایا تھا۔ ایک مرتبہ ان بزرگ نے اس کے لئے بددعا کی اس کے بعد وہ ہلاک ہوگیا۔ ان بزرگ نے بطور استفتاء کے مجھے لکھا کہ ایسا واقعہ پیش آگیا ہے مجھ کو خوف ہے کہ کہیں قتل کا گناہ نہ ہوا ہو۔ یہ انکی دینداری کی بات تھی کہ خشیت کا غلبہ ہوا اگر آج کل کسی دکاندار پیر سے ایسا ہو جائے تو مریدوں میں بڑے فخر کے ساتھ بیٹھ کر اپنی کرامت بیان کرے کہ دیکھو! ہماری بددعا سے ہلاک ہوگیا۔ ہماری بددعا خالی تھوڑا ہی جاسکتی ہے اور ایک یہ بزرگ ہیں کہ بے چاروں کو اس سے خوف ہوا بس رسم پرستوں اور حق پرستوں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت لرزاں ترساں رہتے ہیں اور کسی چیز پر بھی نازاں نہیں ہوتے۔ مجھ پر اس خط کا بڑا اثر ہوا اور ان کی بزرگی کا معتقد ہوگیا۔ یہ سوال ایسا تھا کہ ساری عمر بھی مجھ سے کبھی ایسا سوال نہیں کیا گیا تھا کہ جو حادثہ مشابہ کرامت ہو اور اس پر یہ شبہ کیا جائے میں نے جواب لکھا کہ آپ کا اندیشہ صحیح ہے۔ مگر اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ یہ دیکھا جائے کہ آپ صاحب تصرف ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو آپ کے ذمہ اہلاک کا تو گناہ نہیں ہوا باقی بددعا کا گناہ سو اگر شرعاً ایسی بددعا جائز تھی تو اس کا بھی گناہ

نہیں ہوا اور اگر جائز نہ تھی تو صرف بددعا کا گناہ ہوا۔ یہ تو اس وقت ہے جب آپ صاحب تصرف نہ ہوں اور اگر آپ صاحب تصرف ہیں تو یہ دیکھنا چاہئے کہ بددعا کے وقت آپ نے اپنے دل اور خیال کو اس کی ہلاکت کی طرف متوجہ کیا یا نہیں اگر نہیں کیا! تو قتل کا گناہ تو نہ ہوگا ہاں بددعا کا گناہ بعض صورت میں ہوا ابھی اوپر مذکورہ ہوا۔ اس میں توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور ایک صورت یہ ہے کہ اگر اس شخص کو اپنا صاحب تصرف ہونا تجربہ سے معلوم ہے۔ مثلاً بار ہا تصرف کا قصد کیا۔ مگر کبھی کچھ نہیں ہوا تو اس صورت میں اگر ہلاکت کا خیال بھی کیا تب بھی قتل کا گناہ نہیں ہوا البتہ اس صورت میں اگر وہ شرعاً مستحق قتل نہ تھا۔ تو اسکی ہلاکت کی تمنا کا گناہ ہوگا اور اگر تجربہ سے اپنا صاحب تصرف ہونا معلوم ہے اور پھر اس کا خیال بھی کیا اور وہ مستحق قتل نہیں' تو یہ شخص قاتل ہے کیونکہ تلوار سے قتل کرنا اور تصرف سے قتل کرنا دونوں سبب قتل ہونے میں برابر ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ تلوار سے قتل عمد ہے جس میں قصاص ہے اور یہ شبہ عمد' اس صورت میں دیت اور کفارہ دینا ہوگا۔ وہ بزرگ اس مفصل جواب سے بہت مسرور ہوئے پھر فرمایا کہ مسلمان کو ہر قدم پر علم کی ضرورت ہے۔ نہ معلوم یہ جاہل پیر کیسے بے وقوف اور مستغنی ہیں کہ جائز ناجائز کی فکر ہی نہیں۔ (اشرفی بکھرے موتی)

انسان علوم کا وارث

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انسان کی خصوصیت مطلق علم نہیں کیونکہ مطلق علم یعنی علم کی کوئی نہ کوئی نوع تو قریب قریب ہر مخلوق کو حاصل ہے حتی کہ جانور بھی اس سے خالی نہیں اس لئے مطلق علم انسانی خصوصیت نہیں کہلائی جاسکتی اور نہ مطلق علم سے انسان کی فضیلت وشرافت اور مخلوقات میں افضلیت نمایاں ہوسکتی جب تک کہ اسے کوئی ایسا علم حاصل نہ ہو جو اس کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہوا اور وہ علوم الٰہیہ ہیں۔ (جواہر حکمت)

علماء کی کم ہمتی کی وجہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: بعض مفاسد کے متعلق ایک مولوی صاحب کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب کچھ خرابی

نااہلوں کے علم پڑھ لینے کی بدولت ہورہی ہے۔ان میں اکثر طماع (لالچی) ہیں اور بعض جگہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ امراء نے اپنے بچوں کو علم دین پڑھانا چھوڑ دیا' غرباء علم دین پڑھتے ہیں تو وہ کہاں سے بلند حوصلہ لائیں' سو یہ انتخاب کی غلطی ہے جس کی ذمہ دار قوم ہے اہل علم کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنی فاقہ مستی پر نازاں ہوں اور خوش رہیں اور کسی اہل دنیا کی طرف ہاتھ نہ پھیلائیں بلکہ منہ بھی نہ لگائیں علماء کو تو اس کا مصداق بننا چاہئے۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

یہ تو مال کے ساتھ انکا معاملہ ہو اور جاہ کے ساتھ یہ ہو کہ

دررہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

غرض ان اہل علم کو تو دنیا اور دنیا والوں پر نظر بھی نہ کرنا چاہئے بلکہ یہ کہہ دینا چاہئے

ما اگر قلاش دگر دیوانہ ایم مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب قدس سرہ گنگوہی رحمہ اللہ کی یہ حالت تھی کہ کثرت سے آپ کے گھر فاقے رہتے تھے۔حضرت میں زہد کی شان کا بہت ہی غلبہ تھا حالانکہ ابراہیم لودھی بادشاہ کی بہن آپ کی مرید تھیں مگران سے کوئی ہدیہ وغیرہ قبول نہیں کیا جاتا تھا جس کا سبب ان کا کوئی نقص نہ تھا' ان کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بزرگوں کے طریقہ خلاف نہ ہوتا تو میں اس عورت کو خلافت دیتا۔غرض آپ کے یہاں فاقوں کی یہاں تک نوبت پہنچ جاتی کہ گھر میں سے گھبرا جاتیں تو فرمایا کرتے کہ گھبراؤ نہیں ہماری راحت کا سامان ہورہا ہے' وہ پوچھتیں کہاں' فرماتے جنت میں سامان ہورہا ہے۔وہ بھی ایسی تھیں کہ اس پر قانع ہوجاتیں گھر میں ان کے پاس ایک چاندی کا ہار تھا۔جب شیخ گھر میں آتے تو فرماتے کہ دنیا کی بو آتی ہے' اتفاق سے ایک بزرگ حضرت کے گھر مہمان ہوکر تشریف لائے' ان سے حضرت کے گھر میں سے شکایت کی کہ رکن الدین کی شادی کی ضرورت سے میرے پاس چاندی کا ایک ہار ہے مگر اس کے متعلق بھی جب گھر میں تشریف لاتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ دنیا کی بو آتی ہے تب ان بزرگ نے شیخ سے فرمایا کہ میاں اس بیچاری کے کیوں پیچھے پڑے' تم کو سب کی دنیا سے کیا بحث' پھر کبھی کچھ نہیں فرمایا اور انَ

شیوخ کی تقلید سے عار آتی ہے' طریقت کے غیر مقلد ہو جاتے ہیں مگر اس طریق میں تمام تر مدار اعتماد پر ہے مگر بعض کو نہیں ہوتا حالانکہ اعتماد بڑی چیز ہے یہی حاصل ہے تقلید شیوخ کا۔

علماء کیلئے شہادت اور دعوت میں شرکت نہ کرنا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علامہ شامی نے تو یہاں تک نقل کیا ہے کہ فقہاء اور علماء کو کسی کی شہادت بھی نہ دینی چاہئے اس کا راز یہ ہے کہ ان کو سب مسلمانوں سے یکساں تعلق رکھنا چاہئے اور شہادت میں ایک فریق میں شمار کیا جائے گا اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ کسی کی دعوت نہ کھائیں اس کا راز یہ ہے کہ آج کل اس میں ذلت ہے۔ واقعی یہ حضرات فقہاء حقیقت کو سمجھتے ہیں حکیم ہیں اسی سلسلہ میں فرمایا کہ والد صاحب کیلئے دل سے دعا نکلتی ہے ایسی تعلیمات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ تھے جب کبھی کہیں دعوت ہوتی تو ہم کو ساتھ نہ لے جاتے تھے جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے کہ چھوٹے بچوں کو ساتھ لے لیتے ہیں فرمایا کرتے تھے کہ ان کو عادت ہو جائے گی۔ لال کرتی میرٹھ میں پانچ مسجدیں تھیں' رمضان المبارک میں پانچوں مسجدوں میں ختم کے روز بڑے پیانے پر مٹھائی تقسیم ہوتی تھی تو جس روز ختم ہوتا تھا والد صاحب ہم لوگوں کو یا تو مٹھائی یا روپیہ دے دیتے اور فرماتے اگر وہاں جاتے دھکے مکے کھاتے اور پھر بھی اتنی مٹھائی نہ ملتی اب وافر مٹھائی منگا کر جی بھر کر کھالو۔ ان کی تربیت کی بدولت ایسی چیزوں میں آج تک جھجک ہے کو اللہ واسطہ کا کھاتے کھاتے ساری عمر گزر گئی مگر جو اس وقت جھجک تھی وہ اب تک باقی ہے واقعی بچپن کی عادت کو بڑا دخل ہوتا ہے پھر فرمایا کہ دعوت میں بچوں کے ساتھ لے جانے پر ایک ولایتی کی بیان کی ہوئی حکایت یاد آئی کہ ولایت میں جب کسی تقریب میں دعوت ہوتی تو سب لوگ اپنے اپنے بچوں کو ساتھ لے جاتے۔ ایک ولایتی نے تماشا کیا کہ اس کا ایک بچھڑا تھا اسکو اپنے ہمراہ لے گیا اور مجمع میں کہا کہ ہمارا کوئی بچہ تو ہے نہیں ہمارا یہی بچہ ہے اس کو بھی سب کے ساتھ کھانا کھلائیں گے لوگوں کو بے حد شرمندی ہوئی اور اس رسم کو چھوڑ دیا۔ (ملفوظات ج ۲)

اصول معاشرت

حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک شخص جن کا نام نہیں بتلایا کئی روز ہوئے بعد نماز مغرب میرے پیچھے دیوار سے لگے کھڑے ہیں مجھ کو دیکھ کر سخت گرانی ہوئی' پڑھنا مشکل

ہو گیا' وہ خود عالم بھی شیخ بھی بڑے بزرگوں کی صحبت میں رہے ہوئے بھی' اتفاق سے نیاز آ گئے' میں نے پوچھا یہ کون کھڑا ہے تب معلوم ہوا کہ فلاں صاحب ہیں۔ میں نے ادب سے کہا کہ دوسروں کی تکلیف کا تو احساس ہونا چاہئے مجھے آپ کی اس بات سے تکلیف ہوئی ہر وقت کسی پر ہجوم کرنا یہ ادب کے خلاف ہے۔ میں کہنے کو کہہ تو گیا مگر ہوئی بہت ہی ندامت عالم فاضل شیخ وقت ان کی یہ حرکت۔ (ملفوظات ج ۲)

امام مالک رحمہ اللہ کا علو شان وعلمی مقام

خلف بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیر نے امام مالک کو ایک پرچہ دیا' آپ نے اس کو پڑھنے کے بعد اپنی جانماز کے نیچے رکھ لیا جب آپ کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلنے لگا تو آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور وہ پرچہ مجھے دیا' دیکھتا کیا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد جمع ہیں اور آپ سے کچھ مانگ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس منبر کے نیچے ایک بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالک سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں تقسیم کر دیں گے۔ لہٰذا مالک کے پاس جاؤ' لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے' بتاؤ مالک تقسیم کریں گے یا نہیں۔ کسی نے جواب دیا جس بات کا مالک کو حکم دیا گیا ہے وہ ضرور اسے پورا کریں گے اس خواب سے مالک پر گریہ طاری ہو گیا اور اتنا روئے کہ میں تو انہیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

شیخ عصر بکر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے عالم رویا میں بہشت کو دیکھا وہاں امام اوزاعی اور سفیان ثوری سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے دریافت کیا' امام مالک رحمہ اللہ کہاں ہیں؟ دونوں نے جواب دیا ''مالک یہاں کہاں' مالک تو بہت بلندی پر ہیں'' اور تین مرتبہ سر اٹھا کر یہی الفاظ دہرائے یہاں تک کہ ان کی ٹوپیاں سر سے نیچے گر گئیں۔

تبحر علمی کے باوجود لاعلمی کا اعتراف

عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ دریافت کرنے کیلئے حاضر ہوا

ہوں۔ آپ نے فرمایا' کہو کیا ہے؟ اس نے بیان فرمایا' آپ نے جواب میں فرمایا مجھے اچھی طرح علم نہیں۔ وہ حیران ہو کر بولا۔ اچھا تو اپنے شہر والوں سے کیا کہوں آپ نے فرمایا کہہ دینا کہ مالک نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کا علمی مقام

ایک مرتبہ آپ کو غیر معمولی تنگدستی پیش آئی۔ جس کی وجہ سے فقاعی کے پاس جانا پڑا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اگر تو میرا مطالبہ پورا کرے تو میں تجھے فقہ کے دو مسئلے بتاؤں گا اس نے انکار کر دیا۔

قیمت درگرانما یہ چہ دانند عوام   حافظ گوہر یکدانہ مدح جز بخواص

اتفاق کی بات فقاعی نے قسم کھائی کہ اگر میں اپنی لڑکی کے جہیز میں تمام وہ چیز نہ دوں جو دنیا میں ہے تو میری بیوی کو تین طلاق' اس کے بعد اس نے علماء سے حکم دریافت کیا تو سب نے یہی جواب دیا کہ حانث ہو گیا۔ کیونکہ یہ چیز ممکن ہی نہیں۔ اب وہ مجبور ہو کر امام محمد کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا کہ بوقت سوال میرا ارادہ یہی تھا کہ میں تجھے یہ مسئلہ اور اس کے ساتھ ایک اور مسئلہ بتاؤں گا۔ لیکن اب تو ایک ہزار اشرفیاں لوں گا تب بتاؤں گا۔ بالآخر فقاعی نے ایک ہزار اشرفیاں دے دیں۔ آپ نے فرمایا کہ جہیز میں قرآن پاک دے دے تو قسم سے نکل جائے گا علماء نے اس کی وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "ولا رطب ولا یابس الافی کتاب مبین"۔

تفقہ واستنباط

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کے یہاں رات میں قیام کیا اور صبح تک نماز پڑھتا رہا۔ لیکن امام محمد رات بھر پہلو پر لیٹے رہے اور صبح ہونے پر بلا تجدید وضو نماز فجر ادا کر آئے۔ مجھے بات کھٹکی تو میں نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں سو گیا تھا۔ نہیں بلکہ میں نے کتاب اللہ سے تقریباً ایک ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے پس آپ نے رات بھر اپنے لئے کام کیا اور میں نے پوری امت کیلئے۔

عام طلباء کے ساتھ حسن سلوک

امام محمد رحمہ اللہ کے پاس مال کی فراوانی تھی لیکن اس جلیل القدر امام نے اپنے تمام

مال ومتاع محتاج طلباء پر لٹا دیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس صاف ستھری پوشاک بھی نہ رہی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے جب ان کو میلے کچیلے کپڑوں میں دیکھا تو ان کیلئے ایک نئی پوشاک بھیج دی۔ لیکن امام محمد کی بلند ہمتی نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ نعمتیں تم کو پہلے دے دی گئیں اور مجھ کو بعد میں ملنے والی ہیں۔

معمولات زندگی

محمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ امام محمد نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک حصہ سونے کیلئے' ایک نماز کیلئے اور ایک درس کیلئے۔ وہ بہت زیادہ جاگتے تھے کسی نے کہا آپ سوتے کیوں نہیں؟ فرمایا میں کس طرح سو جاؤں جبکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کر کے سوئی ہوئی ہیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ قاضی ابن ابی عمران سے سنا ہے کہ امام محمد رات دن میں تہائی قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ (ظفر المحصلین)

امام بخاری رحمہ اللہ کی غایت احتیاط

امام بخاری حد درجہ محتاط اور محل تہمت سے بہت دور رہنے والے تھے۔ اس سلسلہ میں علامہ عجلونی نے ایک خاص واقعہ نقل کیا ہے کہ امام صاحب کو تحصیل علم کے زمانہ میں ایک بار دریائی سفر پیش آیا' آپ کے پاس ایک ہزار اشرفیاں تھیں جہاز میں ایک شخص آپ سے بہت گھل مل گیا وہ خدمت میں حاضر ہوتا اور حسن عقیدت کا اظہار کرتا امام صاحب کو بھی اس سے کچھ انس ہو گیا۔ آپ نے اسے اپنی اشرفیوں کی اطلاع کر دی' ایک روز ان کا رفیق سو کر اٹھا تو لگا رونے چلانے اور شور مچانے اس نے اپنا سر پیٹنا اور کپڑے پھاڑنا شروع کر دیا' لوگ دوڑے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہوا۔ لیکن وہ چیختا ہی رہا' پھر لوگوں کے اصرار پر اس نے کہا کہ میرے پاس ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی وہ گم ہو گئی لوگوں کو اس پر رحم آ گیا اور کشتی کے مسافروں کے پیچھے پڑ گئے اور ایک ایک شخص کی تلاشی لی گئی جب کسی کے پاس تھیلی نہ نکلی تو لوگوں نے اس کو بہت ملامت کی کہ تو نے ناحق سب کو پریشان کیا' جہاز سے اترنے کے بعد تنہائی میں امام صاحب سے ملا اور کہا کہ آپ نے وہ تھیلی کہاں کی۔ امام صاحب نے فرمایا

میں نے اسے سمندر میں پھینک دیا اس نے کہا آپکے دل کو اس قدر زر کثیر کا ضائع ہونا کیسے گوارا ہوا۔ آپ نے فرمایا تیری عقل کہاں ہے کیا تجھے خبر نہیں کہ میری تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی طلب میں ختم ہوئی' میری ثقاہت عالم میں مشہور ہے کیا میرے لئے چوری کا اشتباہ اپنے اوپر لینا کسی بھی طرح مناسب تھا جس دولت (ثقاہت) کو میں نے تمام عمر میں حاصل کیا ہے کیا اسے چند اشرفیوں کے عوض کھو دیتا۔ (کلام نبوت)

امام مسلم رحمہ اللہ

آپ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت حیرت انگیز و عبرت خیز ہے' کہتے ہیں کہ مجلس درس میں ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا جو امام صاحب کو سوء اتفاق سے یاد نہ آئی۔ گھر واپس ہوئے تو انہیں خرما کا ایک ٹوکرہ پیش کیا گیا۔ حدیث کی تلاش و جستجو میں اس قدر محو ہوئے کہ آہستہ آہستہ تمام چھوارے تناول فرما گئے اور حدیث بھی مل گئی۔ بس یہی چھوارے زیادہ کھالینا ان کی موت کا سبب بنا۔ اس سے امام صاحب کی علمی شیفتگی اور انہماک کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وفات کے بعد حاتم رازی نے خواب میں حال دریافت کیا۔ فرمایا خدا نے میرے لئے جنت کو مباح کردیا۔ (ظفر المحصلین)

حصول علم میں انہماک

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں استفادہ فرما رہے تھے۔ گھر سے پیغام آیا اہلیہ بیمار ہے فرمایا کسی دائی کو بلا لاؤ میں مصروف ہوں' کچھ دیر بعد پیغام آیا بچہ پیدا ہو گیا ہے مبارک ہو کان میں اذان دو۔ فرمایا کسی کو بلوا کے اذان دلوا دو کچھ دیر بعد پیغام آیا بچہ شدید بیمار ہے' فرمایا طبیب حکیم کی خدمات حاصل کرلو میں مصروف ہوں' کچھ دیر بعد پیغام ملا بچے کا انتقال ہو گیا فرمایا غسل و دفن کا انتظام کردو (آپ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے استفادے کی مجلس کو نہیں چھوڑا) (حسن التقاضی)

سب علماء کو میدان سیاست میں آنا مناسب نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں۔ اگر سب لوگ

میدان سیاست میں آجائیں گے تو چند روز کے بعد قرآن وحدیث کا سمجھنے والا آپ کو کوئی نہ ملے گا۔ میں علما کے میدان میں آنے کا من کل وجہ مخالف نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ سب کو میدان میں نکلنا جائز نہیں ہاں جب علماء علم دین کو اچھی طرح سمجھ لیں تو جن کو میدان میں نکلنے کا شوق ہو وہ آئیں مگر کچھ لوگ حجرہ نشین بھی رہنا چاہئیں۔ جن کا کام سوائے قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سوائے کتابیں پڑھنے پڑھانے کے کچھ نہ ہو کیونکہ تجربہ ہے کہ کتابی استعداد اور فتویٰ دینے کی قابلیت اس کے بغیر کامل نہیں ہوتی جو علماء میدان میں آئے ہوئے ہیں ان میں اکثر تو وہ ہیں جن کو کتابی استعداد بالکل نہیں اور اگر کسی کو یہ قابلیت ہے تو یہ حجرہ نشینی ہی کی برکت ہے کہ وہ ایک مدت تک حجرہ نشین رہ کر کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا ہے مگر آپ اس حجرہ ہی کو بند کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند روز میں قرآن وحدیث وفقہ کے سمجھنے والے اور ان کو صحیح طور پر حل کرنے والے دنیا سے ناپید ہو جائیں گے اگر اس کی ضرورت کو آپ محسوس کرتے ہیں اور یقیناً ہر شخص اس کی ضرورت کو تسلیم کرے گا تو ضروری ہے کہ سب علماء میدان سیاست میں نہ آئیں بلکہ کچھ میدان میں آئیں کچھ مناظرہ کریں کچھ تبلیغ کریں اور ایک جماعت ایسی ہو جو ان سب کاموں سے الگ رہ کر حدیث وقرآن وفقہ اور ضروریات کی تعلیم دیں' ان کو سوائے تعلیم وتعلم کے کچھ نہ کرنا چاہئے ورنہ قابل علماء ہرگز پیدا نہ ہوں گے۔ تقسیم خدمات بہت ضروری ہیں۔ (غایۃ النجاح فی آیاۃ النکاح ملحقہ حقوق الزوجین)

علماء کو عوام کے تابع بن کر نہیں رہنا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں علماء کو عوام اور جہلا کا تابع بن کر نہیں رہنا چاہئے اس سے دین کی عظمت اور احترام ان لوگوں کے قلوب سے نکل جانے کا اندیشہ ہے آج جو عوام کی ہمت اور جرأت بڑھ گئی کہ وہ اہل علم کو حقیر سمجھتے ہیں اسکا سبب یہ اہل علم ہی ہوئے ہیں مجھے جو عوام کی حرکت یا ان کے کسی فعل پر اس قدر جلد تغیر ہو جاتا ہے اس کا سبب ہوتا ہے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اہل دنیا جو مال کی وجہ سے بڑے ہیں یا حکام جو جاہ کی وجہ سے بڑے ہیں یہ عوام ان کے ساتھ بے فکری کا برتاؤ کیوں نہیں کرتے جو اہل

علم سے کرتے ہیں، ان کے سامنے جا کر کیوں بھیگی بلی بن جاتے ہیں۔ یہ سب علماء کے ڈھیلے پن کی بدولت ہے میں کہا کرتا ہوں کہ نہ تو ڈھیلے بنو اور نہ ڈھیلے (کلوخ) ہو جس سے دوسرے کو چوٹ لگے۔ توسط کے درجے میں رہو۔ نہ تو اس قدر کڑوے بنو کہ کوئی تھوک دے اور نہ اس قدر میٹھے کہ دوسرا انگل جائے آج کل تو یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ بعض علماء مسائل کے جواب میں عوام کے مذاق کی رعایت کرنے لگے۔ مجھ کو تو اس طرز پر بے حد افسوس ہے۔ یہ اہل علم کی شان کے خلاف ہے۔ مسائل کے جواب کے وقت اہل علم کی شان یہ ہونی چاہئے جیسے حاکم کی اجلاس پر ہونے کے وقت شان ہوتی ہے۔ (والافاضات الیومیہ)

اکابر کی ذکاوت

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حضرت گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہم سبق اور ساتھی بنے کہ آخرت میں بھی ساتھ نہیں چھوڑا۔ اللہ جل شانہ نے فلک علم کے ان منیرین کو وہ ذکاوت عطا فرمائی تھی کہ میر زاہد قاضی، صدرا، شمس بازغہ ایسا پڑھا کرتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے کہیں کوئی لفظ دریافت کرنا ہوتا تو دریافت کر لیتے تھے باقی ترجمہ تک بھی نہیں کرتے تھے۔ مولانا کے دوسرے شاگردوں کو یوں خیال ہوتا تھا کہ کچھ سمجھے سمجھائے نہیں یوں ہی ورق گردانی کرتے اور کتابوں کے ختم کرنے کا نام چاہتے ہیں۔ چنانچہ کسی نے مولانا سے کہہ بھی دیا مگر مولانا مملوک العلی صاحب نے یہ جواب دیا: ''میاں میرے سامنے طالب علم بے سمجھے چل نہیں سکتا۔'' اور دوسری جگہ پر لکھتے ہیں کہ گنگوہی قدس سرہ نے مشکوٰۃ شریف شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مراقدہم کو پڑھ کر سنائی یعنی ترجمہ وغیرہ کچھ نہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی ان دونوں منیرین اور قمرین کے درمیان کسی مسئلہ پر بحث ہو جاتی اور گھنٹوں تک رہا کرتی۔ استاد نور اللہ مرقدہم بھی بہت غور سے ان دونوں کے مباحثہ کو سنتے اور ہمہ تن اس طرف متوجہ ہو جاتے اور کبھی لوگوں کے ٹھٹ لگ جاتے اور خاص وعام کا مجمع ہو جاتا۔

ایک مرتبہ ایک استاد نے دونوں کی تقریر سن کر یہ کہا: ''قاسم ذہین آدمی ہے، اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا ورنہ اس مسئلہ میں رشید احمد حق پر ہے۔''

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ حضرت امام ربانی کی ذکاوت فطری تھی۔ مولوی ڈپٹی کریم بخش صاحب مقنن ریاست گوالیار نے جو دہلی کے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت کے ہم سبق رہ چکے ہیں۔ ایک مرتبہ مولوی اسماعیل صاحب گنگوہی سے فرمایا کہ تمہارے حضرت سے ملاقات ہوئے مجھے پچاس سال ہوئے اب تو حضرت کے علم کی شہرت ہونی ہی چاہیے کہ ہم نے طالب علمی کے زمانہ میں دیکھا ہے کہ سارے طالب علم مولوی صاحب سے ڈرتے تھے اور مدرسہ کے طلبہ نے مولانا کا لقب "ھل من مبارز" رکھ چھوڑا تھا۔ آگے لکھتے ہیں جس زمانہ میں حضرت گنگوہی مولانا کریم بخش صاحب پنجابی کی خدمت میں پڑھا کرتے تھے۔ ایک ولایتی طالب علم آیا جس کا دعویٰ تھا کہ مجھے کوئی پڑھا نہیں سکتا' وہ شافیہ پڑھتا تھا۔ مولوی کریم بخش صاحب کو ولایتی کا دعویٰ پسند نہ آیا۔ استاذ نے حضرت امام ربانی سے کہا کہ یہ جابر دی ہے۔ اس طالب علم کو سبق پڑھا کر آؤ' یاد رکھنا اگر نیچا دیکھ کر آئے تو سر گنجا کر دوں گا۔ حضرت امام ربانی کتاب بغل میں دبا کر اُٹھے اور سیدھے ولایتی کے پاس پہنچے' باتوں باتوں میں کتاب کھولی اور بحث شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ولایتی طالب علم حیران ہو گیا اور کہا کہ ہم کو پوری کتاب دہرا دو۔ اس وقت حضرت نے کتاب بند فرمائی اور کہا پڑھانا منظور نہیں' صرف تیری ناک کاٹنی تھی۔ جن علماء کے متعلق تجھے یہ خیال ہوا کہ پڑھا نہیں سکتے' ان کے ادنیٰ شاگرد نے زچ کر دیا اور حضرت اُستاذ سے آ کر کہا کہ حضرت پڑھا آیا اور مات کر آیا۔ (آپ بیتی)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی ابتدائی تعلیم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ان کی پیدائش شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ میں ہے اور تاریخی نام خورشید حسین ہے۔ میرے والد صاحب جب حج سے واپس تشریف لائے تو مجھے اور مولانا مرحوم کو دہلی ساتھ لے گئے۔ آخری ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ میں روانگی ہوئی اور ۲ محرم ۶۰ھ کو دہلی پہنچے اور ۴ محرم کو سبق شروع ہوئے۔ مولانا تو کافیہ پڑھتے تھے اور میں میزان و گلستان پڑھتا تھا۔ والد صاحب مرحوم نے میرے ابواب کا سننا اور

تعلیلات کا پوچھنا ان کے سپرد کیا تھا اور جمعہ کی تعطیل کی شب میں صیغوں اور ترکیبوں کا پوچھنا مولانا کا معمول تھا۔ مولانا سب چیزوں میں ساتھیوں سے عمدہ رہتے تھے۔ ہمارے مکان کے قریب مسجد میں طالب علموں کا مجمع رہتا تھا۔ ان سے پوچھ پاچھ ہوتی اور جب مولانا کا نمبر آتا تو مولانا سب پر غالب رہتے۔ پھر مولانا ایسے آگے بڑھے کہ کوئی ساتھ نہ چل سکا۔

منطقی کتابیں میر زاہد قاضی صدرا شمس بازغہ ایسا پڑھا کرتے جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔ کہیں کہیں کوئی لفظ دریافت فرماتے اور ترجمہ نہ کرتے۔ والد صاحب نے مولانا کو کہہ دیا تھا کہ اقلیدس پڑھنے کی ضرورت نہیں اس کا تم خود مطالعہ کرو۔ چند دنوں میں مولانا نے مطالعہ کر لیا۔ اس واقعہ کی شہرت ہوئی۔ طلبہ نے پوچھ پاچھ کی مگر مولانا کب مات کھانے والے تھے۔ اسی زمانہ میں منشی ذکاء اللہ صاحب چند مشکل سوالات اقلیدس کے کسی ماسٹر کے بھیجے ہوئے لائے۔ ان کے حل کر لینے پر مولانا کی اور شہرت ہوئی۔ سوانح یعقوبی میں تو یہ قصہ بہت مختصر ہے ارواح ثلثہ میں صفحہ ۲۵۴ میں لکھا ہے کہ مولانا کا نام تو کالج میں داخل تھا لیکن بطور خود پڑھتے تھے اور امتحان کی شرکت لازمی تھی۔ چنانچہ جب امتحان کا زمانہ آتا تو رام چندر جو بڑا مہندس تھا' ہندسہ کا استاذ تھا' اس نے مولانا نانوتوی کو بھی داخل ہندسہ کرنا چاہا لیکن مولانا مملوک العلی صاحب نے کہہ دیا تھا کہ قاسم درس میں تو داخل نہ ہوگا' امتحان میں شریک ہوگا۔ جب امتحان کا زمانہ آیا تو مولانا نے فرمایا کہ بھائی قاسم! اقلیدس کا امتحان دینا ہوگا اس کے اوپر اشکال دیکھ لینا۔ مولانا نانوتوی نے ایک رات میں اقلیدس دیکھی' کالج میں اس کی شہرت ہوگئی کہ فلاں طالب علم بغیر پڑھے ہندسہ کا امتحان دے گا اور رام چندر کو بھی اس کی خبر ہوگئی۔ تب اس نے اپنے مایہ ناز شاگرد مولوی ذکاء اللہ صاحب کو جو فن ہندسہ میں صاحب تصانیف بھی تھے بلا کر چند مشکل سوالات سمجھا دیئے اور حضرت کی خدمت میں بطور امتحان بھیجا۔ اس کے جوابات کے بعد مولانا نے فرمایا کہ چند سوالات میں بھی کرتا ہوں۔ چنانچہ کیے' مگر وہ جوابات سے عاجز رہ گئے۔ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ غالباً اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ قدیم طریقہ سے عربی زبان میں ان چیزوں کی تعلیم مولانا مملوک العلی صاحب سے وہ پا چکے تھے' صرف دیکھ لینا اور حساب کی مشق کر لینا کافی تھی۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی خداداد لیاقت

ارواح ثلاثہ میں یہ لکھا ہے کہ ایک انگریز مہندس نے اشتہار دیا تھا کہ اگر کوئی شخص

مثلث کے زاویہ کو تین حصوں میں دلیل سے ثابت اور منقسم کردے تو ڈیڑھ لاکھ روپے انعام ہے۔ مظفر نگر کے مصنف صاحب بھی فن ریاضی اور ہندسہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ انہوں نے اس پر دلائل قائم کیے اور اپنے زعم میں اس کو ثابت کر دیا اور میرٹھ پہنچے۔ وہاں کے ایک حاکم اعلیٰ کو وہ دلائل دکھلائے۔ اس نے کہا کہ بالکل صحیح ہے آپ اس کا اعلان کریں ضرور آپ انعام کے مستحق ہوں گے لیکن ان کو اطمینان نہ ہوا کہ اگر اس پر مولانا ایک نظر ڈال لیں تو اطمینان ہو جائے۔ اتفاق سے مولانا نانوتوی کا مظفر نگر آنا ہوا تو مصنف صاحب نے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب (جو بعد میں حضرت گنگوہی کے خاص لوگوں میں تھے) سے کہا کہ کوئی ایسا وقت میسر آسکتا ہے جس میں مولانا نانوتوی اس پر ایک نظر ڈالیں۔ انہوں نے کوشش کی مگر وقت نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ مولانا کی روانگی کا وقت آ گیا اور اسٹیشن پر تشریف لائے تو گاڑی میں دس بارہ منٹ باقی تھے تو مصنف صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میری تحریر کو ذرا سنا دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مولانا سے ذکر کیا اور مولانا سے منظوری پر مصنف صاحب نے وہ تحریر سنائی۔ اس کو سرسری طور پر مولانا نے سنا اور فرمایا کہ سب صحیح ہے مگر دلیل کا فلاں مقدمہ نظری ہے حالانکہ اقلیدس کے تمام دلائل کی انتہا بدیہیات پر ہوتی ہے۔ چونکہ وہ صاحب فن تھے فوراً سمجھ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مصنف صاحب سے ہنس کر کہا کہ تمہیں کیا مصیبت آئی تھی کہ تم نے مولانا کو یہ تحریر سنائی اور اپنی ساری کاوش دماغ کو غلط ثابت کر دیا۔ تم اعلان کر دیتے اشتہار دینے والے کیا سمجھتے۔ (آپ بیتی)

علوم قاسمی کی جھلک

مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب رحمہ اللہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ غالباً ایک سال نانوتوی نے اپنے استاذ مولانا مملوک العلی صاحب سے تنہا تعلیم حاصل کی اور جب ۱۲۶۱ھ میں مولانا گنگوہی بھی دہلی پہنچ گئے تو یہ دونوں حضرات ساتھ ہو گئے۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ کی کیفیت درس و تدریس مفصل تو نہیں ملی چیدہ چیدہ حالات کہیں کہیں ملتے ہیں۔ حضرت کی سوانح جلد اول صفحہ کے حاشیہ پر قاری طیب صاحب زاد مجدہم تحریر کرتے ہیں کہ میں نے اپنے متعدد بزرگوں سے سنا کہ منطق و فلسفہ وغیرہ کی بڑی بڑی کتابوں کی تدریس کے موقع پر جب طالب علم صفحہ ڈیڑھ صفحہ کی عبارت پڑھ لیتا تو حضرت کی عادت شریفہ تھی کہ

اس سبھی عبارت کا مطلب چند لفظوں میں بیان کر کے فرماتے کہ بس ان کا مطلب یہ ہے۔اب تم قاسم کی سنو اور پھر اس علم وفن سے متعلق مکنون علوم وفنون کا دریا بہہ پڑتا۔

ایک موقع پر مولانا عبدالعلی صاحب (جو بعد میں مدرسہ عبدالرب دہلی کے محدث ہوئے) نے عرض کیا کہ نہیں! ہم قاسم کی نہیں سنتے' ہمیں تو کتاب کا مطلب اس کی عبارت سے سمجھا دیا جائے۔اس کے بعد حضرت والا ان کی بہت رعایت فرمانے لگے اور جب وہ کتاب کا مطلب اور عبارت کتاب سے پوری طرح سمجھ جاتے تب حضرت اپنے علوم کی تقریر شروع فرماتے۔ مولانا مناظر احسن صاحب رحمہ اللہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم کی روایت سے نقل فرماتے ہیں کہ مولانا چھتہ میں جب اقلیدس پڑھاتے تھے اور شکل کھینچنے کی ضرورت پڑتی تھی تو چٹائی کا کوٹہ اٹھا کر زمین میں انگلی سے شکل کھینچ کر بتادیتے تھے نہ پرکار تھی نہ اوزار۔اس قصہ کو ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۵۶ میں بھی نقل کیا ہے۔(از زکریا اس چیز میں ہمارے مدرسہ کے صدر مدرس حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت نانوتوی کے متبع تھے۔ کاغذ پر یا سلیٹ پر خط کھینچ کر شکل ہاتھ سے بنادیتے تھے)۔حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اپنے اساتذہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ جب میں دیوبند میں پڑھتا تھا تو خالی گھنٹہ میں حضرت نانوتوی قدس سرہ کے جلالین کے درس میں شریک ہوتا تھا۔(آپ بیتی)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی مہمان نوازی اور تواضع

مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا محمد معین الدین صاحب رحمہ اللہ معقولات کے مسلم عالم تھے۔انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا حسن صاحب قدس سرہ کی شہرت سن رکھی تھی۔ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مکان پر پہنچے۔گرمی کا موسم تھا وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔مولانا معین الدین صاحب رحمہ اللہ نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ سے ملنا ہے وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیری رحمہ اللہ کو اندر لے گئے۔آرام سے بٹھایا اور کہا کہ "ابھی ملاقات ہوجاتی ہے" مولانا اجمیری منتظر رہے اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو بلایا اس کے

بعد حضرت مولانا اجمیری رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کو اطلاع دیجئے۔ ان صاحب نے فرمایا آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا۔ مولانا اجمیری رحمہ اللہ نے کہا کہ میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں آپ انہیں اطلاع کر دیجئے ان صاحب نے فرمایا انہیں اطلاع ہوگئی ہے آپ کھانا تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ مولانا اجمیری نے کھانا کھالیا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا جب دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری رحمہ اللہ برہم ہوگئے اور فرمایا کہ آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہو چکی ہے ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی اس پر وہ صاحب بولے کہ

دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں' البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے مولانا معین الدین صاحب یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ شیخ الہند کیا چیز ہیں۔ (خزینہ)

ہر عالم کا سیاست میں ماہر ہونا ضروری نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

آج کل بعض علماء جو سیاسیات میں بہت کودتے پھاندتے ہیں اور چند واقعات وجزئیات معلوم کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے سیاست دان ہیں وہ دوسرے اپنے ہم عصر علماء پر جو یکسوئی کے ساتھ قوم کی خالص مذہبی دینی خدمات میں مشغول ہیں اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ سیاسیات میں کیوں مشغول نہیں ہوتے اور ایسے سیاسی لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر مولوی کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ سیاسیات میں دخل دے اور اس کے اندر مہارت حاصل کرے اور اس کے اندر مشغول ہو حالانکہ ان لوگوں کے پاس ان کے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں بلکہ قرآن پاک کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہر مولوی کو سیاسیات کے اندر مشغول ہونا ضروری ہے غلط ہے۔ (ملفوظات ج ۹)

علماء کا اپنی مصلحت سے وعظ کہنا سراسر دنیا پرستی ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

آج کل اکثر علماء وعظ بھی بجائے سامعین کی مصلحت کے اپنی مصلحت سے کہتے ہیں جس سے اپنا معتقد بنانا اپنی بدنامی کو رفع کرنا وغیرہ مقصود ہوتا ہے جس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے طبیب مریض کی مصلحت کو نہ دیکھے اپنی مصلحت کو دیکھے وہ طبیب ہی نہیں اسی طرح وہ واعظ ہی نہیں جو سامعین کی مصلحت اور ان کی حالت کو پیش نظر نہ رکھے ایسے ہی وہ مصلح نہیں جو طالب کی مصلحت پر نظر نہ رکھے۔

جتنے امراض اور خرابیاں آج کل پیدا ہو رہی ہیں ان سب کی جڑ حب دنیا ہے یہ مرض علماء اور مشائخ تک میں سرایت کر گیا۔ مثلاً علماء تقریر کرتے ہیں عام لوگوں کو راضی کرنے کے واسطے مشائخ ملفوظات بیان کرتے ہیں اپنی بزرگی اور کمالات کے اظہار کیلئے سو یہ سراسر دنیا پرستی ہے علاوہ اس کے آخر غیرت بھی تو کوئی چیز ہے۔ (الافاضات الیومیہ)

علماء ومشائخ کو کسی مقام پر اپنے آمد کی تاریخ سے مطلع نہیں کرنا چاہیئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی ہے تو آپ نے اہل مدینہ کو تاریخ سے اطلاع نہ دی تھی کہ آپ کس دن مدینہ پہنچیں گے صحابہ ہر روز مدینہ سے باہر آپ کے اشتیاق میں آتے تھے اور دوپہر کے قریب واپس ہو جاتے تھے مجھے اس واقعہ سے آج کل کے علماء اور مشائخ کا طرز دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ان میں یہ عرف اور رسوم خلاف سنت کیوں ہیں کہ پہلے اپنی آمد کی تاریخیں مقرر کرتے ہیں تاکہ اس تاریخ پر ان کا شاندار استقبال ہو پھر کہیں موٹر پر آتے ہیں کہیں گاڑی میں سے گھوڑے کھول کر الگ کئے جاتے ہیں اور آدمی گاڑی کو کھینچتے ہیں اور علماء اور مشائخ ہیں کہ ان باتوں سے خوش ہیں زبان سے منع بھی نہیں کیا جاتا یہ سب وہ تکلفات ہیں جو یورپ سے منقول ہیں مجھے شکوہ ہی نہیں ہے بلکہ افسوس ہے کہ آخر خلاف سنت ان رسوم اور تکلفات کو اپنے لئے کیوں گوارا کیا جاتا ہے پھر بعض دفعہ ان تکلفات میں جانیں تک ضائع ہو جاتی ہیں۔ (تحقیق الشکر)

اہل علم کیلئے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے گراں قدر ارشادات

بعض علماء ومشائخ کا باہمی حسد

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معقولی علماء اور مشائخ میں یہ مرض خاص طور سے ہے کہ اپنے ہم پیشہ کے نام سے جلتے ہیں۔ معقولی علماء کی تو یہ حالت ہے کہ دوسرے کا نام آیا اور جو منہ میں آیا کہنا شروع کر دیا دوسرے مدرسہ کے طالب علموں کو طرح طرح کی ترکیبوں سے توڑتے ہیں کانپور میں ایک مدرسہ تھا اس میں دستار بندی کا جلسہ ہوا انہوں نے دوسرے مدرسہ کے ایک طالب علم کو جہاں ان کی زیادہ کتابیں ہوئی تھیں دستار بندی کیلئے کھینچا ساری خرابی چندہ کی ہے ہزاروں آدمیوں کا چندہ مدرسہ میں آتا ہے تو ان کو کارروائی دکھلانا بھی ضروری ہے اور وہ کارروائی یہی ہے کہ فارغ شدہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہو اور اس کو کون دیکھتا ہے کہ جن کی دستار بندی ہوئی ہے ان کو کچھ آ بھی گیا ہے یا نہیں بس یہ فکر رہتی ہے قوم کو گنتی گنا دیں ایسا نہ کریں تو مدرسہ کی نیک نامی کیسے ہو غرض اس طالب علم کو کھینچا اور چونکہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ عین وقت پر دوسرے مدرسہ والے اس کو اپنی طرف لے جائیں اس کے انسداد کیلئے یہ کیا کہ اس طالب علم کو کسی حیلہ سے بلا کر کوٹھڑی میں بند کر دیا اور وہاں اس کی آسائش کا پورا انتظام کر دیا کہ کوئی تکلیف نہیں ہونے پائی اور صبح کو عین وقت پر نکالا اور دستار بندی کر کے چھوڑ دیا کہ جہاں چاہو جاؤ۔ (مواعظ ذکر وفکر)

اہل علم کو سادگی اختیار کرنے کی ضرورت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث شریف میں وارد ہے (کہ سادگی ایمان کا ایک شعبہ ہے) سو دیکھ لیجئے کہ ہم میں بذاذۃ اور سادگی پائی جاتی ہے یا

نہیں میرے خیال میں جہاں تک غور کیا جائے ہم میں سادگی کا پتہ بھی نہیں ملے گا اور نہایت افسوس اس امر کا ہے کہ اس وقت خود اکثر اہل علم میں عورتوں کی سی بھی زینت آ گئی ہے۔ صاحبو! یہ ہمارے لئے دین کے اعتبار سے بھی اور دنیا میں بھی سخت نقص ہے اس کے بجائے عزت بڑھنے کے اور ذلت بھڑتی ہے ہمارا کمال تو ہے کہ

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی   بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

(اے دل بہتر یہ ہے کہ تو مئے گلگوں کو پی کر مست ہو جائے اور بغیر کسی مال اور بغیر کسی خزانے کے قارون کی حشمت اور اس کا رعب پیدا کرے)

دررہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں   شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(منزل لیلےٰ کے راستہ میں جس میں جان کے خطرے میں پہلی شرط یہ ہے کہ تو مجنوں بنے ہمارے لئے کمال یہی ہے کہ نہ لباس میں کوئی شان وشوکت ہو نہ دوسرے سامان میں مگر اس وقت یہ حالت ہے کہ اکثر طالب علموں کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ طالب علم ہیں یا کسی نواب کے لڑکے اور یہ کوئی دیندار ہیں یا دنیادار کسی نے خوب کہا ہے۔

یامکن یا پیلباں زاں دوستی   یا بنا کن خانہ برانداز پیل

یامکش بر چہرہ نیل عاشقی   یا فرو شو جامہ تقویٰ بہ نیل

(العمل للعلماء ملحقہ تدبیر وتوکل)

علماء کو بے ضرورت سوال کے جواب سے گریز کرنا چاہئے

مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصل اکثر علماء کے باہم مخالفت کی قصور عوام کا ہے مگر علماء کی بھی یہ کوتاہی ضرور ہے کہ کیوں فضول جواب کیلئے تیار ہو جاتے ہیں (مثلاً مفتی اول کا فتویٰ دوسرے مفتی صاحب کے سامنے بیان کیا تو کچھ سمجھنے میں اور کچھ روایتیں بے احتیاطی کی تو انہوں نے سوء ظن سے مفتی اول پر فتویٰ لگا دیا اور دل میں عداوت بٹھالی پھر یہ فتویٰ مفتی اول کے سامنے نقل کیا گیا جن کے فتویٰ کی مخالفت مفتی ثانی نے کی تھی تو انہوں نے ان پر کوئی تیز فتویٰ لگا دیا) جس کے نتائج یہ ہوتے ہیں یہ کون سا کمال ہے کہ جواب میں سائل کے مذاق کا

اتباع کیا جائے جب ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ سوال بے ضرورت ہے اور اس کے یہ نتائج ہوتے ہیں یہ کون سا کمال ہے کہ جواب میں سائل کے مذاق کا اتباع کیا جائے جب ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ سوال بے ضرورت ہے اور اس کے یہ نتائج ہونے والے ہیں تو ہم سکوت کیوں نہ اختیار کریں میں تو اس سوال کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا جس میں کچھ مفاسد نہ ہوں لیکن بے ضرورت ہو کیونکہ کم از کم اس میں تضیع وقت تو ہے ہی۔ (ذم المکروہات)

نوجوان علماء سے خطاب

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نوجوان مولویوں سے کہا کرتا ہوں کہ گو تم عالم ہو گئے ہو اور تمہاری معلومات بھی تازہ ہیں اور پرانے مولویوں سے بھی زیادہ ہیں کیونکہ جوانوں کا حافظہ اچھا ہوتا ہے۔ مگر پھر ابھی تم کو اس کی ضرورت ہے کسی بڈھے کے پاس ہو۔ جب ہی تم کو معانی حاصل ہوں گے کیونکہ بزرگوں کی صحبت میں ان کی صائب ہو چکی ہے اور کسی نوجوان کو معانی بھی الفاظ کے ساتھ القا ہوتے رہتے ہیں تو اس کو بھی کسی کامل کی شہادت کی ضرورت ہے بدون کسی کامل کی شہادت کے اپنے آپ کو مجتہد سمجھنے کا اسے بھی حق نہیں صائب نے خوب کہا ہے۔

عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرئے چند بنمائے بصاحب نظرئے گوہر خود را

یہ شعر اس شخص پر بہت زیادہ اچھا صادق ہو رہا ہے جس نے چند گدھوں کی تصدیق کی ہے عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تھا بہر حال اگر کسی الفاظ کے معانی کا بھی القا ہوتا ہو تو اسے بھی از خود اپنے اجتہاد کا معتقد ہو گا جائز ہے یا ناجائز نہیں جب کوئی مجتہد اس کے اجتہاد پر شہادت نہ دے اور کامل کی شہادت کے بعد اسے اپنی فہم میں حجت سمجھنا جائز ہو گا اور یہ تکبر میں داخل نہ ہو گا بلکہ اس کی اپنی مثال ہے جیسے کوئی بی اے اپنے کو بی اے سمجھے آپ نے نہیں دیکھا ہو گا کہ بعضے انگریزی پڑھنے والے استعداد میں اپنے اساتذہ سے بڑھ جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ بی اے نہیں ہو سکتے جب تک کوئی مبصر شہادت نہ دے حالانکہ وہ مبصر خائن بھی ہو سکتا ہے پھر بھی ان کی شہادت سے آپ بی اے ہو جاتے ہیں اور اپنے کو بی اے سمجھتے ہیں وہ شہادت نہ دے تو چاہئے آپ کتنے ہی لائق و فاضل ہوں مگر بی اے فیل ہی رہیں گے جہاں مبصر متقدمین ہوں وہاں ان کی شہادت سے اپنے کو مجتہد سمجھنا کیونکر جائز نہ ہو گا۔ (الرغبۃ المرغوبہ)

علماء کو ظاہری شان و شوکت سے رہنا مناسب نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہماری عزت تو اسی میں ہے کہ حجروں میں بیٹھیں اور جو کچھ ہو سکے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتے رہیں اور ہم کو ایسی غریبانہ وضع سے رہنا چاہئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی آ کر رات کو ہم کو جگا سکے چاہے اس کے جگانے سے ہم لڑ ہی پڑیں۔ مگر وہ اس کی جرأت کر سکے اور علما کو ظاہری شان و شوکت سے رہنا مناسب نہیں اس لئے کہ غریب مسلمان استفادہ نہیں کر سکیں گے میں تو ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں۔ (الافاضات الیومیہ ج ۸)

علماء کو شہرت سے بچنے کی نصیحت

فرمایا علماء کو ایک بات کی اور نصیحت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جس کے سر پر بڑے موجود ہوں اس کو اپنی شہرت کی کوشش نہ کرنا چاہئے بلکہ جہاں تک ہو اپنے کو گم کرو کیونکہ بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے اور شہرت سے دنیوی مصائب کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ (اتباع العلماء)

اہل علم کیلئے انتظامی کاموں سے الگ رہنا ہی بہتر ہے

ارشاد فرمایا کہ میں تو اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس و تدریس کا موقع نصیب فرمائیں تو انتظام و اہتمام کو اپنے لئے قبول نہ کریں کیونکہ دونوں میں تضاد ہے مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کیلئے یہی زیبا ہے اپنے اسی شغل میں لگے رہیں مقامی اور ملکی سیاست سے یکسو رہیں۔ (مجالس حکیم الامت)

علماء کو اپنے وقار کے فکر کی بجائے دین کے وقار کی فکر کرنا چاہئے

فرمایا آج کل علماء کو اپنے وقار کی فکر ہے' دین کے وقار کی نہیں' یہ سخت غلطی ہے دین کے وقار کی فکر کرو' تمہارا وقار خود بخود ہو جائے گا۔ غلام کو کیا یہ حق حاصل ہے کہ آقا کے ہوتے ہوئے اپنے وقار کی فکر کرے' تمہارا وقار خود بخود ہو جائے گا۔ سب حق تعالیٰ اور اس کے دین کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرے۔ (القول الجلیل مطبوعہ الصانیہ رمضان المبارک)

علماء کے کرنے کے کام

فرمایا وعظ، تدریس، امر بالمعروف بخطاب خاص اور تصنیف علماء کو ان چار شعبوں کو اختیار کرنا چاہئے کہ طلباء کے سامنے تو مدرس بن کر بیٹھیں اور عوام کے سامنے واعظ ہوں اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں اور خاص مواقع سے مراد جہاں اپنا اثر ہو کیونکہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا اور بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے سے مخالفت بڑھ جاتی ہے جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا اور کسی سے تحمل ہو سکے تو سبحان اللہ وہ امر بالمعروف کریں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں بلکہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کریں اس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے محض خطاب عام پر اکتفا کرے۔ (العبد الربانی)

علماء کو تنبیہ

فرمایا اب میں پھر علماء کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ آپ کو عوام کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا چاہئے ان کو ذلیل وحقیر نہ سمجھنا چاہئے شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ اسی مجلس میں ایک شخص پر نظر پڑی جس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ کوئی آج کل کا مولوی ہوتا تو یا وعظ ہی میں اس کی خبر لیتا یا کچھ بھی نہ کہتا۔ مگر شاہ صاحب نے وعظ میں تو اس سے تو کچھ تعرض نہ کیا کیونکہ آداب وعظ میں سے یہ بات ہے کہ وعظ میں تعرض خاص نہ ہو بلکہ خطاب عام ہونا چاہئے اور امر بالمعروف کو ترک بھی نہیں کیا بلکہ جب وعظ ہو چکا تو آپ نے ان صاحب سے فرمایا کہ تم ذرا ٹھہر جاؤ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، وہ تو سہم گیا کہ بس اب میری خبر لی جائے گی۔ مگر اہل اللہ کے یہاں کسی کی خبر نہیں لی جاتی ہے۔ ہاں خبر دی جاتی ہے۔ چنانچہ جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے جس کو میں تم پر ظاہر کرتا ہوں وہ یہ کہ میرا پاجامہ ڈھلک کر ٹخنوں کے نیچے پہنچ جاتا ہے اور اسکے متعلق حدیث میں سخت وعید آئی ہے، اس کے بعد آپ نے سب وعیدیں بیان کردیں۔ پھر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا دیکھنا میرا

پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تو نہیں ہے اس شخص نے شاہ صاحب کے پیر پکڑ لئے اور کہا حضرت آپ میں تو یہ عیب کیوں ہوتا ہے یہ مرض تو مجھ نالائق میں ہے۔ میں آج سے توبہ کرتا ہوں ان شاء اللہ پھر ایسا نہ ہوگا۔ دیکھئے شاہ صاحب نے کس شفقت کے ساتھ نصیحت فرمائی جس کا فوراً اثر ہوا۔ واللہ! شفقت کا اثر مخاطب پر ضرور ہوتا ہے ہاں کوئی بہت ہی بے حس ہو تو اور بات ہے۔ صاحبو! ہم کو عوام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا چاہئے۔ جیسا کہ اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر کسی سے کنارہ کش اور علیحدگی ہی اختیار کی جائے تو اس میں بھی خیر خواہی کا قصد ہونا چاہئے اور ظاہر میں تہذیب کے ساتھ تعلق قطع کرنا چاہئے خدا تعالیٰ کا حکم ہے ’’واھجرھم ھجرا جمیلا‘‘

حالانکہ کفار کا چھوڑنا اور ان سے تعلق قطع کرنا فرض ہے مگر اس کیلئے بھی شائستگی اور تہذیب کی تاکید ہے کہ ان سے خولی کے ساتھ تعلق قطع کرو۔ (العبد الربانی)

علم و عمل کی بنیادیں

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’میں دو وزنی چیزیں تم میں چھوڑ کر جاؤں گا اگر ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو کبھی گمراہ نہیں ہو گے کسی فتنے میں مبتلا نہیں ہو گے‘‘۔

اور وہ وزنی چیزیں کیا ہیں

اللہ کی کتاب اور میری سنت...... یعنی میرا اسوۂ حسنہ۔

علم حاصل کرو قرآن سے اور عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے حاصل کرو۔ علم و عمل جب درست ہوگا تو علمی فتنے بھی ختم ہو جائیں گے جو عقائد کو برباد کرتے ہیں اور عملی فتنے بھی ختم ہو جائیں گے جو اتباع سنت کو برباد کرتے ہیں اور منکرات و بدعات میں لوگوں کو مبتلا کرتے ہیں تو منکرات و بدعات ختم نہیں ہو سکتیں۔ جب تک سنت طریقہ سامنے نہ رکھا جائے علمی فتنے اور شبہات نہیں ختم ہو سکتے جب تک قرآن کو سامنے نہ رکھا جائے۔ انہی دو کے مجموعے کا نام شریعت ہے۔ شریعت کی یہی دو بنیادیں ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ تو

ایک سے علم حاصل کرو ایک سے عمل حاصل کرو۔ ایک سے فکر صحیح کرو ایک سے اخلاق درست کرو۔ اخلاق و کمالات کا مجموعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ اعمال صالحہ کا مجموعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ علوم کاملہ کا مجموعہ قرآن کی ذات ہے۔ ان دونوں ذاتوں کو اگر آپ ہاتھوں میں تھام لو تو کبھی فتنے میں گرفتار نہیں ہوؤ گے۔

جب مسلمان تباہ ہوئے ہیں انہی دو چیزوں کے ترک کرنے سے تباہ ہوئے ہیں جب ان دو کو اختیار کر لیا۔ جب ہی نجات پا گئے اور عروج پا گئے۔

بہر حال یہ چند کلمات میں نے عرض کئے۔ میں تو بہت تھوڑی دیر چاہتا کچھ دماغ میں قوت نہیں تھی اور صلاحیت بھی نہیں رہی تھی ضعف بھی بہت تھا مگر خیر بات بڑھ گئی۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۶)

معتبر علم کون سا ہے؟

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بخاری شریف میں تعلیقا روایت ہے "انما العلم بالتعلم" طبرانی نے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اس میں "الفقه بالتفقه" کے الفاظ بھی ہیں۔ یعنی علم نبوت وہ ہے جو سبقاً سبقاً (عالم صالح) استاد سے پڑھ کر حاصل ہو "والمعنی لیس العلم المعتبر الا الماخوذ من الانبیاء اوورثتهم علی سبیل التعلم" (فتح الباری) (محمود ج ۱)

علم اتصاف کا نام ہے

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ علم حق تعالیٰ شانہ کی صفت ہے جس کو یہ صفت مل گئی اس کو خیر کثیر مل گئی' مگر کتابوں سے الفاظ وعبارت کا رٹ لینا اور اسے یاد کر لینا اور چیز ہے ان کے معانی سے متصف ہونا اور چیز ہے' حقیقت میں علم اتصاف ہی کا نام ہے اور یہ وہی چیز ہے اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو جانتے تھے مگر اس کے ساتھ متصف نہ تھے اس لئے مومن قرار نہیں دیئے گئے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد گرامی ہے۔ "یعرفونه کما یعرفون ابناء هم" اہل کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں (علامات کے ذریعہ) جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں' (بلکہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کا قول ہے) کہ میرا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچاننا بیٹے کو پہچاننے سے بھی زیادہ ہے) (محمود ج ۱)

ترتیب علم

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہے: کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مقولہ نقل کیا گیا ہے یعنی علم کی ترتیب اس طرح ہے اول استاد سے غور کے ساتھ سننا خاموش رہ کر اس کا صحیح مطلب سمجھنا پھر اس کو یاد رکھنا پھر اس کے مطابق عمل کرنا پھر اس کی اشاعت کرنا مگر آج کل فارغ ہوتے ہی نشر و اشاعت کی کوشش ہوتی ہے کہ بعد ملازمت فلاں کتاب پڑھانے کو ملے گی تو یوں دھویں دھار تقریر کروں گا کہ طلبہ عش عش کرتے رہ جائیں گے۔ (محمود ج ۱)

برکت علم

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہے: کہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے علم کی برکت یہ ہے کہ اس کو اہل علم کی طرف منسوب کیا جائے اس کو اسی کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جائے' جس سے اس کو لیا ہے۔ (محمود ج ۱)

احسان علماء

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہے: کہ علماء نے کتابوں میں اتنے مسائل جمع کر دیئے ہیں کہ قیامت تک جو مسئلہ بھی پیش آئے گا یا تو بعینہ وہی کتاب میں موجود ہوگا یا اس کی نظیر موجود ہوگی یا فقہاء کے بیان کردہ کسی قاعدہ کلیہ کے تحت وہ پیش آمدہ مسئلہ داخل ہوگا۔ (ج ۱)

اہل علم کیلئے حکیم الامت رحمہ اللہ کی تعلیمات

حضرات اکابر کی جامعیت

ایک سلسلہ گفتگو میں حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں اپنے حضرات کے

علوم اور شان تحقیق کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بڑے درجہ کے لوگ پیدا کئے ہیں۔ان حضرات کی واقعی یہ حالت تھی کہ جامع تھے ظاہر اور باطن کے کسی نے خوب ہی کہا ہے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق　　ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن

خصوصاً تصور میں تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان تحقیق عجیب ہی تھی۔ اپنے زمانہ میں امام مجتہد مجدد اور محقق تھے۔ایک صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اب اس زمانہ میں رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے۔میں نے کہا کہ ہمارے اکابر کے ملفوظات اور تحقیقات دیکھ لو معلوم ہو جائے گا کہ اس زمانہ میں بھی رازی اور غزالی موجود ہیں۔صاحب نبوت ہی تو ختم ہوئی ہے باقی اور کمالات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ ان کا زمانہ اس قدر فتن اور شرکا نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔یہ سب ان حضرات کی تصنیفات اور تحقیقات دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے مگر ان کو دیکھتا کون ہے کیونکہ مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔(ملفوظات ج ۸)

علماء ربانی کی شان

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء ربانی کی شان بھی ہے کہ لوگ ان کو کیسا ہی ستائیں اور کیسی ہی مخالفت کریں اور کیسی یہ ان کے ساتھ گستاخی کریں لیکن وہ کبھی کسی کا برا نہیں چاہتے' نہ نصیحت سے رکتے ہیں وہ جب چاہیں گے بھلا ہی چاہیں گے ان کا تو یہ مشرب ہوتا ہے۔

حافظ وظیفہ تو دعاء گفتن است وبس　　دربند آں مباش شنید یا مشنید

(اے حافظ تمہارا کام تو صرف دعا کرنا ہے اور بس اس فکر میں مت رہو کہ اس نے سنی یا نہیں سنی)

اہل اللہ کے بہت سے قصے ایسے سنے ہوں گے کہ لوگوں نے ان کو مارا پیٹا' تکلیفیں دیں' لیکن ان کے منہ سے سوائے دعا کے اور نصیحت کے کچھ نہیں نکلا یہ رحمت الٰہی کا ظہور ہے جب مظہر رحمت کا یہ حال ہے تو خود اصل جن کی رحمت کا یہ ظہور ہے کیا شان ہوگی' ظاہر ہے کہ وہاں تو رحمت بدرجہا زیادہ ہوگی غرض اسی رحمت اور شفقت کا ظہور ہے کہ حق جل شانہ کی تعلیم کا یہ طرز ہے کہ اس کو نہایت آسان اور سہل رکھا ہے' بندوں کو کسی الجھن میں نہیں ڈالا۔(خطبات حکیم الامت ج ۲۹)

اکابر علماء کا مسلک ومشرب

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرات کا ہمیشہ یہ مسلک اور مشرب رہا ہے کہ

غرباء اور دینداروں سے محبت رکھتے تھے اور اہل دنیا خصوصاً اہل مال سے جو امراء کہلاتے ہیں خصوصیت کا تعلق نہ رکھتے تھے اور امراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو متمول ہونے کے ساتھ دنیادار بھی ہیں لیکن اگر ان میں سے بھی کوئی دیندار ہوتو اس سے بھی خصوصیت کا تعلق رکھتے تھے ورنہ نہیں۔ یہ بات ہماری اس ہی جماعت کے ساتھ خاص تھی ورنہ دوسرے اکثر علماء کو دیکھا کہ وہ امراء کو لپٹتے ہیں ان کی چاپلوسیاں کرتے ہیں اور یہ سب کچھ کرنے کا سبب محض اپنی دنیاوی اغراض ہیں۔ ہمارے حضرات میں ایک استغناء کی شان تھی توکل اعلیٰ درجہ کا تھا کبھی دنیاوی اغراض کی بناء پر کسی سے تعلق نہ پیدا فرماتے تھے۔ (ملفوظات ج ۸)

علماء کو مقدمہ میں شہادت نہ دینا چاہئے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولویوں کو نہیں چاہئے ایسے قصوں اور جھگڑوں میں پڑنا تو ان کو تو یہ چاہئے کہ دو جگہ رہیں مسجد اور گھر ایسے قصوں میں پڑنے سے اپنی اصلی کاموں سے رہ جاتے ہیں۔ امام محمد صاحب سے منقول ہے کہ علماء کو کسی مقدمہ میں شہادت نہیں دینی چاہئے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ علماء کو کسی کی دعوت نہیں کھانی چاہئے۔ یہ سب اس لئے کہ ان چیزوں سے تعلقات یا خصومات پیدا ہوتے ہیں اور علماء کے ساتھ سب مسلمانوں کا یکساں تعلق ہونا چاہئے۔ (ملفوظات ج ۸)

علماء اصلاح کرنے کے مکلّف ہیں‘ اصلاح ہونے کے مکلّف نہیں

اس گروہ کی غلطی ظاہر کرنے کیلئے یہ مضمون یہاں لایا گیا جاننا چاہئے کہ علماء اور اہل اللہ اور مشائخ تبلیغ اور اصلاح کرنے کے مکلّف ہیں کسی کے اصلاح پذیر ہونے کے مکلّف نہیں۔ ’’کہہ دیجئے تم سے ہمارے گناہوں کا سوال نہ ہوگا اور ہم سے تمہارے گناہوں کا سوال نہ ہوگا۔ آپ ان پر گماشتہ نہیں ہیں‘ اس میں کوئی اپنا ہو یا غیر کسی کی تخصیص نہیں۔

’’اور اسکی شہادت کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور آپ کے والد آزر کا قصہ اور حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے بیٹے کا قصہ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور

آپ کے چچا کا قصہ کافی ہے ۱۲) اصل یہ ہے کہ اہل اللہ کا کمال عبودیت ہے اور بس تعمیل حکم کیلئے تبلیغ اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کام حق تعالیٰ کا ہے کہ جہاں چاہیں کوئی کام ان کا پورا کریں اور جہاں چاہیں نہ کریں خواہ وہ کام دین کے ہوں یا دنیا کے۔ ابوجہل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کی اور کوئی دقیقہ اس کی نصیحت کا اٹھا نہ رکھا لیکن خدائے تعالیٰ کو منظور نہ تھا اس لئے ہدایت نہ ہوئی۔ بہت سے وہ معجزات جو کفار طلب کرتے تھے حق تعالیٰ نے ظاہر فرمائے اور بعضوں کے جواب میں فرمادیا۔

"کہہ دیجئے پاکی ہے میرے رب کو میں تو صرف ایک انسان رسول ہوں اور جب کوئی معجزہ (ان کے سوال کے موافق) آپ نہیں دکھاتے تو کہتے ہیں اسی کو چھانٹ کر کیوں نہیں اختیار کیا۔ آپ کہہ دیجئے میں وہی کرتا ہوں جو حق تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم ہوتا ہے"۔ (ملفوظات ج ۲۹)

ابتداء تعلیم کیلئے تناسب عمر

فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے زیادہ ضروری چیز کیلئے کہ نماز ہے سات برس قرار دیئے تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہی عمر پڑھنے کیلئے بھی مناسب ہے البتہ زبانی تعلیم اور یاد کرادینا یہ پہلے ہی سے جاری رکھے چار برس چار دن چار مہینے اپنی طرف سے تجویز کر کے لوگوں نے اب رسم مقرر کرلی ہے۔

علم دین برائے خدمت دین

فرمایا کہ میرے بھائی بڑے سمجھدار ہیں۔ اپنے لڑکے کے متعلق کہتے تھے کہ مولوی ہونے کی مجھے کوئی زیادہ خوشی نہیں۔ ہاں خادم دین بنے تو خوشی کی بات ہے چونکہ ابتداء میں انہوں نے کسی خدمت کا مشاہدہ نہیں کیا۔ اس لئے انہوں نے بار بار خط میں دریافت کیا کہ تم نے اپنے لئے معاش کا کیا ذریعہ تجویز کیا ہے میں نے لکھ دیا کہ میں نے علم دین معاش کیلئے نہیں پڑھا ہے میں نے خدمت دین کیلئے پڑھا ہے باقی رزق کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے اس جواب پر وہ مانع ہوگئے۔ (ملفوظات ج ۶)

اہل علم کیلئے انتظامی کاموں سے الگ رہنا ہی بہتر ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا

ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس وتدریس کا موقع نصیب فرمائیں تو انتظام واہتمام کو اپنے لئے قبول نہ کریں کیونکہ دونوں میں تضاد ہے۔ مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کیلئے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں لگے رہیں۔ مقامی اور ملکی سیاست سے یکسو رہیں۔ (ملفوظات ج ۴۴)

علم میں برکت بزرگان سلف کے ادب سے ہوتی ہے

فرمایا کہ علمی تحقیقات پر زور دینے سے زیادہ فکر بزرگان سلف کے ادب واحترام کی کرنا چاہئے اس سے اللہ تعالیٰ انسان میں ایک خاص بصیرت اور تحقیق کی شان بھی پیدا فرمادیتے ہیں۔ (ملفوظات ج ۴۴)

دین کے معاملے میں جرأت بیجا!

فرمایا کہ ساری دنیا کے بڑے بڑے لکھے پڑھے ماہر محقق جس فن کو نہیں جانتے اس میں ان کو یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا کہ میں اس فن سے واقف نہیں۔ کسی انجینئر سے طب اور ڈاکٹری کا مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو بے تکلف کہہ دیتا ہے کہ میں ڈاکٹر نہیں۔ ڈاکٹر سے انجینئر کی بات پوچھی جائے تو کہہ دیتا ہے کہ میں انجینئر نہیں مگر قرآن اور دین کو لوگوں نے معلوم نہیں کیوں ایسا سمجھ رکھا ہے کہ ہر شخص چاہے اس نے اس کے مبادی بھی کبھی نہ پڑھے دیکھے ہوں اس میں بے دریغ رائے زنی اور جو کچھ اپنی سمجھ میں آجائے اس پر اصرار کرنے لگتے ہیں۔ (بظاہر سبب یہ ہے کہ دین کی عظمت قلوب میں نہیں رہی اس لئے اس کو ایک سرسری چیز سمجھ لیا ہے)

حکومت کے ایک افسر صاحب کو سود حلال کرنے کی بڑی فکر رہتی تھی اور کہتے تھے کہ مسلمان دوسری قوموں سے پیچھے اس لئے رہ گئے کہ ان کے یہاں سود حرام ہے حضرت نے فرمایا کہ بنوامیہ نے جو دنیا میں ترقی کی کیا انہوں نے بھی سود کو حلال کیا تھا۔ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ دنیا کی ترقی بھی سود پر موقوف نہیں۔ وہ ایک آیت کی غلط تفسیر کرتے تھے اور اس پر اصرار تھا اور شہادت میں یہ پیش کرتے تھے کہ خواجہ حسن نظامی نے اس آیت کا یہ مطلب لکھا ہے یہ صاحب مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی مقدمہ کا وکیل ہو کر آپ کے سامنے پیش ہوں اور زیر بحث قانون کی ایسی تشریح بیان کروں

جو اس کے الفاظ پر پوری اترتی ہے مگر ہائی کورٹ کی مانی ہوئی تعبیر و تشریح کے خلاف ہے۔ کیا آپ میرے بیان کئے ہوئے معنی و مطلب کی بنیاد پر مقدمہ کی ڈگری دیں گے اور یہ لکھ دیں گے کہ اشرف علی نے اس قانون کی یہ تشریح کی ہے۔ اگر آپ ایسا کرلیں تو پھر دیکھئے گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو کیا کیا خطابات ملتے ہیں۔ (ملفوظات ج ۲۴)

مشائخ وعلماء کیلئے ایک اہم وصیت

فرمایا کہ جس طرح کوئی طبیب ڈاکٹر بیمار ہو جائے تو اپنا علاج خود نہیں کرتا دوسرے معالج کی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح مشائخ وقت اور مقتداء لوگوں کو اگر کسی وقت اپنے نفس میں کوئی روحانی مرض محسوس ہو تو ان کو چاہئے کہ کسی اپنے بڑے سے رجوع کریں اگرچہ وہ سلوک میں اپنے سلسلہ کا نہ ہو۔ مگر اہل حق میں سے متبع سنت ہو اور اگر کسی شخص کا ضابطہ کا کوئی بڑا نہ رہے۔ (ضابطہ کا اس لئے کہا کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اس کی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) تو اس کو چاہئے کہ اپنے چھوٹوں میں ہی سے متعدد لوگوں کے سامنے اپنا حال پیش کر کے مشورہ لے۔ توقع ہے کہ صحیح علاج سمجھ میں آجائے گا۔ (ملفوظات ج ۲۴)

اہل علم کو کوئی کام دستکاری وغیرہ ضرور سیکھنا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ علماء کو علاوہ پڑھنے پڑھانے کے اور بھی کام آنا چاہئے جو ذریعہ معاش ہو سکے بدون ظاہری وجہ معاش کے لوگ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں اس ذلت سے بچنے کیلئے مولویوں کو کوئی کام دستکاری سیکھنا چاہئے۔ پھر سیکھنے کے بعد چاہے اس سے کام نہ لیں مگر سیکھ لیں ضرور اہل علم کی ذلت کسی طرح گوارا نہیں ہوتی آج کل بددینوں کا زمانہ ہے اہل دین اور علم دین کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں بحمد اللہ یہاں پر آکر تو سب کا مزاج درست ہو جاتا ہے خرد ماغوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ طلبہ اور اہل علم میں بھی اسپ دماغ ہیں جو اہل دنیا خصوص اہل مال سے اس قسم کا برتاؤ کرتا ہوں جس کو لوگ خشکی کہتے ہیں اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ ان کے دماغوں میں خناس بھرا ہے ان کے دماغوں کو درست کرتا ہوں اگر تمام اہل علم اور اہل دین ان کے دروازوں پر جانا چھوڑ دیں تو ایک دن میں ان کے دماغ صحیح

ہو جائیں گے اور پھر یہ خود ان کے دروازوں پر آنے لگیں خصوص اہل مدارس اگر ذرا صبر سے کام لیں تو یہ خرابی نہ رہے بڑے پیمانہ پر اہل دنیا خصوص اہل مال کے دماغ درست ہو جائیں مجھے اہل علم کی ذلت ایک لحہ کیلئے گوارا نہیں مگر دل میں کس طرح ڈال دوں۔ (ملفوظات ج ۴)

علم کو عمل کی تلاش

ارشاد فرمایا علم عمل کو تلاش کرتا ہے، عمل نہ ہونے پر رخصت ہو جاتا ہے، جیسے کوئی آدمی اونٹ پر سوار مکان کے دروازہ پر اس کے مالک کو آواز دیتا ہے اس کے جواب نہ دینے پر چلا جاتا ہے پھر فرمایا علم ایک نور ہے اور جہالت ظلمت ہے، اسی واسطے جب کوئی چیز سمجھ میں آجاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ مجھے روشنی مل گئی۔ اندھیرے سے روشنی میں آگیا۔ (ملفوظات ج ۲)

علم دین اور علم دنیا میں فرق

فرمایا کہ ایک خط آیا ہے بڑی حسرت سے لکھا ہے کہ میرے پیٹ میں درد رہتا ہے اب میں ایم اے کے سخت امتحان کی کس طرح تیاری کروں فرمایا کہ ایک شخص نے ایسے امتحانوں کے متعلق خوب کہا ہے کہ

مشکل ہے پر امتحان روڑ کی ‏ ‏ ‏ آسان ہے حساب روز محشر

اور بالکل صحیح کہا ہے کہ جس نے کہا، نہ اس لئے کہ وہ اس سے زیادہ عظیم الشان ہے بلکہ اس لئے کہ وہاں تو رحیم و کریم سے سابقہ ہوگا یہاں بے رحم ڈاکوؤں نے اب یہ بچارے ناکامی کے احتمال پر پریشان ہیں ان کے دل کو کوئی چیز اطمینان دلانے والی نہیں سوائے یاس اور حسرت کے بخلاف علم دین کے کہ اس کا ہر جز ہر حال میں کارآمد ہے اس میں کسی وقت بھی طالب کو یاس اور حسرت نہیں ہوسکتی خواہ قلیل ہو یا کثیر خواہ اس کی تحصیل کے بعد دنیوی کامیابی نوکری وغیرہ ہو یا نہ ہو وجہ یہ کہ علم معاش میں تو مقصود دنیوی کامیابی ہی ہے وہ نہ ہو تو پھر حسرت ہی حسرت ہے بخلاف علم دین کے کہ وہاں مقصود آخرت کی کامیابی ہے اگر دنیوی کامیابی بھی نہ ہو تو آخرت کی کامیابی سے تو یاس نہیں اس لئے حسرت کی کوئی وجہ نہیں یہ فرق ہے علم دنیا اور علم دین میں۔

پھر فرمایا کہ دنیوی مصیبت کے موقع کیلئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ایک مراقبہ سکھایا ہے وہ یہ کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اس پر اجر ملتا ہے گناہ معاف ہوتے ہیں درجات بلند ہوتے ہیں اس مراقبہ سے آدھی مصیبت رہ جاتی ہے بلکہ بالکل ہی جاتی رہتی ہے دیکھئے اس میں بھی دین ہی کام آیا۔ (ملفوظات ج ۴)

علوم تو اہل حق کے ہوتے ہیں

فرمایا علوم تو اہل حق کے ہوتے ہیں باقی منطقیوں کے علوم تو لفظی چکر ہوتے ہیں ان سے کلام ہذا کاذب کا حل نہیں ہوتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ احتمال صدق و کذب اس کلام میں ہوتا ہے جو محاورات میں بولے جاتے ہیں یہ تو گھڑی ہوئی مثال ہے اسی طرح ایک اشکال اور کیا گیا ہے وہ یہ کہ موجود دو قسم پر ہے۔ موجود فی الخارج اور موجود فی الذہن اور یہ دونوں مسلم ہیں پھر شبہ یہ ہوا کہ ذہن خارج میں ہے تو موجود فی الذہن بھی موجود فی الخارج ہوا گو بواسطہ ذہن کے ہیں تو قسیم قسم بن گیا۔ جواب یہ ہے کہ موجود فی الخارج جو قسیم ہے موجود فی الذہن جو موجود فی الخارج ہے وہ بواسطہ ذہن کے ہے اس لئے یہ موجود فی الخارج نہ ہوگا۔ منطقی صرف الفاظ کی پرشتش کرتے ہیں اور کچھ نہیں۔ (ملفوظات ج ۱۴)

ملاجیون کی حق گوئی

فرمایا شاہجہاں بادشاہ کے وقت میں بعض دنیا پرست علماء نے حلق حریر کا فتویٰ دے دیا تھا۔ وجہ یہ بیان کی گئی کہ جنگ میں حریر جائز ہے حالانکہ یہ دعویٰ بھی علی الاطلاق غلط ہے اور چونکہ بادشاہ ہر وقت عزم جنگ میں ہوتا ہے اور عزم قائم مقام فعل کے ہے اس لئے بادشاہ کیلئے درست ہے۔ مگر بادشاہ کو اطمینان نہ ہوا۔ ملاجیون صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس فتویٰ بھیجا انہوں نے کہا اس کا جواب جامع مسجد میں دوں گا۔ جمعہ کو ممبر پر کھڑے ہو کر اول وہ فتویٰ سنایا پھر فرمایا کہ مفتی و مستفتی ہر دو کافر اند (اس کافر میں تاویل بھی محتمل ہے) یہ سن کر بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور سیاست شدیدہ کا ارادہ کرلیا عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ملاجیون صاحب کو یہ خبر دی۔ فرمایا اچھا ہم بھی ہتھیار باندھتے ہیں۔ پانی لاؤ وضو کریں (کیونکہ وضو مومن کا ہتھیار ہے) عالمگیر نے جا کر شاہجہاں سے کہا کہ وہ بھی تیار ہو رہے ہیں۔ وضو کرلیا

ہے۔ تباہ ہو جاؤ گے اور ملک برباد ہو جائے گا شاہجہاں ڈر گیا اور کہا اب کیا تجویز کریں کہا توبہ کرو اور ان کی خدمت میں ہدیہ بھیجو جو علامت ہے اعتقاد کی۔ چنانچہ خلعت اور کچھ اشرفیاں نذر کیلئے عالمگیر کے ساتھ بھیجیں۔ ملاں صاحب نے دریافت فرمایا کہ کیا ہے؟ کہا بادشاہ معذرت کرتے ہیں فرمایا بہت اچھا پھر راضی ہو گئے۔ (ملفوظات ج ۱۴)

علماء کو غلطی کے اعتراف میں عار نہیں کرنا چاہیئے

میں بالخصوص اہل علم کو بھی ایک بات کہتا ہوں گو ان کو کسی کے کہنے سننے کی ضرورت نہیں اگر خیر بے ضرورت بھی تو بعضی باتیں کر لی جاتی ہیں وہ یہ کہ علماء کی سادگی صرف اسی اپنی طرف سے کر دیں مگر ان کو اتنا صبر کہاں تھا اسی وقت سب کو بلا کر صاف اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اپنے محسن کو بھی ظاہر کر دیا جس نے غلطی پر متنبہ کیا تھا اگر ہم سوال ہوتے تو اول تو اپنی غلطی ہی کو تسلیم نہ کرتے اسی میں بحث شروع کر دیتے اور جو تسلیم بھی کرتے تو اس طرح صاف صاف اقرار نہ کرتے اور جو کرتے بھی تو یہ ظاہر نہ کرتے کہ اس غلطی پر ہم کو کسی دوسرے نے متنبہ کیا ہے بلکہ اگلے دن اس طرح تقریر کرتے کہ طلبہ پر یہ ظاہر ہوتا کہ یہ شیخ کو خود ہی تنبہ ہوا ہے۔ آخر یہ تکبر اور تصنع نہیں ہے تو پھر کیا ہے۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۸)

اقسام علم

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے مبارک ارشادات

امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مقولہ ہے۔

اللہ کی طرف سے جو علوم دنیا کے اندر آئے ہیں وہ دو طرح کے ہیں ایک ادیان کا علم جس کا نام علم شریعت ہے اور ایک ابدان کا علم جس کا تعلق انسان کے ظواہر بدن اور اس کے عوارض بدن سے ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ دونوں علم کے جز ہیں شریعت کے شریعت اسلامی نے جس طرح سے شریعت اور دین کے علم کی طرف توجہ دلائی ہے اسی طرح سے ابدان کا علم اور ضروریات زندگی کے علوم مثلاً سائنس اور فلسفہ وغیرہ کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ ادیان کا علم اصل مقصود ہے اور ابدان کا علم اس کیلئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے اور دونوں کا مقصد ہے معرفت خداوندی۔

حدیث شریف میں ہے: علم کا راس المال اور خلاصہ خدا کی معرفت اور اس کی پہچان ہے"۔

علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

جو علم حق کا راستہ نہ دکھائے وہ حقیقت میں جہالت ہے اس کو صورت علم کہا جائے گا حقیقت میں علم نہیں کہا جا سکتا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۹)

علم کی دھن

علم آدمی کو محنت سے ملتا ہے، دھن سے ملتا ہے، یہ دھن پیدا ہو جانی چاہئے کہ ہمیں علم حاصل

کرتا ہے اور اس کو سود در سود کر کے بڑھاتے ہی چلے جاتا ہے۔ جب دھن پیدا ہو جائے گی تو آپ زیادہ سے زیادہ کتب بینی کریں گے اور جب آپ کتب بینی کے عادی ہو جائیں گے تو پھر آپ میں تفقہ پیدا ہوگا اور جب تفقہ پیدا ہو جائے گا تو آپ کسی شے کے محض حکم ہی پر قناعت نہ کریں گے بلکہ اس کی حکمت کو بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں گے اور جب حکمت معلوم کرلیں گے تو اس سے بڑھ کر علت معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوگی اور جب علت معلوم ہو جائے گی تو آپ اس پر قناعت نہیں کریں گے بلکہ اس وقت آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ اس علت کا رابطہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کس صفت سے ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۹)

علم وعمل کی سند

فرمایا: ایک بات آپ حضرات سے کہہ دوں کہ جس طرح آپ علم حاصل کرنے کیلئے محنت کرتے ہیں' مجاہدہ کرتے ہیں' مشقتیں برداشت کرتے ہیں' اسی طرح آپ کی عملی اور اخلاقی قوت مضبوط نہیں ہوگی' علم کام نہیں دے گا جب تک سلسلہ عمل کو بھی متصل نہ کیا جائے ایک عالم میں اگر کبر ہو' حسد ہو' بغض ہو' کینہ ہو' جاہ ہو' تو وہ خود بھی ذلیل ہوگا اور علم کو بھی ذلیل کرے گا اسلاف جب علم سیکھ لیتے تھے تو اس کے بعد مستقل طور پر عمل بھی سیکھتے تھے۔ خود دارالعلوم پر نصف صدی ایسی گزری تاوقتیکہ شیخ کامل سے اجازت نہ ہوتی دارالعلوم اپنی علمی سند نہ دیتا گویا علم وعمل کی تکمیل کا نام سند تھا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۹)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی علمی شان تجدید

فرمایا: حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی علمی شان تجدید کا ذکر آیا تو حضرت قاری صاحب کو یا یکدم تازہ دم ہوئے اور فرط نشاط میں محو ہو کر فرمانے لگے کہ علوم و معارف میں بھی حضرت کا بالکل مجددانہ انداز ہے۔ حضرت کی جو تصانیف ہیں مولانا شبیر احمد عثمانی کی نگاہ بہت تھی تصانیف پر اور یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ

سو برس تک فلسفہ کتنے روپ بدل کر آئے لیکن حضرت کی حکمت قلعی کھولنے کیلئے کافی ہوگی۔ سو برس تک کوئی اسلام کا مقابلہ اور اسلام پر حملہ حجت سے نہیں کرسکتا۔ اتنی حجتیں جمع فرمادیں تو

گویا ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈال دی جس سے اسلامی حقائق اور دقائق پورے واضح ہوتے ہیں۔

اور مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: میں اپنی نظر کے لحاظ سے کہتا ہوں کہ سلف میں بھی بہت کم لوگ ملیں گے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ

حضرت کی ہر چیز بیچ کی نہ تھی بلکہ آخری کنارے پر لگی ہوئی تھی

علم کے بارے میں ایک بات مجھے اور یاد آئی کہ مولانا یعقوب صاحب کشف وکرامت بزرگوں میں سے تھے اور ان کے ہاں اخفاء تھا نہیں جو واردات ہوتیں صبح طالب علموں کے سامنے پیش کردیتے کہ یہ رات کو کشف ہوا' یہ الہام ہوا یہ عادت تھی' تو ایک دن فرمایا کہ

بھائی آج صبح کی نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہوا تو بال بال بچ گیا۔ میرے مرنے میں کسر نہیں تھی۔

طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت! کیا بات پیش آئی۔

فرمایا کہ قرآن کریم کے علم کا ایک اتنا بڑا دریا میرے قلب کے اوپر سے گزرا اور غنیمت یہ ہے کہ وہ گزرتے ہی نکل گیا ورنہ میں تحمل نہیں کرسکتا تھا۔

اس کے بعد خود فرمایا کہ: میں مراقب ہوا کہ یہ کیا چیز تھی تو منکشف یہ ہوا کہ میرے بھائی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ میرٹھ میں میری طرف متوجہ ہوئے ان کی توجہ کا یہ اثر کہ علم کا ایک عظیم دریا میرے قلب پر گزرا۔

اور اس کے بعد خود فرمایا کہ: جس شخص کی توجہ کا اتنا اثر ہے کہ اتنا بڑا علم گزر جائے کہ برداشت نہ ہوسکے تو وہ شخص خود اتنا بڑا علم کس طرح اٹھائے پھر رہا ہے۔

اس میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مولانا یعقوب رحمہ اللہ اور تمام اساتذہ دارالعلوم نے جن میں اساتذہ بھی ائمہ فنون تھے۔ مولانا سعید احمد امام معقولات سمجھے جاتے تھے۔ ان سب نے مل کر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ تفسیر کی کوئی کتاب پڑھادیں تاکہ قرآنی علوم ہم بھی سیکھیں حالانکہ یہ سب ائمہ علوم تھے مولانا یعقوب تو صدر مدرس تھے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج۹)

علوم کا عروج

فرمایا: چھتہ کی مسجد میں حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ نے درس شروع کردیا

الم سے شروع فرمایا تو حروف مقطعات پر کوئی دو اڑھائی گھنٹہ تقریر فرمائی اور عجیب وغریب علوم ومعارف ارشاد فرمائے۔

اور یہ عجیب بے نفسی کا دور تھا کہ سارے اساتذہ سبق پڑھ کر ہم کہنے لگے کہ بغیر تکرار کے یہ علوم محفوظ نہ ہوں گے لہٰذا تکرار کیا جائے۔ نو درہ میں بیٹھ کر تکرار شروع ہو گیا۔ مولانا یعقوب رحمہ اللہ نے تقریر شروع کی۔ بیچ میں ایک جگہ رکے بات یاد نہیں رہی کسی اور کو بھی یاد نہ آئی تو کہا میں مولانا سے پوچھ کر یہ تقریر کروں گا۔ تو صبح کی نماز پڑھ کر حضرت جب اپنے حجرہ میں آرہے تھے تو مولانا یعقوب رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ حضرت تقریر کا فلاں حصہ یاد نہیں رہا۔ تو کھڑے کھڑے حضرت نے تقریر شروع کی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ نہ لفظ اس عالم کے تھے نہ معنی اس عالم کے ایک حرف بھی سمجھ میں نہ آیا کہ مولانا کیا فرما رہے ہیں۔ تو عرض کیا حضرت ذرا نازل ہو کر فرمایئے کہ کچھ سمجھ جاؤں۔ اب دوبارہ تقریر شروع کی تو الفاظ سب سمجھ میں آئے مگر معانی نہیں۔ تو پھر عرض کیا کہ حضرت کچھ اور نازل فرمایئے ہم وہاں تک نہیں پہنچے تو فرمایا کہ مولانا دوسرے وقت آیئے گا۔ تو اس وقت کہوں گا تو علوم میں اس وقت کتنا عروج ہوگا کہ ادھر کہہ رہے ہیں اور ادھر سمجھ میں نہیں آرہا تو علم کا یہ حال تھا اور عمل تو ظاہر ہے۔

راقم نے عرض کیا کہ حضرت ایسے علوم ومعارف کی تسہیل اگر ہو جائے تو اس میں بہت سے فتنوں کا علاج ہے۔ فرمایا ہاں! ہم نے مجلس معارف القرآن سے اسے شروع کیا اور ایک آدھ رسالہ بھی چھاپہ بھی، تسہیل بھی کی لیکن یہ سلسلہ چلا نہیں۔ اس لئے کہ علماء کی توجہ نہیں وہ کہتے کہ یہ متعلق مضامین ہیں۔ میں نے کہا بھئی حمد اللہ اور ملا حسن اور قاضی سمجھ لو تو ان علوم میں کیا دقت ہے تو ارادہ نہیں سمجھنے کا۔ عرض کیا گیا کہ کاش مولانا مناظر احسن گیلانی نے سوانح قاسمی میں علوم قاسمی کا جو منصوبہ پیش کیا اس کے مطابق کام کرنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ وہ منصوبہ میں نے ہی مولانا گیلانی مرحوم کے سامنے رکھا تھا کہ آپ نے تین جلدوں میں سوانح لکھی مگر اصل سوانح تو حضرت کے علوم ہیں۔ آپ اس پر تبصرہ کریں مگر افسوس کہ اس کام سے پہلے مولانا گیلانی کی وفات ہو گئی۔ پانچ ہی صفات مقدمہ کی شکل میں لکھ پائے تھے الغرض بڑے عجیب وغریب علوم وحقائق ہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۹)

اہل علم کا اخروی مقام

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قیامت کے دن اہل مصیبت جب سب نمٹ جائیں گے پھر حق تعالیٰ علماء کو خطاب فرمائیں گے کہ کیا تم صرف نعمتیں ہی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم صرف اس لئے پیدا کئے گئے تھے کہ صرف اپنی ذات کا ہی نفع ڈھونڈو؟ بلکہ تم بھیجے گئے تھے دنیا کی ہدایت کیلئے یہاں لوگوں کی شفاعت کرو کھڑے ہو کر، جب سب کو بخشوالو گے تب تم آگے بڑھنا تم اپنے کام کیلئے نہیں پیدا کئے گئے بلکہ دنیا کے کاموں کیلئے پیدا کئے گئے تھے کہ دنیا کے انسانوں کو نفع پہنچاؤ۔ اس وقت ان کا رتبہ ظاہر ہوگا وہ شفاعتیں کریں گے اور لاکھوں آدمی ان کی شفاعت کی بدولت بخشے جائیں گے۔ رب العالمین فرمائیں گے کہ اب تم نے اپنا کام پورا کیا ہے۔ دنیا میں ہدایت کی یہاں شفاعت کی تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں کوئی عہدہ مل جائے، کوئی نعمت مل جائے۔ یہ تمہارا کام نہیں تھا۔ تمہارا کام یہ تھا کہ دنیا کو سب کچھ ملے اور تم الگ کھڑے رہو اس کے بعد تمہیں اجر ملے۔ تو بہر حال یہ جو یمین عرش میں جائیں گے یہی ہیں وہ جسے میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ کے پہلو میں جگہ مل جائے گی کہ دنیا میں انہوں نے اللہ کو عقیدہ کی آنکھ سے دیکھا تھا قبر میں اس کے جلوے دیکھے، میدان محشر میں اس کی تجلی دیکھی اور آخر میں جا کر مل جائیں گے یمین عرش میں حق تعالیٰ کے پہلو میں بیٹھ جائیں گے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱۰)

علم، روشنی اور غلبہ کا ذریعہ ہے

حکیم الاسلام رحمہ اللہ کے خطبات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ایسی ہی بنیادی چیز کا ذکر فرمایا ہے کہ جس سے انسان کا اندرون روشن ہو۔ قلب میں روشنی اور آراستگی پیدا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"الناس کلھم ھالکون الاالعالمون......" سارے انسان تباہ و برباد ہونے والے، سب ہلاک ہو جانے والے ہیں۔ اگر بچیں گے تو اہل علم بچ سکتے ہیں۔ یعنی جہالت میں انسان کی نجات نہیں ہے۔ علم میں انسان کی نجات ہے، دنیا کا علم ہو یا دین کا علم ہو علم ہی سے راستہ نظر پڑ سکتا ہے جہالت سے راستہ نظر نہیں پڑتا۔ جہالت فی الحقیقت ایک اندھیری

ہے اور علم فی الحقیقت ایک چاندنا ہے۔ تو چاندنی میں راستہ نظر پڑا کرتا ہے اندھیرے میں راہیں نظر نہیں پڑتیں۔ جہالت میں نہ دنیا کی بھلائی سامنے آسکتی ہے نہ آخرت کی بھلائی۔

آج دنیا بھی اگر سجی ہوئی ہے اور آراستہ ہے تو وہ بھی انسان کے علم کی وجہ سے سج رہی ہے۔ اگر آخرت درست ہے وہ بھی انسان کے علم ہی کی وجہ سے درست ہے۔ آج یہ آپ کا شہر جگمگا رہا ہے، لاکھوں قمقمے بجلی کے روشن ہیں، شہر میں چاندنی ہے۔ کوٹھیاں اور بنگلے روشن ہیں۔ یہ چاندنی آپ کے علم کی ہے، بجلی کی نہیں ہے۔ اگر آپ علم وسائنس کی قوتیں استعمال نہ کرتے تو نہ قمقمہ بنتا، نہ بجلی بنتی۔ بجلی اور قمقمہ نہ ہوتا تو یہ گھر اور شہر روشن نہ ہوتا۔ علم نے قمقمہ کو بنایا بجلی کو دریافت کیا اور علم نے یہ صناعیاں کیں، اس کی وجہ سے روشنی ہوئی تو درحقیقت یہ علم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے۔ اگر انسانوں میں جہالت ہوتی تو فن سائنس کو نہ جانتے، یہ چاندنی سامنے نہ آتی۔ یہ چھت میں آپ کو جو چمک نظر آرہی ہے یہ آپ کے علم کی چمک ہے، بجلی کی نہیں ہے، بجلی تو خود آپ کے علم سے آئی ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۲)

علمائے امت محمدیہ کی خدمات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل شریعت لے کر آئے اور اس امت کے مجددین ومجتہدین نے اس شریعت میں سے مسائل استنباطیہ نکالے۔ ان پر وحی تو نہیں آتی تھی۔ مگر ان کے قلوب پر الہام ہوتا تھا۔ انبیاء علیہ السلام کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر ہوئے ان کے ہاتھوں پر کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

اس مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا۔ گو حدیث ضعیف ہے مگر علماء اس حدیث سے جگہ جگہ استدلال کرتے رہے ہیں کہ میری امت کے علماء ایسے ہوں گے جیسے بنی اسرائیل کے پیغمبر، یعنی پیغمبر تو نہیں ہوں گے مگر کام وہ کریں گے جو پیغمبروں نے کیا۔ ان کے کام کی نوعیت وہ ہوگی جو انبیاء علیہم السلام کے کام کی تھی، جیسے ایک نبی جس خطے میں آتا ہے تو اس خطے کو ایمان سے رنگ دیتا ہے۔ اور لوگ مومن بنتے چلے جاتے ہیں۔ عالم وعارف بنتے چلے جاتے ہیں اس امت کے علماء ربانی اور مجتہدین وہ ہیں کہ

ایک عالم ربانی جہاں بیٹھ گیا۔ ہزاروں کے ایمان کو سنبھال گیا۔ ہزاروں کو ایمان سے رنگ دیا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں پورا ہندوستان تو کیا۔ پاکستان (بنگلہ دیش) افغانستان اور پورا ترکستان حنفی' ایک عالم ربانی' ایک مجتہد اٹھا۔ کروڑوں کے ایمانوں کو درست کیا۔ کروڑوں کو جنت تک پہنچا دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ مکہ میں پیدا ہوئے ابتدائی عمر مکہ میں گزاری۔ اخیر عمر مصر میں اور وہیں وفات پائی۔ تو حجاز تقریباً سب کا سب شافعی ہے۔ ایک عالم ربانی اترا' اس نے ملکوں کو ایمان سے رنگ دیا اور لاکھوں متبع شریعت پیدا کئے۔ جتنے حنابلہ ہیں وہ کثرت سے ادھر ہیں' مغربی ممالک میں زیادہ مالکیہ ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کا ظہور ادھر ہوا اور ہزاروں علماء پیدا ہوئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ امام نووی امام اسحاق یہ سب وہ ہیں جو صاحب مذہب تھے۔ اب یہ الگ چیز ہے کہ یہ مذاہب ختم ہو گئے ان چار مذاہب کو قبول عام ہو گیا۔ یہ کوئی ارادی اور اختیاری چیز نہیں ہے۔ یہ منجانب اللہ ہے جیسے صوفیاء کرام کے سلاسل تو بہت سے ہیں لیکن قبول عام زیادہ تر چار سلسلوں کو ہوا۔ سلسلہ چشتیہ' سہروردیہ' قادریہ' نقشبندیہ' تو یہ قبولیت منجانب اللہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس امت میں ہزاروں آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے۔ جن کی روشنی سے دنیا مستفید ہوئی۔ جہاں ایک بیٹھ گیا۔ کروڑوں کے ایمان درست ہو گئے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۲)

علم کے مراتب

امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قطعہ ہے جو وہ پڑھا کرتے تھے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ جوں جوں مجھے زمانہ ادب سکھاتا ہے مجھ پر میری عقل کا نقصان وارد ہوتا ہے جو ادب کا مقام طے کیا تو سمجھ میں آیا کہ اب تک میری عقل نے یہ نہیں پایا تھا۔ اس مقام تک میری عقل ناقص ہے۔ پھر اگلا مقام طے ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی اب تک میری عقل نہیں پا سکی تھی۔ اسی طرح جوں جوں مقام ادب آتے رہے میری عقل کا نقصان مجھ پر واضح ہوتا رہا۔ اور جیسے جیسے مراتب علم بڑھتے رہے۔ میری جہالت مجھ پر واضح ہوتی رہی۔ جب کسی علم کے مقام پر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ اب تک میں اس سے جاہل تھا۔ مراتب علم کھل رہے ہیں تو میرے نفس کی

جہالت کے مقامات بھی میرے نفس پر کھل رہے ہیں۔

لامحدود حد تک انسان جاہل اور محدود حد تک عالم ہوتا ہے' جو ہمیں معلومات ہیں وہ محدود ہیں اور جو غیر معلوم چیزیں ہیں۔ وہ لامحدود ہیں۔ اس لئے کہ علم اللہ کی صفت ہے۔ علم' انسان جتنا بھی پڑھتا جائے' چاہے وہ علم کے کروڑوں مقامات ہوں' پھر بھی ان گنت مقامات باقی رہیں گے۔ کیونکہ لامحدود کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ علم کی احتاجگی دنیا میں ہی نہیں' جنت میں بھی باقی رہے گی۔ کیونکہ صفت خداوندی وہاں پہنچ کر محدود نہیں بن جائے گی۔ علم اور معرفت کے مقامات وہاں بھی لامحدود رہیں گے۔ تو لوگ علماء کی طرف رجوع کریں گے کہ ساری نعمتیں مل گئیں۔ کون سی چیز باقی ہے جو ہم مانگیں۔ علماء مل کر ایک مشورہ دیں گے کہ ایک چیز رہ گئی ہے جو طلب کرو وہ نہیں ملی اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنا جمال مبارک دکھادے۔ دیدار خداوندی ابھی تک باقی ہے۔ یہ نعمت نہیں ملی۔ قرآن مجید میں وہ وعدہ فرمایا گیا۔ بہت سے چہرے تروتازہ اور شاداب ہوں گے جو اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ جیسے کفار کے بارے میں دھمکی دی گئی۔ یہ (سیاہ چہرے والے) وہ لوگ ہیں کہ ان کے اور پروردگار کے درمیان حجابات حائل ہوں گے یہ زیارت نہیں کرسکیں گے ان کیلئے ابدی محرومی ہوگی۔ تو دیدار خداوندی کا وعدہ دیا گیا۔ اس وعدے کا ظہور وہاں ہوگا۔ علماء مشورہ دیں گے کہ ایک نعمت رہ گئی ہے۔ وہ طلب کریں اور وہ ہے دیدار خداوندی تو سب مل کر ایک زبان ہوکر عرض کریں گے کہ ہمیں یہ نعمت عطا فرمادیجئے۔ اپنا جمال مبارک دکھلا دیجئے۔ اسی کی تمنا میں ہم نے عبادتیں کیں۔ عمریں گزاردیں۔ مشاہدہ حق اصل مقصود تھا۔ اب اس مقام پر مشاہدہ نہ ہوا تو اور کون سا مقام ہوگا جہاں مشاہدہ حق ہوگا۔ درخواست قبول کرلی جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ حجابات اٹھنے شروع ہوجائیں گے۔ صرف ایک حجاب کبریائی اور عظمت کا باقی رہ جائے گا۔ باقی سب حجابات اٹھ جائیں گے اور بندے اپنے خدا کو دیکھیں گے۔ اس شان سے کہ نہ سمت ہے نہ جہت ہے نہ رنگ ہے اور پھر مشاہدہ ہورہا ہے اور دیکھ رہے ہیں۔ یہ اس مزید کا موضوع ہے جس کا نام میدان مزید ہے۔ گویا وہ درباری مقام ہے۔ یہ ایک حدیث ہے جس کا میں نے ترجمہ اور تفسیر آپ کے سامنے عرض کی۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۲)

علم اور مال میں فرق

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم اور مال میں فرق ہے وہ یہ کہ مال کو جتنا خرچ کرو گھٹتا ہے' علم کو جتنا خرچ کرو' بڑھتا ہے۔ اگر علم کہیں گھٹ جایا کرتا' تو جو حافظ قرآن شریف پڑھانے بیٹھتا' تو جتنی آیتیں بچوں کو سکھلایا کرتا۔ خود بھول جایا کرتا اس کا علم دوسرے کے پاس منتقل ہو جایا کرتا۔ حالانکہ جتنا پڑھاتا ہے تو استاد پرانا ہو جاتا ہے اس کا علم ترقی کر جاتا ہے۔ غرض علم کو جتنا خرچ کرو' بڑھتا ہے' دولت کو جتنا خرچ کرو' گھٹتی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مال کی حفاظت مالک کو کرنی پڑتی ہے۔ چار پیسے ہوں گے تو آپ کو فکر ہے کہ کہیں چور نہ لے جائے۔ تالا لگاؤں' تجوری میں رکھوں گھر کی کوٹھڑی میں رکھوں اور سو رہے ہیں تو فکر ہے کہ رات کو کوئی چور نہ آجائے۔ تو آپ کو خود مال کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم عالم کی حفاظت کرتا ہے عالم کو ضرورت نہیں۔ علم خود بتلائے گا کہ یہ خطرے کا راستہ ہے' یہ نجات کا تو علم اپنے عالم کی خود حفاظت کرتا ہے مگر مال اپنے مالک کی حفاظت نہیں کرتا' مالک کو حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ مال آئے گا تو سو مصیبتیں ساتھ لے کر آئے گا کہ حفاظت کرو چور سے اور اس سے وغیرہ وغیرہ اور علم آئے گا تو وہ احسان جتلاتا ہوا آئے گا کہ میں تیرا محافظ ہوں' میں تیری خدمت کروں گا' میں تجھے نجات کا راستہ بتلاؤں گا تو علم جیسی چیز اگر کوئی سکھلائے تو وہ سب سے بڑا محسن ہے کہ اس نے دنیا اور آخرت کا راستہ کھول دیا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۴)

علم تمام کمالات کا سرچشمہ ہے

اس زمانے کے خلاف جب اللہ نے اپنے آخری پیغمبر کو بھیجا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور لے کر آئے تو سب سے پہلی آیت قرآن کریم کی کیا اتری؟ ''اقرأ باسم ربک الذی خلق'' ''پڑھو یعنی جہالت دور کرو اگر یہ چیز تمہیں رفع کرنی ہے' دنیا کی قومیں عربوں کو ذلیل وحقیر جانتی تھیں۔ اگر یہ ذلت اور حقارت اپنی قوم سے مٹانی ہے تو وہ جہالت سے آئی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ''اقراء'' پڑھو اور پڑھنے لکھنے کی طرف متوجہ ہو۔ جہالت کے جب یہ کرشمے تھے تو علم کا یہ

کرشمہ ہوگا کہ ذلت کے بجائے عزت آئے گی برائی کی جگہ بھلائی آئے گی۔

غلط اعتقاد کی بجائے صحیح اعتقاد آئیں گے' بد عملی کی بجائے صحیح عمل آئیں گے۔ شرک کی بجائے توحید پیدا ہوگی۔ چنانچہ یہی ہوا کہ جن جن سعادت مند قلوب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو سنا اور مانا اور قرآن کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کی۔ تو وہی زمانہ جس کا نام زمانہ جاہلیت تھا۔ اسکا نام خیر القرون ہوا کہ سب زمانوں میں بہترین زمانہ جن لوگوں کا نام جہلائے مکہ تھا ان کا نام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہا جاتا ہے۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی جن کی ذلت کا یہ عالم تھا کہ قومیں ان کو کہتی تھیں کہ چرواہے' مینگنیوں سے کھیلنے والے' گندگیوں میں بسر کرنے والے' اب ان کا لقب عارفین کاملین ہوا۔ صفائی ستھرائی ان میں طہارت وعبادت نہیں' ذہانت وکمال ان میں بالکل زمانہ لوٹ گیا کہ یا بد تھا یا بہتر ہو گیا۔ یا جہالت کا تھا یا علم کا ہو گیا۔ یہ قرآنی تعلیم کی بدولت تھا۔ تو پہلی آیت قرآن کریم کی یہی نازل ہوئی کہ ''اقراء'' جس سے واضح ہے کہ جب کوئی قوم ذلت میں گرفتار ہو جائے پریشانیوں میں مبتلا ہو' اس کا علاج یہ ہے کہ علم کے ذریعے پہلے اپنے اخلاق اور اعمال درست کرے' چاہے اس میں کچھ مدت لگے لیکن انجام جبھی صحیح نکلے گا جب یہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ برس تک تعلیم دی مکہ میں تیرہ برس کی زندگی کیسی تھی؟ مسلمان انتہائی کمزور' کھانے کو نہیں' پینے کو نہیں' شوکت ان کے ہاتھ میں نہیں' تعداد ندارد' ہر چیز کے محتاج' حتی کہ مارے پیٹے جاتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر زیادتیاں' بد گوئیاں اور گالم گلوچ ہوتی تھی۔ حکم یہ تھا کہ صبر کرو' تحمل کرو۔

مگر صبر وتحمل کے معنی یہ نہیں کہ پٹتے رہو۔ یہ بزدلی ہے۔ اسلام نے بزدلی نہیں سکھلائی۔ اسلام اور بزدلی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ محض پٹتے رہنا یہ بزدلی تھی۔ تو جہاں یہ حکم آیا کہ پٹتے رہو' مار کھاتے رہو مگر ساتھ میں حملہ بھی کرو اور حملہ کیا؟ کلمہ حق کا اعلان کرتے رہو۔ اللہ کی طرف دعوت دیتے رہو اللہ کی طرف بلاتے رہو ماریں' تو پٹتے رہو' برا بھلا کہیں تو سنتے رہو قتل کریں مقتول ہو جاؤ' مگر کلمہ حق کی تبلیغ ودعوت مت چھوڑو۔ تو فقط پٹنا نہیں بتلایا بلکہ حملہ بھی بتلایا مگر یہ حملہ تلوار لاٹھی اور ہاتھ پیر سے نہیں۔ حملہ زبان اور کلمہ حق کے ذریعے سے تھا۔

اسی کے جواب میں تو تلوار چلتی تھی اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کلمہ حق بلند نہ کرتے تو وہ خاندانی لوگ تھے۔ سب آپس میں رشتہ دار تھے۔ ایک دوسرے کے خلاف کون کھڑا ہوتا یہ جو حملہ ہوتا تھا یہ ان کے حملے کے جواب میں ہوتا تھا مگر یہ حملہ کلمہ حق سے کرتے وہ ہاتھ سے کرتے تھے اس لئے کہ ادھر علم تھا اور علم والا اچھی بات سے حملہ کرتا ہے جاہل ہاتھ سے جواب دیتا ہے اس کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تو لڑائی جاری تھی مگر ادھر سے حملہ علم کے راستے سے اور ادھر سے جہالت کے راستے سے ہوتا تھا۔ اس راستے میں فرمایا گیا کہ مار کھاؤ نپٹو کوئی پرواہ مت کرو جواب بھی مت دو۔ آیتیں جو نازل ہوتی تھیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہوتا تھا۔

''اے نبی صبر جمیل اختیار کرو۔ ان مشرکوں سے اعراض کرو ان کے برا بھلا کہنے پر مت جاؤ یہ کہتے رہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا کام کرو''۔

اے نبی! ہم جانتے ہیں جب یہ آپ کو برا بھلا کہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل گھٹتا ہے بشری طبیعت کے مطابق کوفت پیدا ہوتی ہے۔ آپ کو رنج ہوتا ہے لیکن ان بے تمیزوں کو بکنے دو۔ آپ اللہ کی تسبیح وتہلیل اور اس کے ذکر میں لگیں۔ ان کو یہی توفیق ہے کہ یہ برا کہیں۔ آپ کی توفیق یہ ہے کہ آپ کلمات حق زبان سے ادا کریں۔ تیرہ برس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مصیبت میں گزارے۔ تیرہ برس کے بعد جو زمانہ لوٹا تو جو اقلیت تھی وہ اکثریت بن گئی۔ جو بے عزت تھے وہ عزت والے بن گئے۔ جن کے ہاتھ میں شوکت نہیں تھی وہ شوکت والے بن گئے۔ جو بے زر اور بے کس تھے ان کے ہاتھ میں قیصر وکسریٰ کے خزانے آنے شروع ہو گئے۔ ایک دم انقلاب پیدا ہوا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۴)

علم حقیقی

ایک علم تو ہوتا ہے رسمی اور لفظی جو رٹنے اور کتابوں سے آجاتا ہے اور ایک علم ہوتا ہے حقیقی جو علماء ربانی اور اہل اللہ کی صحبت سے آتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی دیکھنے میں آئے کہ وہ عالم تو نہیں مگر جاہلوں کو کون کہے عالموں کی بھی رہنمائی فرماتے تھے۔ حاجی امیر خان صاحب ہمارے اکابر دیوبند کے ایک متعارف خادم جن سے سنی ہوئی روایات کا مجموعہ خود میں نے مرتب کیا اور حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ مرحوم نے اس پر

فوائد اپنے قلم سے تحریر فرمائے جیسا کہ معلوم ہے کہ وہ رسمی عالم تو نہیں تھے یعنی انہوں نے باقاعدہ کسی درسگاہ میں نہ پڑھا تھا اور نہ کسی مدرسے کی ان کے پاس سند تھی مگر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اس کی برکت سے ان کے علم وفکر میں کچھ ایسی گہرائی پیدا ہوگئی تھی کہ علامہ انور شاہ رحمہ اللہ جیسی بحر العلوم اور کتابوں کی حافظ شخصیت ان سے استفادہ کرتی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آتا ہے وہ بداخلاق بھی ہے، مشرک بھی، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے محبت سے فیض یاب ہوتا ہے تو عالم بھی بن جاتا ہے، خلیق بھی بن جاتا ہے اور کریم بھی۔

تو بھائی نیک صحبت سے اخلاق بدل جاتے ہیں، روحیں پلٹ جاتی ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہزاروں معجزات ہیں اور معجزات کو تو چھوڑ دیجئے آپ کا یہی کیا کم کارنامہ اور کیا کم معجزہ ہے کہ آپ نے عرب جیسی تہذیب واخلاق سے ناآشنا قوم کے قلوب کو بدل کر رکھ دیا لوہے کا نرم کر دینا آسان ہے مگر قلوب اور روحوں کا بدلنا نہایت ہی مشکل، ہم بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا ہر ہر صحابی ایک معجزہ ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۴)

علم کی دو قسمیں

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علم دو ہیں ایک بدنی زندگی کا علم اور ایک روحانی زندگی کا علم۔

بدنی زندگی کے نیچے یہ تمام شعبے آتے ہیں۔ کھانا، پینا، گھر بنانا، بازار وغیرہ یہ تمام ضروریات۔

اور روحانی زندگی کے نیچے یہ شعبے آتے ہیں کہ کس طرح سے سجدہ کیا جائے کس طرح اللہ کے سامنے سر جھکایا جائے۔ کس طرح اس سے مناسبت پیدا کی جائے تو جس طرح سے ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہم اپنا دین ودیانت درست کریں اسی طرح اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہم اپنی معاشرت وتمدن اور مدنیت کو بھی درست کریں۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۴)

حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی ایک تحریری نصیحت

محترم المقام، زید مجدکم السامی! سلام مسنون، نیاز مقرون۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا

جواب تاخیر سے دے رہا ہوں اور معافی چاہتا ہوں وجہ کثرت اسفار، ہجوم کار اور تشتت افکار سے اب بھی سفر میں ہوں اور اورنگ آباد سے جواب ارسال کر رہا ہوں۔

آپ نے اس ناکارہ کے ساتھ اپنے غائبانہ تعلق کا اظہار فرمایا ہے جس کی بنا محض حسن ظن ہے۔ جو آپ کیلئے عزیمت ہے اور میرے لئے سعادت ہے۔ شرعاً حسن ظن کیلئے کسی حجت اور دلیل کی ضرورت نہیں وہ ہر صورت میں اپنے مسلم بھائی کے ساتھ واجب ہے۔ حجت طلبی صرف بدظنی پر ضروری ہے۔ سو آپ ایک ایسے واجب شرعی پر عمل فرما رہے ہیں۔ جو بے دلیل بھی واجب ہے اور اسی کا نام عزیمت ہے اور میرے لئے سعادت کیونکہ مجھے بلا کسی عمل کے اور بغیر کچھ کئے دھرے آپ جیسا اولوالعزم خیر خواہ اور دعاگو میسر آ گیا۔ سو اس سے بڑھ کر آدمی کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ حسن ظن آپ کیلئے خیر ہے اور میرے لئے بھی خیر ہے مگر اس دہری خیر کا سبب آپ ہیں۔ اس لئے آپ ہی اس بارے میں دعا اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

"فجزاکم اللہ عنی خیر الجزاء وبارک اللہ فیکم ولکم وعلیکم"

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کو کچھ نصیحت کروں۔ سو میرے بھائی! میں اس لائق کہاں کہ آپ جیسے اولوالعزم حضرات کے سامنے ناصح کی حیثیت سے آؤں۔ لیکن نصیحت بھی جبکہ اسلامی واجبات میں سے ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ارشاد ہے کہ **"الدین النصح لکل مسلم"** دین نام ہی نصیحت اور خیر خواہی کا ہے ہر مسلمان کیلئے۔ اس نصیحت سے روگردانی نہیں کی جا سکتی مگر جبکہ اپنی نااہلی اور آپ کے احوال سے ناواقفی کی بنا پر خود سے نصیحت سے کسی گوشہ کا انتخاب نہیں کر سکتا تو آسان مرحلہ یہی نظر آیا کہ سلف ہی کی کوئی نصیحت نقل کروں تاکہ واجب بھی پورا ہو جائے اور اپنی نااہلی بھی ڈھکی مندی رہ جائے۔

سلف صالحین کی مبارک عادت تو یہی تھی کہ جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے تو رخصت ہونے والا کسی نصیحت کی فرمائش کیا کرتا تھا۔ اس پر عمومی نصیحت یہ کی جاتی تھی **"اوصیکم بتقوی اللہ"** میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور احتیاط کے ساتھ اپنا بچاؤ کرتے رہو۔ یہ اتنی ہمہ گیر نصیحت ہوتی تھی کہ غور کیا جائے تو اس نصیحت کی تہہ میں سارا دین آ جاتا ہے۔ کیونکہ تقوی کا عمومی درجہ تو یہ ہے کہ آدمی اسلام کو

مضبوط تھام کر کفر وشرک سے بچتا رہے۔اس سے اگلا مقام یہ ہے اسلام کے ساتھ اخلاص کو اپنا کر نفاق سے مجتنب رہے۔اس کے بعد تقویٰ کا اگلا مرتبہ یہ ہے کہ اسلام و اخلاص کے ساتھ اتباع سنت تھام کر بدعات ومحرمات سے گریزاں رہے۔اس کے بعد تقویٰ کا مقام یہ ہے کہ صلاح ورشد کو اپنا کر فسق وفجور اور معاصی سے بچتا رہے۔پھر اس کے بعد کا تقویٰ یہ ہے کہ ضروریات دین کے دائرہ میں رہ کر لایعنی اور فضولیات سے محترز رہے۔جیسے فضول طعام، فضول لباس اور فضول کلام وغیرہ اور اس کے بعد کا مقام یہ ہے کہ کارآمد و نافع امور کے دائرہ میں محدود رہ کر لایعنی اور عبث باتوں سے گریزاں رہے۔

اب آپ سلف صالحین کی فراست وذکاوت اور عزیمت وہمت اور علم و روایت کا اندازہ کریں کہ ایک مختصر سا لفظ اختیار کر کے دین کے سارے راستے ہی نہیں کھول دیئے بلکہ ایک جملہ سے سارے دین کی نصیحت فرمادی ایسی جامع نصیحت کے ہوتے ہوئے پھر ہمارا منہ ہی کیا رہ جاتا ہے کہ ہم اپنی طرف سے کسی نصیحت کا انتخاب کریں اور کریں گے تو وہ ناتمام ہی ہوگی۔اس جامعیت کی حامل نہ ہوگی۔اس لئے نصیحت کی بجائے نقل نصیحت سے آپ کے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے اور اپنے جہل کا پردہ بھی ڈھکا رہ جاتا ہے۔

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

اسی کے ساتھ اس میں ایک اضافہ اور کرلیجئے کہ اس جامع ترین حقیقت تقویٰ کی امنگ پیدا کرنے کا طریقہ صحبت صلحاء اور معیت اہل اللہ ہے۔

آناں کہ خاک رابنظر کیمیا کنند

کہ اس کے بغیر تقویٰ کی حقیقت جو علمی مقام ہے اور تقویٰ پر گامزنی جو عملی مقام ہے، سامنے نہیں آسکتی اور نہ ہی اس کے گوشے واشگاف ہو سکتے ہیں۔قرآن حکیم نے اس لئے جہاں بنی آدم کو تقویٰ کا امر کیا ہے وہیں صحبت صلحاء کا حکم قطعی بھی دیا ہے اور فرمایا

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو (اللہ سے ڈرتے رہو) اور سچوں کی معیت اختیار کرو۔معیت سبب اور تقویٰ اس کا نتیجہ ہے اس لئے یہ نصیحت سلف صالحین کی سنت ہونے کے ساتھ قرآنی ہدایت بھی ثابت ہوتی ہے۔سو جب قرآن نصیحت کرے اور اہل قرآن اس

کے عملدر آمد کا راستہ بتلا دیں تو آگے نصیحت اور کیا رہ جاتی ہے جو کی جائے۔

اس نصیحت کا تعلق یقیناً قلب اور باطن سے ہے گویا انجام کار اس کا ظہور قالب پر ہوتا ہے۔ لیکن ایک اور نصیحت خالص عملی ہے جس کا سر چشمہ قلب اور باطن ہے اور وہ نصیحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوئی نصیحت فرمایئے مگر مختصر)

فرمایا ہر نماز اس طرح پڑھو کہ جیسے تجھے دنیا سے رخصت کیا جا رہا ہے اور یہ نماز شاید آخری نماز ہے کہ اس کے بعد نماز کا موقعہ نہ مل سکے گا۔

ظاہر ہے کہ جب ہر نماز کو آدمی آخری نماز سمجھ کر پڑھے گا تو کس خشوع وخضوع اور حضور قلب کے ساتھ پڑھے گا کہ ساری ہمت باطن اسی میں صرف کرے گا اور جب ہر نماز میں ایسی ہی کمال درجہ خضوع اور تکمیل آداب وشرائط صلوۃ کے ساتھ ہوگی تو اس کی ساری عمر کس درجہ تقویٰ وطہارت ہمت وعزیمت اور طاعۃ وقربت لئے ہوئے ہوگی۔

ظاہر ہے کہ نماز سے بڑھ کر تعلق مع اللہ کا کوئی اور طریقہ نہیں اور زندگی کی پاکیزگی کا تقویٰ سے بڑھ کر کوئی اور ذریعہ نہیں ایک کی ہدایت اللہ نے کی اور ایک کی وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی۔ اب آگے کسی نصیحت کا مقام ہی کیا رہ جاتا ہے کہ کوئی ناصح بن کر آپ کے سامنے آئے اس لئے میں نے آیت، روایت اور سلف کی درایت سے یہ تین باتیں عرض کر دی ہیں انہی کو آپ میری نصیحت بھی شمار فرمائیں گے۔ تو یہ وہی آپ کے حسن ظن کا کرشمہ ہوگا۔ جس کیلئے آپ ہی ستائش وتبریک اور دعا کے مستحق ہوں گے۔ کلمات کے ساتھ آپ سے اپنے حق میں دعا کی التجا پر اس نامہ پریشان کو ختم کرتا ہوں۔ (محمد طیب دارالعلوم دیوبند ۲۲ جولائی ۱۹۷۱ء)

نور علم

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل ومناقب میں جو احادیث آئی ہیں ان میں

اولیات کو ایک خاص مقام حاصل ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا۔ ظاہر بات ہے کہ نور سے مراد حسی نور نہیں ہے جیسے سورج یا چاند کا نور ہوتا ہے۔ یہ نور اس کے سامنے معمولی ہے جو آپ کا نور ہے وہ نور حقیقت محمدیہ کا ہے۔ یعنی سب سے پہلے اللہ نے حقیقت محمدیہ پیدا کی اور وہ ہے نور یعنی میرا نور بنایا حسی نور نہیں معنوی نور اور معنوی نوروں میں سب سے زیادہ علم کا نور اکمل ہے۔ جس طرح سے حسی نور کے چاندنی میں آپ راستہ پالیتے ہیں دیکھتے ہیں کہ یہ چیز اچھی ہے یا بری ہے۔ ادھر چلنا چاہئے ادھر نہیں نور آفتاب میں راہ طے کرتے ہیں۔ اچھے برے کی تمیز کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر نور علم ہے جس میں کسی شے کی خوبی اور خرابی کو پہچانا جاتا ہے علم کی روشنی میں جائز اور ناجائز اور حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے۔ یہ چیز مرضی خداوندی اور یہ نامرضی خداوندی ہے۔ یہ اللہ کی پسند اور یہ ناپسند ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام چیزوں کی تمیز سورج کے نور سے نہیں ہوسکتی۔ سورج کا نور شکلیں دکھلا دے گا اور علم کا نور حقیقتیں دکھلاتا ہے۔ حقائق کے اندر امتیاز پیدا ہوگا۔ صورت دکھلا دینا یہ کوئی بڑی چیز نہیں۔ اس لئے آفتاب کا نور کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ لالٹین، انڈے اور بجلی کا نور ہے اس میں شکلیں، صورتیں، رنگ، اور الوان پہچانے جاتے ہیں لیکن علم کا نور وہ ہے جس میں حقائق پہچانے جاتے ہیں جس کے اندر شریعتیں پہچانی جاتی ہیں شریعتوں کے احکام کے مراتب قائم ہوتے ہیں۔ احکام کی علتیں پہچانی جاتی ہیں علتوں سے احکام نکالے جاتے ہیں اسرار و معارف اور حقائق پہچانے جاتے ہیں تو علم کا نور بہ نسبت آفتاب کے نور کے عظیم نور ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۴)

مراتب علماء

حکیم الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ علماء سب ایک درجے کے نہیں ہوتے کوئی اعلیٰ فہم رکھتا ہے کوئی متوسط درجے کا۔ تو ایک درجے کے سارے نہیں ہوتے بعض دقیق الفہم ہوتے ہیں۔ بعض بلید الفہم ہوتے ہیں بعض غبی بھی ہوتے ہیں۔ مگر خیر دیندار تو بن جاتے ہیں ان کی عبادت اگر علم تک نہ پہنچا سکے تو کم سے کم ان کا عمل صحیح ہی قائم ہوجاتا ہے۔ بہرحال علماء ایک درجے کے نہیں ہوتے مگر سب کے ساتھ حسن ظن رکھنا ضروری ہے جب کہ

وہ سند کے ساتھ روایت کریں اور انہیں سند کے ساتھ علم حاصل ہوا ہو تو ہم سب کا فرض ہے کہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھیں۔ ان کی عظمت کریں وہ عظمت ان کی ذات کی نہیں ہوتی۔ ذات تو گوشت پوست سے بنی ہوئی ہے وہ ہمارے اندر بھی موجود ہے اس کی کیا عظمت ہے؟

وہ عظمت علم کی ہوتی ہے اور ان کے اندر اللہ اور اللہ کے پاس سے علم آیا ہوا ہوتا ہے۔ اس واسطے علم کی اور اس نسبت اور سند کی تعظیم کی جاتی ہے جو انہیں حاصل ہوئی ہوتی ہے تو یہ سب طلباء اور علماء جو تیار ہوئے ہیں ہم سب کیلئے مستحق اور مستوجب تعظیم وعظمت اور وقار کے ہیں۔ کہ انہیں حق تعالیٰ سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت حاصل ہوگئی ہے اس لئے ہم ان کی عظمت کریں گے۔ کسی عالم کی تحقیر کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کی تحقیر سے علم کی تحقیر ہوتی ہے۔ اور علم اللہ اور اللہ کے رسول کا ہے اس کی تحقیر ہمارے لئے کب جائز ہے تو مستند عالم واجب التعظیم اور واجب التکریم ہے اس واسطے ان دونوں کو عظمت دی جائے گی اور ان کو مبارکباد دی جائے گی۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۴)

علم ضروری کی مقدار

حکیم الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محض دانستن کا نام علم نہیں، محض جان لینے کا نام علم نہیں، اس لئے کہ تھوڑا بہت علم تو بیل کو بھی ہے۔ وہ بھی تو جانتا ہے کہ یہ میرا مالک ہے۔ یہ نہیں، یہ مجھے گھاس دانہ ڈالتا ہے۔ یہ نہیں ڈالتا۔ اس کے آگے گردن جھکا دیتا ہے دوسرے کے آگے نہیں۔ اتنا علم تو کتا بھی رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا مالک ہے اس کے آگے دم ہلانے لگتا ہے اور غیر آجائے اس پر حملہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ تو وہ فرق محسوس کرتا ہے کہ یہ مکان کا مالک ہے اور یہ نہیں اسے مکان میں آنے کا حق ہے اور اجنبی کو نہیں۔ ہاں اگر مالک کتے کو ڈانٹ دے، تو چپکا ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مالک نے اجازت دیدی تو اس کے آنے کا حق پیدا ہو گیا۔

ہمارے حاجی محمد شفیع صاحب جن کی کوٹھی پر ہم ٹھہرے ہوئے ہیں انہوں نے بڑی زبردست قسم کا جنگلی کتا پال رکھا ہے۔ اگر اسے آزاد چھوڑ دیں تو صرف حملہ نہیں کرتا بلکہ وہ تو ایک دم گلا دبا دیتا ہے۔ کوئی بھی آئے اس نے بھونکنا شروع کیا لیکن حاجی صاحب جب ایک ڈانٹ لگاتے ہیں تو چاہے دس آدمیوں کے ساتھ آئیں چپکا ہو کے بیٹھ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ جانتا ہے کہ مکان ان کا نہیں' مالک کا ہے۔ مالک اجازت دے گا تو آنے کا حق حاصل ہے۔نہیں اجازت دے گا تو آنے کا حق حاصل نہیں۔غرض اتنا تھوڑا بہت علم تو کتا بھی رکھتا ہے۔اتنا علم اگر انسان میں آئے تو اتنا علم حیوانیت کیلئے بھی ہے۔حقیقی علم وہ ہے جس سے انسان حلال وحرام کو پہچانے' حق ناحق کو پہچانے۔ جائز وناجائز میں فرق کرے یہ کام انسانی قلب کا ہے' ہاتھ پیر کا نہیں۔(خطبات حکیم الاسلام ج ۷)

حقیقت علم

علم کی حقیقت ہی درحقیقت تمیز ہے۔یعنی دو چیزوں کو ممتاز کئے رکھنا۔اگر دو چیزیں رل مل جائیں اور مشتبہ ہو جائیں تو کہیں گے کہ اس شخص کو علم نہیں ہے اگر علم ہوتا تو دونوں چیزوں کو الگ الگ دیکھتا اور دونوں چیزوں کو الگ الگ سمجھتا' تو امتیاز پیدا کر دینا یہ علم کا مرتبہ ہے۔(خطبات حکیم الاسلام ج ۷)

علم کی ناقدری کرنیوالے سے اسلام کا شرف بھی چھن سکتا ہے

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک طالب علم کے ذہن میں یہ آنا کہ کل کیا کریں گے علم پڑھ کر ہم روٹی کہاں سے کمائیں گے پیسہ کہاں سے ملے گا؟ یہ انتہائی احتیاج مندی اور ذلت نفس کی بات ہے' جس کو اللہ علم کی دولت دے اور اس کی سوچ یہ ہو کہ روٹی کہاں سے آئے گی۔''اتستبدلون الذی ھو ادنی بالذی ھو خیر '' کا مصداق ہے کہ اعلیٰ اور شرف کی چیز پاس ہے پھر ادنیٰ کی طرف توجہ کر رہا ہے۔میں کہتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ دنیا ملے گی۔لیکن اگر وعدہ نہ ہوتا اور نہ کبھی ملتی صرف علم مل جاتا تو دنیا ومافیہا کی دولت میسر آ گئی تھی کسی دولت کی ضرورت نہیں تھی۔وہ انتہائی ناقدر انسان ہے کہ اللہ اعظم ترین شرف دے اور پھر وہ ارزل ترین چیز کو اس کے مقابلہ میں چاہے یہ تو یہود کا سا قصہ ہو گیا کہ اللہ نے ''من وسلویٰ'' دیا انہوں نے کہا کہ ہمیں تو بقل وپیاز چاہیے۔اس کے مقابلہ میں ذلیل چیزیں چاہیں۔ایک عالم یا مطیع یا طالب حق کی یہ شان نہ ہونی چاہیے کہ اللہ تو اس کے اوپر شرف وکمال

خالص کرے اور وہ اس کے مقابلہ میں نقص وعیب اور بری اور گندی چیزوں کا طالب بن جائے۔ یہ انتہائی بے قدری ہوتی ہے اس میں ڈر ہوتا ہے کہ کہیں مسلم کا شرف بھی نہ چھن جائے۔اس لئے کہ علم پاک چیز ہے۔پاک ہی ظرف میں بھرا جائے گا۔جس ظرف کے اندر گندگی موجود ہو اور وہ غیر اللہ اور دنیا کا طالب بنا ہوا ہے تو ایسا ہی ہے جیسے کسی نے سونے کے ظرف میں نجاست بھر دی ہو۔تو محبت صرف ایک چیز کی رہے۔دنیا استعمال کی چیز ہے محبت کی چیز نہیں۔استعمال جتنا چاہے کرو محبت ایک ذات سے ہونی چاہئے جس کا آدمی طالب ہے تو علم کے شرف کے بعد کسی غیر علم کی طلب کرنا ایسا ہے جیسے ایک عالم طلب کرے کہ میں تو جاہل بن جاؤں تو بہتر ہے۔یہ کوئی دانش ہوگی؟ خدا علم دے اور وہ جہالت کو چاہے۔

تو بہرحال حق تعالیٰ شانہ نے اس چہرے کے اندر مشاعر ادراک رکھ کر گویا اس طرف ایماء (اشارہ) کیا ہے کہ علم اونچی چیز ہے اور جو علم کی طرف منسوب ہوں وہ بھی اونچے بن کر رہیں (اور ان کے اونچے ہونے کا راز استغناء میں ہے دنیا طلبی میں نہیں) وہ نیچے بن کر نہیں رہ سکتے۔اس لئے کہ اللہ نے ان کو یہ شرف دیا ہے اور پھر علم، عمل سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ اسی لئے جو عملی اعضاء ہیں ان کو پست رکھا گیا یعنی ہاتھ کا رخ نیچے کی طرف ہے پیر کا رخ نیچے کی طرف ہے اور ناک کان کا رخ اوپر کی طرف جاتا ہے۔تو عمل والی چیزوں کو حسی طور پر بھی پست رکھا گیا۔اور ان کی وضع بھی ایسی جیسے وہ پستی کی طرف جا رہے ہوں اور کان ناک آنکھ کو اونچا بنایا کیوں کہ یہ علم کی طرف منسوب ہیں۔(خطبات حکیم الاسلام ج۱)

علم اللہ کی اور مال معدے کی صفت ہے

حکیم الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر ایک عالم کی آنکھ گندگی کو پسند کرنے لگے تو کیا یہ دانش کی بات ہوگی؟ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ آنکھ یوں چاہے کہ میں معدہ بن جاؤں میرے اندر نجاست بھر دی جائے تو اللہ نے اس کو لطافت دی اور اس کو کمال دیا اور وہ چاہتی ہے کہ میرے اندر عیب بھر جائے میرے اندر نقص بھر جائے۔تو اللہ نے پاکی بھری ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میرے اندر گندگی بھر جائے یہ تو عقل و دانش کے خلاف اور علم کے بھی خلاف ہے مودت کے بھی خلاف ہے۔اخلاقی طور پر بھی بری چیز ہے اور علمی طور پر تو ہے ہی۔

بہر حال حق تعالیٰ شانہ نے اہل علم کو عزت وعظمت بخشی ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ علم اللہ کی صفت ہے اور مالی معدہ کی صفت ہے تو اللہ کی ذات عالی اور صفات کمال ظاہر ہے کہ ان سے بڑی کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ ساری بھلائیاں انہی کیلئے ہیں اور مال و دولت یہ معدے کی صفت ہے یہ روزانہ متغیر ہونیوالی چیزیں ہیں۔ نہ ان کیلئے بقا ہے اور نہ ان کیلئے دوام ہے۔ یہ ہمہ وقت علی شرف السقوط اور علی شرف الزوال رہتی ہیں۔ ہر وقت افتادہ کا شکار ہونے والی ہیں۔ اگر اللہ کی صفت کسی بندے کے اندر آئے گویا اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو اپنا نمائندہ بناتے ہیں کہ تو میری صفت کا حامل ہے اس کو دنیا کے اندر پھیلا۔ اور وہ کہے کہ میں تو معدے کی صفت کا حامل بننا چاہتا ہوں۔ میں تو گندگی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسے ہی پھیلانا چاہتا ہوں تو ظاہر بات ہے کہ یہ عقل کا کھوٹ ہوگا اور یہ گویا اس منصب کو بٹا لگانے کا باعث ہوگا کہ جس منصب کیلئے اللہ نے اسے دارالعلوم میں جمع کیا کہ یہ طالب علم ہے اس کی سعادت اس کو کھینچ کر لائی ہے کہ ایک مرکز علم میں اسکو پہنچا دیا گیا اس کیلئے یہ شکر کا مقام نہیں ہے کہ اسے کسی سینما کا ملازم نہیں بنایا کسی تھیٹر کا کارکن نہیں بنایا اپنی صفت اور اپنی اونچی صفات میں بھی جو اونچی صفت تھی یعنی علم کی صفت اس کا حامل بنا کر ایسی فیکٹری میں لاکر بٹھا دیا۔ جہاں علم کا چرچا ہوتا رہتا ہے۔

علم ہی کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کتنا بڑا شکر کا مقام ہے کہ اللہ نے آپ کو اپنے (علم کے) لئے منتخب کرلیا اور ان کاموں کیلئے منتخب نہیں کیا جو گندگی کے کام ہیں۔ پاک کام کیلئے منتخب کیا۔ اس لئے اس شرف پر انسان جتنا بھی ناز کرے، شکر کرے اتنا ہی کم ہے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

تو ایک علم ہے جو رضائے رحمٰن کی طرف لے جاتا ہے اور ایک مال ہے جو طغیان کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ اکثر ایک شعر پڑھا کرتے تھے (اس کا ترجمہ یہ ہے) کہ دو چیزیں ہیں جنہوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا ہے کہ ایک سے دوسری جدا نہیں ہوسکتی۔ اور وہ کون سی چیزیں ہیں ایک حکمت اور تقویٰ۔ اس لئے جب علم آئے گا تو خشیۃ اللہ بھی آئے گا خوف خداوندی بھی آئے گا یہ ممکن نہیں کہ علم ہو اور اللہ کا خوف نہ ہو تو علم آیا اس کے ساتھ تقویٰ بھی آیا۔ تقویٰ آیا تو اس کے

ساتھ علم ہونا لازمی ہے۔اور فرمایا کہ مال و دولت اور طغیان یہ بھی ایک وطن کے دو باشندے ہیں۔جب دولت آئے گی تو سرکشی بھی بڑھے گی بغاوت بھی بڑھے گی۔الا یہ کہ آدمی مال کو شرعی طریق پر کمائے۔حلال طریق پر کمائے اور حلال طریق پر خرچ کرے۔اس کے اندر سے انفاق فی سبیل اللہ کرتا رہے تو وہ تمرد اور طغیانی سے بچ جائے گا اس طریق پر بچ جائے تو بچ جائے لیکن مال میں اپنی ذات کے لحاظ سے تو طغیان و تمرد ہی ہے باقی شریعت نے ایسے اصول بتلادیئے ہیں کہ عوارض کے طور پر اس میں پاکی پیدا ہوجاتی ہے وہ بھی جب کوئی پاک کرنا چاہے۔تو ایک اونچی چیز ہے ایک پست چیز ہے۔اللہ نے جس قوم کو اونچی چیز کیلئے منتخب کیا اسے تو اپنی قسمت کے اوپر ناز کرنا چاہئے کہ اللہ نے اپنی صفت کیلئے اور اپنے کمال کے پھیلانے کیلئے ہمیں منتخب کرلیا۔(خطبات حکیم الاسلام ج ۱)

اہل علم اور ان کی ذمہ داریاں

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جتنا بڑا اور رفیع مقام ہوتا ہے اس کے حقوق بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں اس کے واجبات بھی اتنے ہی ہوتے ہیں جن کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔یا تو آپ اس میدان میں پڑے نہ ہوتے لیکن جب آگئے ہیں تو حق ادا کرنا پڑے گا۔

حافظ ضامن شہید جو ہمارے اکابر میں سے ہیں اور شاملی کے میدان میں امیر جہاد تھے اور جھنڈا بھی ان کے ہاتھ میں تھا ان سے کسی نے کہا کہ حضرت میں اپنے بچوں کو قرآن حفظ کرانا چاہتا ہوں تو ہنس کر فرمایا کہ کیوں۔یعنی عمر بھر کی بیماری اس کو کیوں لگاتا ہے؟ اس لئے کہ قرآن یاد کرائے گا تو عمر بھر لازم ہوجائے گا کہ یہ اس کو پڑھتا رہے یاد کرتا رہے۔بھولا تو آخرت میں اس پہ مصیبت آئے گی تو یہ مطلب نہیں تھا کہ قرآن حفظ نہ کرو۔بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب قرآن حفظ کر کے میدان میں آؤ گے تو اس کے حقوق بھی لازم ہوجائیں گے۔اس کی تلاوت بھی لازمی ہوگی اور اس کا تحفظ بھی۔

اس بناء پر یا تو آپ اس میدان میں نہ آئے ہوتے اور جب آگئے تو پھر اخلاقی جرأت سے کام لیکر اس مقام کے حقوق ادا کیجئے مقام تو یہ ہے اور حالت یہ ہے کہ بعض طلباء کے سامنے

تو اگر کوئی امیر آگیا تو وہ اپنی نگاہوں میں اپنے آپ کو ضعیف اور ہیچ سمجھتے ہیں اور خود منفعل ہو جاتے ہیں۔ گویا ان کے دل میں اپنی وضع قطع کو کوئی عظمت نہیں ہے اس شخص کی وضع قطع کی عظمت ہے جو سامنے ہے جھینپ کے یہی تو معنی ہیں کہ میں ہیچ ہوں اور دوسرا مجھ سے بلند ہے اگر طالب علم کا مقام رکھتے ہوئے دوسرے کے آگے جھپیں اور سمجھیں کہ یہ مقام اونچا ہے تو اس نے سارے حقوق کو تلف کر دیا۔ اس کا تو یہ کام ہے کہ نہ ملامت گر کی ملامت کی پرواہ کرے نہ ناصح کی بے جا نصیحتوں کی پرواہ کرے اس مقام کی عزت اور شرف کو سنبھالے۔

حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ جب ایران فتح ہوا تو بغداد تشریف لائے تو کھانا کھا رہے تھے۔ ایک فارسی غلام کھڑا ہوا کھانا کھلا رہا تھا۔ تو ہاتھ سے لقمہ زمین پر گر پڑا تو آپ نے لقمہ اٹھا کے مٹی جھاڑی اور صاف کر کے تناول فرمایا۔ اس غلام نے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا یہ متمدن ملک ہے۔ فارسیوں کا ملک ہے یہ ایک لقمہ جو کہ گندہ ہو چکا تھا اور آپ نے اس کو اٹھا کر کھا لیا تو حضرت حذیفہ نے جواب دیتے ہوئے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کیا میں اپنے حبیب پاک کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے چھوڑ دوں۔ تو اس ایک سنت کی وہ عظمت تھی کہ پورے تمدن کی وہ عظمت ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ اس سنت کا وہ وقار ذہن میں تھا کہ پورے ایران اور خراسان کے تمدن کی کوئی پرواہ نہیں کی یعنی ملامت کرنیوالے ملامت کریں ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہمیں اپنے حبیب پاک کی سنت درکار ہے۔

تو جب تک یہ طمانیت اور اتنا اعتماد اور اتنا اطمینان سنت نبوی کے اوپر نہ ہو اس وقت تک ایک عالم نے اپنے مقام کو پہچانا ہی نہیں۔ اور نہ ہی وہ اپنے مقام کو برقرار رکھ سکا اس کا فرض ہے کہ ایک ایک سنت کی اتنی عظمت کرے کہ پوری دنیا و مافیہا کی اس کے قلب کے اندر وہ عظمت نہ ہو پھر جا کے اس مقام کا حق ادا ہوگا۔

تو آپ ماشاء اللہ ان حقوق کو خوب سمجھتے ہیں سب سے زیادہ سمجھتے ہیں اساتذہ سامنے ہیں کتب سامنے ہیں میری یہ ضرورت نہ تھی کہ میں اہل علم میں کھڑے ہو کر کچھ کہوں لیکن بہر حال کہنے سننے کیلئے کوئی بڑا ہونا ضروری نہیں چھوٹا بھی اپنے بڑوں سے کہہ سکتا ہے ایک ناقص بھی تو ایک کامل کے سامنے کہہ سکتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا

تو عالم بشریت اور عالم کائنات میں کوئی نہیں لیکن آپ مشورہ اپنے چھوٹوں سے بھی فرماتے ہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بعض دفعہ رائے قبول بھی فرمالیتے ہیں۔ بعض دفعہ اس رائے کی توقیر بھی فرماتے ہیں حالانکہ آپ صاحب وحی ہیں۔ اگر کسی سے مشورہ بھی نہ فرماتے تو کوئی ادنی نقص اور کمی نہ رہتی کیونکہ آپ صاحب وحی ہیں۔ مگر تعلیم اور اسوہ حسنہ کے طور پر آپ نے چھوٹوں کو بھی موقع دیا کہ وہ بات کریں ایک ناقص الاستعداد کو بھی علم دیا ہے کہ وہ ایک کامل الاستعداد کے سامنے اپنا خیال ظاہر کرے۔ قابل قبول ہو تو قبول کیا جائے نا قابل قبول ہو تو منہ پر مارا جائے۔

لیکن اگر وہ ناقل ہو تو ناقل کی بات تو ماننا ہی پڑے گی ہاں اگر اپنی رائے ظاہر کرے تو حق ہے کہ آپ دیوار پر دے ماریں۔ لیکن اگر وہ نقل کرے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا پھر تو اگر دیوار بھی نقل کرے گی تو اس کی بھی توقیر کرنی پڑے گی اگرچہ دیوار جمادات میں سے ہے اور آپ ماشاء اللہ انسانات میں سے ہیں۔ اشرف المخلوقات میں سے ہیں لیکن اگر دیوار پر بھی نصیحت لکھی ہوئی ہو تو قبول کرنی پڑے گی جبکہ وہ نصیحت حق ہو۔ تو آپ مجھے ایک دیوار ہی سمجھ لیجئے اور دیواز کیا سمجھ لیجئے ہم سب ہی واقعہ میں دیوار ہیں۔ کیا ہمارا علم؟ کیا ہمارا فہم؟ کیا ہمارا عرفان؟ کوئی کچھ نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنے بزرگوں کا نام لیتے ہیں ان کے کچھ مقولے یاد ہیں وہ نقل کر لیتے ہیں ایک دفعہ ہمارے شیخ حضرت مولانا انور شاہ صاحب دار العلوم کی مسجد میں وعظ فرما رہے تھے۔ تو محبت پیار میں طلبہ کو اکثر جاہلین فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ جاہلین ہمیں تو روٹیاں بھی اس لئے ملتی ہیں کہ پیغمبر کے چند نام ہم نے یاد کر لئے ہیں۔ انہیں کہتے رہتے ہین اس کے طفیل میں ہمیں بھی روٹی ملتی رہتی ہے۔ تو کیا ہمارا علم؟ کیا ہمارا فہم' صرف یہ کہ بزرگوں کے سنے سنائے کچھ مقالات یاد کر لئے کچھ انہوں نے کتابوں میں پڑھا دیا تو کچھ کلمات یاد ہو گئے۔ تو ہم ناقل محض ہیں۔ ہماری ذات کا کیا کمال ہے؟ ذات جب آئے گی تو وہ قابل نفرت ہوگی۔ لیکن اگر نقل کے ساتھ کلام آئے گا تو وہ قابل عظمت ہوگا اس لئے نصیحت کے قبول کرنے میں بڑے چھوٹے کا فرق نہیں سمجھنا چاہئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ اتنا بڑا علم آپ نے کہاں سے حاصل کیا فرمایا کہ بہت زیادہ پوچھ گچھ کرنے والی زبان کی بدولت اور بہت زیادہ سمجھنے والے دل کی بدولت مجھے یہ علم حاصل ہوا۔

تو علم کے میدان میں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہئے کہ کہنے والا چھوٹا ہے یا ناقص الاستعداد ہے۔ یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اس کا ذاتی قول ہے یا منقول ہے۔ اگر منقول ہے تو واجب القول ہے۔ غیر منقول ہے تو پھر وہ غیر معقول بھی ہے اور اس کو قبول کرنا کوئی ضروری بھی نہیں ہے تو پھر جو اس میں غلطی ہے وہ اپنے نفس کی ہے اور جو خیر ہے وہ اللہ اور اسی کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے اور اہل اللہ کی طرف سے ہے اس واسطے اس کے قبول کرنے کی ہمیں توقع رکھنی چاہئے۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کو اور ہمیں اپنی مرضیات پر چلائے اور مقبولیت کے راستے عنایت فرمائے اور انجام بخیر فرمائے آمین۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱)

عالم کی فضیلت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم سے ادنیٰ آدمی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور شان تو یہ ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(اللہ کے بعد سب سے عظیم المرتبت شخصیت جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے)

جب آپ تمام انبیاء سے اور سب ملائکہ سے افضل ہیں تو اولیاء کس پوچھ میں ہیں اور اُمت کے ادنیٰ آدمی تو کس شمار میں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تو کوئی بھی نہیں ہے نہ علم میں نہ حال میں نہ عمل میں نہ کمال میں نہ عبادت میں نہ درجات قرب میں۔ خود ارشاد فرماتے ہیں:

آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ

”کہ آدم علیہ السلام اور ان کے سوا سب آدمی قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے ہوں گے۔“

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات دیکھنے سے یہ بات واضح ہے کہ حضورؐ کے برابر بھی کوئی نہیں، زیادہ تو کیا ہوتا پھر اُمت پر اور اس میں بھی ادنیٰ اُمتی پر تو کس قدر فضیلت ہوگی۔ حضور فرماتے ہیں کہ عالم کی فضیلت عابد پر اس درجہ کی ہے جس درجہ میری فضیلت ہے ایک ادنیٰ اُمتی پر، یہ تو حدیث کا ترجمہ ہوا، اب میں اس غلطی پر متنبہ کرتا ہوں جس میں لوگ مبتلا ہیں اور اسی لیے اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ (خطبات حکیم الامت ج ۷)

علم کی کیمیا

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں سچ کہتا ہوں کہ علم میں خود وہ لذت ہے جس کے سامنے تمام وہ لذتیں ہیچ ہیں۔ عالم ہوکر دنیا کی طمع ہو تعجب ہے۔ دنیا ہے کیا چیز؟ علم کے سامنے اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ رہا روٹی کپڑا سو اس سے بے فکر رہو۔ جس کے پاس علم ہو وہ بھوکا نہیں رہا کرتا اور اس سے زیادہ کی تم کو ضرورت نہیں۔ پس اہل علم کو استغنا کے ساتھ رہنا چاہیے کہ اہل دنیا کو ہرگز یہ وسوسہ بھی نہ آسکے کہ علماء کو ہماری طرف سے احتیاج ہے۔

صاحبو! کیا تم کیمیا گر سے بھی گئے گزرے ہوگئے کہ وہ ذرا سی بے حقیقت چیز پر ایسا مستغنی ہو جاتا ہے کہ نوابوں اور بادشاہوں کی بھی اپنے سامنے کچھ حقیقت نہیں سمجھتا اور تمہارے پاس اتنی بڑی کیمیا ہے جس کے سامنے ہزار کیمیا گرد ہیں۔ یہ علم کی کیمیا وہ چیز ہے جس سے جنت اور رضائے حق نصیب ہوتی ہے۔ جس کے آگے واللہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ ہے۔ پھر حیرت ہے کہ تم اتنے بڑے کیمیا گر ہوکر اہل دنیا کی خوشامد کرو ان کے روپے پیسے پر نظر کرو۔

پس تم کو اس کی فکر نہ کرنی چاہیے کہ سب لوگوں کو عالم بنانے کے بعد ہم کو کون پوچھے گا۔ میں کہتا ہوں کہ تم کو خدا پوچھے گا جس کے ہاتھ میں زمین وآسمان کے خزانے ہیں۔ اور جب تم کو خدا پوچھے گا تو وہ ہرگز تم کو بھوکا نہ مارے گا۔ پھر تم کو کیا فکر، لہٰذا علم دین کی تعلیم عام ہونی چاہیے جس کا طریقہ میں بتلا چکا ہوں۔

اب صرف عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ رہ گیا۔ سو عورتوں کو ان کے مرد پڑھا دیا کریں اور جب ایک عورت تعلیم یافتہ ہو جائے تو پھر وہ بہت سی عورتوں کو تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے۔

لیجئے میں نے ایسا طریقہ بتلا دیا جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں سب مسلمان عالم بن

سکتے ہیں مگر اس طریقہ پر عمل کرنا شرط ہے اور وہ بھی استقلال کے ساتھ۔ مگر افسوس یہی ہے کہ مسلمانوں میں استقلال نہیں۔ کسی کام کو نباہ کر نہیں کرتے اور علم نباہنے کی چیز ہے کیونکہ اس کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ تو ساری عمر کا کام ہے ۔

اندریں رہ می تراش وی خراش تادم آخردمے فارغ مباش

تادم آخردمے آخربود کہ عنایت باتوصاحب سربود

(اس راہ سلوک میں ادھیڑ بن میں لگے رہو یعنی خوب کوشش کرو آخر دم تک بے کار نہ رہو آخری وقت تو کوئی گھڑی ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہمراز اور رفیق بن جائیگی)

جیسا کہ ایک ظریف بزرگ نے ایک لڑکے کی بابت پوچھا تھا کہ یہ کیا پڑھتا ہے۔ باپ نے کہا کہ حضرت قرآن حفظ کرتا ہے فرمایا ارے بھائی کیوں جنم روگ لگایا۔ انہوں نے قرآن حفظ کرنے کو جنم روگ کہا۔ کیونکہ واقعی قرآن کا حفظ کرنا تو ایک دو سال کا کام ہے مگر اس کی نگہداشت ساری عمر کا کام ہے۔ جہاں ذرا غفلت کی اور یہ ذہن سے نکلا۔ اس لئے ہر سال اس کا دور اور تکرار کرنا اور محراب سنانا اور روزانہ منزل پڑھتے رہنا ضروری ہے۔ اس لئے اس کو جنم روگ کہا۔ مگر ایسا روگ مبارک ہے۔ جس سے خدا راضی ہو۔

اسی طرح سمجھ لو کہ یہ علم بھی جنم روگ ہے۔ اسکا سلسلہ ساری عمر باقی رکھنا چاہیے۔ حدیث میں ہے: **منهو مان لايشبعان طالب الدنيا وطالب العلم** (کنز العمال: ۲۸۹۳۲)

یعنی دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے ایک طالب دنیا کہ دنیا سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ دوسرے طالب علم، جب علم کا چسکا اس کو لگ جاتا ہے تو پھر اس کو پیٹ بھی علم سے نہیں بھرتا اور وجہ یہ ہے کہ علم کا سلسلہ غیر متناہی ہے تو اس کی طلب بھی غیر متناہی ہوتی ہے ۔

اے برادر بے نہایت در گہیست ☆ ہر چہ بردے میرسی بروے مالیست

(اے بھائی بے انتہا درگاہ ہے جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھہرو، آگے ترقی کرو)

اگر آپ یہ کہیں کہ ساری عمر کا سلسلہ تو ہم سے نہیں ہوسکتا ایک دو دن کا کام ہو تو کرلیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ پھر کھانا بھی چھوڑ دیجئے اور کہہ دیجئے کہ ہم سے یہ دو وقت کی روٹی کا دھندا نہیں ہوسکتا۔ آخر اس دھندے کو ساری عمر کے لئے آپ نے کیوں کر گوارا کرلیا

ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ تو غذا ہے جس پر زندگی موقوف ہے میں کہتا ہوں کہ وہ جسمانی غذا ہے اور علم روحانی غذا ہے۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲۷)

علم کی فضیلت

روحانی زندگی علم ہی پر موقوف ہے اور جس طرح روٹی کھانا آپ کو روزانہ سہل ہے اسی طرح آپ علم میں مشغول ہو کر دیکھیں پھر وہ بھی آپ کے لئے سہل ہو جائے گا۔ اور جب علم کا چسکہ لگ جائے گا تو پھر آپ کو اس کے بغیر چین نہ آئے گا۔ پھر اس میں ایک بڑا نفع یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا اس سے حاصل ہوتی ہے۔ جو شخص طالب علم میں مرتا ہے اس کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔

صاحبو! حق تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہونے کے واسطے بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ امام محمدؒ کو کسی نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا، کیا حال ہے؟

فرمایا، مجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا حکم ہوا کہ اے محمد! مانگو کیا مانگتے ہو میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کر دی جائے۔ ارشاد ہوا کہ اگر ہم تم کو عذاب کرنا چاہتے تو علم عطا نہ کرتے۔ تم کو ہم نے اپنا علم اس لیے عطا کیا تھا کہ ہم تم کو بخشنا چاہتے تھے۔ لہٰذا مغفرت تو ہے ہی کچھ اور مانگو۔ سبحان اللہ دیکھئے! علم دین کی کیسی فضیلت ہے۔ واقعی حق تعالیٰ بخشنے کے واسطے بہانہ ڈھونڈھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ایک جگہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ (النساء: ۱۴۷)

یعنی اگر تم خدا کی نعمتوں کا شکر کرو جس کی تفسیر یہ ہے کہ ایمان لے آؤ۔ یہ واؤ عطف تفسیری کے لئے ہے تو حق تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے۔ یعنی تمہارے عذاب کرنے میں خدا کا کون سا نفع ہے اور حق تعالیٰ بڑے قدردان ہیں۔ جاننے والے ہیں ان کو سب خبر ہے کہ کون ایماندار ہے اور کون نہیں اور وہ ہر مسلمان کے ایمان کی قدر فرمائیں گے۔

اس آیت میں کیسی بلاغت ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو ہم تم کو عذاب نہ کریں گے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ہم تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے۔ اس عنوان میں جس قدر بلاغت ہے اہل لسان واہل ذوق اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ واقعی حق تعالیٰ کا ہمارے عذاب میں کیا نفع ہے۔ وہ تو ہر وقت بخشنے کے لئے تیار ہیں۔ کوئی اپنے کو بخشوانا بھی چاہے۔

ایک بت پرست ہمیشہ بت کو پوجتا تھا اور نوے سال تک صنم صنم کا ورد کرتا رہا۔ایک دن بھولے سے اس کی زبان سے بجائے صنم کے صمد نکل گیا۔فوراً آواز آئی لبیک یاعبدی لبیک کہ اے میرے بندے میں موجود ہوں ۔ اس آواز پر وہ رونے لگا اور بت کو اٹھا کر پھینک دیا کہ کمبخت تجھ کو نوے سال تک میں پکارتا رہا اور تو نے ایک دن بھی میری بات کا جواب نہ دیا۔ میں قربان جاؤں اس خدا کے جس سے نوے سال تک میں بے رخی کرتا رہا اور ایک بار بھولے سے اس کا نام زبان سے نکل گیا تو اس نے فوراً مجھ پر توجہ کی۔

صاحبو جب ایک بت پرست کے بھولے سے یاد کر لینے پر اتنی توجہ ہوتی ہے تو کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں پر متوجہ نہ ہوں گے۔اگر وہ خدا کو راضی کرنا چاہیں تو وہ ضرور متوجہ ہوں گے۔ ذرا آپ خدا کو راضی کرنے کا قصد تو کیجئے۔وہ تو یوں فرماتے ہیں۔

باز آباز آہر آنچہ ہستی باز آ ☆ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ مادر گہ نومیدی نیست ☆ صد بار اگر تو بہ شکستی باز آ

(تو جیسا بھی گنہگار ہے اپنے گناہ سے باز آجا اگر چہ تیرے گناہ کفر، آتش پرستی اور بت پرستی ہی کیوں نہ ہوں، ہمارا دربار مایوسی اور ناامیدی کا دربار نہیں،سو دفعہ بھی اگر تو نے توبہ توڑ ڈالی ہے تو توبہ کر لے)

تو علم میں یہ کتنا بڑا نفع ہے۔کہ اس سے رضائے حق نصیب ہوتی ہے۔اس لئے اس کے سلسلہ کو بند نہ کرنا چاہیے ۔ اور اگر کبھی سلسلہ ٹوٹ جائے تو اس کو پھر جوڑ لینا چاہیے۔ اگر کسی سے پابندی کے ساتھ نہ ہو سکے تو بدون پابندی ہی کے علم حاصل کرتا رہے۔نہ ہونے سے ہونا پھر بھی غنیمت ہے ۔ اسی طرح کرتے کرتے ان شاء اللہ ایک دن نظام بھی پیدا ہو جائے گا۔مولانا فرماتے ہیں۔

دوست دارو دوست ایں آشفتگی ☆ کوشش بیہودہ بہ از خفتگی!

(محبوب حقیقی اس آشفتگی و بدنظمی کو دوست رکھتے ہیں کیونکہ ایسی کوشش بھی کچھ نہ کرنے سے بہتر ہے)

واقعی مولانا بڑے حکیم ہیں کسی حال میں بھی سالک کو مایوس نہیں کرتے فرماتے ہیں کہ اگر ذکر و شغل میں پابندی اور انتظام نہ ہو تو اسی طرح بغیر پابندی اور بے ڈھنگے پن ہی سے کرتے رہو۔ دوست کو یہ بھی محبوب ہے ۔ آگے دلیل کیا عمدہ بیان فرمائی کہ بے ڈھنگی

کوشش سو رہنے سے تو بہتر ہی ہے۔ کیونکہ یہ شخص کوشش تو کر رہا ہے اور جو بالکل ہی چھوڑ کر الگ ہو گیا تو وہ اتنی کوشش بھی نہیں کرتا۔ (خطبات حکیم الامت ج ۲)

علم کی قدر

بخدا! بعض دفعہ جو کوئی نیا علم قلب پر وارد ہوتا ہے تو اس کا لطف ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی مجھے اس کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی سلطنت دینا چاہے تو میں ہرگز گوارا نہ کروں۔ اگر قدر شناسی ہو تو ایک نکتہ کا علم ایسا ہوتا ہے جس کے سامنے ساری دنیا گرد ہے۔ چنانچہ شعراء جب کبھی عمدہ شعر کہتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ یہ شعر ہزار روپے کا ہے لاکھ روپے کا ہے۔

ایک شاعر تھا۔ ایک لڑکا اس سے شعر سیکھتا تھا۔ اس نے بیاض بنا رکھی تھی جس میں استاد کا کلام جمع کرتا رہتا تھا۔ کبھی استاد اس سے یہ کہتا کہ یہ شعر پانچ سو روپیہ کا ہے۔ کبھی یہ کہتا کہ یہ شعر ہزار روپے کا ہے۔ وہ لڑکا خوش ہو کر سب شعروں کو لکھتا جاتا۔ ایک دن اس کی ماں نے کہا کہ تو کیا کرتا ہے، نہ کچھ کماتا نہ لاتا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے پاس اس وقت لاکھوں روپیہ کے اشعار جمع ہیں۔ کوئی شعر پانچ سو روپیہ کا ہے کوئی ہزار کا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کہ اچھا آج تو ہمیں ایک پیسہ کی ترکاری لادے۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ آپ کنجڑن کے پاس گئے کہ مجھے ایک پیسہ کی ترکاری دے دے۔ اس نے کہا، لاؤ پیسہ تو آپ نے اس کو ایک شعر سنا دیا کہ ہمارے پاس پیسہ تو نہیں البتہ یہ شعر تم لے لو، یہ پانچ سو روپیہ کا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے ان پانچ سو روپیہ کی ضرورت نہیں، مجھے تو آپ ایک پیسہ لا دیجئے جب ترکاری ملے گی۔

لڑکے کو بہت غصہ آیا اور استاد سے جا کر کہا، لیجئے اپنی بیاض! آپ نے مجھے بہت دھوکا دیا۔ یہ اشعار تو ایک پیسہ کے بھی نہیں اور آپ کہا کرتے تھے کہ یہ ہزار روپے کا ہے یہ دو ہزار روپے کا ہے۔ اس نے پوچھا کہ صاحبزادے تم یہ اشعار کس کے پاس لے گئے تھے۔ کہا، میں نے ایک کنجڑن کو ایک شعر دینا چاہا تھا۔ اس نے ایک پیسہ کو بھی نہ لیا۔ استاد نے کہا، تم نے بڑی غلطی کی۔ ان جواہرات کے فروخت کرنے کیلئے وہ بازار نہ تھا جہاں تم ان کو لے گئے۔ ان کا بازار دوسرا ہے۔ وہاں ان کی قیمت معلوم ہوگی۔ اب تم ہمارا افلاں قصیدہ بادشاہ کے دربار میں جا کر پڑھو اور کہہ دینا کہ یہ قصیدہ میں نے خود لکھا ہے۔ پھر تم کو ان کی قدر معلوم ہوگی چنانچہ لڑکا بادشاہی دربار میں گیا اور وہاں جا کر وہی قصیدہ بادشاہ کو سنایا

پھر تو ہزاروں روپے انعام میں ملے اور خلعت وغیرہ بھی دیا گیا۔اس وقت میں لڑکے کو معلوم ہوا کہ واقع میں استاد سچا تھا۔میں نے ہی غلطی کی کہ ان جواہرات کو دوسرے بازار میں لے گیا۔اگر قدر نہ ہو تو واقعی علمی نکات اس پیسہ کے بھی نہیں۔جیسے اس کنجڑن نے کہا تھا۔اور اگر قدر ہو تو پھر ان کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

دہلی میں ایک شاعر کی زبان سے بے ساختہ ایک مصرع نکل گیا۔

لختے برواز دل گزر دہر کہ زپیشم

(میرے سامنے سے جو بھی حسین گزرتا ہے وہ ایک ٹکڑا دل کا لے جاتا ہے)

اب آگے دوسرا مصرع نہیں آتا تھا۔بہت پریشان ہوا مگر اگلا مصرع ہی نہ آیا۔ایک دن وہ اسی فکر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خربوزہ بیچنے والا گزرا جس نے کسی شاعر سے ایک مصرع بنوالیا تھا یا خود اسی نے بنالیا تھا اور وہی مصرع صدا کی بجائے کہتا جارہا تھا یعنی۔

من قاش فروش دل صد پارۂ خویشم (میں اپنے دل صد پارہ کی ایک ایک پھانک بیچتا ہوں)

شاعر اس مصرع کو سنتے ہی پھڑک اٹھا اور دوڑا ہوا اس کنجڑہ کے پاس گیا کہ بھائی یہ مصرع تو تو مجھ کو دے دے اور جتنے روپے تو کہے، مجھ سے لے لے کیونکہ میرا ایک مصرع نا تمام پڑا ہوا ہے اس کا جوڑ یہی مصرع ہو سکتا ہے۔غرض پانچ سو روپے میں یہ بات طے ہوئی اور یہ شاعر پانچ سو روپیہ میں ایک مصرع خرید لایا۔اب اس کے پاس پورا شعر ہو گیا۔

لختے برواز دل گزر دہر کہ زپیشم ☆ من قاش فروش دل صد پارۂ خویشم

(میرے سامنے سے جو (حسین) گزرتا ہے وہ ایک ٹکڑا دل کا لے جاتا ہے، میں اپنے صد پارہ دل کی ایک ایک قاش بیچتا ہوں)

شاید آپ کی سمجھ میں مصرع خریدنے کا مطلب نہ آیا ہوگا۔اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ مصرع تو میری طرف منسوب کر دیا کرنا، اپنی طرف منسوب مت کرنا۔بس اتنی بات کے اس نے پانچ سو روپے دے دیئے تھے۔سو وجہ کیا تھی وہی قدر دانی۔کیونکہ شاعر ہی اس کی قدر جان سکتا ہے۔تو صاحبو! قدر وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ایک علمی نکتہ ہزار مال و دولت سے بہتر ہوتا ہے۔

اس پر مجھے ایک اور حکایت یاد آئی۔دہلی میں احمد مرزا فوٹو گرافر ہیں۔فوٹو اتارنے میں یہ اپنے فن میں ماہر ہیں مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کے بعد انہوں نے

زندہ کی تصویر بنانے سے توبہ کرلی ہے۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ ایک جنٹلمین میرے پاس آیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ آپ کے پاس مہدی علی خان کا فوٹو ہے یا نہیں۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے اس سے کہہ دیا کہ بھائی اب تو میں نے اس سے توبہ کرلی ہے اور سب فوٹو تلف کر دیئے ہیں۔ کہنے لگا شاید کوئی پڑا ہوا نکل آوے۔ انہوں نے کہا، تم اس ردی میں تلاش کرلو شاید اس میں ہو۔ اس نے ردی میں تلاش کیا تو وہ فوٹو مل گیا جو نہایت صحیح تھا۔ اس نے پوچھا اس کی قیمت کیا ہے؟ احمد مرزا نے کہہ دیا کہ اب تو کچھ بھی نہیں۔ اس نے کہا میں اس شخص کا فوٹو مفت نہیں لے سکتا۔ کیونکہ یہ اس شخص کی نہایت توہین ہے یہ ایسا شخص نہیں جس کا فوٹو بلا قیمت لیا جائے۔ احمد مرزا نے کہا کہ مجھے تو اس کی قیمت لینا جائز نہیں کیونکہ شرعاً یہ مال متقوم نہیں۔ اس نے کہا، پھر میں تو مفت نہ لوں گا۔ آپ اس کی قیمت نہ سمجھیں، میری طرف سے ہدیہ سمجھ لیں اور یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا تو تیرہ روپے نکلے۔ اس نے وہ سب ان کو دے دیئے اور کہا افسوس ہے اس وقت میری جیب میں اتنے ہی روپے تھے ورنہ میری نیت پچاس روپے دینے کی تھی اس وقت تو آپ اسی رقم کو ہدیہ قبول کر لیجئے۔ غرض بہت اصرار سے وہ شخص تیرہ روپے ایسے مال کے دے گیا۔ جو مالک کے نزدیک ایک کوڑی کا بھی نہ تھا۔

غرض ہر فن کی قدر کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ کیسی قابل قدر چیز ہے پھر یہ تو دنیا کا علم تھا اور اس علم کا کیا پوچھنا جو کہ دین کا علم ہے جو کہ آخرت کا ساتھی اور رضائے حق کا وسیلہ ہے۔

علم چوں بردل زنی یارے شود ☆ علم چوں برتن زنی مارے شود

(علم اگر دل پر اثر کرے تو وہ دوست (معین) بن جاتا ہے، اور اگر علم دل میں اثر نہ کرے تو سانپ بن جاتا ہے) (خطبات حکیم الامت ج ۲)

علم اور خشیت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں) اس آیت میں علم خشیت کے لئے شرط ہے علت نہیں ہے اس کی تفسیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں کہ علم کو علت خشیت سمجھتے ہیں اس لئے اس پر یہ اشکال بھی وارد ہوتا ہے کہ آیت کا مقتضا تو یہ ہے کہ کوئی عالم خشیت سے خالی نہ ہو اور کسی مولوی سے گناہ کا

صدور نہ ہو حالانکہ اس کے خلاف مشاہدہ ہوتا ہے، یہ اشکال پہلے مجھے بھی ہوتا تھا پھر خود بخود قلب پر یہ بات وارد ہوئی کہ اس کا حصر کا مفہوم تو یہ ہے کہ ''لا یخشی اللّٰہ من عبادہ الا العلماء'' کا خلاصہ یہ ہوا کہ ''لا خشیۃ الا بالعلم'' نہ کہ ''لا علم الا بالخشیۃ'' پس یہ حصر ایسا ہو گیا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لا صلوۃ الا بطھور کہ نماز بدون وضو کے نہیں ہوتی جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا جہاں وجود ہوگا وضو کے ساتھ ہوگا، بدون وضو کے نہ ہوگا، یہ تو مطلب نہیں کہ جب وضو کا وجود ہو تو اس کے ساتھ نماز کا وجود بھی لازم ہو اسی طرح یہاں پر علم شرط خشیت ہے کہ جہاں خشیت ہے وہاں علم ضرور ہے گو وہ مولوی بھی نہ ہو کیونکہ جاہل بھی اللہ سے ڈرتا ہے تو اسے کم از کم عذاب ہی کا علم ہے تو خشیت بدون علم کے اس کو بھی نہیں ہوتی باقی یہ ضروری نہیں کہ جہاں علم ہو وہاں خشیت لازم ہو کیونکہ علم اس کی علت نہیں۔ اور علت کا وجود تو معلول کے وجود سے مستلزم ہوتا ہے مگر شرط کا وجود مشروط کے وجود کو مستلزم نہیں ہوتا ہاں انتفاء شرط انتفاء مشروط کو بے شک مستلزم ہوتا ہے سو ایسی نظیر کوئی نہیں دکھا سکتا کہ کہیں خشیت کا وجود بدون علم کے ہو گیا ہو تو علم لوازم خشیت سے ہوا نہ کہ خشیت لوازم علم ہے۔

بہرحال اس آیت کی تفسیر میں بہت لوگوں نے غلطی کی ہے۔ اس لئے میں نے متنبہ کر دیا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ علوم معقولہ سے فہم قرآن میں بہت سہولت ہو جاتی ہے چنانچہ شرط اور علت کا نام سنتے ہی طلبہ فوراً سمجھ گئے ہوں گے کہ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے یہ کام کی بات تھی اس لئے درمیان میں بیان کر دی گئی، غرض جو لوگ طالب دنیا ہوں ان کا تو ذکر نہیں مگر طالب حق جو صاحب خمود ہی ہو ہرگز کسی طمع کی وجہ سے نماز کو قضا نہیں کر سکتا، پس اس کا اپنے کو محبت سے خالی سمجھنا غلط ہے اگر محبت سے محروم ہوتا تو نماز سے اتنی محبت نہ ہوتی اور طالب ہو کر بھلا محروم کیونکر ہو سکتا ہے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ایک کرامت

مولوی حافظ محمد اسماعیل صاحب مولانا احمد رضا خان کی صاحب بریلوی کے شاگرد اور مرید و خلیفہ تھے اور ان کے مسلک کے زبردست مناد اور مبلغ تھے اور دیوبند کے شدید مخالف تھے دار العلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی علمیت' احسان وسلوک میں

ممتاز حیثیت کا شہرہ سنا تو اپنے بیٹے ضمیر احمد کو پہلے دارالعلوم دیوبند کی شاخ مدرسہ مدرالاسلام شاہ گنج میں داخل کیا پھر تکمیل کیلئے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا جہاں آپ کو اپنڈکس کا شدید درد اٹھا جسے رشتہ داروں اور متعلقین نے دیوبند کی نحوست قرار دیا اور ان کے والد مولوی محمد اسماعیل کو فوراً دیوبند پہنچنے کا مشورہ دیا چنانچہ مولوی محمد اسماعیل صاحب اپنے بیٹے کی تیمارداری اور واپس لے جانے کی غرض سے دیوبند پہنچے اور صرف اپنے بیٹے ہی کے پاس قیام کو محصور کر دیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ مولوی ضمیر احمد صاحب روبصحت ہونے لگے تو ایک دن آپ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ والد صاحب کو مزار قاسمی پر لے جاؤ کیونکہ آپ اب تک کی زندگی میں ان ہی بزرگوں کو برا بھلا کہتے رہے تھے اس لئے بڑی ردوقدح اور اصرار کے بعد ان کے مزاروں پر حاضری کیلئے تیار ہوئے وہاں پہنچنا تھا کہ عجیب وارفتگی کا حال ہوا' مراقب ہوئے اور دیر تک بیٹھے رہے' عصر اور مغرب کی نمازیں وہیں مزار سے متصل مسجد میں ادا کیں' مغرب کے بعد واپس آئے تو عجیب حال ہو رہا تھا آنسوؤں کا سیلاب امڈ چلا آ رہا تھا۔ استغفار کے کلمات ورد زبان تھے' توبہ توبہ کی رٹ تھی کہ ہائے ہم نے ان علماء حق اور بزرگان دین کو بہت برا بھلا کہا تھا مگر یہاں تو ان کی قبریں اس قدر منور ہیں اور اس قدر کشش والے یہ انسان ہیں کہ اپنے علماء حتی کہ احمد رضا خان وغیرہ میں بھی یہ بات بالکل نہیں ہے۔ آخر میں حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے۔ (چراغ محمد)

اخلاص کی قوت و برکت

حضرت علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہ سے حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی (ثم المدنی) رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ: ''اگر جامع ترمذی وغیرہ پر کوئی شرح تالیف فرما دیتے تو پس ماندگان کے لئے سرمایہ ہوگا۔''

حضرت علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہ نے غصہ میں آ کر فرمایا کہ: ''زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھا کر پیٹ پالا کیا آپ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد میری حدیث کی خدمت بکتی رہے۔''

ف:۔حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں گیارہ بارہ سال تک کوئی تنخواہ نہیں لی۔آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ سے بار بار طلب کیا گیا، بڑی بڑی تنخواہیں پیش کی گئیں۔لیکن آپ نے کبھی بڑی تنخواہوں کو ترجیح نہیں دی اور ہمیشہ دیوبند اور ڈابھیل کے خشک خطوں ہی کو پسند فرمایا۔ نور اللہ ضریحہ وطاب ثراہ وجعل الجنة مثواہ۔(حیات انور ص ۱۸۳)

احترام علم

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم سے بہت سی چیزوں میں اختلاف ہے۔قیام، عرس، میلاد وغیرہ مسائل میں اختلاف رہا مگر جب مجلس میں ذکر آتا تو فرماتے۔مولانا احمد رضا خان مرحوم ایک دفعہ مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص نے کہیں بغیر مولانا کے احمد رضان کہہ دیا تو حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا کہ عالم تو ہے اگرچہ اختلاف رائے ہے تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو کس طرح جائز ہے۔

ف: رائے کا اختلاف اور چیز ہے اور اس عالم کی عزت کرنا اور چیز ہے تو بہر حال وہ حجت سے اختلاف کرنا الگ چیز ہے۔یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو خطاء سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے مگر ان کی توہین اور بے ادبی کرنا برا ہے۔اسی لئے مولانا تھانویؒ نے مولانا کا لفظ نہ کہنے پر برا مانا حالانکہ مولانا تھانویؒ کے مقابل جو مولانا تھے وہ انتہائی گستاخی کیا کرتے تھے۔مگر مولانا تھانویؒ اہل علم میں سے تھے وہ تو نام بھی کسی کا آیا تو ادب ضروری سمجھتے تھے چاہے بالکل معاند ہی کیوں نہ ہو مگر ادب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔(الحق ص ۱۷)

اصاغر نوازی

مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ صاحب فراش ہونے سے قبل خود ہی فتووں کے جوابات تحریر فرمایا کرتے تھے مگر جب سے علالت کا سلسلہ شروع ہوا اور جب دیکھا کہ بیماری دائمی صورت اختیار کر گئی تو اس وقت حضرت نے یہ کام ترک فرما دیا اور دوسروں کے سپرد فرمایا۔کافی عرصے تک مختلف اصحاب علم انجام دیتے رہے۔اب یہ کام حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

مدظلہ کے سپرد ہے۔اس درمیان میں جو صاحب بھی حضرت سے مسئلہ پوچھتے تھے تو فرماتے تھے کہ بھائی یہ کام میں نے بہت دنوں سے ترک کر دیا ہے اور اب مسائل بھی مستحضر نہیں رہے۔اس لئے نیچے کی منزل میں جا کر مفتی صاحب سے دریافت کرو۔(تذکرہ حسن ص ٦٦)

اکابر کا احترام

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جب کانپور سے تعلق چھوڑ کر وطن واپس آئے تو اُن کے ذمہ ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب قرضہ تھا۔حضرت تھانویؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ:۔''حضرت! دعا فرمادیں کہ قرض اُتر جائے''حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔اگر ارادہ ہو تو (دارالعلوم) دیوبند ایک مدرس کی جگہ خالی ہے‘ میں وہاں لکھ دوں''حضرت تھانویؒ نے عرض کیا کہ:۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ جب کانپور سے تعلق چھوڑ دو تو پھر کسی جگہ ملازمت کا تعلق نہ کرنا لیکن اگر آپ فرمادیں تو میں کرلوں گا اور یوں خیال کرلوں گا کہ یہ بھی حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحبؒ کا ہی حکم ہے۔گویا ایک ہی ذات کے دو حکم ہیں۔مقدم منسوخ ہے اور مؤخر ناسخ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا:نہیں‘نہیں جب حضرت (حاجی صاحبؒ) نے ایسا فرمادیا ہے تو ہرگز اس کے خلاف نہ کریں باقی میں دعا کرتا ہوں۔الکلام الحسن ج ا ص ١٠٦۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی ضیافت

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مظفر نگر میں ایک تھانیدار معتقد تھا۔ایک دن اس نے حضرت مولانا نانوتویؒ کی دعوت کی مولانا نے دیکھا تھا کہ تھانیدار کی کمائی مشتبہ اور مشکوک ہے اس وجہ سے اس کی دعوت کو نامنظور فرمادیا۔تھانیدار نے دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ معلوم کی تو حضرت نے فرمایا میں معذور ہوں۔اس نے کہا کہ اگر آپ بیمار ہوں تو علاج کرادوں۔حضرت نے فرمایا نہیں کوئی اور عذر ہے۔اس نے کہا اگر جانے میں تکلیف ہو تو سواری کا انتظام کردوں۔حضرت نے فرمایا یہ مجبوری نہیں بلکہ دوسرا عذر ہے۔اس نے پھر درخواست کی کہ کھانا آپ کے یہاں بھیج دوں۔آپ نے انکار فرمایا اس نے عرض کیا میں خود

حاضر ہو کر کھانا پیش کروں گا۔ حضرتؒ نے صاف انکار فرما دیا۔ وہ تھانیدار ایک دم غصہ ہو گیا اور کہا کہ آپ نہ بزرگ ہیں اور نہ نیک کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دعوت قبول کرو اور آپ قبول نہیں کرتے۔ اس پر مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ جو عیوب تو نے بیان کئے ہیں ان سے زیادہ عیوب کا مرتکب اور مستحق ہوں۔ اس وقت تھانے دار کو ہوش آیا اور سوچا تو معلوم ہوا کہ حضرت میری دعوت میرے مال کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے رد فرما رہے ہیں۔ اس نے اسی دن سے تھانیداری چھوڑ دی۔ کچھ دنوں بعد پھر دعوت کی اور عرض کیا کہ:

''حضرت! اب میری اپنی جائیداد کی حلال کمائی ہے آپ کی دعوت کرتا ہوں''

مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دعوت منظور فرمالی اور اس سے فرمایا کہ:۔

''ملازمت بھی کرو لیکن دیانتداری سے کام لو کیونکہ تھانیداری کرنا دیانت داری کے ساتھ تمام بھلائیوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ محتسب کے درجہ میں تھانے دار ہوتا ہے''

ف:۔ پس معلوم ہوا کہ امر بالمعروف کیلئے حکمت عملی اور نرمی کا ہونا ضروری ہے۔

(فلسفہ نماز و تبلیغ ص ۱۹۔۲۰)

باہمی محبت

مولانا محمد یٰسین صاحب ناظم تعمیر و ترقی مدرسہ قاسم العلوم ملتان نے بتایا کہ ایک دفعہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تیمارداری کے لئے ملتان تشریف لے گئے شاہ صاحب اُٹھے اور معانقہ کے بعد دونوں ہاتھوں سے چہرہ تھام لیا مولانا بنوریؒ صاحب نے سمجھا کہ شاید پہچان رہے ہیں فرمایا' یوسف بنوری ہوں' یوسف بنوری' شاہ صاحبؒ چہرہ کو ٹک ٹک دیکھے جا رہے تھے سن کر فرمایا:۔

''مجھے تو انور شاہ کا چہرہ معلوم ہوتا ہے' اور اس کے بعد زار و قطار رونے لگے۔ (حکایات اسلاف)

علم کی خاطر مجاہدات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوران تعلیم رات کو تکرار کرنے دارالعلوم تشریف لے جاتے اور جب گھر واپسی ہوتی تو کبھی رات کا ایک بج جاتا کبھی دو'

حضرت نے دارالعلوم کراچی کے طلبہ کو ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''رات کو والدہ میرا انتظار کرتی تھیں کہ کھانا گرم کر کے دیں۔ان کے انتظار میں مجھے تکلیف ہوتی تھی بڑی منت سماجت سے اس پر راضی کیا کہ میرا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کریں' سردیوں کی راتوں میں شوربہ اوپر سے بالکل جم جاتا اور نیچے صرف پانی رہ جاتا میں وہی کھا کر سو جایا کرتا''

ف:اس واقعہ سے حضرت مفتی صاحب کا انہماک تعلیم اور شغف علم واضح ہوتا ہے کہ تعلیم کی خاطر کس قدر تکالیف وصعوبتیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ جب کہیں انسان زیور علم سے آراستہ ہوتا ہے۔(البلاغ'مفتی اعظم ص۱۰۰)
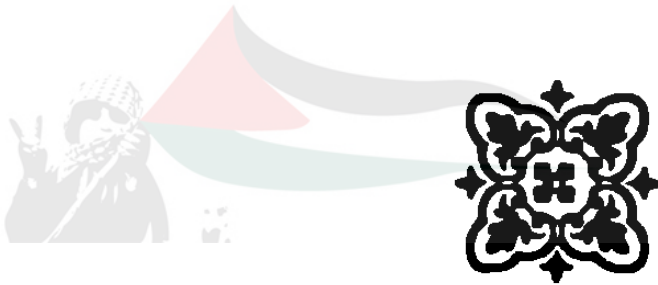
تاریخ اسلام سے منتخب
اہل علم کیلئے اسلاف کے اہم واقعات

دین پر استقامت

عباسی عہد میں ایک طویل زمانہ ''فتنہ خلق قرآن'' کے ہنگاموں میں گزرا ہے' اس زمانے کا عقلیت پسند گروہ جو معتزلہ کے نام سے مشہور تھا' سرکاری سرپرستی میں فروغ پا رہا تھا۔ اسی فرقے نے عالم اسلام میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ''قرآن مخلوق ہے'' اور چونکہ اس نظریہ کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی تھی۔ اس لئے اہل حق میں جو علماء اس کے مخالف تھے' انہیں شدید اذیتوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ معتصم باللہ اور واثق باللہ خاص طور سے اس معاملہ میں دلچسپی لیتے تھے معتزلہ کی حمایت میں اہل حق کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے تھے۔ ان کے دربار میں احمد بن ابی داؤد معتزلہ کا سرگروہ تھا' اور ہر ممکن طریقہ سے اپنے مخالفین کو خلیفہ کے ذریعہ سزائیں دلواتا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ جیسے بزرگوں کو اسی بناء پر کوڑے لگائے گئے کہ وہ اس سرکاری نظریہ کے حامی نہیں تھے۔

اس ملک گیر فتنے کی آگ اللہ نے ایک بوڑھے عالم کے ذریعے بجھائی جنہوں نے اپنی فراست ایمانی' عزیمت واستقامت' قوت ایمان ویقین اور دل کے سوز وساز سے واثق کے دربار کی کایا پلٹ ڈالی۔ یہ واقعہ تو واثق باللہ کے دور میں پیش آیا تھا' لیکن اس کی تفصیل واثق کے بیٹے خلیفہ مہتدی باللہ نے اپنے زمانہ کے ایک عالم شیخ صالح بن علی ہاشمی کو سنائی۔

شیخ صالح بن علی ہاشمی کہتے ہیں کہ میں ایک دن مہتدی باللہ کے دربار میں پہنچا تو وہ ستم

رسیدہ انسانوں کی دادرسی کے لئے بیٹھے ہوئے تھے' میں نے دیکھا کہ ہرکس وناکس آسانی کے ساتھ بغیر کسی روک ٹوک کے مہتدی کے پاس خود پہنچ جاتا ہے جو مصیبت زدہ خود وہاں نہیں آسکتے۔ ان کے خطوط خلیفہ کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ اور خلیفہ ان تمام لوگوں کی شکایتیں بڑی حسن وخوبی کے ساتھ دور کررہے ہیں۔ مجھے یہ منظر بے حد پسند آیا' جب خلیفہ کسی آدمی سے بات کرتے یا کوئی خط پڑھنے لگتے تو میں انہیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتا۔ اور جب وہ میری طرف دیکھتے تو نظریں جھکا لیتا۔

میری یہ کیفیت خلیفہ مہتدی نے دیکھ لی اور کہنے لگے "صالح! میرا خیال ہے کہ آپ کے دل میں کوئی بات ہے جو آپ مجھ سے کہنا چاہتے ہیں۔" میں نے اثبات میں جواب دیا اور جب وہ دربار سے فارغ ہوکر نماز کی چٹائی پر پہنچے تو مجھ سے کہا "اپنے دل کی بات آپ خود بتائیں گے یا میں ہی بتادوں؟"

میں نے کہا: "آپ ہی بتادیں" مہتدی نے کہا "میرا خیال ہے کہ آپ کو میری یہ مجلس پسند آئی ہے۔"

میں نے کہا: "ہمارا خلیفہ بھی کیسا اچھا خلیفہ ہے! بشرطیکہ وہ اپنے باپ (واثق باللہ) کی طرح نظریۂ خلق قرآن کا قائل نہ ہو۔"

یہ سن کر مہتدی باللہ نے کہا میں ایک مدت تک اس نظریہ کا قائل رہا ہوں' لیکن پھر ایک دن میرا نظریہ بدل گیا! یہ کہہ کر انہوں نے واثق باللہ کے زمانے کا مندرجہ ذیل واقعہ سنایا۔

احمد بن ابی داؤد معتزلہ کا بہت بڑا عالم تھا' اور خلیفہ واثق کا منہ چڑھا' اس نے شامی سرحد کے قریب ایک شہر "اذنہ" سے ایک اہلسنت بزرگ عالم کو اس جرم میں گرفتار کرلیا کہ وہ نظریۂ خلق قرآن کے قائل نہیں ہیں۔

یہ شامی بزرگ زنجیروں میں جکڑے ہوئے واثق کے دربار میں پہنچے' نکلتا ہوا قد' بال خوبصورت اور سفید' چہرے پر وقار وتمکنت اور رعب وجلال' انہوں نے بے پروائی کے ساتھ سلام کیا کوئی مختصر سی دعا دی' میں نے دیکھا کہ واثق کی آنکھوں کی پتلیاں انہیں دیکھ کر شرم وحیا سے جھکی جارہی ہیں۔ واثق نے کہا: "شیخ! ابوعبداللہ احمد بن ابی داؤد کے سوالات کا جواب دو۔"

"امیر المومنین!" شامی بزرگ نے کہا: "مناظرہ کے وقت احمد بن ابی داؤد بہت کمزور'

ضعیف اور حقیر ثابت ہوتے ہیں۔'' میں نے دیکھا کہ واثق کا چہرہ ایک دم غضبناک ہوگیا اور وہ بولا:

''کیا کہا؟ ابوعبداللہ تم سے مناظرہ کرتے وقت کمزور اور ضعیف اور حقیر ثابت ہوں گے۔''

''امیرالمومنین!'' شامی بزرگ بولے: ''ذرا ٹھنڈے دل سے کام لیجئے' اجازت ہوتو میں آپ کے سامنے احمد بن ابی داؤد سے گفتگو کروں؟''

''میری طرف سے اجازت ہے۔'' واثق نے کہا۔

''احمد! یہ بتاؤ کہ تم لوگوں کو کس عقیدے کی طرف دعوت دیتے ہو؟'' شیخ نے احمد کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔

''اس عقیدے کی طرف کہ قرآن مخلوق ہے'' احمد نے کہا۔

''کیا یہ عقیدہ دین کا ایسا جز ہے کہ اس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا؟'' شیخ نے پوچھا۔

ہاں!'' احمد نے جواب دیا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدے کی دعوت دی تھی یا نہیں؟''

نہیں! احمد نے کہا:

''اچھا تو آپؐ اس مسئلہ کو جانتے تھے یا نہیں؟'' شیخ نے پوچھا۔

''جانتے تھے'' احمد نے جواب دیا۔

''پھر تم آخر ایسے عقیدے کی دعوت کیوں دیتے ہو جو خود حضورؐ نے نہیں دی۔ شیخ نے کہا۔ یہ سن کر احمد لاجواب ہوگیا' شیخ نے واثق سے مخاطب ہوکر کہا: امیرالمومنین یہ ایک بات ہوئی۔ اس کے بعد وہ پھر احمد کی طرف متوجہ ہوکر بولے:

''احمد! مجھے ایک بات اور بتاؤ' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم (آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا) لیکن تم کہتے ہو کہ دین اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک انسان خلق قرآن کا قائل نہ ہو۔ اب تمہیں سچا مانیں یا اللہ کو؟''

احمد کے پاس اس کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ شیخ نے پھر واثق سے کہا: ''امیرالمومنین یہ دوسری بات ہے۔'' تھوڑی دیر کے بعد شیخ پھر احمد سے مخاطب ہوئے اور بولے:

''احمد! مجھے ایک بات بتاؤ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته (اے رسول! جو احکام آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کئے گئے ہیں ان کی تبلیغ کیجئے' اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (اس کا مطلب یہ ہے کہ) آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا) اب سوال یہ ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ جس کی طرف تم لوگوں کو دعوت دے رہے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت تک پہنچایا یا نہیں؟''

احمد پھر لاجواب ہو گیا۔ شیخ پھر واثق کی طرف متوجہ ہو کر بولے ''امیر المومنین! یہ تیسرا موقع ہے۔'' تھوڑی دیر کے بعد شیخ نے احمد سے کہا:

''احمد! ایک بات اور بتاؤ' جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے مخلوق ہونے کا علم تھا' مگر آپ نے یہ بات لوگوں کو نہیں بتائی' تو کیا آپ کے لئے اس مسئلے کو نظر انداز کر دینا جائز تھا یا نہیں؟''

''ہاں جائز تھا'' احمد نے کہا۔

''اسی طرح ابو بکرؓ کے لئے بھی جائز تھا؟ اور عمرؓ عثمانؓ اور علی رضی اللہ عنہم کے لئے بھی؟'' شیخ نے پوچھا۔

''ہاں'' احمد نے کہا۔

اب شیخ واثق کی طرف رخ کر کے بولے:

''امیر المومنین! جو وسعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھی' اور آپ کے صحابہؓ کو بھی اگر وہ ہم لوگوں کو حاصل نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں کوئی وسعت عطا نہیں فرمائی۔''

اس پر واثق نے کہا: ''واقعی ٹھیک کہتے ہو' اگر کوئی وسعت آپؐ اور آپ کے صحابہؓ کو حاصل ہو اور ہمیں حاصل نہ ہو تو اللہ ہم پر کوئی وسعت نہ کرے۔''

یہ کہہ کر واثق نے حکم دیا: ''ان کی زنجیریں کاٹ دو''

جب خادموں نے شیخ کی زنجیریں کھول دیں اور انہیں اٹھا کر لے جانا چاہا تو شیخ نے زنجیریں پکڑ کر انہیں اپنی طرف کھینچنا شروع کیا اور انہیں خادموں کے ہاتھ سے چھڑانے لگے' واثق نے پوچھا:

''شیخ! یہ کیا بات ہے؟ زنجیریں کیوں نہیں چھوڑتے؟''

شیخ نے جواب دیا: ''میں نے یہ نیت کی ہے کہ ان زنجیروں کو حفاظت سے رکھوں گا

اور یہ وصیت کر کے مروں گا کہ یہ زنجیریں میری قبر میں میرے کفن کے ساتھ رکھ دی جائیں' اس کے بعد اللہ سے کہوں گا کہ پروردگار! اپنے بندے سے پوچھئے اس نے مجھے ناحق ان زنجیروں میں جکڑ کر میرے گھر والوں کو کیوں پریشان کیا تھا؟"

واثق یہ سن کر رو پڑا' شیخ بھی آبدیدہ ہو گئے' اور مجلس کے سارے حاضرین کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

"شیخ!" "مجھے معاف کر دو' واثق نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

شیخ نے کہا "میں نے آپ کو اسی وقت معاف کر دیا تھا جب میں اپنے گھر سے نکلا تھا اس لئے کہ میرے دل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے اور آپ حضورؐ کے ساتھ قرابت کا رشتہ رکھتے ہیں۔"

یہ سن کر واثق کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا' اس نے کہا:

"آپ میرے پاس رہیے تا کہ میں آپ سے انس حاصل کر سکوں"

شیخ نے جواب دیا: "میرا وہیں سرحد کے قریب رہنا زیادہ مفید ہے' میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرے بہت سے مسائل ہیں۔"

واثق نے کہا: "جس چیز کی آپ کو ضرورت ہو طلب کر لیجئے۔"

شیخ نے کہا: "بس امیر المومنین مجھے اس بات کی اجازت دے دیں کہ میں وہیں چلا جاؤں جہاں سے یہ ظالم (احمد بن ابی داؤد) مجھے نکال لایا تھا"

واثق نے شیخ کو جانے کی اجازت دے دی۔ انہیں کچھ انعام بھی پیش کیا' لیکن شیخ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

مہتدی باللہ نے یہ واقعہ سنا کر کہا: "اس وقت سے میں نظریۂ خلق قرآن سے رجوع کر چکا ہوں' اور میرا خیال ہے کہ واثق باللہ نے بھی رجوع کر لیا تھا۔ (تراشے)

ایک حدیث کے لئے ایک سال!

علامہ ابن عبدالبرؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت غالب قطانؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے

جس سے تھوڑا سا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے متقدمین نے کیسی کیسی صعوبتیں اٹھائی ہیں' اور ایک ایک حدیث کتنی قدر و منزلت کے ساتھ حاصل کی ہے؟

حضرت غالب قطانؒ روئی کے تاجر تھے' تجارت ہی کے سلسلے میں ایک مرتبہ کوفہ گئے' سفر خالص تجارتی تھا لیکن جب کوفہ پہنچے تو سوچا کہ یہاں کے علماء حدیث سے استفادہ بھی کرنا چاہئے' اس زمانہ میں وہاں مشہور محدث حضرت سلیمان اعمشؒ درسِ حدیث دیا کرتے تھے' یہ ان کے حلقہ میں جانے لگے' اور بہت سی حدیثیں ان سے حاصل کیں۔

بالآخر جب تجارت کا کام ختم ہو گیا اور انہوں نے واپس بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو آخری رات حضرت اعمشؒ ہی کی خدمت میں گزاری' آخر شب میں حضرت اعمشؒ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اس میں یہ آیت تلاوت کی:

شهدالله انه لا اله الا هو والملئكة واولوا العلم قائماً بالقسط.

اس تلاوت کے ساتھ حضرت اعمشؒ نے کچھ اور کلمات بھی کہے جس سے حضرت غالب قطانؒ یہ سمجھے کہ انکو اس آیت سے متعلق کوئی حدیث معلوم ہے۔ چنانچہ صبح کے وقت جب وہ امام اعمشؒ سے رخصت ہونے لگے تو ان سے کہا: ''رات میں نے دیکھا کہ آپ فلاں آیت بار بار پڑھ رہے تھے' تو کیا اس آیت کے بارے میں آپ کو کوئی حدیث پہنچی ہے؟ میں سال بھر سے آپ کے پاس ہوں' آپ نے مجھے یہ حدیث نہیں سنائی۔''

اس کے جواب میں امام اعمشؒ کے منہ سے نکل گیا:

والله لا احد ثنک به سنة

خدا کی قسم میں سال بھر اور تمہیں یہ حدیث نہیں سناؤں گا۔

غالب قطانؒ تاجر آدمی تھے' کاروباری سلسلے میں آئے تھے' جتنا کچھ انہوں نے حاصل کر لیا تھا وہ کچھ کم نہ تھا' اور صرف ایک حدیث کی بات تھی اور حدیث بھی کوئی احکام سے متعلق نہیں تفسیر فضائل آیات سے متعلق ہے لیکن شوق و ذوق دیکھئے کہ یہ سن کر انہوں نے فوراً اپنا سفر منسوخ کر کے مزید سال بھر امام اعمشؒ کے پاس رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ خود فرماتے ہیں:

''میں وہیں ٹھہر گیا' اور امام اعمشؒ کے دروازے پر اس دن کی تاریخ درج کر دی۔

جب پورا ایک سال گزر گیا تو میں نے ان سے کہا۔ ''ابو محمد! سال گزر چکا ہے۔''

''اب وہی حدیث سنا دیجئے۔''

اس پر امام اعمشؒ نے حدیث سنائی' حدیث یہ تھی:

حدثنی ابو وائل عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجاء بصاحبھا یوم القیامۃ فیقول اللہ تعالٰی عبدی عھد الی وانا احق من وفی بالعھد ادخلوا عبدی الجنۃ.

مجھے ابووائل نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کر کے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیات شہد اللہ الخ پڑھا کرتا ہو اسے قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں لایا جائے گا تو اللہ تعالٰی فرمائے گا ''میرے بندے نے مجھ سے عہد کیا تھا' اور میں ایفاء عہد کا سب سے زیادہ حق دار ہوں' میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔'' (تراشے)

عورتیں بھی مفتی تھیں

شیخ علاؤالدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب تحفۃ الفقہاء لکھی ہے۔ اس کتاب کی شرح ان کے شاگرد رشید امام ابوبکر ابن مسعود کاسائیؒ نے لکھی ہے۔ جس کا نام بدائع الصنائع ہے۔ بقول علامہ شامیؒ کے یہ کتاب فقہ میں بے نظیر ہے۔ جب شرح مکمل کر چکے تو اپنے استاذ محترم کی خدمت میں پیش کی وہ شرح کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ اور اپنی لخت جگر مسماۃ فاطمہ کا نکاح ان سے کر دیا۔ یہ وہی خاتون ہیں کہ بادشاہوں نے ان کے نکاح کے لئے پیغام دیا تھا۔ لیکن شیخ نے ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ ان خاتون کو فقہ وافتاء میں اس قدر مہارت تھی کہ فتویٰ نویسی بھی کیا کرتی تھیں چنانچہ لوگ جب دینی مسائل کے جوابات ان کے گھر سے لکھا کر لے جاتے تو بسا اوقات یہ ہوتا کہ جواب کا کچھ حصہ اس خاتون کا لکھا ہوا ہوتا تھا اور کچھ حصہ ان کے والد کا اور کچھ حصہ ان کے خاوند کا۔ (شامی)

حکایت امام محمد وامام شافعی رحمہم اللہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: ایک شخص مسجد

میں نماز پڑھنے کے واسطے آیا۔ امام محمدؒ اور امام شافعی صاحب دونوں تشریف رکھتے تھے۔ دونوں صاحبوں میں اختلاف ہوا ایک صاحب نے فرمایا یہ لوہار ہے دوسرے نے فرمایا یہ بڑھئی ہے۔ جب وہ شخص نماز سے فارغ ہو کر جانے لگا تو اس کو بلا کر دریافت کیا کہ تم کیا کام کرتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ پہلے بڑھئی کا کام کرتا تھا اور اب لوہار کا کام کرتا ہوں۔

اسی طرح ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ شکل دیکھ کر نام بتا دیا کرتے تھے اور اتنا ذوقا میں بھی سمجھ لیتا ہوں کہ اس کا نام اس کے مناسب ہے۔ بہت کم نام ایسے ہوں گے کہ ان میں اپنے مسمی سے مناسبت وجداناً محسوس نہ ہو۔ اکثر ناموں میں اور ان کے مسمی میں مناسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کسی لغت کو سن کر فرما دیتے تھے کہ اس کے ایسے معنی ہوں گے گویا حروف کے خواص ان پر منکشف ہو جاتے تھے۔ (ملفوظات ج ۲۶)

فاضلین دیوبند پر اوسط اخراجات

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک کتابچہ ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے تصنیف فرمایا ہے جس میں برصغیر کے اس عظیم دینی ادارے سے متعلق مفید معلومات جمع فرمائی ہیں اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

سو برس میں جن طلبہ نے دارالعلوم سے استفادہ کیا اور جن کے تعلیمی اخراجات دارالعلوم نے برداشت کئے ان کی مجموعی تعداد ۶۵۷۲۷ ہے' اور جنہوں نے تعلیم مکمل کر کے سند حاصل کی ان کی تعداد ۷۴۱۷ ہے۔ اور تعمیرات کے مصارف کو چھوڑ کر سو برس میں دارالعلوم کا کل صرفہ ستانوے لاکھ چھیالیس ہزار پچاس روپیہ تیرہ آنہ نو پائی ہے۔ اب اگر اس صرف کو ۶۵۷۲۷ طلبہ پر تقسیم کیا جائے تو ایک طالب علم پر خرچ کی مقدار کل ۱۴۹ روپیہ ہوتی ہے' اور اگر اس پورے صرفہ کو ۷۴۱۷ فضلاء کرام پر تقسیم کیا جائے تو ایک مکمل عالم تیار کرنے پر خرچ کی مقدار کل ۱۳۱۴ روپیہ بنتی ہے۔'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

کیا کوئی تعلیمی ادارہ جو دارالعلوم دیوبند کی ٹکر کا ہو اس سادگی' قناعت' کفایت شعاری اور حسن انتظام کی مثال پیش کر سکتا ہے۔؟'' (تراشے)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے آخری لمحات

ابراہیم بن الجراحؒ کہتے ہیں کہ میں امام ابو یوسفؒ کے مرض وفات میں ان کی عیادت کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ ان پر غشی طاری ہے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے سوال کیا۔

''ابراہیم! بتایئے حاجی کے لئے افضل طریقہ کون سا ہے؟ وہ پیدل رمی کرے یا سوار ہو کر؟''

میں نے عرض کیا: ''پیدل کرنا افضل ہے۔''

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: ''یہ درست نہیں۔''

''پھر سوار ہو کر رمی کرنا افضل ہوگا؟ میں نے کہا۔

''نہیں''! امام ابو یوسف نے جواب دیا۔ ''یہ بھی درست نہیں۔''

پھر خود ہی فرمایا: ''جس رمی کے بعد کوئی اور رمی کرنی ہو اس کا پیدل کرنا افضل ہے اور جس کے بعد کوئی اور رمی نہ ہو اسے سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔''

ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ مجھے مسئلہ معلوم ہونے سے زیادہ اس بات پر تعجب ہوا کہ ابو یوسفؒ ایسی بیماری کی حالت میں بھی علمی مذاکرات کے کتنے شوقین ہیں؟ اس کے بعد میں ان کے پاس سے اٹھا اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ گھر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ امام ابو یوسفؒ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ (تراشے)

ہمارے اکابر رازی وغزالی سے کم نہ تھے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ رازی اور غزالی پیدا ہونا بند ہو گئے مگر بالکل غلط ہے ہمارے حضرات رازی اور غزالی سے کم نہ تھے علوم میں بھی کمال میں بھی بات یہ ہے کہ حیات میں قدر نہیں ہوتی مرجانے کے بعد رحمۃ اللہ علیہ اور پچاس برس گزر جانے کے بعد قدس سرہ ہو جاتے ہیں اور اس تماثل کے معلوم ہونے کا بڑا اچھا معیار ہے ان کی تحقیقات کو بھی دیکھ لیا جائے اور ان حضرات کو بھی اس سے معلوم ہو جائے گا۔ (ملفوظات۔ ج ۲)

علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے بعض عجیب واقعات

۱۔ حضرت مولانا محمد انوری صاحب لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں کہ بہاولپور کے مقدمہ میں قادیانیوں کے ساتھ جو مشہور مناظرہ ہوا، اس میں قادیانی شاہد نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کی اقسام میں سے کسی ایک قسم کا منکر بھی کافر ہے لہٰذا آپ کو چاہئے کہ امام رازیؒ پر کفر کا فتویٰ دیں، کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلومؒ نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔

مولانا انوریؒ فرماتے ہیں کہ اتفاق سے اس وقت ہمارے پاس وہ کتاب نہیں تھی، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے برجستہ فرمایا۔

جج صاحب لکھئے میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے لاتجتمع امتی علی الضلالۃ یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی، اس حدیث کے تواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکہ سے کام لیا ہے، ان سے کہو کہ عبارت پڑھیں، ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں، چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی۔ بعینہ وہی عبارت نکلی جو حضرتؒ نے پہلے حفظ سنائی تھی، جج خوشی سے اچھل پڑا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں، میں چونکہ طالب علم ہوں۔ میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں، میں ان شاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں دو سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتا تھا ایک دن دیکھا کہ دو اَن پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا۔ دوسرا کہتا تھا کہ عذاب روح ہی کو ہوگا۔ جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں ایک نابینا اور دوسرا

لنگڑا چوری کے خیال سے گئے۔ لنگڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا' نابینا کہتا ہے کہ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کندھے پر اٹھالے اور لنگڑا پھل توڑے' اتنے میں اگر باغبان آ گیا تو وہ دونوں کو ہی گرفتار کرے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کی یہ بات سن لی' پھر ایک زمانہ دراز گزرا میں تذکرۃ القرطبیؒ دیکھ رہا تھا اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول تھی۔ میں اس کو پڑھ کر اس اَن پڑھ کی فطرت سلیمہ پر حیران رہ گیا کہ کیا صحیح جواب دیا! (انوار انوری ص ۳۴)

۳۔ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب کشمیر تشریف لے جا رہے تھے بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے وہاں ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں۔ فرمایا' نہیں! میں ایک طالب علم ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا' کچھ کچھ۔'' پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھے ہو۔ اس کی یہ شکل نہیں ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے۔ دس قرآن سے' دس تورات سے دس انجیل سے اور دس عقلی (ایضاً ص ۳۶)

۴۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ سنایا کہ علامہ ابن جریر طبریؒ درس حدیث دے رہے تھے کوئی رئیس آیا اور حضرتؒ کی خدمت میں اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور رکھ کر جانے لگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھا کر تھیلی کو پھینک دیا۔ تھیلی پھٹ کر دینار ادھر ادھر بکھر گئے اور رئیس ان کے پیچھے دوڑنے لگا۔ حضرت ابن جریرؒ نے فرمایا: جب تم نے یہ اشرفیاں مجھے دیدی تھیں تو اب تم جمع کس لئے کرتے ہو؟ اب تو یہ تمہاری ملکیت نہیں رہی۔ (تراشے)

حصول علم کیلئے تاریخ انسانی کا عجیب واقعہ

بقیع ابن مخلد رحمۃ اللہ علیہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے شہر میں داخل ہوئے پتہ چلا کہ وقت کے بادشاہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر حدیث بیان کرنے پر پابندی لگادی ہے، ابن مخلد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کے مکان کا پتہ کیا پہلے تو کوئی بتاتا ہی نہیں تھا آخر کار پتہ چلا، ابن مخلد رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے پاس پہنچے، حضرت نے فرمایا کہ

مجھ پر حدیث بیان کرنے پر پابندی لگائی ہوئی ہے، ابن مخلدؒ نے کہا کہ حضرت اندلس سے چھ ماہ کا مشکل سفر کر کے حدیث نبوی کی تعلیم کے لیے حاضر ہوا ہوں جو بھی طریقہ ہو کریں اور مجھے دین کی تعلیم سے آراستہ کریں، حضرت نے فرمایا کہ ایک صورت ہو سکتی ہے کہ بھکاری (سوالی) کا حلیہ اختیار کرو اور اس صورت میں آجایا کرو اور احادیث سن کر چلے جایا کرو۔ ابن مخلد نے اس صورت میں 300 سو احادیث کو حاصل کر لیا پھر حضرت سے پابندی ختم ہوئی تو حضرت ابن مخلد کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اصلی طالب علم یہ ہے۔ ابن مخلد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرتؒ بڑی مہربانیاں فرماتے تھے۔ (ماہنامہ الخیر)

انداز تبلیغ

ایک دن دیو بند کے ایک صاحب نے آ کر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کیا اور کچھ رقم طلب کی۔ حضرت مدنیؒ نے فوراً ہی پانچ روپے عنایت فرمائے کسی نے عرض کیا کہ:۔ "حضرت! یہ شخص تو علماء کو گالیاں دیتا ہے"

آپؒ نے فرمایا:۔ "اسی وجہ سے تو میں نے اسکو روپے دیئے ہیں اس کو خیال تو ہوگا کہ علماء سے روپے ملتے ہیں ان کو گالیاں نہ دینی چاہئیں۔ (انفاس قدسیہ)

محمد نام کے چار خوش نصیب محدثین

تیسری صدی ہجری میں مصر میں چار محدثین بہت مشہور ہوئے چاروں کا نام محمد تھا اور چاروں علمِ حدیث کے جلیل القدر ائمہ میں شمار ہوئے۔ ان میں سے ایک محمد بن نصر مروزیؒ ہیں دوسرے محمد بن جریر طبریؒ تیسرے محمد بن المنذرؒ اور چوتھے محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ۔ ان کا ایک عجیب واقعہ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے۔ یہ چاروں حضرات مشترکہ طور سے حدیث کی خدمت میں مشغول تھے بسا اوقات ان علمی خدمات میں انہماک اس قدر بڑھتا کہ فاقوں تک نوبت پہنچ جاتی۔ ایک دن چاروں ایک گھر میں جمع ہو کر احادیث لکھنے میں مشغول تھے کھانے کو کچھ نہیں تھا بالآخر طے پایا کہ چاروں میں سے ایک صاحب طلب معاش کے لئے باہر نکلیں گے تا کہ غذا کا انتظام ہو سکے۔ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت محمد بن نصر مروزیؒ کے نام

نکلا۔انہوں نے طلب معاش کے لئے نکلنے سے پہلے نماز پڑھنی اور دعا کرنی شروع کر دی۔
یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور مصر کے حکمران احمد بن طولونؒ اپنی قیام گاہ میں آرام کر رہے تھے ان کو سوتے ہوئے خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ فرما رہے تھے کہ: محدثین کی خبر لو ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔''
ابن طولونؒ بیدار ہوئے تو لوگوں سے تحقیق کی کہ اس شہر میں محدثین کون کون ہیں؟ لوگوں نے ان حضرات کا پتہ دیا۔احمد بن طولونؒ نے اسی وقت ان کے پاس ایک ہزار دینار بھجوائے اور جس گھر میں وہ خدمت حدیث میں مشغول تھے اسے خرید کر وہاں ایک مسجد بنوادی اور اسے علم حدیث کا مرکز بنا کر اس پر بڑی جائیدادیں وقف کر دیں۔(البدایہ والنہایہ ص ۱۰۳ ج ۱۱)

میری پگڑی پر پاؤں رکھ کر اندر تشریف لائیں

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اولیاء اللہ میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ان کے زمانے میں ایک بڑے عالم اور فقیہ مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ موجود تھے۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بحیثیت صوفی کے مشہور تھے اور یہ بڑے عالم مفتی اور فقیہ کی حیثیت سے مشہور تھے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سماع کو جائز کہتے تھے۔بہت سے صوفیاء کے ہاں سماع کا رواج تھا۔سماع کا مطلب یہ ہے کہ موسیقی کے آلات کے بغیر حمد و نعت وغیرہ کے عمدہ مضامین کے اشعار ترنم سے یا بغیر ترنم کے محض خوش آوازی سے کسی کا پڑھنا اور دوسرے کا اسے خوش عقیدگی اور محبت سے سننا۔بعض صوفیاء اس کی اجازت دیتے تھے اور بہت سے فقہاء اور مفتی حضرات اس سماع کو بھی جائز نہیں کہتے تھے بلکہ بدعت قرار دیتے تھے چنانچہ ان کے زمانے کے مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب نے بھی سماع کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ سماع سنتے تھے۔جب مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ان کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور یہ اطلاع کرائی کہ جا کر حکیم ضیاء الدین صاحب سے عرض کیا جائے کہ نظام الدین مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔اندر سے حکیم ضیاء الدین صاحب نے جواب بھجوایا کہ ان کو باہر روک دیں میں مرنے کے وقت کسی بدعتی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے جواب بھجوایا کہ ان سے

عرض کردو کہ بدعتی بدعت سے توبہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اسی وقت مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب نے اپنی پگڑی بھیجی کہ اسے بچھا کر خواجہ صاحب اس کے اوپر قدم رکھتے ہوئے آئیں اور جوتے سے قدم رکھیں، ننگے پاؤں نہ آئیں۔ خواجہ صاحب نے پگڑی کو اٹھا کر سر پر رکھا کہ یہ میرے لئے دستار فضیلت ہے۔ اسی شان سے اندر تشریف لے گئے آکر مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اور حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر خواجہ صاحب کی موجودگی میں حکیم ضیاء الدین صاحب کی وفات کا وقت آگیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمدللہ حکیم ضیاء الدین صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے کہ ترقی مدارج کے ساتھ ان کا انتقال ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ حالت تھی کہ صورت دیکھنا گوارہ نہیں تھی لیکن تھوڑی دیر کے بعد یہ فرمایا کہ میری پگڑی پر پاؤں رکھ کر اندر تشریف لائیں۔ (اصلاحی خطبات ج ۸)

حضرت دہلوی رحمہ اللہ کے گھر تین دن کا فاقہ

سرسید احمد خان نے آثار الصنادید میں ان کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحب دلی میں بکنے والے پھلوں کے ذائقے سے واقف نہیں تھے اس لئے کہ ان کی خرید و فروخت شریعت کے خلاف ہوتی تھی۔ کھاتے نہیں تھے اور ذائقہ تک معلوم نہیں تھا کہ پھل کا ذائقہ کیا ہے؟ مفتی رشید الدین ان کے ہم عصر تھے، بڑے اکابر علماء میں سے تھے، یہ بھی ہمارے اکابر کے استاذ ہیں، یہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب کے مکان کے پاس سے گزر رہے تھے کہ گھر کی خادمہ شاہ صاحب کے بچے کو لئے کھڑی تھی اور بچہ بالکل لاغر اور کمزور تھا۔ مفتی صاحب نے پوچھ لیا کہ بچہ اتنا کمزور کیوں ہے؟ بیمار ہے کیا؟ خادمہ نے بتایا کہ تین دن سے حضرت کے گھر میں فاقہ ہے اس لئے بچہ بھی بھوکا ہے۔ مفتی صاحب کو بہت صدمہ ہوا، بازار گئے اور کھانے پینے کا سامان ساری چیزیں ایک بوری میں لدوا کے شاہ صاحب کے گھر پہنچا دیں۔ شاہ صاحب گھر آئے تو گھر والوں نے کہا کہ آپ نے یہ چیزیں بھجوائی ہیں؟ کہا کہ میں نے تو نہیں بھجوائیں، کس نے بھجوائی ہیں؟ تحقیق سے پتہ چلا کہ مفتی رشید الدین صاحب نے بھجوائی ہیں۔ مفتی رشید الدین کو کس نے ہمارا حال بتایا؟ ٹوہ لگانے سے پتہ چلا کہ خادمہ نے بتایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس خادمہ سے فرماتے ہیں کہ بڑی بی! اگر تم ہمارے ساتھ صبر نہیں

کر سکتی ہو تو تم جا سکتی ہو، لیکن ہمارے گھر کا حال دوسروں کو نہ بتایا کرو۔ (واقعات ومشاہدات)

شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ کا تقویٰ

ایک دفعہ مفتی رشید الدین صاحب حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمہ اللہ سے پڑھنے کے لئے کتاب لے گئے وہ بغیر جلد کے تھی جب واپس کی تو مجلد تھی۔ مفتی صاحب نے جلد کروا کے بھیج دیا اور ساتھ ہی خادم سے کہلوا بھیجا کہ شاہ صاحب سے کہہ دیں کہ یہ جلد میں نے اپنی تنخواہ سے نہیں لگائی بلکہ میری زمین کی جو آمدنی ہے وہ میں الگ رکھتا ہوں اس سے یہ جلد بنوائی ہے۔ خادم نے یہ پیغام دے دیا اور کتاب حضرت شاہ صاحب کو دے دی۔ حضرت نے یہ کتاب لیتے ہوئے کتاب کی جلد پھاڑ کر پھینک دی اور فرمایا ان کی زمین کی آمدنی کون سی پاک ہے؟

صاحب کنز الدقائق کا عجیب وغریب واقعہ

صاحب کنز الدقائق (کنز الدقائق فقہ کی وہ کتاب ہے جس میں اول سے لے کر آخر تک فقہ کے مسائل نقل کئے ہیں اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اصل کتاب اسی ۸۰ جلدوں میں لکھی تھی، لیکن بعد میں اس کو مختصر کر دیا اور یہ کتاب ہمارے ہر مدرسے میں پڑھائی جاتی ہے) مصنف جب حج پر گئے، تو چونکہ جگہیں دیکھی ہوئی نہیں تھیں اس لئے الٹا طواف کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے کہا! بھئی طواف یوں کیا جاتا ہے، تم کون ہو، جس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ طواف کدھر سے کیا جاتا ہے؟ تو ارشاد فرمانے لگے کہ میں کنز الدقائق کا مصنف ہوں۔ کنز الدقائق تو لکھی، لیکن عمل کا موقع نہیں آیا تھا۔ (واقعات مشاہدات)

ایک عالم کی ذہانت

ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب کی ایک عجیب حکایت ہے ذہانت کی اس سے پہلے کبھی ایسی حکایت کسی عالم کی سننے میں نہیں آئی۔ جب لاہور تشریف رکھتے تھے اس زمانہ میں ایک خربوزہ والے کی دکان سے چار آنے کے خربوزے خرید کر گھر لائے ان کو تراش کر دیکھا تو سب پھیکے، واپس لے کر دکان پر پہنچے کہ بھائی یہ تو سب پھیکے ہیں۔ اس دکاندار نے کہا کہ مولانا صاحب اب میرے یہ کس کام

کے ہیں آپ نے سب کو تراش ڈالا، اب ان کو کوئی خرید نہیں سکتا، کہا کہ اچھا بھائی یہ کہہ کر اس کی دکان کے قریب چادر بچھائی اور اس پر خربوزے رکھ کر بیٹھ گئے۔ اب جو خریدار اس کی دکان پر آتا ہے اس سے کہتے ہیں کہ میاں خربوزے تو خرید وہی گے مگر پہلے نمونہ چکھ لو اب کوئی نہیں خریدتا، اس دکاندار نے کہا کہ مولانا اپنے چار آنے پیسے لے لو اور مجھ کو معاف کرو، بس چار آنہ واپس لے کر گھر آ گئے، غضب کی ذہانت کی حکایت ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر درسی کتابیں کوئی سمجھ کر پڑھ لے تو وہ سب کام کر سکتا ہے حتیٰ کہ سلطنت بھی اگر ہاتھ میں آ جائے تو اس کو بھی اوروں سے اچھی طرح سرانجام دے سکتا ہے اور ایک چیز درسی کتابوں سے بھی بڑھ کر ہے یعنی صحبت دیکھئے صحابہ کرام نے کون سا تمدن سیکھا تھا محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت تھی قیصر اور کسریٰ ان کا لوہا مان گئے۔ ایک ادنیٰ سا کمال ان حضرات کا یہ ہے کہ اس وقت نقشے نہ تھے قبلہ نما نہ تھا ریاضی کے آلات نہ تھے وہ خود ریاضی کے قواعد نہ جانتے تھے اس پر دور دراز ممالک مفتوحہ میں جو مساجد بنائی گئی ہیں سب کا سمت قبلہ نہایت صحیح اسی طرح آج کل کے تمدن والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمدن کا لوہا مانے ہوئے ہیں۔ (ملفوظات ج ۲)

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ کا علمی مقام

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند، مباحثہ شاہ جہان پور میں تشریف لے گئے۔ وہاں عیسائیوں کا، مسلمانوں کا اور دوسری قوموں کا مشترکہ جلسہ تھا۔ حضرت کو پتہ چلا تو آپ بھی تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر اطمینان سے بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے اپنی بڑی تیاری کر رکھی تھی۔ اس وقت حکومت بھی نئی نئی انگریزوں کی بنی تھی انگریزوں کا بہت رعب و داب تھا۔ حضرت نے عیسائیوں کے نمائندہ سے فرمایا کہ عیسائی صاحب! کچھ فرمانا چاہتے ہیں تو فرمائیں۔ اس عیسائی (عالم) پر اتنا رعب طاری ہوا (کہ انکار کر دیا) حالانکہ حضرت کا قد بھی اتنا چھوٹا تھا اور وہ لباس بھی ایسا ہی بوسیدہ پہنے ہوئے تھے۔ ایک نیلی لنگی پاس ہوتی تھی اور سر پر ٹوپی، بس۔ جب حضرت نانوتوی نے للکارا کہ ہاں کوئی مقابلے میں آنا چاہتا ہے۔ اپنی کتاب

کی کوئی فضیلت بیان کرنا چاہتا ہے بیان کرے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ ہی بیان فرمائیں۔ حضرت نانوتویؒ نے تمام مذاہب پر بحث کی۔ بھرے جلسے میں فرمایا کہ عیسائیوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ ہماری کتاب میں پانچ لاکھ غلطیاں ہیں، بائبل کی چھوٹی سی کتاب ہے اور چار پانچ آدمیوں کی لکھی ہوئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے اس کے حصے ہیں اس کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں وہ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ پانچ لاکھ غلطیاں ان کی بائبل میں موجود ہیں اور ان کا (علمائے مسیحی کا) کوئی شخص نہیں بولا اس کے مقابلے میں۔ اس کے بعد حضرت نے عام اعلان کیا کہ کوئی صاحب اپنی کتاب کی حقانیت ثابت کرنا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں پیش کریں۔ اور اسلام کی حقانیت اور قران کریم کا صحیح مستند ہونا، بغیر کسی تحریف کے، بغیر کسی تبدیلی کے۔ میں ثابت کروں گا۔

چنانچہ کوئی شخص بھی مقابلے میں نہیں اٹھا۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے علماء بھی موجود تھے عیسائیوں کی حکومت تھی۔ عیسائیوں کی صدارت تھی لیکن کوئی نہیں اٹھا۔ یہ میدان مسلمان جیت گئے۔ (واقعات ومشاہدات)

حضرت بنوری رحمہ اللہ کا جماعت چھوٹ جانے پر رونے کا واقعہ

ایک دن حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عصر کی جماعت رہ گئی، کیونکہ معتقدین بڑا ہجوم کرتے ہیں، اور پھر ماشاء اللہ جمعہ کے دن تو کیا ہی کہنے؟ غالباً کسی دکان کا افتتاح تھا، حضرت کو لے کر گئے، حضرت نے فرمایا بھائی جمعہ کی عصر کی جماعت اپنی مسجد میں پڑھتا ہوں، میری عصر کی نماز جماعت سے نہ رہ جائے، انہوں نے کہا کہ نہیں جی! ہم پہنچا ئیں گے، لے جاتے وقت تو لوگ بہت مستعد ہوتے ہیں، اپنے کام کا خیال ہوتا ہے، دوسرے کا خیال نہیں ہوتا، حضرت بنوریؒ جب واپس پہنچے تو نماز ہو چکی تھی، اس پر حضرت بڑا روئے، اس دن میں نے حضرت کو خوب روتے ہوئے دیکھا، بہت روئے اور فرمانے لگے کہ ہمارے پاس اصل تو ہے نہیں، نقل ہے، نماز تو ہمیں پڑھنی آتی نہیں، بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کر لیتے ہیں، یہ نقل بھی ہمارے پاس نہ رہے تو پھر ہمارے پاس کیا رہا؟ (واقعات ومشاہدات)

سرکاری شیخ الاسلام اور ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بادشاہ کسی بزرگ کی زیارت کو گئے، انہوں نے بادشاہ کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں، بادشاہ نے عقیدت کی بنا پر کچھ نذرانہ پیش کیا، انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے دل میں بزرگ کی عقیدت اور بھی بڑھ گئی، اس وقت کے شیخ الاسلام بھی بادشاہ کے ساتھ تھے، ان بزرگ سے بادشاہ کی نیازمندی و عقیدت دیکھ کر شیخ الاسلام کے دل میں حسد پیدا ہوا اور یہ حدیث پڑھی۔

یھرم ابن آدم یشب فیہ خصلتان الحرص وطول الامل

''آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں ایک حرص اور دوسری لمبی امیدیں۔''

اس حدیث کے ذریعے شیخ الاسلام دراصل ان بزرگ پر چوٹ کرنا چاہتے تھے۔ کہ ان دو بیماریوں کا جوان ہونا تو حدیث سے ثابت ہے، اس لئے بزرگ کے استغناء کا مظاہرہ محض ظاہرداری اور تصنع ہے۔

وہ بزرگ بھی شیخ الاسلام کا مطلب سمجھ گئے انہوں نے فرمایا مولانا! آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مقدس سر آنکھوں پر مگر جوان وہی چیز ہوتی ہے جو پہلے پیدا بھی ہو چکی ہو، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ دونوں بیماریاں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ ان کے جوان ہونے کا کیا سوال؟ پھر فرمایا ''مولانا! برا نہ منائیں تو ایک حدیث میں بھی سناؤں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

العلماء ورثۃ الانبیاء مالم یخالطوا السلطان، فاذا خالطوھم فاحذروھم فانھم لصوص الدین.

''علماء انبیاء کے وارث ہیں بشرطیکہ اہل اقتدار سے اختلاط نہ رکھیں، جب وہ ان سے اختلاط کریں تو ان سے ڈرو کہ وہ دین کے چور ہیں۔''

فائدہ:۔ یعنی غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کے پردہ میں دین وایمان کے چور اور

ڈاکو ہیں۔ شیخ الاسلام صاحب مناظرہ ہار گئے اور اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ (واقعات ومشاہدات)

علماء کو شبہ کے شبہ سے بھی بچنا چاہئے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں منشی اکبر علی صاحب نے حضرت والا سے کہا ایک گرگابی جوتہ میرے پاس ہے وہ میرے یہاں کسی کے پیر میں نہیں آتا۔ اگر آپ کے پیر میں آئے تو آپ اس کو لے لیں اور ہوا خوری کے وقت استعمال کریں۔ فرمایا لوگ طعن کریں گے کہ انگریزی وضع اختیار کی ہے کہا گرگابی تو انگریزی چیز نہیں ہے۔ فرمایا نہ سہی مگر لوگ تو اس کو انگریزی ہی سمجھتے ہیں اور ہے انگریزی جوتے ہی سے ماخوذ کچھ شکل بدل لی ہے۔ (ملفوظات ج ۲۰)

چالیس دن تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت اور حضرت رائے پوری کی کرامت

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے اپنے طالب علمی کا ایک واقعہ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کو سنایا کہ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس کوٹھی میں چلا گیا جہاں حضرت رائے پوری قدس سرہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ عصر کی نماز ہوئی، ہم بھی شریک ہوئے، لوگ سارے اٹھ کر چلے گئے اور اکیلے حضرت بیٹھے رہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا بات ہے! اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اچھا موقع ہے حاضری کا، ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے کہا حضرت ایک بات پوچھنی ہے فرمایا ہاں جی! میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس دن کی نمازیں اس طرح پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو، تو اس کے لئے دو براءتیں لکھی جاتی ہیں۔ ایک نفاق سے بری ہونا دوسرا دوزخ سے چھٹکارا۔ میں ایک سال سے کوشش کر رہا ہوں کہ چالیس نمازیں ایسی پڑھوں کہ درمیان میں کٹیں نہیں اور پوری مکمل کی مکمل تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھ لوں۔ فرمایا آپ نے کوشش کی ہے؟ ہوگئی ہیں پوری؟ حضرت نے سن کر فرمایا اگر آدمی کو یہ فضیلت مل بھی جائے تو بے فکر نہیں ہونا چاہئے کہ بس اب مل گئی ہے نجات بلکہ دھن میں لگا

رہے اور حضرت نے فرمایا کہ آپ تو کہہ رہے ہیں کہ چالیس دن کی نمازیں پوری نہیں ہوتیں؟ میں نے کہا جی میرا سوال تو یہی ہے کہ ایک سال سے لگا ہوا ہوں، انتالیسویں دن تکبیر تحریمہ چھوٹ گئی، میں نے پھر نئے سرے سے شروع کی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہاری اور شیطان کی لڑائی ہورہی ہے۔ اب دیکھو کہ کون غالب آتا ہے۔ بس! حضرت کی مجلس سے اٹھا، حضرت کے ساتھ نماز پڑھی تھی تکبیر تحریمہ کے ساتھ۔ حضرت کی مجلس سے اٹھا تو حضرت کی یہ کرامت ہے کہ اس دن سے میں نے چالیس دن کی نمازیں پوری کرلیں بغیر انقطاع کے۔ میں اپنے دوستوں سے، جن کو بیعت کرتا ہوں تاکید کرتا ہوں کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز پڑھو گے۔ یہ میری پہلی شرط ہے۔ (واقعات ومشاہدات)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی لطافت حس

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نہایت درجہ نفیس مزاج تھے حتیٰ کہ خدام کو حکم تھا کہ چراغ جلانے کے لئے مسجد میں دیا سلائی نہ گھسو۔ چراغ کو باہر لے جا کر جلا کر لا رکھ دیا کرو۔ گندھک کی بدبو گوارا نہ تھی اور ذکی الحس ایسے تھے کہ ایک روز مسجد میں عشاء کے لئے آئے اور عشاء دیر میں ہوتی تھی آتے ہی فرمایا آج کسی نے مسجد میں دیا سلائی جلائی ہے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت کسی نے دیا سلائی جلائی تھی۔ اللہ اکبر اس حس کو دیکھئے کہ دیا سلائی جلنے سے جتنی گندھک ہوا میں مل جاتی ہے اتنی دیر میں اس کا بقیہ کا اثر رہا ہوگا۔ اس سے تو اس قدر نفرت اور ساتھ ہی اس کا تحمل اس قدر کہ ایک خارشی طالب علم حدیث کے دورہ میں شریک تھا وہ گندھک مل کر سبق پڑھنے بیٹھتا اور کبھی مولانا چیں بہ جبیں نہ ہوئے اور کسی وضع سے یہ ثابت نہ ہونے دیا کہ مولانا کو تکلیف ہوتی ہے۔ طلبہ کا اس قدر احترام کرتے تھے۔ دونوں واقعوں کے سننے کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ بے حس ہوتے ہیں۔ بے حس ہوتے نہیں۔ ہاں۔ بے حس بن جاتے ہیں جہاں ان کو بے حس بننے کا حکم ہوتا ہے شور وغل نہیں مچاتے کسی کی شکوہ وشکایت غیبت نہیں کرتے۔ اس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بات کو سمجھتے ہی نہیں عقل اور حس ہی نہیں رکھتے۔

حالانکہ یہ بات نہیں حس وعقل تو دنیا سے زیادہ رکھتے ہیں مگر انہوں نے رسی اپنی ایک دوسرے

کے ہاتھ میں دے رکھی ہے۔ وہ جدھر چاہتا ہے ادھر لے جاتا ہے۔ خواہ ان کی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف۔ موافقت و مخالفت دونوں حالتوں میں یکساں رہتے ہیں کوئی اندازہ کر ہی نہیں سکتا۔ کہ کون چیز ان کی طبیعت کے موافق ہے اور کون مخالف اپنی طبیعت ہی نہیں رکھتے۔ (ملفوظات ج ۲۰)

مولانا میرٹھی رحمہ اللہ کی وفات اور کرامت کا عجیب واقعہ

مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمتہ اللہ علیہ مدرسہ میں تفسیر جلالین شریف کا بھی سبق پڑھایا کرتے تھے اور ظہر کے بعد اس کا وقت تھا، لیکن وفات کے دن صبح گیارہ بجے درس گاہ میں تشریف لائے، یہ گھنٹہ دوسرے استاذ کا تھا، اور وہ اپنا سبق پڑھا رہے تھے۔ ان استاد کو یہ کہہ کر اٹھا دیا کہ اٹھو! مجھے سبق پڑھانا ہے، مدرسہ کے اکثر اساتذہ چونکہ حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد تھے۔ یوں بھی آپ مدرسہ میں سب سے معمر بزرگ تھے۔ اس لئے سبق پڑھانے والے استاذ، حضرت مولانا کا حکم سن کر فوراً اپنا سبق چھوڑ کر اٹھ گئے، حضرت سبق پڑھانے لگے، سورۃ المطففین چل رہی تھی، اور (اس دن) کا سبق یہ تھا۔

”کلا ان کتب الابرار لفی علیین ○ وما ادراک ما علیون ○ کتب مرقوم ○ یشھدہ المقربون ○ ان الابرار لفی نعیم ○ علی الارآئک ینظرون ○ تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم ○ یسقون من رحیق مختوم ○ ختمہ مسک وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون ○ ومزاجہ من تسنیم ○ عینا یشرب بھا المقربون ○“ (المطففین)

ترجمہ:۔ ”ہرگز نہیں! بے شک اعمال نامہ نیک لوگوں کا علیین میں ہے اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا، اسے دیکھتے ہیں مقرب فرشتے بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے، پہچان لے تو ان کے منہ پر تازگی آرام کی، ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی جس کی مہر جمتی ہے مشک پر، اس پر چاہئے کہ حرص کریں حرص کرنے والے، اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے، وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے (مقرب حضرات)“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

یہاں تک سبق پڑھایا، پڑھا کے اوپر چلے گئے، بستر پر لیٹے اور انتقال ہوگیا وفات کے وقت ہمارے رفیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ان کے پاس بیٹھے تھے، ان کے سامنے انتقال ہوا۔ وفات کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی، ظہر کے بعد دارالحدیث میں ان کی میت زیارت کے لئے رکھی گئی، آخری دیدار کے لئے میں گیا تو دیکھ کر میں نے دوستوں سے کہا بڑے میاں کو اتنا پاؤڈر کیوں لگا دیا ہے؟ اتنا سفید چہرہ تھا کہ سبحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا تھا۔ حالانکہ حضرت کا رنگ ذرا سانولا تھا، لیکن وفات کے بعد چہرہ اتنا سفید اور ایسا نورانی تھا کہ واقعتا پاؤڈر لگانے کا شبہ ہوتا تھا، اس لئے میں نے کہا کہ بڑے میاں کو اتنا پاؤڈر کیوں لگا دیا؟ چہرے کا اتنا سفید ہونا ان کی کرامت تھی۔ (واقعات و مشاہدات)

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی بابرکت وفات

مولانا کے شاگرد غلام محمد صاحب نے صدق جدید لکھنؤ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۶ء کے حوالہ سے لکھا ہے۔

''حضرت گیلانی کی حسی کرامات زندگی میں خواہ نہ دیکھی گئی ہو، مگر اس عالم ناسوت سے جاتے ہوئے انہوں نے عقلیت کے ماروں اور روحانیت کے بے خبروں کے لئے عجیب کرشمہ دکھایا۔ مکارم احسن (مولانا کے چھوٹے بھائی) کا بیان ہے کہ مرض الموت میں اکثر یہ فرماتے تھے کہ جنت میں کوئی بوڑھا نہ جائے گا۔ ہر شخص جوان ہو کر جائے گا، چنانچہ جیسے جیسے وہ اپنے وقت موعود سے قریب ہوتے جا رہے تھے، ان میں جوش و مسرت بڑھتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ جس رات سفر آخرت طے تھا اس میں تو فرط انبساط سے ۔بے قابو ہوتے جا رہے تھے، اور اسی عالم فرحت میں بظاہر سو بھی گئے، جب صبح ان کی روح پرواز کر چکی تھی، تو چہرہ پر گوشت تروتازہ تھا۔ سفید داڑھی بالکل سیاہ تھی، اور لاغر و نزار جسم بالکل گداز تھا، اس منظر کو مکارم احسن صاحب ہی نے نہیں دیکھا بلکہ ہر شریک جنازہ نے حیرت کی آنکھ سے دیکھا اور اس میں لذت روحانی محسوس کی، مولانا کے جنتی ہونے کی اس سے زیادہ واضح نشانی اور کیا ہو سکتی ہے۔

مرگ مجنوں پر عقل گم ہے میر کیا دیوانے نے موت پائی ہے

(حیات گیلانی)

تصنع اور تکلف سے احتراز

عام اخلاق و فضائل کے ساتھ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ میں خودداری بھی انتہا درجہ کی تھی۔ ایک مرتبہ نظام حیدر آباد دکن سے شاہ صاحب کی ملاقات ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب پہنچے تو عام آداب و شرائط کا لحاظ اور نہ کسی شاہی دستور آئین کی پابندی۔ روبرو ہوتے ہی شاہ صاحب نے پیش قدمی کی اور خالص اسلامی طریقہ پر ''السلام علیکم'' کہا۔ نظام پیشوائی کیلئے آگے بڑھے اور وعلیکم السلام کہہ کر شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر ایک کرسی پر لیجا کر بٹھا دیا۔ اس کے بعد دائر المعارف اور اشاعت کتب حدیث کی بابت گفتگو ہوئی۔ دیوبند سے ایک ہفتہ وار اخبار ''مہاجر'' نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر نے اس ملاقات کی خبر چھاپنے کا ارادہ کیا تو عام ذہنوں کے مطابق ''بارگاہ خسروی'' میں حضرت علامہ کشمیری کی باریابی یا اسی مفہوم کی کوئی اور عبارت بطور عنوان خبر لکھی۔ اتفاق سے اخبار ابھی چھپا بھی نہیں تھا کہ حضرت شاہ صاحب کو اس عنوان کی اطلاع ہوگئی تو حد درجہ برہم اور خفا ہوئے اور فرمایا کہ

''میں چند ایک مرد بے مایہ و بے بضاعت ہوں لیکن اتنا منکسر المزاج بھی نہیں کہ یہ عنوان گوارا کرلوں۔ کیسی بارگاہ خسروی اور کیسی اس میں باریابی؟ صاف لکھتے کہ نظام اور انور شاہ کی ملاقات''۔ (چالیس بڑے مسلمان)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی فقہی مہارت

آپ کو فقہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور نہایت ہی ذوق شوق سے اس کو انجام دیتے تھے۔ آپ بڑے سے بڑا مسئلہ مختصر مگر جامع الفاظ میں حل فرمایا کرتے تھے ہند اور بیرون ہند آپ کے فتاووں کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب نے ایک مکتوب میں احقر کے نام تحریر فرمایا ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری کا یہ فیصلہ ہے کہ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تفقہ فی الدین میں علامہ شامی اور در مختار سے آگے ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے مولانا رشید احمد کو فقہ حنفی کا ایک راسخ القدم امام اور مجتہد پایا۔

ایک مفتی کیلئے کامل یادداشت بھی بہت ضروری چیز ہے۔ مولانا کی یادداشت کا یہ

عالم تھا کہ آنکھوں سے معذور ہونے کے بعد آپ نے مولانا یحییٰ سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ وہ شامی میں نہیں ہے۔ آپ نے شامی منگوائی اور اس کے دو ثلث اوراق دائیں جانب کر کے ایک ثلث بائیں جانب کر کے فرمایا کہ دیکھو بائیں طرف کے صفحے کے نیچے جانب دیکھو۔ دیکھا تو مسئلہ اسی جگہ موجود تھا۔

آپ نے جو فتاوے اور رسائل مذہب حنفی کی تائید میں تحریر فرمائے ہیں ان کے مطالعے سے آپ کی ذہانت قوت استنباط اور ملکہ استخراج کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ (چالیس بڑے مسلمان)

علامہ بنوری رحمہ اللہ کی دینی حمیت

مولانا لطف اللہ پشاوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ سکندر مرزا کے زمانہ میں پاکستان میں مغرب زدہ لوگوں کا طوطی بولتا تھا۔ حکومت کے ارباب حل و عقد پر بھی ہمیشہ اسی طبقہ کا اثر رہا' ان لوگوں کو یہ تکلیف تھی کہ حکومت جو بھی تجدد پسندانہ نئی حکمت عملی تجویز کرے' اس کیلئے صرف علماء کا طبقہ سنگ راہ بن جاتا ہے۔ مولانا نور الحق صاحب سابق ڈین اسلامیہ کالج پشاور نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سابق صدر ایوب خان نے مجھ سے کہا کہ:

تیونس' مراکش' مصر' شام کسی جگہ بھی علماء حکومت کے خلاف دم نہیں مار سکتے' محکمہ اوقاف نے سب کو باندھ رکھا ہے۔ ایک پاکستان ایسا ملک ہے کہ حکومت کچھ کرتی ہے تو کراچی سے پشاور تک علماء اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دیتے ہیں اور ملک میں ایک ہل چل پیدا ہو جاتی ہے۔ تم مصر جاؤ اور وہاں جا کر جائزہ لو کہ حکومت مصر نے کس ترتیب سے علماء کو باندھ رکھا ہے پاکستان میں بھی علماء کو پابند کرنے کیلئے ایک منصوبہ تیار کرو۔

بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے بھی میرے سامنے اسی قسم کے خیالات صدر ایوب سے نقل کئے تھے۔

چنانچہ ڈین صاحب مصر گئے اور واپسی پر صدر ایوب کے سامنے تمام مساجد اور مدارس عربیہ کو حکومت کی تحویل میں لینے کا نسخہ کیمیا تجویز کیا۔ صدر ایوب نے جب اس منصوبے پر عمل در آمد کیلئے تمام مدارس عربیہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو ڈین صاحب نے ان سے کہا کہ مصر اور

پاکستان کے حالات مختلف ہیں۔ ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم مدارس کو حکومت کے قبضے میں لے لیں تو مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ جیسے علماء مدارس کے بجائے مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ عرب ممالک میں تو عوام کو مدارس کیلئے چندہ دینے کی عادت نہیں مگر پاکستان میں ایسے علماء ہیں کہ انہوں نے مساجد میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تو عوام اور مخلصین ان کو بغیر رسید کے چندے دیں گے اور مسجدوں میں پھر سے نئے آزاد مدرسے قائم ہو جائیں گے حکومت کے سرکاری مدارس میں تو دینی علوم پڑھنے کیلئے کوئی نہ آئے گا اس طرح ہمارا یہ منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔

صدر ایوب نے ڈین صاحب کو مدارس عربیہ کیلئے نیا نصاب تعلیم بنانے کا حکم دیا۔ ڈین صاحب بڑے طمطراق کے ساتھ کراچی تشریف لائے۔ حیدرآباد یونیورسٹی کے داؤد پوتا بھی ان کے ہمراہ تھے ڈین صاحب نے مفتی محمد شفیع مرحوم اور مولانا بنوری مرحوم سے ملاقات کی اور انہیں نصاب تعلیم میں ترمیم کا مشورہ دیا۔ بنوری نے ان کی پوری وعظ وتقریر سن کر فرمایا۔

مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم کون بنائے گا؟ حدیث، تفسیر اور فقہ کے نصاب مرتب کرنے میں آپ جیسے سرکاری ملازمین کی کیا حیثیت ہے؟

نصاب علماء راسخین ہی بنا سکتے ہیں اور وہی بنائیں گے۔

ڈین صاحب بولے وہ علماء راسخین کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا

یہ کام یوسف بنوری اور مفتی محمد شفیع صاحب کا ہے، آپ کون آئے نصاب بنانے والے۔

اس گفتگو سے یہ لوگ سخت خفیف ہوئے اور اس نئے نسخے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ انہی مغربی سامراج کے پروردوں نے لادینی عناصر کے ساتھ مل کر ایک اور اسکیم بنائی وہ یہ کہ مختلف ممالک اسلامیہ سے علماء کو جمع کر کے ایک مجلس مباحثہ (کلوکیم) منعقد کی جائے ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے علماء تنگ نظری اور قدامت پسندی میں مبتلا ہیں اور مصر وشام وغیرہ کے علماء آزاد خیال اور تجدد پسند ہیں۔ یہاں کے علماء کا دین سب سے مختلف ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں وہ بینک کے سود کو حرام سمجھتے ہیں خواتین کی حیاء وعصمت کی حفاظت کیلئے پردہ کے حامی ہیں اور داڑھی نہیں منڈاتے بلکہ اسے اسلام کا شعار، مردانہ چہرے کی زینت اور سنت

نبوی سمجھتے ہیں۔ ملاحدہ نے حکومت کو یقین دلایا تھا کہ اس مجلس مباحثہ سے قدامت پسند طبقہ کو شفقت ہوگی اور مصر و شام کے علماء یہاں کے مولویوں کو تجدید پسندی کا درس دیں گے۔

چنانچہ مصر سے شیخ مصطفیٰ زرقاء، معروف دوالیبی، ابوزہرہ (جو اسکندریہ لاء کالج کے دور حیات ابوحنیفہ، حیات مالک، حیات شافعی، حیات ابن حنبل، حیات ابن حزم وغیرہ تھے اور اصول فقہ کے بہت بڑے عالم اور رومن قانون کے بھی ماہر تھے۔ ایک فصیح و بلیغ مصری عالم مہدی علام اور ازہر کے کئی اور جید علماء کو بھی دعوت دی گئی پاکستان سے مولانا بنوری مفتی محمد شفیع اور مسٹر غلام احمد پرویز کو مدعو کیا گیا۔ مصر و شام کے مندوبین کراچی اترے اور مولانا بنوری کے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن میں تشریف لائے، مولانا کی عبقری شخصیت سے پہلے بھی متعارف تھے۔ مگر یہاں آکر مولانا کے علم سے بہت ہی متاثر ہوئے۔ مولانا نے ان کے سامنے اس مجلس مباحثہ کے اغراض و مقاصد کو بے نقاب کیا اور ان تمام مسائل میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ یہ حضرات کراچی سے لاہور پہنچے تو مولانا کے خیالات کی تائید کی ازہر کے علماء نے واشگاف کہا کہ اسلام میں سود کی کوئی گنجائش نہیں پرویز وغیرہ کو اسلام میں رخنہ اندازی کی جرأت نہ ہوئی حکومت پاکستان کو بھی معلوم ہوگیا کہ ان مسائل میں دنیا بھر کے علماء کے خیالات و معتقدات یکساں ہیں۔ اس کلوکیم سے دین اسلام اور علمائے دین کو فائدہ پہنچا۔ ملاحدہ کی لادینی اسکیم ناکام ہوگئی اور وہ خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔ (بینات علامہ بنوری نمبر)

درسینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: آج کل بہت سے عالم احساس کمتری کے شکار ہیں، وہ بھی دنیا کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس جس علم کی انمول دولت ہے اس سے دنیا کا خزانہ خالی ہے۔ عالموں کو احساس بلندی پیدا کرنا چاہیے اور اپنی قدر و قیمت پہچاننی چاہیے۔ جبھی دوسرے لوگ ان کی قدر و قیمت پہچانیں گے۔ ایک فارسی شاعر کہتا ہے

برخود نظر کشا، زتہی دامنی مرنج درسینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

شاعر ہلال یعنی پہلی کے چاند کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تم اپنے اوپر نگاہ کرو اور ابھی جو تمہارا دامن خالی ہے اس پر رنج مت کرو اس حقیقت پر تو نظر کرو کہ تمہارے سینہ میں بدر کامل چھپا ہوا ہے۔ اسی طرح علماء کے سینہ میں علوم نبوت کا بدر کامل ہے۔ اس پر نگاہ رکھیں اور اپنی ظاہری حیثیت کو دیکھ کر رنج مت کریں۔ ان کے پاس اتنی بڑی دولت ہے کہ دنیادار اس سے محروم ہیں۔ (مواعظ درد محبت)

علم کا لطف کب حاصل ہوتا ہے

مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: علم کا لطف عمل کی برکت سے ملتا ہے اور عمل کا لطف محبت اور عشق کے فیض سے ملتا ہے اور عشق و محبت کی دولت عاشقان خدا کی جوتیاں اٹھانے سے ملتی ہے۔ ایک مدت عمران کی صحبت و خدمت میں رہ لے جس کی مقدار حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے چھ ماہ فرمائی تھی اور طلباء سے فرمایا کہ دس سال درس نظامیہ میں لگاتے ہو چھ ماہ کسی اللہ والے کے پاس رہ لو پھر دیکھو گے کہ سینے میں عوام انبیاء کا فیضان موجزن ہوگا اور اگر چھ ماہ مشکل ہو تو صرف چالیس ہی دن رہ لو۔

مٹا دو اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہو　　کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

(مواعظ درد محبت)

عالم کا سونا عبادت کیوں؟

فرمایا وہ عالم دین جس کا اوڑھنا بچھونا دین ہے اور ہمہ وقت دینی خدمت میں مصروف رہتا ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کا بڑا اونچا مقام ہے۔ ایسے عالم کا دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس کا سونا بھی عبادت۔ عالم کے سونے پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا جسے میں نے حضرت پھولپوری رحمہ اللہ سے سنا تھا واقعہ یہ ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے سوال کیا۔ حضرت! حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم کا سونا بھی عبادت ہے مگر اس کا عبادت ہونا سمجھ میں نہیں آتا؟

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا ایک بڑھئی ایک شخص کا دروازہ بناتا ہے اسے اپنے کام کے دوران میں بعض اوزاروں کو پتھر پر گھسنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے تاکہ اوزار کے تیز

ہو جانے کے بعد اس سے صحت اور تیزی کے ساتھ کام لے اب یہ بتایئے کہ بڑھئی جب اوزار کو تیز کر رہا ہوتا ہے اس وقت دروازہ تو وہ نہیں بناتا ہے لیکن اس کو اس وقت کی مزدوری ملے گی یا نہیں؟ پوچھنے والے نے جواب دیا۔ ہاں ضرور ملے گی۔ پھر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا جب ایک بڑھئی کو اوزار تیز کرنے کے وقت کی مزدوری ملے گی۔ اور یہ وقت مزدوری ہی میں شمار ہوگا۔ منہا نہ کیا جائے گا۔ اس بنیاد پر کہ اوزار کو تیز اس لئے کیا جارہا ہے۔ کہ آئندہ اسی سے کام لے گا۔ تو سوچئے کہ ایک عالم بھی تو اسی لئے سوتا ہے کہ سونے کے بعد اس کی تھکن اور اضمحلال دور ہو اور نشاط' مستعدی اور چاق و چوبند کے ساتھ دین کی خدمت کر سکے۔ اس صورت میں اس کا سونا کیوں نہ عبادت قرار پائے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مزدوری کیوں کاٹی جائے جبکہ اللہ کے بندے کے یہاں ایک بڑھئی کی مذکورہ بالا صورت میں مزدوری نہیں کٹتی ہے' یہ تقریر بھی احقر نے اپنے مرشد پھولپوری رحمہ اللہ سے سنی تھی۔ (مواعظ درد محبت)

مطبع میں ملازمت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ کو ایک شخص نے پرنٹنگ پریس میں ملازمت کی درخواست پیش کی۔ آپ نے فرمایا علمی لیاقت تو مجھ میں ہے نہیں' البتہ قرآن مجید کی تصحیح کرلیا کروں گا۔ اس میں دس روپے دے دیا کرو۔ اللہ اللہ کیا ہی تواضع اور زہد ہے اسی زمانے میں ریاست بہاولپور سے تین سو روپیہ ماہواری کی نوکری کی پیش کش ہوئی۔ مولانا نے جواب میں لکھا کہ

آپ کی یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں مگر مجھے یہاں دس روپے ملتے ہیں جس میں پانچ روپے تو میرے اہل وعیال کیلئے کافی ہو جاتے ہیں اور باقی پانچ روپے بچ جاتے ہیں۔ آپ کے یہاں سے جو تین سو روپیہ ملیں گے ان میں سے پانچ روپے تو خرچ ہوں گے اور دو سو پچانوے روپے جو بچیں گے میں ان کا کیا کروں گا؟ مجھ کو ہر وقت ہی فکر لگی رہے گی کہ ان کو کہاں خرچ کروں؟ لہٰذا میں آنے سے معذور ہوں غرض آپ تشریف نہیں لے گئے۔ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات)

سلطان ناصر الدین محمود

سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان التمش بادشاہ دہلی۔ یہ فرشتہ سیرت بادشاہ اپنی

فرصت کے اوقات کتابت کلام پاک میں صرف کرتا تھا۔ جب سلطان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن پاک کے نسخوں کو ہدیہ کرنے کے لئے بازار میں بھیجا جاتا تو کاتب کا نام خریدار سے پوشیدہ رکھا جاتا تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص زیادہ قیمت دے کر خریدنے کی کوشش کرے۔

''طبقات اکبری'' میں ہے کہ سلطان ایک سال میں کلام پاک کے دو نسخے تیار کر لیتا تھا۔ سلطان کے انتقال کے تقریباً سو سال بعد تک یہ نسخے دہلی میں موجود تھے۔ (تحفہ حفاظ)

کسی قدیم عبادت گاہ کو تباہ کرنا جائز نہیں

سلطان سکندر لودھی (متوفی ۹۲۳ھ ۱۵۱۶ء) کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ دہلی کے بہت سے ہندو کرکشیتر کے کنڈ میں آکر اشنان کیا کرتے تھے۔ یہ بڑی تعداد میں آتے تھے کہ ایک مذہبی میلہ لگتا تھا۔ سکندر لودھی سے لوگوں نے اس بات کی شکایت کی کہ کسی اسلامی سلطنت میں ایسی رسمیں نہیں ہونی چاہئیں۔ سکندر لودھی نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن پہلے اس نے علماء کا مشورہ طلب کیا۔ مشاورت میں ملک العلماء مولانا عبداللہ اجودھنی بھی شریک ہوئے۔ تمام علماء نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جو ان کی رائے ہے وہی حرف آخر ہے ہم سب کا وہی فیصلہ ہے۔ سکندر لودھی چاہتا تھا کہ مولانا عبداللہ اس میلے کو روکنے کا فیصلہ دیں گے۔

مولانا عبداللہ نے پوچھا ''کرکشیتر کیا چیز ہے؟

بتایا کہ ''یہ ایک بڑا حوض ہے جہاں ہندو دہلی اور قرب و جوار سے آکر غسل کرتے ہیں''۔

مولانا نے پوچھا ''یہ رسم کب سے جاری ہے؟'' لوگوں نے بتایا ''یہ قدیم زمانے سے جاری ہے''۔ مولانا عبداللہ نے فتویٰ دیا کہ ''کسی قدیم عبادت گاہ کو چاہے وہ کسی بھی مذہب کی ہو اسلام کی رو سے تباہ کرنا جائز نہیں ہے''۔

سکندر لودھی نے جب اپنی مرضی کے خلاف فیصلہ سنا تو خنجر پر ہاتھ رکھ کر بولا:

تمہارا یہ فتویٰ ہندوؤں کی طرفداری کا ہے۔ میں پہلے تمہیں قتل کروں گا پھر کرکشیتر کو تباہ کروں گا''۔ مولانا عبداللہ نے بڑی دلیری اور جرأت سے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی نہیں مرتا میں جب کسی ظالم کے پاس جاتا ہوں تو پہلے ہی اپنی موت کے لئے تیار ہو کر جاتا ہوں۔ آپ نے مجھ سے شرعی مسئلہ معلوم کیا وہ میں نے بیان کر دیا اگر

آپ کو شریعت کی پرواہ نہیں ہے تو پھر پوچھنے ہی کی کیا ضرورت تھی'' یہ سخت جواب سن کر سکندر چپ ہوگیا۔ کچھ دیر کے بعد اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور مجلس برخاست ہوئی تو مولانا سے کہا ''میاں عبداللہ! آپ مجھ سے ملتے رہا کریں''۔ (واقعات مشتاق ص ۱۶)

علماء سے شکایت

علماء نے آج کل یہ کام بالکل چھوڑ دیا جو انبیاء علیہم السلام کا کام تھا اس لئے آج کل واعظ زیادہ تر جہلا نظر آتے ہیں۔ علماء واعظ بہت کم ہیں۔ آپ نے ایک شعبہ تو لے لیا یعنی تعلیم درسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا اگر علماء عوام کی تعلیم نہیں کریں گے تو کیا جہلا کریں گے، اگر جہلاء یہ کام کرینگے تو وہی ہوگا، جو حدیث میں آیا ہے کہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرینگے۔ اس لئے علماء کو تعلیم درسیات کی طرح وعظ و تبلیغ کا بھی کام کرنا چاہیے۔ (وعظ علم والخشیہ ۳۳)

تعلیم دین کا اصل طریقہ جسکے واسطے حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے یہی وعظ وارشاد ہے جسکے ذریعہ دین کی تبلیغ فرماتے تھے باقی درس وتالیف وغیرہ تو اسکے تابع ہیں۔ (حقوق العلم ۹۳)

میں ہمیشہ علماء کو صوفیہ پر ترجیح دیتا ہوں کیوں کہ دین اور اس کے حدود کے محافظ علماء ہی ہیں اسی لئے میں علماء کو بجائے خلوت نشینی کے اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ وہ درس تدریس وعظ و تبلیغ میں اپنا وقت زیادہ صرف کریں۔ (مجالس حکیم الامت ۱۱۸)

(وعظ و تبلیغ) تو ہمارا فرض منصبی ہے اس کیلئے کسی کی خوشامد، یا سفارش کا انتظار کرنا چہ معنی، اگر کوئی درخواست نہ کرے جب بھی ہم کو یہ کام کرنا ہے اور درخواست کرنے پر تو کسی طرح اس سے انکار نہ ہونا چاہیے۔ (حسن العزیز ۱۹۸۔۲۶۱ ج ۴)

کوتاہی کا سبب

تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا۔ جس کو امت کے حال پر شفقت ہوگی، دین تبلیغ کی مصیبتیں خوشی سے برداشت کرسکے گا۔ اب چونکہ ہم لوگوں میں شفقت نہیں رہی، اس لئے تبلیغ میں کمی ہو رہی ہے، ہم لوگ جو جھوٹے سچے مولوی کہلاتے ہیں ہم بھی

وعظ کہنے وہیں جاتے ہیں جہاں کھانے کو عمدہ عمدہ غذائیں ملیں۔نخروں سے بلائے جائیں۔ کرایہ ڈبل ملے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ۲۹۴)

امام بخاری رحمہ اللہ کا عشق رسول

امام بخاریؒ کے حال میں مرقوم ہے کہ: آپ صحیح بخاری جمع کرنے کے وقت ہر حدیث شریف لکھنے کے واسطے تازہ غسل کیا کرتے اور دوگانہ نماز پڑھتے تھے۔بعض کہتے ہیں کہ آب زمزم سے غسل کرتے اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر دوگانہ پڑھتے تھے چونکہ اس طرح انہوں نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر کی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا فضل عظیم دیا ہے کہ تمام مسلمان ان کو اپنا امام جانتے ہیں اور ان کی تعظیم اور ان کی کتاب کی وہ قدر ہوئی کہ دنیا میں سوائے قرآن مجید کے کسی اور کتاب کی ایسی قدر ومنزلت نہیں ہوئی۔ یہ مقبولیت محض ادبِ حدیث کا سبب تھا ورنہ احادیث صحیحہ کی اور بھی بے شمار کتابیں تھیں۔ (شمع رسالت)

امام احمد رحمہ اللہ کا جنازہ

بیہقی وغیرہ متعدد حضرات نے روایت کیا ہے کہ امیر محمد بن طاہر نے حکم کیا کہ جن لوگوں نے امام احمد بن حنبل کی نماز جنازہ ادا کی ہے ان کا اندازہ لگایا جائے۔تو اندازہ لگانے پر معلوم ہوا کہ تیرہ لاکھ اور ایک روایت کے مطابق سترہ لاکھ آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی ہے۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں میں نے ابوزرعہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ متوکل باللہ نے اس جگہ کی پیمائش کا حکم کیا جس جگہ لوگوں نے امام احمد بن حنبلؒ کی نماز جنازہ ادا کی تھی تو پیمائش سے اندازہ ہوا کہ کل پچیس لاکھ آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی ہے۔

ورکانی جو امام احمد بن حنبلؒ کے پڑوسی تھے فرماتے ہیں کہ جس دن امام احمد فوت ہوئے اس دن بیس ہزار یہودی ونصرانی آپ کے جنازہ کی حالت دیکھ کر مسلمان ہوئے۔ (تحفہ حفاظ)

کن لوگوں پر تبلیغ واجب ہے

امر بالمعروف (کے وجوب) کا خاص مدار قدرت پر ہے یعنی جس کو جس کسی پر جتنی قدرت ہے اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو امر بالمعروف کرے جن لوگوں پر قدرت ہے وہ یہ لوگ ہیں۔ بیوی،

بچے، نوکر، مرید، شاگرد اور جن پر قدرت نہیں وہ یہ لوگ ہیں دوست، احباب، بھائی، برادری، عزیز قریب، اور اجنبی لوگ۔ ماں باپ کے ذمہ واجب ہے کہ اپنی اولاد کو نماز روزہ کی نصیحت کریں۔

خاوند پر فرض ہے کہ اپنی بیوی کو احکام شرعیہ پر مجبور کرے، آقا کے لئے لازم ہے کہ اپنے نوکر چاکر اور جوان کے ماتحت ہیں ان کو امر بالمعروف کریں۔

غرض! ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ماتحتوں کو امور خیر (بھلی باتوں) کا حکم کرے اور خلاف شرع باتوں سے روکے، اس میں عالم ہونے کی ضرورت نہیں، ہاں جہاں علم درکار ہے مثلاً کوئی مختلف فیہ مسئلہ ہے یا ایسا کوئی مسئلہ ہے جس کی بہت سی شقیں ہیں اور وہ ان شقوں کا احاطہ نہیں کر سکا یا احاطہ کر لیا مگر اس کا درجہ نہیں معلوم، تو ایسا مسئلہ بتلانا ہر شخص کیلئے جائز نہیں، یہ علماء کے بتلانے کا کام ہے۔

پس تبلیغ خاص کیلئے تو مسئلہ کی حقیقت کا پورے طور سے منکشف ہونا اور قدرت ہونا شرط ہے اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے۔ (آداب تبلیغ ۱۰۶)

علماء واعظین و مبلغین سے شکایت

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شاید بعض لوگ یہ کہیں کہ ہم تو وعظ کہتے رہتے ہیں تو تبلیغ ہو گئی جیسے مثلاً میں ہی وعظ کہہ رہا ہوں۔ سو میں وعظ کی حقیقت کو خوب جانتا ہوں۔ خود کوئی کسی جگہ جا کر وعظ نہیں کہتا بلکہ پہلے ان سے درخواست کی جاتی ہے جس پر یہ سو بہانے کرتے ہیں، نخرے کرتے ہیں کہ اس وقت سر میں درد ہے ناک میں درد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عذر خطاب طویل (لمبی تقریر) کیلئے تو ہو سکتا ہے مگر اس میں دردِ سر کیا مانع ہو سکتا ہے کہ کسی سے ایک دو بات کہہ دی جائے بس شکایت اسی کی ہے۔ (التواصی بالحق ۱۶۰)

(اور جو لوگ وعظ و تبلیغ کرتے ہیں ان کی بھی حالت یہ ہے کہ) ہم لوگ جہاں پلاؤ، قورمہ کی امید ہوتی ہے وہاں تو خوب دوڑ کر جاتے ہیں، اور ایسی جگہ جہاں ستو گھول کے کھانا پڑے وہاں جانے کی ہماری ہمت نہیں ہوتی۔ (ضرورت تبلیغ ۳۲۰)

اہل علم شاہی دبدبہ کی پرواہ نہیں کرتے

اندلس کے خلیفہ حکم ثانی (۳۵۰ھ ۹۶۱ء تا ۳۶۶ھ ۹۷۶ء) نے ایک دن شاہی

چوبدار کو حکم دیا کہ وہ فقیہ ابوابراہیم کو دربار میں پیش کریں۔ چوبدار نے انہیں تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مسجد ابوعثمان میں وعظ بیان کررہے ہیں۔ اس نے ابوابراہیم سے کہا ''امیر المومنین آپ کو اسی وقت طلب فرماتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ چلیں''۔

ابوابراہیم نے بڑی بے نیازی سے کہا ''امیر المومنین سے کہہ دو کہ میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے کام میں مصروف ہوں جب تک اس کام سے فارغ نہ ہوں نہیں آسکتا''۔

چوبدار یہ جواب سن کر بہت بوکھلایا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے خلیفہ حکم ثانی سے ابو ابراہیم کا جواب عرض کیا۔ خلیفہ نے چوبدار سے کہا ''تم جاکر ابوابراہیم سے کہہ دو کہ ہم اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے کہ آپ اللہ کے کام میں مصروف ہیں۔ جب اس کام سے فارغ ہوجائیں تو تشریف لے آئیں ہم اس وقت تک دربار میں آپ کا انتظار کریں گے''۔

خلیفہ کا یہ حکم سن کر ابوابراہیم نے چوبدار سے کہا ''امیر المومنین سے کہہ دو کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے گھوڑے پر سوار ہوسکتا ہوں نہ پیدل چل سکتا ہوں''۔

یہ کہہ کر وہ پھر اپنے وعظ میں مصروف ہوگئے۔

قلعہ کا ایک دروازہ باب الصنع بند رہتا تھا جو کچھ خاص تقریبات کے موقع پر کھلتا تھا۔ یہ دروازہ مسجد ابوعثمان کے قریب تھا۔ بادشاہ نے یہ کھلوادیا اور چوبدار سے کہا کہ جاکر مسجد میں ان کا انتظار کرے۔ جب وعظ ختم ہوجائے تو ان کو باب الصنع پر لے کر آئے ابوابراہیم نے دیکھا کہ بہت سے امیر اور وزیران کے استقبال کو وہاں موجود ہیں۔ انہوں نے دربار میں جاکر بادشاہ سے بات کی اور اسی عزت کے ساتھ واپس بھیج دیئے گئے۔ (تاریخ اسلام جلد سوم اکبر شاہ خاں)

وعظ بڑی نافع چیز ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک سلسلہ میں فرمایا کہ وعظ بڑی نافع چیز ہے اور یہ دین میں اس قدر اہم خدمت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا درس تدریس وغیرہ سب اسی کے مقدمے ہیں اب آج کل علماء نے تو اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اس لئے جاہلوں کے ہاتھ میں یہ کام چلاگیا اور انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا۔ (ملفوظات حضرت تھانویؒ ج ۷)

علم کی زینت

علم کی یہی زینت ہے کہ اہل علم کی وضع پر رہے' یہ تجربہ ہے کہ تقویٰ میں جتنی کمی ہوگی اسی مرتبے کی علم میں بھی کمی ہوگی۔

علم حقیقی اور معلومات

حقیقت علم جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے الفاظ سے آپ اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے بس تقویٰ اختیار کر کے دیکھ لو۔ ہاں پتہ بتلانے کے لئے آپ کو کہتا ہوں کہ حقیقت علم جس کو حاصل ہوتی ہے اس کے قلب پر غیب سے وہ علوم وارد ہوتے ہیں جو کتابوں میں نہیں مل سکتے۔ آج کل لوگوں نے کثرت معلومات کو علم سمجھ لیا ہے حالانکہ علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں۔

علماء دلداری سے کام لیں

مولویوں کو بھی اتنی سختی نہیں کرنی چاہئے کہ خلاف شریعت کام کرنے والوں سے نفرت کرتے رہیں اور ان کی صورت سے بیزار ہو جائیں۔ دلداری سے کام لو اور دلداری سیکھو تا کہ لوگوں کے دل نہ ٹوٹیں' ممکن ہے کہ کبھی وہ راہ راست پر آ جائیں اور خدا انہیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے اگر سختی کی جائے گی تو دل شکستہ ہو جائیں گے اور پھر ٹوٹے ہوئے دل ہمارے کس کام کے رہیں گے؟ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ادھر تو وہ لوگ جو برا کام ہو اس کو خلاف شرع سمجھ کر کریں برائی پر اصرار نہ کریں خدا انہیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے گا اور ادھر علماء کو چاہئے کہ نرمی خلق اور دلداری سے احکام دین سکھائیں آہستہ آہستہ بتدریج راہ راست پر لائیں' اس طریقہ سے یقین ہے کہ بہت جلد اصلاح ہو جائے گی اور مسلمانوں کی کمزوریاں جلد دور ہو جائیں گی۔ (وعظ دعاء)

بدنظری کی نحوست

حضرت جنیدؒ چلے جا رہے تھے ایک حسین لڑکا نصرانی کا سامنے آ رہا تھا ایک مرید نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالیں گے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تو نے اس کو نظر استحسان سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہوگا۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا

کہ وہ شخص قرآن شریف بھول گیا۔ (نعوذ باللہ)

حکم واسرار کا بتانا ضروری نہیں

فرمایا: علماء کو بھی مناسب ہے ان کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر حکم واسرار معلوم بھی ہوں۔ تو پوچھنے پر ہرگز مت بتاؤ چاہے (عوام) یہی گمان کریں کہ انہیں نہیں آتا اور پوچھنے والے بھی خوب سمجھ لیں کہ جاننے والے بھی بہت ہیں مگر تمہارے غلام نہیں ہیں کہ تمہیں سب بتادیا کریں (الشریعت)

اکابر کی تواضع

فرمایا: مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ نے وعظ فرمایا ایک شخص نے کہا سبحان اللہ آپ کا کیسا علم ہے مولانا نے فرمایا کیا علم ہے میں تو ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں اس شخص نے کہا کہ یہ آپ کی تواضع ہے، فرمایا کہ نہیں یہ تو بڑا تکبر ہے اس لیے کہ اس بات کا کہنے والا اس بات کا مدعی ہے کہ میں بڑا صاحب بصیرت ہوں، میری نظر اتنی دور تک پہنچی ہوئی ہے کہ اس کے مقابلہ میں یہ میرا علم کوئی چیز نہیں، ایک تو یہ لوگ تھے کہ آپ اپنی تواضع کو بھی تکبر جانتے تھے، ایک ہم ہیں کہ تکبر کو بھی تکبر نہیں سمجھتے۔

پیش گوئی

فرمایا کہ مجھ کو مدرسہ سے سند نہیں ملی۔ چونکہ مدرسہ نے دی نہیں اس لئے ہم نے مانگی نہیں کیونکہ یہ اعتقاد تھا۔ کہ ہم کو کچھ آتا نہیں۔ پھر سند کیا مانگتے بلکہ میں مع چند اہم سبقوں کے زمانہ جلسہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ یہ معلوم ہوا ہے کہ مدرسہ سے ہم کو سند ملنے والی ہے مگر چونکہ ہم کو کچھ آتا جاتا نہیں اس لئے اس کو موقوف کر دیجئے تو جوش میں آکر فرمایا کہ کون کہتا ہے کہ تم کو آتا نہیں یہ خیال اپنے اساتذہ کو دیکھ کر ہوتا ہے لیکن باہر جہاں جاؤ گے تم ہی (اور یہ فرمانا کیسے پورا ہوا سب دنیائے اسلام نے دیکھ لیا۔ فللہ الحمد۔ علی محمد) تم ہو گے۔ اللہ اکبر کیسے توکل کے ساتھ فرمادیا تھا۔

اکابر کے علوم سے موافقت

فرمایا: مجھے اس کی بہت مسرت ہوتی ہے۔ کہ اپنے دل کی تائید سلف کے قول میں مل جائے۔ بعض

لوگ تو سلف سے اپنا علم منقول دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہیں۔ کہ ہائے ہمارا تفرد باطل ہو گیا اور میں خوش ہوتا ہوں کہ الحمدللہ وہیں ذہن گیا۔ جہاں مقبولان الٰہی کا ذہن گیا تھا۔ اکابر کے علوم سے اپنے علوم کی موافقت بڑی دولت ہے۔ جو نعمت صحت مذاق وسلامت فہم کی علامت ہے۔ (اجرامسیام حصہ دوم ص ۲۲)

مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی رحمہ اللہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولانا عبدالحئیؒ نے نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کے مقابلہ میں جو مباحث لکھے ہیں بہت اچھے لکھے ہیں ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ نقل بہت کرتے ہیں اور آج کل کوڑ مغزوں کیلئے نقل ہی کی زیادہ ضرورت ہے۔ درایت کا آج کل زمانہ نہیں۔ نیز فرمایا کہ مولانا عبدالحئی صاحب لکھنویؒ نہایت ہی حسن صورت احسن سیرت، حسن اخلاق کے جامع تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ نواب زادے ہیں۔ ان خواص سے معلوم ہوا کہ شب کی عبادت میں روتے تھے۔ دن کو امیر رات کو فقیر کثرت کام کی وجہ سے دماغ ماؤف ہو کر مرگی کا مرض ہو گیا تھا۔ تھوڑی سی عمر میں بڑا کام کیا یہ سب تائید غیبی ہوتی ہے۔ ورنہ انسان کا وجود ہی کیا ہے۔ (ملفوظات حضرت تھانوی ج ۵)

امام ترمذی رحمہ اللہ کا حافظہ

امام ترمذی جب نابینا ہو گئے تو ایک مرتبہ آپ کو سفر کا اتفاق ہوا' راستہ میں ایک مقام پر پہنچ کر آپ نے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے سر جھکا لیا۔ حمال نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں ایک درخت ہے اس میں ٹکر لگتی ہے حمال نے کہا کہ یہاں تو کوئی درخت نہیں ہے۔ آپ نے اونٹ کو وہیں رکوا دیا اور فرمایا کہ اگر میرا حافظہ اس قدر کمزور ہو گیا ہے تو میں آج سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دوں گا اور قریب کے گاؤں میں اول بھیج کر دریافت کیا۔ اکثر لوگوں نے وہاں درخت ہونے سے انکار کر دیا لیکن گاؤں کے بعض بوڑھوں نے کہا کہ مدت گزری جب یہاں ایک درخت تھا اور تقریباً بارہ برس ہوئے کہ اس کو کاٹ دیا گیا ہے جب اس کی تصدیق ہو گئی تو آپ آگے بڑھے۔ (تعلیم البیان)

فراست

فراست بھی ایک علم ہے۔ افلاطون فراست کا ماہر تھا ممکن ہے کہ اصل میں یہ علم صحیح ہو

مگر اس کے قواعد صحیح دلیل سے ثابت اور منقول نہ ہونے کی وجہ سے غیر معتبر کہا جائے۔ جس طرح رمل بھی فی نفسہ ایک صحیح علم تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ بعض انبیاء اس کو جانتے تھے ۔اسی طرح نجوم (ستاروں) میں بھی احتمال ہے مگر چونکہ اس کے قواعد مندرس ہو گئے (یعنی مٹ گئے) اسی لئے شریعت نے اسے ناجائز قرار دیا۔

بس ایسے ہی علم فراست بھی شاید علوم سماویہ میں سے ہو اور بطور کشف کے بزرگوں کو اب بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح کتابوں میں جو اس کے متعلق لکھا ہے وہ بھی کبھی صحیح نکلتا ہے۔ غرض فراست بھی ایک علم ہے بزرگوں کو بکثرت ہوتا ہے۔ خدا نے اخلاق کے موافق ہاتھ پاؤں پیدا کئے ہیں۔ کہ دیکھتے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ایسے اخلاق ہیں۔ چنانچہ افلاطون کو تصویر دیکھنے سے اس کے اخلاق کا پتہ چل جاتا تھا۔

افلاطون فراست کا ماہر تھا۔ ایک پہاڑ پر اکیلا رہتا تھا۔ ایک مصور (تصویر بنانے والا) نوکر رکھا تھا کبھی کبھی تو اس سے ملاقات ہو جاتی اور کسی سے بہت کم ملتا تھا اگر کوئی ملنے کا قصد کرتا تھا تو اس کی تصویر منگا کر اس کے اخلاق معلوم کر لیتا تھا۔ اگر ملنے کے قابل ہوتا تھا تو ملتا تھا ورنہ جواب دے دیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کی تصویر دیکھ کر کہا کہ یہ ملنے کے قابل نہیں اس نے کہلا بھیجا کہ افلاطون کی رائے صحیح ہے۔ پہلے میں ایسا ہی تھا مگر اب میں نے اپنے اخلاق درست کر لئے ہیں۔ افلاطون کی فراست نے اس کی بھی تصدیق کی اس کے بعد افلاطون نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ اور اس سے ملا۔ (روح الجواب، برکات رمضان)

عربیت میں مہارت

حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ ایسے ادیب مشہور نہ تھے مگر مولانا کی تقریرات سے جو بہت سے مقامات مجھ کو منضبط بھی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ عربیت سے اس قدر مناسبت تھی کہ دیکھنے والا پھڑک جاتا ہے چنانچہ اس وقت ایک مقام یاد آ گیا آیت الزانیۃ والزانی اور آیت السارق والسارقۃ کے متعلق الزانیۃ کی تقدیم اور السارق کی تقدیم کے بارہ میں مشہور سوال ہے جس کا سب سے لطیف جواب منقول ہے کہ سرقہ کی بناء جرأت

ہے اور وہ مرد میں زیادہ اور زنا کی بناء شہوت ہے جو عورت میں زیادہ ہے مگر اس جواب میں یہ خدشہ ہے کہ اس فرق کو بناء کہتے ہیں تو مجرم کی ایک قسم کی معذوری کا اظہار ہے اور یہ مقام ہے تقبیح کا اب مولانا کی توجیہ سنئے فرماتے تھے کہ سرقہ کا صدور مرد سے زیادہ عجیب اور قبیح ہے کہ وہ کما کر کھا سکتا ہے اور عورت میں عفت و شرم وحیا زیادہ ہوتی ہے تو اس سے زنا کا صدور زیادہ عجیب اور قبیح ہے میں نے کسی تفسیر میں یہ بات نہیں دیکھی جو حضرت مولانا سے سنی میں نے حضرت سے جلالین کے بیس پارے پڑھے ہیں اور اکثر مقامات میں ایک عجیب بات ارشاد ہوتی تھی گو اب سب یاد نہیں رہا مگر کچھ کچھ یاد ہے اور پھر باوجود ان کمالات کے یہ حالت تھی کہ اپنے کو بالکل مٹائے ہوئے اور فنا کئے ہوئے تھے۔

دینی پیشوا اگر پھسل جائے تو قوم کا کیا ہوگا

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ مجھے کچھ واقعات زندگی میں بڑے عجیب لگے' لوگوں نے پوچھا کہ حضرت وہ کون سے؟ کہنے لگے کہ

۱۔ ایک مرتبہ دس بارہ سال کی لڑکی آ رہی تھی اس کی بات نے مجھے حیران کر دیا۔ بارش ہوئی تھی' پھسلن تھی' میں مسجد جا رہا تھا اور وہ بازار سے کوئی چیز لے کر آ رہی تھی' جب ذرا میرے قریب آئی تو میں نے کہا کہ بچی ذرا سنبھل کے قدم اٹھانا کہیں پھسل نہ جانا تو جب میں نے یہ کہا تو اس نے آگے سے یہ جواب دیا' حضرت! میں پھسل گئی تو مجھے نقصان ہوگا آپ ذرا سنبھل کر قدم اٹھانا اگر آپ پھسل گئے تو قوم کا کیا بنے گا؟ کہنے لگے کہ اس لڑکی کی بات مجھے آج تک یاد ہے' اس لڑکی نے کہا تھا کہ آپ سنبھل کر قدم اٹھانا آپ پھسل گئے تو پھر قوم کا کیا بنے گا۔

۲۔ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اس کے سامنے سے ایک عورت روتی ہوئی کھلے چہرے اور کھلے سر کے ساتھ آگے سے گزری' اس نے سلام پھیرا تو اس عورت پر بڑا ناراض ہوا کہنے لگا کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ دھیان نہیں ننگے سر اور کھلے چہرے کے ساتھ اس حال میں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو میرے آگے سے گزر گئی۔ اس عورت نے پہلے تو معافی مانگی اور معافی مانگ کر کہنے لگے کہ دیکھو میرے میاں نے مجھے طلاق دے دی اور میں اس وقت غم زدہ

ہوں، مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں یا نہیں، میں اس حالت میں آپ کے سامنے سے گزر گئی مگر حیران اس بات پر ہوں کہ میں خاوند کی محبت میں اتنی گرفتار کہ مجھے سامنے سے گزرنے کا پتہ نہ چلا اور تم اللہ کی محبت میں کیسے گرفتار ہو کہ کھڑے پروردگار کے سامنے ہو اور دیکھ میرا چہرہ رہے ہو۔ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس عورت کی یہ بات مجھے آج تک یاد ہے اور واقعی ہماری نمازوں کا یہی حال ہے، نیچے کی منزل پر اگر نماز پڑھ رہے ہوں اور اوپر کی منزل میں اگر کوئی ہمارا نام لے دے تو ہمیں نماز میں پتہ چل جاتا ہے کہ ہمارا نام پکارا گیا ہماری نماز کی توجہ کا یہ عالم ہوتا ہے۔ (تمنائے دل، صفحہ ۴۰)

وقت کی ایک اہم ضرورت

ہمارے اس مضمون میں ایک نہایت ہی اہم دینی ضرورت یہ ہے کہ ہمارے جید الاستعداد علماء کرام چھوٹے بچوں کو انگلش اور مقامی زبان سکھانے کے لئے اسلامی طرز پر ایک کورس تیار کریں، جس میں جاندار کی تصویر بالکل نہ ہو اور غیر اسلامی ناموں کے بجائے اسلامی نام ہوں اور سکولوں میں رائج کورس میں جو غیر اسلامی، مضامین ہیں ان سے بھی وہ کورس پاک وصاف ہو بلکہ اسلامی عقائد اور ہمارے اسلاف کے واقعات وکارناموں پر مبنی ہو جس سے بچے زبان دانی کے ساتھ اسلام کے عقائد وآداب سے بھی واقف ہوں بلکہ ہمارے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ ہوں۔

چنانچہ کچھ حساس بیدار مغز علماء کرام نے اس دینی ضرورت کو محسوس کر کے اسلامی طرز پر مقامی زبان سکھانے والی ابتدائی و بنیادی کتابیں تالیف کرنا شروع بھی کر دیا ہے اور کچھ حضرات نے ایسی ہی کچھ کتابیں شائع بھی کر دی ہیں اللہ ان کی مبارک محنتوں کو قبول فرمائے اور تکمیل تک پہنچائے اور ہمارے عوام کو ان کی قدر دانی نصیب فرمائے۔ آمین۔

اس کام کی بڑی اہمیت اس بنا پر ہے کہ اسکولوں میں رائج کورس کو پڑھ کر ہمارے بچوں کا ذہن غیر اسلامی بنتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی تصویر دیکھ کر اور ان کو سولی دینے کا مضمون پڑھ کر بچوں کا ذہن قرآن کے خلاف بنتا ہے، قرآن تو صاف الفاظ میں کہتا ہے: وما قتلوہ وما صلبوہ (سورۃ النساء، آیت: ۱۵۷) یعنی حضرت عیسیٰ کو ان

کے دشمنوں نے قتل نہیں کیا اور نہ سولی دی۔ اسی طرح دوسرے غیر اسلامی مضامین پڑھ کر عقائد خراب ہوتے ہیں جبکہ عقائد ہی اصل ایمان ہے۔

بے عمل عالم جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ علم جس سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے (یعنی دین اور کتاب وسنت کا علم) اگر اس کو کوئی شخص دنیا کی دولت کمانے کے لئے حاصل کرے تو وہ قیامت میں جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔" (مسند احمد سنن ابوداؤد وابن ماجہ)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے علم دین اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ غیر اللہ کے لئے (یعنی دنیوی اور نفسانی اغراض کے لئے) حاصل کیا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالے۔" (جامع ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے دین کا علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اور آخر میں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی آخری مقدس کتاب قرآن مجید کے ذریعہ اس لئے نازل فرمایا ہے کہ اس کی روشنی اور رہنمائی میں اس کے بندے اللہ کی رضا کے راستے پر چلتے ہوئے اس کے دارِ رحمت یعنی جنت تک پہنچ جائیں، اب جو بدنصیب آدمی اس مقدس علم کو اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیوی دولت کمانے کا وسیلہ بناتا ہے، اور اسی کے واسطے اس کو حاصل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس مقدس علم پر ظلم عظیم کرتا ہے اور یہ شدید ترین معصیت ہے۔ اور ان حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ اس کی سزا جنت کی خوشبو تک سے محرومی اور جہنم کا عذاب الیم ہے۔ اللہم احفظنا!

حضرت عالم گیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکمت سے دین پھیلایا

عالم گیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے کا واقعہ لکھا ہے کہ عالم گیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں علماء اس قدر کسمپرسی میں مبتلا ہوگئے کہ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔ عالم گیر رحمہ اللہ

تعالیٰ چونکہ خود عالم تھے۔ اہل علم کی عظمت کو جانتے تھے' انہوں نے کوئی بیان وغیرہ اخبارات میں شائع نہیں کرایا کہ علماء کی قدر کرنی چاہیے۔

بلکہ یہ تدبیر اختیار کی کہ جب نماز کا وقت آ گیا تو عالم گیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ آج فلاں والیٔ ملک جودکن کے نواب ہیں وہ ہمیں وضو کرائیں' چنانچہ جودکن کے والی تھے انہوں نے سات سلام کئے کہ بڑی عزت افزائی ہوئی کہ بادشاہ سلامت نے مجھے حکم دیا کہ میں وضو کراؤں' وہ سمجھے کہ اب کوئی جاگیر ملے گی۔ بادشاہ بہت راضی ہے' نواب صاحب فوراً پانی کا لوٹا بھرلائے اور آکر وضو کرانا شروع کر دیا۔

عالم گیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ وضو میں فرض کتنے ہیں؟ انہوں نے ساری عمر کبھی وضو کیا ہوتا تو انہیں خبر ہوتی۔ اب وہ حیران! کیا جواب دیں' پوچھا واجبات کتنے ہیں؟ کچھ پتہ نہیں' پوچھا سنتیں کتنی ہیں؟ جواب ندارد۔

عالم گیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا بڑے افسوس کی بات ہے کہ لاکھوں کی رعیت کے اوپر تم حاکم ہو' لاکھوں کی گردنوں پر حکومت کرتے ہو اور مسلم تمہارا نام ہے' تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ وضو میں فرض' واجب' سنتیں کتنی ہیں' مجھے امید ہے کہ میں آئندہ ایسی صورت نہ دیکھوں۔

ایک کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں ان سے کہا: آپ ہمارے ساتھ افطار کریں۔ اس نے کہا جہاں پناہ یہ تو عزت افزائی ہے۔ ورنہ فقیر کی ایسی کہاں قسمت کہ بادشاہ سلامت یاد کریں۔ جب افطار کا وقت ہوا تو عالم گیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ مفسدات صوم جن سے روزہ فاسد ہوتا ہے کتنے ہیں؟

انہوں نے اتفاق سے روزہ ہی نہیں رکھا تھا۔ انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ روزے کے مفسدات کیا ہیں' اب چپ ہیں' کیا جواب دیں!!

عالم گیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ تم مسلمانوں کے امیر' والی ملک اور نواب کہلاتے ہو' ہزاروں آدمی تمہارے حکم پر چلتے ہیں' تم مسلمان' ریاست اسلامی' اور تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ روزہ فاسد کن کن چیزوں سے ہوتا ہے؟

اسی طرح کسی سے زکوٰۃ کا مسئلہ پوچھا تو زکوٰۃ کا مسئلہ نہ آیا۔ کسی سے حج وغیرہ کا' غرض

سارے فیل ہوئے۔ اور عالمگیر رحمہ اللہ نے سب کو یہ کہا کہ آئندہ میں ایسا نہ دیکھوں۔

بس جب یہاں سے امراء واپس ہوئے۔ اب انہیں مسائل معلوم کرنے کی ضرورت پڑی تو مولویوں کی تلاش شروع ہوئی۔ اب مولویوں نے نخرے شروع کئے۔ کسی نے کہا ہم پانچ سو روپے تنخواہ لیں گے۔ انہوں نے کہا حضور! ہم ایک ہزار روپیہ تنخواہ دیں گے اس لئے کہ جاگیریں جانے کا اندیشہ تھا۔ ریاست چھن جاتی' پھر بھی مولوی نہ ملے' تمام ملک کے اندر مولویوں کی تلاش شروع ہوئی۔ جتنے علماء طلباء تھے سب ٹھکانے لگ گئے' بڑی بڑی تنخواہیں جاری ہوگئیں۔ اور ساتھ ہی یہ کہ جتنے امراء تھے انہیں مسائل معلوم ہوگئے اور دین پر انہوں نے عمل شروع کر دیا۔

واعظ مدینہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تین اہم نصیحتیں

حضرت شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مدینہ والوں کے واعظ حضرت ابن ابی سائب رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا: تین کاموں میں میری بات مانو، ورنہ میں تم سے سخت لڑائی کروں گی۔

حضرت ابن ابی سائب رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا، وہ تین کام کیا ہیں؟ ام المؤمنین! میں آپ کی بات ضرور مانوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

پہلی بات: یہ ہے کہ تم دعاء میں بہ تکلیف قافیہ بندی سے بچو۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس طرح قصداً نہیں کیا کرتے تھے۔

دوسری بات: یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دفعہ لوگوں میں بیان کیا کرو...... اور زیادہ کرنا چاہو تو دو دفعہ...... ورنہ زیادہ سے زیادہ تین دفعہ کیا کرو، اس سے زیادہ نہ کرو ورنہ لوگ (اللہ کی) اس کتاب سے اکتا جائیں گے۔

تیسری بات: یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرنا کہ تم کسی جگہ جاؤ، اور وہاں والے آپس میں بات کر رہے ہوں اور تم ان کی بات کاٹ کر اپنا بیان شروع کر دو۔ بلکہ انہیں اپنی بات کرنے دو، اور جب وہ تمہیں موقع دیں اور کہیں تو پھر ان میں بیان کرو۔ (حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۲۳۹)

علم اور مال میں فرق (ایک خط کا جواب)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علم اور مال میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ مال کو جتنا

خرچ کرو گھٹتا ہے اور علم کو جتنا خرچ کرو اتنا بڑھتا ہے۔ اگر علم کہیں گھٹ جایا کرتا تو جو حافظ قرآن شریف پڑھانے بیٹھتا تو جتنی آیتیں بچوں کو سکھلایا کرتا خود بھول جایا کرتا۔ اس کا علم دوسرے کے پاس منتقل ہو جایا کرتا حالانکہ جتنا پڑھاتا ہے اتنا استاذ کا حفظ پختہ ہو جاتا ہے، اس کا علم ترقی کر جاتا ہے، غرض علم کو جتنا خرچ کرو بڑھتا ہے، دولت کو جتنا خرچ کرو گھٹتی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مال کی حفاظت مالک کو کرنی پڑتی ہے۔ چار پیسے ہوں گے تو آپ کو فکر ہوگی کہ کہیں چور نہ لے جائے۔ تالا لگاؤں، تجوری میں رکھوں، گھر کی کوٹھری میں رکھوں، اور سو رہے ہوں تو فکر ہے کہ رات کو کوئی چور نہ آ جائے، تو آپ کو خود مال کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم عالم کی حفاظت کرتا ہے۔ عالم کو ضرورت نہیں۔ علم خود بتائے گا کہ یہ خطرہ کا راستہ ہے، یہ نجات کا۔ تو علم اپنے عالم کی خود حفاظت کرتا ہے، مگر مال اپنے مالک کی حفاظت نہیں کرتا، مالک کو حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ مال آئے تو سو مصیبتیں ساتھ لے کر آئے گا کہ حفاظت کرو چور سے اور ڈاکو وغیرہ سے۔ اور علم آئے تو احسان جتلاتا ہوا آئے گا کہ میں تیرا محافظ ہوں، میں تیری خدمت کروں گا، میں تجھے نجات کا راستہ بتلاؤں گا لہٰذا اگر کوئی علم سکھلائے تو وہ سب سے بڑا محسن ہے کہ اس نے دنیا اور آخرت کا راستہ کھول دیا۔

دولت سے راستے نہیں کھلتے اس سے تو آدمی بھٹکتا ہے، ہاں اگر کوئی علم کے مطابق کمائے اور علم کے مطابق خرچ کرے تو دولت کام دے گی، اور اگر جاہلانہ طریقے سے کمائے حلال و حرام کا امتیاز نہ کرے اور خرچ کرنے میں حلال و حرام کا امتیاز نہ ہو تو دولت مصیبت بن جاتی ہے۔

اب تک تو ہم عقیدے سے سمجھتے تھے کہ دولت کو بے جا طریقے سے کماؤ تو مصیبت بن جاتی ہے مگر آج تو دنیا میں مشاہدہ ہو رہا ہے یعنی جن کے پاس ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت تھی آج وہ مصیبت میں مبتلا ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کے لئے دولت نکلے، جان تو ہماری بچ جائے، کوئی پہاڑوں میں چھپا رہا ہے، کوئی سمندر میں ڈال رہا ہے مگر گورنمنٹ ہے کہ کھوج کر ان چیزوں کو نکال رہی ہے تو مالداروں پر ایک عجیب مصیبت گزر رہی ہے۔

یہ اللہ میاں کا فضل ہے کہ اس وقت، ہم جیسے لوگ جو یہ کہا کرتے تھے کہ تھوڑے پیسے کافی ہیں، جو غریب یا زاہد تھے آج انہیں یہ کہنے کا موقع ہے کہ آرام میں تو ہم ہیں تمہاری دولت نے تمہیں فائدہ نہیں دیا۔ ہماری غربت نے ہمیں فائدہ دیا۔ فقیر کے گھر گورنمنٹ کا کوئی آدمی نہیں آئے گا کہ ٹیکس ادا کرو۔ وہ کہے گا کہ میرے پاس کچھ نہیں میں کہاں سے ادا کروں، وہ آرام سے ہے۔ اور جس کے پاس سب کچھ ہے وہ مصیبت میں مبتلا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کہا کرتے تھے کہ ہم کچھ نہیں رکھتے، اس لئے غم بھی کچھ نہیں رکھتے، ہم دستار بھی نہیں رکھتے، پیچ کا غم کہاں سے رکھتے؟ جس پر دستار ہو وہ پیچ وخم کی فکر کرے یہاں تو دستار ہی ندارد ہے، یہاں کپڑا ہی ندارد ہے تو کلی اور دامن کی فکر کیوں ہوگی؟

بہرحال جو لوگ آج کم یعنی بقدر ضرورت رکھتے ہیں وہ آرام میں ہیں اور جو زیادہ رکھتے ہیں وہ مصیبت میں مبتلا ہیں مگر کیوں مبتلا ہیں؟ محض زیادہ رکھنے کی وجہ سے نہیں، اسلام نے یہ نہیں کہا کہ تم مفلس اور قلاش بنو، ناجائز طریقے پر زیادہ رکھتے ہو۔ اس لئے پریشان ہو، جس کے پاس جائز طریقہ سے ہے وہ آج بھی پریشان نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جائز راستہ پر چلنا ہمیشہ راحت کا باعث بنتا ہے۔ ناجائز راستہ پر چلنا ہمیشہ مصیبت کا موجب ہوتا ہے۔ خواہ وہ قانوناً ناجائز ہو یا شرعاً ناجائز ہو۔ جب کسی ناجائز چیز کا آدمی ارتکاب کرے گا تو مصیبت میں مبتلا ہوگا۔

خواص کے بگاڑ سے عوام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے

امت محمدیہ کے پانچ طبقے ہیں جب ان میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے تو سارا ماحول بگڑ جاتا ہے۔

ایک روز میتب بن واضح سے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ عام بگاڑ اور فساد کیسے پیدا ہوتا ہے، میتب نے کہا کہ مجھے علم نہیں۔ فرمایا کہ خواص کے بگاڑ سے عوام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ امت محمدیہ کے پانچ طبقے ہیں، جب ان میں فساد اور خرابی پیدا ہوجاتی ہے تو سارا ماحول بگڑ جاتا ہے۔

ا۔ علماء: یہ انبیاء کے وارث ہیں مگر جب دنیا کی حرص وطمع میں پڑ جائیں تو پھر کس کو اپنا مقتدا بنایا جائے؟

۲۔ تجار: یہ اللہ کے امین ہیں جب یہ خیانت پر اتر آئیں تو پھر کس کو امین سمجھا جائے؟

۳۔ مجاہدین: یہ اللہ کے مہمان ہیں جب یہ مال غنیمت کی چوری شروع کریں تو پھر دشمن پر فتح کس کے ذریعے حاصل کی جائے؟

۴۔ زہاد: یہ زمین کے اصل بادشاہ ہیں، جب یہ لوگ برے ہو جائیں تو پھر کس کی پیروی کی جائے؟

۵۔ حکام: یہ مخلوق کے نگران ہیں، جب یہ گلہ بان ہی بھیڑیا صفت ہو جائیں تو گلہ کو کس کے ذریعہ بچایا جائے؟

زبان کا عالم دل کا جاہل اس امت کے لئے خطرناک ہے

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ بصرہ کا وفد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ ان میں احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، سب کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانے دیا۔ لیکن حضرت احنف بن قیس کو روک لیا اور انہیں ایک سال روکے رکھا۔ اس کے بعد فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں کیوں روکا تھا؟ میں نے اس وجہ سے روکا تھا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس منافق سے ڈرایا جو عالمانہ زبان والا ہوا، مجھے ڈر ہوا کہ شاید تم بھی ان میں سے ہو لیکن (میں نے ایک سال رکھ کر دیکھ لیا کہ) ان شاء اللہ تم ان میں سے نہیں۔

حضرت ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ممبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ اس منافق سے بچو جو عالم ہو، لوگوں نے پوچھا: منافق کیسے عالم ہو سکتا ہے؟ فرمایا بات تو حق کہے گا لیکن عمل منکرات پر کرے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم یہ بات کہا کرتے تھے کہ اس امت کو وہ منافق ہلاک کرے گا جو زبان کا عالم ہو۔

حضرت ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ممبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اس امت پر سب سے زیادہ ڈر اس منافق سے ہے جو عالم ہو'' لوگوں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! منافق کیسے عالم ہو سکتا ہے؟ فرمایا وہ زبان کا تو عالم ہوگا لیکن دل اور عمل کا جاہل ہوگا۔'' (حیاۃ الصحابہ: جلد ۳ صفحہ ۳۰۴)

ننگے سر کی شہادت قبول نہیں

اسلام بلند اخلاق و کردار کی تعلیم دیتا ہے اور گھٹیا اخلاق و معاشرت سے منع کرتا ہے ننگے سر بازاروں اور گلیوں میں نکلنا اسلام کی نظر میں ایک ایسا عیب ہے جو انسانی مروت و شرافت کے خلاف ہے۔ اس لئے حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اسلامی عدالت ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں کرے گی...... مسلمانوں میں ننگے سر پھرنے کا رواج انگریزی تہذیب و معاشرت کی نقالی سے پیدا ہوا ہے ورنہ اسلامی معاشرت میں ننگے سر پھرنے کو عیب تصور کیا جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد۳ صفحہ ۲۲۴، آپ کے مسائل جلد ۸ صفحہ ۴۷)

امام مالک رحمہ اللہ کی صاحبزادیوں کا علمی معیار

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ منیٰ کے بازار میں تھا حج کے ایام میں۔ فرماتے ہیں کہ جمرات سے فراغت ہوگئی مجھے ایک بوڑھا آدمی ملا تھوڑی دیر اس نے مجھے دیکھا اور کہنے لگا تجھے اللہ کا واسطہ تو میری دعوت قبول کر لے۔ فرماتے ہیں میں نے اس کی دعوت کو قبول کرلیا اور وہ بھی ایسا بے تکلف کہ جو اس کے پاس تھا پیش کر دیا، اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اور وہی دستر خوان پر رکھ دیا اور کہنے لگا کھاؤ۔ میں نے کھانا شروع کر دیا، وہ مجھے دیکھتا رہا اور کہنے لگا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ تو قریشی ہے۔ میں نے کہا ہاں لیکن تجھے کیسے پتہ چلا؟ اس نے کہا کہ یہ قریشی دعوت دینے میں بھی بے تکلف ہوتے ہیں اور قبول کرنے میں بھی پھر باتیں کرتے رہے مجھے پتہ چلا کہ یہ مدینہ سے آیا ہے، فرماتے ہیں میں نے اس سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے ان کے کچھ حالات سنائے۔

جب اس نے دیکھا کہ میں بڑے شوق سے ان کے حالات پوچھ رہا ہوں تو وہ کہنے لگا کہ اگر آپ مدینہ جانا چاہتے ہیں تو یہ خاکی رنگ کا اونٹ ہمارے پاس خالی ہے۔ یہ ہم آپ کو دے دیں گے آپ مدینہ پہنچ جائیں گے۔ کہنے لگے کہ میں تو پہلے سے ہی تیار تھا، لہٰذا میں نے حامی بھر لی، فرماتے ہیں میں قافلہ کے ساتھ سوار ہوا ہمیں راستہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچنے میں سولہ دن لگے اس دوران میں نے سولہ قرآن مجید پڑھ لئے۔

آج یہ حال ہے کہ حج کر کے آتے ہیں دس دس دن مدینہ گزار کر آتے ہیں، ایک قرآن مجید بھی مکمل کرنے کی توفیق نہیں ہوتی ہمارے اسلاف جب حج کے لئے آتے جاتے تھے تو سینکڑوں لوگ ان کے ہاتھوں پر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا کرتے تھے اور آج حج کر کے آتے ہیں خود مسلمان بن کر صحیح طرح سے نہیں آتے واپس آ کر پھر گناہوں کی طرف چل دیتے ہیں۔

الغرض امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حالت سفر میں سولہ دن میں سولہ قرآن مجید پورے کئے فرماتے ہیں، جب ہم مسجد نبوی میں پہنچے تو نماز کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اونچے قد کا ہے اور اس نے ایک تہبند باندھا ہے اور ایک چادر لپیٹی ہوئی ہے وہ ایک اونچی جگہ بیٹھ گیا اور کہنے لگا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگ اس کے اردگرد بیٹھ گئے تو میں سمجھ گیا کہ یہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہوں گے۔ یہ وہ ایام تھے جب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث کا املاء کرا رہے تھے، موطا امام مالک کی جو احادیث ہیں ان کو لکھوا رہے تھے میں نے ایک تنکا اٹھالیا اور دل میں یہ سوچا کہ یہ میرا قلم ہے اور ہاتھ سامنے کرلیا اور سوچا کہ یہ میری کاپی ہے، اور میں نے اپنی زبان سے اس تنکے کو لگایا کہ جیسے میں اس کو سیاہی لگا رہا ہوں اور ہتھیلی پر لکھنا شروع کر دیا۔ اب طلباء کاغذوں پر لکھ رہے ہیں، چنانچہ میں نے بھی ان سے املاء کی نسبت حاصل کرنے کے لئے ہتھیلی پر لکھنا شروع کر دیا، کہنے لگے اس دوران امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف دیکھا انہوں نے اس محفل میں ایک سو ستائیں احادیث لکھوائیں جب اگلی نماز کا وقت ہو گیا تو محفل برخاست ہو گئی۔ طلباء چلے گئے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیکھا تو اپنی طرف بلایا اور مجھ سے کہا تو اجنبی معلوم ہوتا ہے، میں نے کہا جی ہاں! میں مکہ مکرمہ سے آیا ہوں، کہنے لگے کہ تو ہتھیلی پر کیا کر رہا تھا؟ میں نے کہا میں احادیث لکھ رہا تھا، کہنے لگے کہ دکھاؤ، میں نے جو دکھایا تو ہتھیلی پر تو کچھ لکھا ہوا ہی نہیں تھا، انہوں نے کہا یہاں تو کچھ نہیں لکھا، میں نے کہا کہ حضرت نہ میرے پاس قلم تھا نہ کاغذ امیں تو آپ جو املاء لکھوا رہے تھے اس کی نسبت حاصل کرنے کے لئے ایک تنکے سے بیٹھا ہوا ہتھیلی پر لکھ رہا تھا، اس پر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے کہ یہ تو حدیث پاک کے ادب کے خلاف ہے کہ تم نے اس طرح

سے لکھا، میں نے کہا کہ حضرت میں تو ظاہری مناسبت کے لئے ہاتھ پر تنکا چلا رہا تھا حقیقت میں تو حدیث پاک دل میں لکھ رہا تھا، کہنے لگے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا اگر تو دل میں لکھ رہا تھا تو مجھے چند روایتیں اس میں سے سنا دے تو میں تجھے جانوں۔ فرمانے لگے میں نے ان کو ایک سے لے کر ایک سوستائیس حدیثیں متن اور سند کے ساتھ سنا دیں، یہ علم!! ۱۲۷ حدیثیں جس ترتیب سے لکھوائی تھیں، تمام اسی ترتیب پر ان کو سنا دیں۔

فرماتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے خوش ہوئے کہنے لگے کہ اچھا اے نوجوان! تو میرا مہمان بن جا، اندھے کو کیا چاہئے؟ دو آنکھیں۔ میں تو نے پہلے ہی سے تیار تھا کہنے لگا کہ حضرت! میں تیار ہوں، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ گھر تشریف لے گئے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں ان کی بیٹیاں تھیں اور وہ عالمہ تھیں حدیث کی حافظہ تھیں۔ قرآن مجید کی حافظہ تھیں، بہت متقیہ پاک صاف زندگی گزارنے والی عورتیں حتیٰ کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اتنا علم رکھتی تھیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کئی مرتبہ حدیث کا درس مسجد نبوی میں دیتے وہ پردے کے پیچھے بیٹھ کر حدیث کے درس میں شریک ہوتیں اور ان کا علمی معیار اتنا اونچا تھا کہ کئی مرتبہ ان کا شاگرد جب کسی حدیث پاک کی تلاوت کرتا اور عبارت میں کہیں غلطی کرتا تو ان کی بیٹیاں لکڑی کے اوپر لکڑی مار کر آواز کرتیں جس سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سمجھ جاتے کہ پڑھنے والے نے غلطی کی ہے۔

آپ نے جا کر گھر میں بتایا کہ آج ایک عالم آرہے ہیں اور وہ بڑے دانا ہیں اور بڑا علم کا شوق ہے، وہ تو بہر حال امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے، انہوں نے گھر میں کھانے کا بڑا اہتمام کیا، بستر لگایا، مصلیٰ بچھایا لوٹا پانی کا بھر کر رکھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کھانا کھایا لیٹ گئے صبح کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسجد میں آگئے جب اشراق کی نماز پڑھ کر واپس گھر گئے تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہ میری بیٹیوں کو آپ پر ایک اعتراض واقع ہوا ہے اور میں آپ سے پوچھتا ہوں، یہ سچے لوگ تھے کھرے لوگ تھے، صاف بات کرتے تھے، فرمایا کہ بچیاں کہہ رہی ہیں کہ ابو! آپ نے تو یہ کہا تھا کہ یہ بڑے نیک اور اچھے انسان ہیں لیکن ہمیں ان پر اشکال واقع ہوا ہے۔

۱۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ جتنا کھانا ہم نے پکا کر بھیجا تھا وہ تو کئی آدمیوں کے لئے کافی تھا ماشاء اللہ یہ اکیلے مہمان سبحان اللہ بالکل صاف ہو کر برتن واپس آئے کہ ہمیں دھونے کی بھی ضرورت پیش نہ آئی۔

آج دنیا کہتی ہے کہ بچوں کو عالم بناؤ گے تو یہ روٹی کہاں سے کھائیں گے؟ آپ بتایئے آج تک آپ نے کبھی سنا کہ کوئی عالم باعمل ہو یا حافظ باعمل ہو اور وہ بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے مر گیا ہو؟ کوئی ایک مثال نہیں دے سکتے۔ میں نے دنیا کی کئی ملکوں میں یہ سوال پوچھا کوئی ایک مثال تو بتا دو لیکن ہمیں معلوم ہے کہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر پی ایچ ڈاکٹر کئی ایسے تھے کہ بڑھاپے میں ان کا وہ وقت بھی آیا کہ بھوک و پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے تو رزق کس لائن سے زیادہ ملا؟ دینی لائن سے زیادہ۔ ہمارے پاس یہ مثالیں تو ہیں کہ کھانا زیادہ کھالیا اور موت آ گئی؟ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث تلاش کر رہے تھے اور کھجوریں پاس میں رکھی ہوئی تھیں اور حدیث پاک کو ڈھونڈنے کے اندر اتنے منہمک تھے کہ کھاتے رہے حتیٰ کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے موت واقع ہو گئی، تو زیادہ کھا کر مر جانے کی مثالیں تو ہیں لیکن بھوک پیاس سے مرنے کی مثالیں اس لائن میں نہیں ہیں، الحمد للہ رزق کی اللہ تعالیٰ خوب فراوانی کر دیتا ہے اور دنیا اس رزق سے ڈرتی ہے، کہتے ہیں کہ یہ عالم بنیں گے تو کھائیں گے کہاں سے؟ وہ اللہ کے بندے وہاں سے کھائیں گے جہاں سے اللہ رب العزت اپنے انبیاء کو کھلایا کرتا تھا، تو خیر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک بات تو انہوں نے یہ پوچھی کہ سارا کھانا تنہا کھا گئے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ ہم نے مصلیٰ بچھا کر رکھا اور پانی کا برتن رکھا لیکن جیسا مصلیٰ بچھایا تھا صبح کو ویسا ہی رکھا ملا اور پانی بھی جوں کا توں تھا تو لگتا ہے کہ تہجد کی نماز بھی نہیں پڑھی اور پھر مسجد میں تو وضو کا انتظام بھی نہیں لوگ گھروں سے وضو کر کے جاتے ہیں اور یہ اسی طرح آپ کے ساتھ اٹھ کر مسجد میں چلے گئے، پتہ نہیں نماز بھی انہوں نے کیسے پڑھی؟ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ حضرت بات یہ ہے کہ جب میں نے آپ کے یہاں کھانا کھایا تو کھانے میں اتنا نور تھا اتنا نور تھا کہ ہر ہر لقمہ کھانے پر مجھے سینہ نور سے بھرتا نظر آتا تھا میں نے سوچا کہ ممکن ہے اتنا حلال مال زندگی میں پھر میسر نہ ہو کیوں نہ میں اسے جزء

بدن بناؤں! اس لئے میں نے اس سارے کھانے کو اپنے بدن کا جزو بنالیا۔ اللہ اکبر!

فرماتے ہیں کہ بھر میں لیٹ گیا لیکن اس کھانے کا نور اتنا تھا کہ نیند غائب، تو میں احادیث میں غور کرتا رہا فرمانے لگے کہ ایک حدیث میرے پیش نظر رہی کہ نبی علیہ السلام نے چھوٹے بچے کو جس کا پرندہ مرگیا تھا پیار محبت سے کہا تھا: **یا ابا عمیر ما فعل النغیر** تو یہ چند الفاظ تھے میں ان کے اندر غور کرتا رہا اور آج کی رات میں نے ان چند الفاظ سے فقہ کے چالیس مسائل اخذ کر لئے، اتنی سی عبارت یا ابا عمیر! کہ کنیت کیسی ہونی چاہئے؟ بچوں سے اندازِ تخاطب کیسا ہونا چاہئے؟ کسی کے دل کی ملاطفت کے لئے کیسے بات کرنی چاہئے؟ **یا ابا عمیر مافعل النغیر** صرف اس میں غور کر کے میں نے چالیس فقہ کے مسائل اخذ کر لئے اور پھر فرمایا چونکہ میرا وضو باقی تھا اس لئے میں اٹھا اور فجر کی نماز اسی وضو سے ادا کی۔ ہمارے اسلاف کا یہ حال تھا۔ تو سب سے پہلا قدم علم حاصل کرنا اور دوسرا قدم اس علم کے اوپر عمل کرنا لیکن عمل کرنے کے ساتھ کام ختم نہیں ہوتا ایک قدم اور اٹھانا ضروری ہے اس کو کہتے ہیں اخلاص پیدا کرنا۔ (دوائے دل: صفحہ ۴۴ سے صفحہ ۵۰ تک)

علم سے خشیت خداوندی

فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمؤ** اہل علم میں جو علم ہوتا ہے اس کی وجہ سے ان میں خشیت الٰہی اور خوف خداوندی ضرور پیدا ہوتا ہے، یہ علم کی تاثیر ہے اور جب خوف آخرت ہوگا اور اپنے مرنے کا ڈر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا اندیشہ ہوگا تو عمل کا جذبہ انسان میں پیدا ہوگا لیکن جب علم سے خشیت اور خوف پیدا نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم حقیقی نہیں ہے بلکہ رسمی علم ہے۔ رسمی علم کے لئے خشیت کا وعدہ نہیں ہے۔'' (جواہر حکمت)

علم وعبدیت کا تلازم

فرمایا: ''اگر عالم کے اندر استکبار ہے تو عالم کے لئے فساد ہے اور اگر اس میں تواضع کے بجائے ذلت نفس ہے تو بھی عالم کے لئے فساد ہے اور اگر وہ جاہل ہے یعنی عامل بے علم

ہے تو وہ بدعات ومنکرات میں مبتلا ہوگا وہ بھی فساد کبیر ہے تو علم کے لئے بھی ایک فتنہ ہے اس کا علاج عبدیت میں ہے اور عبدیت کے لئے بھی ایک فتنہ ہے اس کا علاج علم ہے جب تک یہ دونوں چیزیں جمع نہیں نہ ہوں کام نہیں چلتا''۔

فرمایا: ''اگر علماء میں بگاڑ آتا ہے تو یہود کے نقش قدم پر جاتے ہیں عجب واستکبار میں مبتلا ہوتے ہیں اور اگر عباد وزہاد میں بگاڑ آتا ہے تو وہ نصاریٰ کے نقش قدم پر چلتے ہیں بدعات ومنکرات میں مبتلا ہوتے ہیں''۔ (جواہر حکمت)

مستند علماء

فرمایا: ''طلبہ دورۂ حدیث سے ختم بخاری کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ ''رات کو بخاری شریف پڑھنے کے بعد دو چیزیں حاصل ہوئیں ایک متن حدیث اور اس کی مرادات اور دوسرا یہ کہ آپ کو سند مل گئی۔ آپ نے کہا کہ مجھے یہ حدیث میرے استاذ سے پہنچی ہے اور اسے اس کے استاذ سے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ مل گیا۔ گویا آپ کے قلب کا رشتہ قلب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہوگیا اور ایک نورانی سلسلے سے کلام کے لفظ اور معانی آپ کے قلب تک آ گئے تو متن حدیث کے ساتھ آپ کو سند بھی حاصل ہوگئی اور آپ مستند عالم بن گئے''۔ (جواہر حکمت)

اہل علم کو اکابر کی نصائح

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ
امام ابو یوسف رحمہ اللہ
شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ
حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ
حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ
قطب الارشاد حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی رحمہ اللہ
جیسے اہل دل اکابر کی اہل علم کو وعظ ونصیحت کے انمول ارشادات

اکابر کی تواضع کے واقعات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ — حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ
حضرت شاہ اسحٰق رحمہ اللہ — حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
حضرت مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ
جیسے اکابرین کے تواضع پر مبنی اصلاحی واقعات

قیمتی نصیحتیں

امام اعظم رحمہ اللہ کی ابو یوسف رحمہ اللہ کو

امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد خاص امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو خصوصی طور پر بہت ہی قیمتی نصیحت نامہ لکھ کر دیا تھا جس میں اخلاق' معاملات' معاشرت اور سیاست کے متعلق بہت سی قیمتی ہدایات اور زریں اقوال ہیں۔ طلباء و اہل علم طبقہ سے متعلق ایک اقتباس برائے افادہ و استفادہ نظر قارئین ہے۔

"تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا' جب اس سے فراغت ہو جائے تو اس کے بعد جائز ذرائع سے مال حاصل کرنے کی کوشش کرنا کیونکہ ایک وقت میں علم اور مال دونوں حاصل نہیں ہو سکتے ۔ کسی شہر میں جاؤ تو وہاں کے علماء و فضلاء سے اس طرح ملو کہ ان کو رقابت کا خیال نہ ہو..... کسی علمی گفتگو کا موقع آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی بات کہو جس کا کافی ثبوت تمہارے پاس موجود ہو..... اگر کبھی علمی مباحثہ کا موقع آ جائے تو نہایت جرات و استقلال کے ساتھ اس میں حصہ لو' دل میں ذرہ برابر بھی خوف و ہراس رہے گا تو خیالات منتشر ہو جائیں گے اور زبان میں لغزش آ جائے گی..... جو لوگ علمی مباحث کے آداب سے واقف نہ ہوں بلکہ مکابرہ یعنی بحث و جدال کرنا چاہتے ہوں ان سے ہرگز گفتگو نہ کرو..... اپنے اساتذہ کو برا بھلا نہ کہو ورنہ تمہارے تلامذہ بھی تم کو برا بھلا کہیں گے..... اپنے اساتذہ اور جن لوگوں سے تم نے استفادہ کیا ہے ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہا کرو..... اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص و محبت سے پیش آؤ کہ دوسرا دیکھے تو سمجھے کہ یہ تمہاری اولاد ہیں..... شاگردوں میں سے اگر کسی کو درس کی اجازت دو تو خود بھی اس کی مجلس درس میں شریک ہو کر اس کی صلاحیت کا اندازہ کرو اگر اس سے

کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو بتا دو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اس نے جو کچھ کہا ہے صحیح کہا ہے۔ جب تم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو بقدر ضرورت اس کا جواب دو اپنی طرف سے اس میں کوئی اضافہ نہ کرو۔ علمی مجالس میں خصوصیت سے غصہ نہ کرو۔" (سیر الصحابہ)

شاگردوں کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی قیمتی نصیحتیں

امام ابو یوسفؒ اپنے مثالی تلامذہ (واہل علم) سے فرماتے تھے کہ: "اے لوگو! صرف رضائے الٰہی کے لئے علم حاصل کیا کرو اس میں کوئی دوسری غرض شامل نہ ہو میرا خود اپنا حال یہ تھا کہ جس مجلس میں متواضع ہو کر شریک ہوا اس سے بلند ہو کر اٹھا اور جس مجلس میں علم کے غرور و پندار کے ساتھ گیا اس میں میری ذلت و فضیحت ہوئی پس خبردار! اللہ ہی کے لئے علم حاصل کرو...... اس شخص کی صحبت سے بچو جو قیامت کی ذلت ورسوائی سے نہیں ڈرتا...... تین نعمتیں اصل ہیں ایک اسلام کی نعمت کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی دوسری صحت کہ اس کے بغیر کوئی راحت خوشگوار نہیں ہو سکتی تیسری فارغ البالی کہ اس کے بغیر زندگی پر سکون نہیں ہوتی...... علم ایسی چیز ہے کہ تم اپنی پوری زندگی اس کو دے دو گے تب جا کر اس کا کچھ حصہ تم کو ملے گا جب تم کو اس کا بعض حصہ ملے تو اس پر تکیہ مت کرو بلکہ برابر اس میں لگے رہو...... (سیر الصحابہ)

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی قیمتی نصیحت

اپنے زمانے کے طالبان علم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: "اے بدعقلو! جنہوں نے اپنا نام علماء رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف ونحو ومعانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔ تو چاہئے کہ قرآن سیکھو پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ اور اس کی مشکلات کو حل کرو۔ اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے وضو کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا اپنی ضرورت کے لئے کس طرح جاتے تھے حج کیونکر ادا فرماتے تھے جہاد کا آپ کے یہاں کیا قاعدہ تھا گفتگو کا کیا انداز تھا اپنی زبان

کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے' چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو اور آپ کی سنت پر عمل کرو مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو' اسی طرح چاہئے کہ جو تم پر فرائض ہیں انہیں سیکھو مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں' نماز کے ارکان کیا ہیں' زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے' قدر واجب کیا ہے' میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو' جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو' صحابہؓ اور تابعینؒ کے حالات پڑھو' اور یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں لیکن تم ان دنوں جن چیزوں میں الجھے ہوئے ہو اور جس میں سر کھپا رہے ہو اس کو آخرت سے کیا واسطہ؟ یہ تو دنیا کے علوم ہیں۔''

ان ہی طلباء کو مزید فرماتے ہیں: ''جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف ونحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو نہ کہ خود انہیں مستقل علم بنا بیٹھو' علم کا پڑھنا تو اس لئے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رائج دو لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔ تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرایا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے' حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں جہاں علماء بھی پائے جاتے ہیں وہاں بھی دینی شعاروں کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت)

اہل علم کو سادگی کی ضرورت

حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا میرے خیال میں جہاں تک غور کیا جائے ہم میں سادگی کا پتہ بھی نہیں ملے گا۔ نہایت افسوس اس امر کا ہے کہ اس وقت خود اکثر اہل علم میں عورتوں کی سی زینت آ گئی ہے۔

صاحبو! یہ ہمارے لئے دین کے اعتبار سے بھی اور دنیا میں بھی سخت (قسم کا عیب) نقص ہے۔ اس سے بجائے عزت بڑھنے کے اور ذلت بڑھتی ہے۔

ہمارے لئے کمال یہی ہے کہ نہ لباس میں کوئی شان وشوکت ہو نہ دوسرے سامان میں مگر اس وقت یہ حالت ہے کہ اکثر طالب علموں کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ طالب علم ہیں یا کسی

نواب کے لڑکے اور یہ کوئی دیندار ہیں یا دنیادار یا تو آدمی کسی جماعت میں داخل نہ ہو اور اگر داخل ہو تو پھر وضع قطع سب اسی کی سی ہونا چاہئے۔ علم کی یہی زینت ہے کہ اہل علم کی وضع پر رہے۔ میں کہتا ہوں اگر اس کا بھی خیال نہیں تو کم از کم اس کا خیال تو ضرور کیجئے کہ آپ کس کے وارث ہونے کے مدعی ہیں اور ان مورث کی کیا حالت تھی۔ واللہ ہماری حالت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دین کا ہم پر کامل اثر نہیں ہوا۔ دین نے ہمارے قلب میں پوری جگہ نہیں کی۔

سلف صالحین اور اکابرین کی حالت

ہمارے سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ انہوں نے بعضے مباح امور کو بھی جبکہ وہ مقتضی بہ تکلف یا فساق کا شیوہ ہو گئے تھے (ان کو بھی) ترک کر دیا تھا چنانچہ اسی بناء پر باریک کپڑا پہننا چھوڑ دیا تھا اور اسی بناء پر حدیث شریف میں ہے من رق ثوبہ رق دینہ (جس نے اپنے کپڑے کو باریک بنایا اس کا دین بھی باریک کمزور ہو گیا)

دوسری بناء کے متعلق ایک واقعہ ہے کہ کسی صحابی یا تابعی نے ایک مرتبہ کسی خلیفہ کو مہین (باریک) لباس پہنے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ "ہمارے اس امیر کو دیکھو تو فاسقوں کا لباس پہنے ہے)

چونکہ سلف صالحین میں سادگی بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی اس لئے اس وقت صلحاء باریک کپڑے نہ پہنتے تھے۔ اس سے امیر کو فساق کا لباس پہنے دیکھ کر یہ اعتراض کیا۔

پس اس وقت بھی جو امور اہل باطل یا اہل کبر کے وضع کے ہیں گو فی نفسہ مباح ہی ہوں ان کو ترک کرنا چاہئے۔ جیسے انگریزی بوٹ جوتے پھندنے دار ٹوپی وغیرہ کیونکہ اس قسم کے امور اول من تشبہ میں داخل ہیں دوسرے اگر ان کو تشبہ سے قطع نظر کر کے مباح مطلق بھی مان لیا جائے تب بھی چونکہ ثقہ لوگوں کی وضع نہیں ہے اس لئے بھی وہ قابل ترک ہوں گے ہماری وضع ایسی ہونا چاہئے کہ لوگوں کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ ان لوگوں میں ہیں جن کو ناکارہ سمجھا جاتا ہے جو کہ ہمارے لئے مایہ فخر ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ بالکل سادے رہتے تھے مگر لوگوں کو ہمت بھی نہیں ہوتی تھی کہ سامنے بات کر سکیں۔

تصنع وتکلف سے احتراز

بعض اہل علم اپنے کو خوب بناؤ سنگار سے رکھتے ہیں جو شان علم کے خلاف ہے اور ضروری خدمات علم سے بے فکری کی علامت ہے کیونکہ اس فکر کے ساتھ لباس وطعام وغیرہ کے تکلفات کی طرف التفات نہیں ہوتا۔

اسی طرح مجلس میں صدر یا ممتاز جگہ پر بیٹھنے کا شوق، چلنے میں تقدم کی فکر، مجمع میں امام ہونے کا خیال، یہ سب ریا وکبر کے شعبے ہیں، تواضع وبے تکلفی اور سادگی ہی میں علم دین کی شان ہے۔ حدیث میں ہے۔ البذاذة من الایمان'' اس سے مساکین کو بعد وتوحش نہیں ہوتا۔ اور یہی لوگ دین کے زیادہ قبول کرنیوالے ہیں۔ البتہ سادگی کے ساتھ طہارت ونظافت ضروری ہے۔ (تحفۃ العلماء جلد اول)

اہل علم کو وصیت

حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا میں تو اہل علم کو ہمیشہ یہی وصیت کرتا ہوں کہ تم ہرگز لوگوں سے روپیہ کا سوال نہ کرو خدا پر توکل کرو ان شاء اللہ یہ سب جھک مار کر تم کو خود لالا کر دیں گے۔ (التعمیم تعلیم القرآن الکریم)

علماء کے لئے نصیحت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اس سے بہت افسوس ہوتا ہے کہ اپنی ہی جماعت میں افتراق ہو گیا ہے اگر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تو افتراق نہ ہوتا کیونکہ وہ جو فرماتے اسی پر سب کا اتفاق ہو جاتا رہی یہ بات کہ وہ کیا فرماتے ہیں تو ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ وہ یوں کہتے کہ اپنا کام کرو اور علماء کے لئے تو اس زمانہ میں یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بقول حضرت مولانا گنگوہی بس مٹی کا مادھو بنا بیٹھا رہے یہ محاورہ میں نے مولانا ہی سے سنا ہے کیونکہ علماء کی عزت تو جس کی ضرورت ابقاء دین میں ہے گھر بیٹھنے ہی میں ہے اب اس کو اگر کوئی کم ہمتی پر محمول کرے تو اسکو اختیار ہے میں اس میں نزاع نہیں کرتا اچھا بھائی ہمت کرو جب میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں تھا تو اس زمانہ میں ایک متمول رئیس کانپور

آئے تو وہاں کے جتنے مدرسے تھے ان سب کے مہتمم اور مدرسین اپنے اپنے طلبہ کو لے کر چندہ کی غرض سے ان رئیس کے استقبال کے لئے اسٹیشن پہنچے اور مجھ سے بھی کہا گیا لیکن میں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو اپنے مدرسہ سے ایک چڑیا کے بچے کو بھی نہ جانے دوں گا کیونکہ میرے نزدیک مال سے زیادہ عزت ہے اور اس صورت میں عزت تو یقیناً برباد ہوگی اور مال کا ملنا محض محتمل ہے ممکن ہے کہ مل جائے اور ممکن ہے کہ نہ ملے اور دوسری صورت میں عزت تو یقیناً محفوظ ہے چاہے مال ملے چاہے نہ ملے، غرض میں نے اپنے مدرسہ میں سے کسی کو نہ جانے دیا دوسرے مدرسہ والے گئے اور اپنی اپنی ضرورتیں ظاہر کیں انہوں نے سب کی درخواستیں سن کر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک مدرسہ جامع العلوم بھی ہے اور اس کا کوئی ذمہ دار نہیں اس کے لئے میں دو سو روپیہ سال مقرر کرتا ہوں لیجئے اور سب کو تو جواب دے دیا اور ہمارے مدرسہ کے لئے دو سو روپے سال مقرر کر دیئے پھر دو سو روپے سال برابر آتے رہے اور جب ان رئیس کا انتقال ہو گیا تو میں نے ان کے ورثہ کو اس چندہ کے قائم رکھنے کے لئے نہیں لکھا اور اہل مدرسہ نے کہا بھی کہ لکھ دینا چاہئے لیکن میں نے کہا کہ یہ بے عزتی کی بات ہے چنانچہ نہ یہاں سے لکھا گیا اور نہ وہاں سے پھر کچھ آیا اس لئے میں تو علماء کے لئے اینٹھ مروڑ ہی کو اچھا سمجھتا ہوں تواضع تو درویشوں کو کرنی چاہئے کیونکہ اس سے دین کی ذلت ہوتی ہے اور وہ تو ان کی خوبی سمجھی جاتی ہے لیکن علماء اگر ایسی تواضع اختیار کریں تو لوگ انہیں ذلیل سمجھنے لگتے ہیں تو اس سے دین کی ذلت ہوتی ہے۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

علماء کو نصیحت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں اپنے دوستوں کو کہا کرتا ہوں۔ کہ تنخواہ میں جھگڑا نہ کیا کرو۔ صاحبو! خدمت دین تو خود ہمارا کام ہے۔ اس میں بھاؤ تاؤ کیسا۔ کیا وہ کرنا چاہتے ہو۔ جیسا ہندوؤں کے ساتھ برہمن کیا کرتے ہیں۔ کہ جب ان کی دعوت ہوتی ہے تو کچھ کھا کر ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ ہندو انکی خوشامد کرتے ہیں کہ اور کھاؤ وہ پوچھتے ہیں کیا دو گے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ایک لڈو پر ایک روپیہ۔ وہ ایک دو کھا کر پھر ہاتھ روک لیتے ہیں پھر وہ ایک لڈو پر دو روپے دیتے ہیں۔ میں تو یہ کہا کرتا ہوں۔ کہ تنخواہ پر کبھی جھگڑا مت کرو جو خدمت

کریں خوشی سے قبول کرلو جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ تمہارا کام نہیں چلتا۔ وہ خود بخود تمہاری امداد کریں گے۔ آپ اللہ کے واسطے اپنا کام کیجئے۔ (دوسرا وعظ الدین الخالص ص ۴۲)

خشک علماء کو اہل تحقیق کی تقلید کرنا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

حضرت جنید رحمہ اللہ بیٹھے تھے کہ حضرت شبلی رحمہ اللہ تشریف لائے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بیٹھی رہیں ان میں ابھی ہوش نہیں۔ باوجودیکہ باتیں کرتے تھے ہنستے تھے، پھر جب رونے لگے تو فرمایا کہ اب اٹھ جاؤ۔ حالانکہ پہلی حالت میں ہوش اور عقل کی معلوم ہوتی تھی اور دوسری اختلال کی۔ محقق ہی سمجھ سکتا ہے کہ کیا حال ہے۔ خشک علماء کو ایسے وقت میں اہل تحقیق کی تقلید کرنی چاہئے۔ فتویٰ میں جلدی نہ کریں۔ اہل تحقیق ان سے جو معاملہ کریں اہل ظاہر بھی وہی کریں۔ (ملفوظات ج ۲۶)

علما کی وضع سے متعلق ایک خاص اصول

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہماری عزت تو اسی میں ہے کہ حجروں میں بیٹھیں۔ اور جو کچھ ہوسکے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتے رہیں اور ہم کو ایسی غریبانہ وضع سے رہنا چاہئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی آکر رات کو ہم کو جگا سکے۔ چاہے اس جگانے سے ہم لڑ ہی پڑیں۔ مگر وہ اس کی جرأت کرسکے۔ اور علما کو ظاہری شان و شوکت سے رہنا مناسب نہیں۔ اس لئے کہ غریب مسلمان استفادہ نہیں کرسکیں گے۔ میں تو ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں۔ (الافاضات ج ۸)

علما کی تبلیغ مؤثر ہونے کا طریقہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کے پاس خود سرمایہ ہو اس کو تبلیغ کا انتظام کرنا چاہئے۔ مطلب یہ کہ علما اس کے لئے چندہ نہ مانگیں۔ کیونکہ اس سے علما کی وقعت نہیں رہتی۔ وعظ کہہ کر جہاں چندہ مانگا سب اثر گڑ بڑ ہوجاتا ہے۔ بڑے زور وشور کی تقریر گھنٹے دو گھنٹے کی محنت ایک لفظ چندہ کے کہتے ہی سب ختم۔ اس لئے چندہ بھی وہی کرے جس کے

پاس سرمایہ ہو۔اور علما صرف تبلیغ کریں۔اس وقت تبلیغ مؤثر ہو سکتی ہے۔(الافاضات ج ۷)

علماء کہاں سے کھائیں؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اکثر اہل دنیا پوچھا کرتے ہیں کہ فی زمانہ عربی پڑھ کر انسان کیا کرے اور کہاں سے کھائے ضابطے کا جواب یہ ہے کہ اہل دنیا سے وصول کر کے ان کے اموال سے لے کر کھائے۔اس لئے کہ عربی پڑھنے والے دین کی اشاعت اور حفاظت میں مصروف ہیں لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔

قرآن شریف مسلمانوں کی مشترک جائداد ہے۔اس لئے اس کی حفاظت بھی سب کو کرنی چاہئے۔کچھ افراد ایسے بھی ہونا چاہئیں کہ وہ محض خادم قوم ہوں کیوں کہ اگر سب کے سب تحصیل معاش ہی میں پڑ جائیں تو دین کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا۔دین کے کام میں اگر کوئی بھی نہ لگے تو یہ کام بند ہو جائے لہٰذا ضروری ہے کہ ایک جماعت محض خادمان دین کی ہو کہ یہ لوگ اس کے سوا اور کوئی کام نہ کریں۔

تو یہ لوگ عوام اہل اسلام کی ضرورتوں میں محبوس ہیں۔اور یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ جو شخص کسی کی ضرورتوں میں محبوس ہو اس کا نان ونفقہ اس شخص کے ذمہ ہوتا ہے چنانچہ اسی بناء پر زوجہ کا نفقہ شوہر پر اور قاضی کا نفقہ بیت المال میں اور شاہد کا نفقہ من لہ الشھادۃ پر ہوتا ہے۔

پس جب علماء مسلمانوں کے مذہبی کام میں محبوس ہیں اور ان کے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں روزمرہ کی جزئیات میں ان کو مذہبی حکم بتاتے ہیں۔اور یہ شغل ایسا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا کام نہیں ہو سکتا۔چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دوسرے کام میں جو لوگ لگے ہیں ان سے یہ کام نہیں ہوا۔ تو ان کا نان ونفقہ بھی عام مسلمانوں کے ذمہ واجب ہوگا۔تو علماء سے یہ پوچھنا کہ عربی پڑھ کر کیا کیجئے گا اور کہاں سے کھایئے گا۔اپنی حماقت کا ظاہر کرنا ہے۔ (دعوات عبدیت)

اہل علم کو اصول کی رعایت کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: ایک صاحب علم کاندھلہ میں کہنے لگے کہ میں نے ایک مجادل کے مقابلہ میں داڑھی قرآن کی آیت سے ثابت

کی وہ آیت یہ ہے "لا تاخذ بلحیتی" دیکھو اس سے معلوم ہوگیا کہ ہارون علیہ السلام کی داڑھی تھی اس سے مخاطب خاموش ہوگیا۔ میں نے ان سے کہا تم نے قرآن سے وجود ثابت کیا یا وجوب۔ اگر وجود ثابت کرنا تھا تو قرآن کی کیوں بے ادبی کی اپنی داڑھی پکڑ کر دکھا دیتے اس سے وجود ثابت ہو جاتا اور اگر وجوب ثابت کرنا مقصود تھا اس آیت سے وجوب تو ثابت نہیں ہوا اور قرآن سے ہر مسئلہ کہاں تک ثابت کرو گے؟ زکوٰۃ کا چالیسواں کس جگہ سے ثابت کرو گے اس سے تو دور یا تسلسل لازم آئے گا۔ جب خود قرآن اور دلیل سے ثابت ہے تو سارے مسائل کیوں قرآن سے ثابت کرتے ہو! کچھ نہیں بجز عوام کی رعایت کے کہ وہ قرآن سے ثبوت مانگتے ہیں تو جس طرح بن پڑے قرآن ہی سے ثبوت دو۔ اصل چیز حقائق کی رعایت ہے خواہ ساری دنیا مخالف ہو۔ اصول کی رعایت نہیں چھوڑنا چاہئے۔ (کلمۃ الحق)

حکیم الامت رحمہ اللہ کی اہل علم کیلئے نصیحتیں

۱۔ ایک بات اہل علم کے کام کی بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لئے حتی الامکان ان پر اعتراض وتنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہیے۔ (الافاضات)

۲۔ مولوی ہونا کوئی خوشی کی بات نہیں دیندار ہونا خوشی کی بات ہے۔ (مزید المجید)

۳۔ زیادہ کھانے سے جسم تازہ اور قلب مکدر ہوتا ہے اور کم کھانے سے جسم کمزور ہو جاتا ہے مگر قلب کو تازگی ہوتی ہے۔ (مزید المجید)

۴۔ علم اور اس کے ساتھ صحبت کی بڑی ضرورت ہے صحبت سے واقفیت بھی ہوتی ہے بڑی ضرورت ہے شیخ کی نری کتابیں کافی نہیں۔ (حسن العزیز)

۵۔ مولانا محمد قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے سے زیادہ گننا (سمجھنا) چاہئے ایک شخص پڑھا ہوا ہے اور ایک گنا (سمجھا) ہوا دونوں میں بڑا فرق ہے گننا صحبت سے آتا ہے۔ (حسن العزیز)

۶۔ علماء کا ہمیشہ غریب ہی رہنا اچھا ہے۔ جس قوم اور جس مذہب کے علماء امیر ہوئے وہ مذہب برباد ہوگیا۔ (حسن العزیز)

۷۔ آدمی قناعت اور اکتفا کرے اور ضروری سامان کے ساتھ رہے تو تھوڑی آمدنی

میں بھی رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی ادا کر سکتا ہے۔ (حسن العزیز)

۸۔ دو چیزیں اہل علم کے واسطے بہت بری معلوم ہوتی ہیں حرص اور کبر، یہ ان میں نہیں ہونا چاہیے۔ (حسن العزیز)

۹۔ مناسب ہے کہ پنسل اور کاغذ جیب میں پڑا رہے، جس وقت جو مضمون ذہن میں آئے اس کا اشارہ لکھ لیا جائے پھر دوسرے وقت ان میں ترتیب دے لی جائے چنانچہ میری جیب میں پنسل اور کاغذ پڑا ہے ورنہ بعض مضامین ذہن میں آتے ہیں اور پھر نکل جاتے ہیں (حسن العزیز)

۱۰۔ امام مالکؒ کی خدمت میں ایک بزرگ نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں بزرگوں کی کیا یہی شان ہوتی ہے؟ حدیثیں موجود تھیں اگر چاہتے تو ثابت کر دیتے مگر یہ فرمایا نعم نفعل ونستغفر۔ یعنی ہم کرتے ہیں اور اپنے کو گناہ گار سمجھ کر استغفار کرتے ہیں کوئی تاویل نہیں کی۔ (حسن العزیز)

۱۱۔ کثیر الاشغال شخص کو زبانی یاد پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ ضروری کاموں کو لکھ لینا چاہیے۔ (حسن العزیز)

۱۲۔ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لو۔ (حسن العزیز)

۱۳۔ بیکار وقت کھونا نہایت برا ہے اگر کچھ کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے گھر کے کام میں لگنے سے دل بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے، مجمعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں کسی کی حکایت بعض مرتبہ غیبت کی نوبت آجاتی ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (حسن العزیز)

۱۴۔ ملنے جلنے میں ہزارہا مفاسد ہیں اختلاط سے سینکڑوں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیے۔ (الافاضات)

۱۵۔ آدمی سب کو خوش رکھے یہ ہو نہیں سکتا جب ہر حال میں اس پر برائی آتی ہے تو پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے بشرط اذن شرعی وہی کرے کسی کی بھلائی برائی کا خیال نہ کرے مخلوق کے برا کہنے کا خیال نہ کرے حق تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھنا چاہیے۔ (حسن العزیز)

۱۶۔ فرمایا دو باتیں مجھے بہت ناپسند ہیں ایک تو تقریر میں لغت بولنا دوسرے تحریر میں شکستہ

لکھنا کیونکہ تحریر و تقریر سے مقصود افہام ہوتا ہے اور یہاں ابہام ہو جاتا ہے۔ (حسن العزیز)

۱۷۔ جس کے معتقد ہو اس کے کہنے کا برا نہ مانو تھوڑی دیر کے لئے صبر کرلو شاید یہ امتحان ہی لیتے ہوں۔ اگر وہ اس کا امتحان ہونا پہلے ہی سے بتلادیں تو پھر امتحان ہی کیا ہوا۔ (حسن العزیز)

۱۸۔ مشغولی بڑی سلامتی کی چیز ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھیں بس خدا جس سے کام لینا چاہے وہی کام کرسکتا ہے خود کچھ نہیں کرسکتا۔ (حسن العزیز)

۱۹۔ آدمی کو اپنی کسی چیز پر ناز نہ کرنا چاہیے نہ علم و فضل پر نہ عقل و فہم پر نہ زہد و تقویٰ پر نہ عبادت و اعمال پر نہ شجاعت و قوت پر نہ حسن اور جمال پر یہ سب حق تعالیٰ کی عطا ہیں پھر ناز کس پر ناز تو اپنے کمال پر ہوتا ہے اور جب اپنا کمال کچھ بھی نہیں تو پھر تو نیاز کی ضرورت ہے اگر ناز کرے گا تو پھر خیر نہیں۔ (الافاضات)

۲۰۔ جس کے سر پر کوئی بڑا ہو اس سے پوچھ کر سب باتیں کرنی چاہیے یہ تاکید لڑکوں کو خاص طور پر رکھنا چاہیے۔ (ملفوظات اشرفیہ)

۲۱۔ بڑوں سے اگر کسی امر میں اختلاف کیا جائے تو وہ علی الاطلاق مذموم نہیں اگر نیت اچھی ہو تو اس کا مضائقہ نہیں ہاں اگر بڑے اس سے بھی روک دیں تو پھر کچھ نہ بولو۔ اور جب تک انکی اجازت ہو خوب بولو۔ (الافاضات)

۲۲۔ اگر غلطی بھی (اپنے کسی بڑے مثلاً) پیر سے ہو تو مرید کو اعتراض نہ کرنا چاہیے ہاں باادب متنبہ کردے جب دیکھے کہ خود متنبہ نہ ہوگا۔ اگر یہ امید ہو کہ متنبہ ہو جائے گا تو پھر سکوت کرے۔ اعتراض کرنا بے جا حرکت ہے۔ (حسن العزیز)

۲۳۔ جب تک آدمی دین کا پابند نہ ہو اس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں دوستی ہوگی تو حدود سے باہر دشمنی ہوگی تو حدود سے باہر ایسا شخص سخت خطرناک ہوگا۔ ہر چیز کو اپنے درجہ میں رکھنا بڑا کمال ہے آج کل اکثر علماء و مشائخ میں اسی کی کمی ہے کوئی چیز انکے یہاں اپنے درجہ پر نہیں۔ (الافاضات)

۲۴۔ ایک تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں کہ وہ نہایت نافع اور مؤثر ہے کہ کسی چیز کے

در پے نہ ہونا چاہیئے اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے کہ اس قدر کاوش کیوں ہے اس میں ضرور کوئی اس کی ذاتی غرض ہے۔

دوسرے یہ کہ اس صورت میں پھر فریق بندی ہو جاتی ہے پھر کوئی کام نہیں ہوتا۔

تیسرے ایک اور خرابی ہے وہ یہ کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے پھر جب بات کی پچ ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آجاتی ہے پھر ثواب بھی نہیں ہوتا اس پر لوگوں کی نظر کم ہو جاتی ہے یہ ہے باریک بات اور حکم بھی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی۔ (الافاضات)

۲۵۔ ایک مرض اپنی جماعت میں اور پیدا ہو گیا ہے کہ آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ فلانے بڑھے ہوئے ہیں اور فلانے کم ہیں ایک دوسرے کو فضیلت دے کر دوسرے کے عیوب بیان کرتے ہیں اپنے حضرات کو دیکھا کہ مجمع میں بکثرت لوگ ہوتے مگر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون کس سے بیعت ہے۔ (حسن العزیز)

۲۶۔ میں تو اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس و تدریس کا موقع نصیب فرمائیں تو انتظام و اہتمام کو اپنے لئے قبول نہ کریں کیونکہ دونوں میں تضاد ہے مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کے لئے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں رہیں مقامی اور ملکی سیاست سے یکسو رہیں۔ (مجالس حکیم الامت)

۲۷۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ علماء صوفیاء طلباء سب کو یہ وصیت فرماتے تھے کہ جس کام میں لگے ہو وہ عبادت نماز دعا کی ہو یا کتابوں کا مطالعہ یا درس و تدریس یا وعظ پند سب میں اس کا اہتمام رکھیں کہ اس کام کا جتنا شوق و رغبت دل میں ہے اس کو ختم تک نہ پہنچنے دیں بلکہ کچھ شوق و رغبت باقی ہو اسوقت چھوڑ دیں اس کا اثر یہ ہوگا کہ پھر از سر نو شوق رغبت جلد پیدا ہوگی اور کام زیادہ ہوگا۔ اور اگر کام کو شوق رغبت پورا کرنے اور تھکنے کے بعد چھوڑا تو دوبارہ اس کام کی رغبت و ہمت بہت دیر کے بعد عود کریگی۔ اسی طرح کام میں نقصان آئیگا۔ (مزید المجید، مجالس حکیم الامت)

۲۸۔ جس شخص کی طبیعت میں تنعم ہوتا ہے اس سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ (ملفوظات)

فرمایا چھوٹی جگہ میں رہ کر کام زیادہ ہو سکتا ہے کیونکہ وقت فراغت زیادہ ملتا ہے اور بڑی جگہ میں رہ کر چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ زیادہ وقت لوگوں کی دلجوئی میں گزرتا ہے اس وقت تک جو کام ہوا ہے یہ سب اسی جگہ کی برکت ہے کام تو گمنامی ہی میں ہوتا ہے۔ (التبلیغ خیر الارشاد)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی عوام الناس پر از حد شفقت

حکیم الامت رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ ایسا لکھوں کہ عوام جس میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ کسی مذہب میں بھی جائز ہو تو اس کی اجازت دے دوں۔ تا کہ مسلمان کا فعل کسی طرح تو صحیح ہو سکے۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا تو انہوں نے اجازت دے دی۔ مولانا حنفی بہت پختہ تھے مگر عوام پر شفقت بھی بہت تھی مگر ایسا رسالہ تو نہیں لکھا۔ بعض بعض مسائل حوادث الفتاویٰ میں ایسے آ گئے ہیں۔ جمعہ فی القریٰ میں اگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے قول میں احتیاط ہوتی تو فتویٰ دے دیتا مگر احتیاط حنفیہ کے مذہب میں ہے کیونکہ اگر وہ شہر ہے اور شہر میں کوئی ظہر پڑھے تو فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ گو کراہت ہوگی اور اگر چھوٹی بستی ہو اور وہاں جمعہ پڑھ لیا تو جمعہ بھی نہ ہوا اور ظہر بھی ساقط نہ ہوئی اس واسطے احتیاط ترک جمعہ میں ہے۔ دوسرے یہ کہ ابتلاء بھی تو نہیں۔ لوگ چھوڑ سکتے ہیں اگر جمعہ نہ پڑھیں تو کیا تکلیف ہوگی؟ کچھ بھی نہیں بلکہ اور زیادہ آرام ہوگا اذان نہیں۔ خطبہ نہیں، دریوں وغیرہ کا انتظام نہ کرنا پڑے گا ہاں مگر پیر جی اور مولوی جی کی آمدنی بند ہو جائے گی۔ (ملفوظات ج ۲۶)

حکیم الامت رحمہ اللہ کے ملفوظات

جو علم خدا تک نہ پہنچائے وہ جہل ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

ندوۃ العلماء کا اول یا دوسرا جلسہ کانپور میں ہوا تھا ایک فاسد المذہب عالم بھی آئے تھے انہوں نے کہا کہ میں ۲۷ علم کا عالم ہوں۔ مولوی محمد شاہ صاحب رامپوری نے اسی کا بیان رد کر دیا تھا۔ اول یہ آیت پڑھی تھی۔ "قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون" کہ دیکھو اس میں حق تعالیٰ نے جن لوگوں کو خطاب کیا ہے ان میں بڑے بڑے عاقل و عالم ہی تھے پھر ان کو بھی ایھا الجاھلون سے خطاب کیا ہے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جو علم خدا تک نہ پہنچائے وہ جہل ہے علم نہیں ہے ۲۷ اور ۳۷ علم سے کچھ نہیں ہوتا۔ مولوی صاحب کو اس وقت خوب جوش تھا۔

جی بہلانے کو دینی کتب کا مطالعہ دنیا ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

آج میں نے عوارف المعارف میں دیکھا کہ مطالعہ چاہے دینی کتاب کا ہو لیکن اگر اس وجہ سے ہو کہ ذکر اللہ سے جی گھبراتا ہے اس میں جی بہلے گا تو وہ دنیا ہے اور اگر اس لئے ہو کہ حق تعالیٰ کا قرب ہوگا ثواب ملے گا تو وہ البتہ مقبول ہے پھر فرمایا کہ اس کو دیکھ کر میری تو ایک حالت طاری ہوگئی تھی عجیب بات لکھی ہے۔ (ملفوظات ج ۱۷)

عامی کے سامنے دلیل نہ بیان کرنا چاہیے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: ایک شخص جامع مسجد

سے بنگلہ تک ساتھ آیا اور بیٹھتے ہی کہا مجھے ایک بات پوچھنی ہے فرمایا پوچھئے کہا فاتحہ خلف الامام پڑھنا کیسا ہے فرمایا جائز نہیں۔ کہا وجہ کیا ہے فرمایا ہم جو کچھ بتائیں گے اس کا صحیح ہونا کیسے جانو گے۔ کہا ہم آپ کا اعتبار کریں گے فرمایا جواب اس کا مجھے بہت بعد میں دینا ہوگا وہ یہیں دیئے دیتا ہوں کہ جب ہمارا تمہیں اعتبار ہے اور ہمارے اعتبار پر دلیل کو صحیح مان لو گے تو ابھی سے جو بتلایا ہے اس کو صحیح مان لو اور اعتبار کر لو۔ اخیر میں جا کر بھی تو یہی کہنا پڑے گا اور میں پوچھتا ہوں کہ کوئی وجہ بتاؤ اعتبار کرنے کی ایک پردیسی راہ چلتے آدمی کا اعتبار ایک دینی مسئلہ میں کیوں کر لو گے۔

کہا آپ معزز آدمی ہیں آپ خلاف نہیں کہیں گے۔ فرمایا معزز تو کلکٹر صاحب ہیں ان سے پوچھ لو اور یہ ظاہر ہے اور کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اول تو ہم معزز نہیں کیا بات اعزاز کی دیکھی اور اگر ہوں بھی تو کلکٹر صاحب کی برابر تو معزز نہیں۔ بہر حال کلکٹر صاحب کے قول کو ہمارے قول پر ترجیح ہوگی۔ یہ سخت غلطی ہے کہ راستہ چلتے آدمی سے مسئلہ پوچھا جائے۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ عمل کرنا نہیں ہے اور دین کی پرواہ نہیں ہے۔ دین سے محبت ہو تو کیا اس کے بارے میں راستہ چلتوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کوئی اپنے گھربار کو بھی کسی راہ گیر کی سپردگی میں دے دیتا ہے وہ شخص خاموش ہوا۔ مگر چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی اور بھی کچھ سوال کرنا چاہتا ہے حضرت نے فرمایا میں کام کی بات بتاتا ہوں مجھے آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف چھیڑ چھاڑ منظور ہے تحقیق منظور نہیں۔ ورنہ آپ کے عمل کیلئے اتنا ہی جواب کافی ہے کہ جائز نہیں وجہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہا ہماری بستی میں اور بہت لوگ اختلاف رکھتے ہیں اگر وجہ معلوم ہو تو ہم ان کو سمجھا توسکیں اور امید ہے کہ کسی کو ہدایت ہو جائے۔ (ملفوظات ج ۲۰)

امام غزالی اور ان کے بھائی کا قصہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

امام غزالی کے بھائی شیخ احمد اپنے بھائی امام غزالی کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے امام غزالی نے والدہ سے شکایت کی کہ بھائی میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ والدہ نے ان کو بلا کر ڈانٹا کہ یہ کیسی مخالفت ہے انہوں نے کہا بہت اچھا آپ کے حکم سے پڑھ لوں گا۔ جب وقت نماز کا آیا تو وہ شریک ہوئے امام غزالی اس زمانہ میں ایک کتاب لکھ رہے تھے اس روز اس کتاب میں

حیض کا بیان تھا کوئی مسئلہ حیض کا لکھ رہے تھے اس میں مصروفیت تھی اس وقت نماز میں بھی اس کا خیال رہا۔ شیخ احمد کو منکشف ہوگیا بس نیت توڑ دی اور والدہ کے پاس پہنچے اور مسئلہ پوچھا کہ اگر دم حیض کسی کے کپڑے میں سنا ہوا ہو تو نماز ہوسکتی ہے نہیں کہا نہیں۔ کہا جب کپڑا آلودہ ہونے سے نماز نہیں ہوسکتی تو قلب اگر دم حیض میں آلودہ ہو تو کیسے ہوجائے گی۔

وہ اسی سے سمجھ گئیں اور کہا حیض نجاست ظاہری ہے اگر اس کی آلودگی سے نماز نہیں تو نجاست حقیقی یعنی گناہ کی آلودگی سے کیسے ہوجائے گی۔ وہ دم حیض کی طرف متوجہ تھے اور تم تجسس میں مبتلا تھے تمہاری حالت بدتر ہے باان کی۔ متوجہ الی اللہ تم دونوں میں سے ایک بھی نہ تھا۔ دوسرے کی نماز پر تو اعتراض اپنی خبر نہیں کہ اس سے بھی بدتر ہے۔ (ملفوظات ج ۲۰)

مولویوں میں نئے نئے القاب آورد

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: مولویوں میں نئے نئے لقب کہاں سے گھس آئے ہمارے اکابر اتنے اتنے بڑے گزرے ہیں کسی کا کوئی لقب نہ تھا نہ امام الہند نہ شیخ الہند نہ شیخ الحدیث نہ شیخ التفسیر نہ ابوالکلام نہ امیر الکلام محض سادگی تھی۔ ہم کو تو وہی طرز پسند ہے ایک صاحب نے عرض کیا کہ دیوبند میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جو کتبہ ہے اس پر حضرت کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام لکھا ہے فرمایا کہ یہ آج ہی آپ کو زبانی سنا ہے مگر خیر یہ لقب پھر پرانا ہے نئے القاب کی سی اس میں ظلمت نہیں ہمارے بزرگوں کی سادگی کی تو یہ حالت تھی ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پاؤں دبوا رہے تھے ایک گنوار آیا اس نے نہایت بے باکی سے کہا کہ مولوی صاحب بڑا جی خوش ہورہا ہوگا کہ ہم ایسے ہیں کہ لوگ ہمارے پاؤں دبا رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی راحت سے تو جی خوش ہوتا ہی ہے اس نے کہا کیا یہ جی میں نہیں آتا کہ میں بڑا ہوں فرمایا الحمدللہ بڑے ہونے کا تو قلب میں وسوسہ تک بھی نہیں آتا اس نے کہا کہ مولوی جی پھر تو تم کو پاؤں دبوانا جائز ہے۔ اس واقعہ سے حضرت کی بے نفسی اور سادگی اور اس شخص کی بھی بے تکلفی اور سادگی کا پتہ چلتا ہے۔ آج کل کے مدعیان تہذیب اس واقعہ سے سبق حاصل کریں اگر یہ نہیں تو میں تو آج کل کی تہذیب کو تعذیب کہا کرتا ہوں۔ (ملفوظات ج ۲)

علماء کو اپنی اصلاح کیلئے کسی دوسرے محقق عالم سے رجوع کرنا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

خود اپنی اصلاح کرنا سخت حماقت ہے کسی عالم محقق سے اپنی اصلاح کرانا چاہئے کیونکہ قاعدہ ہے "رأي العليل عليل" طبیب مریض ہو تو اپنا علاج خود نہیں کرسکتا بلکہ دوسرے طبیب سے علاج کراتا ہے اسی طرح وکیل کو اپنا مقدمہ کرنا ہو تو کسی دوسرے کو وکیل بناتا ہے اسی طرح علماء کو چاہئے کہ اپنے معاملات میں دیگر علماء سے رجوع کیا کریں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ بزرگوں سے بھی اپنے چھوٹوں سے مشورے لئے ہیں۔ خیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ کرنا تو محض صحابہ رضی اللہ عنہم کی تطییب خاطر کیلئے تھا مگر بزرگوں کا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا واقعی مشورہ ہی کیلئے تھا چنانچہ بعض دفعہ چھوٹے ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں بڑے نہیں پہنچے۔ یہ آج کل کے چھوٹے کیسے کھوٹے ہیں کہ بڑوں کے ہوتے ہوئے ان سے مستغنی ہوگئے۔ (انفاق المحبوب)

بعض علماء عربی میں تقریر کرلینے کو باعث فخر سمجھتے ہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

آج کل بعض لوگوں کو اس کا خبط ہوگیا ہے کہ وہ عربی میں تقریر کرلینے کو بڑا کمال اور فخر سمجھتے ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ تم ابوالعلم ہوکر بھی ایسی عربی نہیں بول سکتے جیسی ابوجہل بولا کرتا تھا اگر عربی میں گفتگو کرلینا ہی علم ہے تو ابوجہل تم سب سے بڑا عالم ہونا چاہئے حالانکہ وہ ابوجہل ہی رہا ابوالعلم تو کیا ہوتا ابن العلم بھی نہ ہوا۔ (مظاہر الاقوال)

اہل علم میں اپنی غلطی تسلیم نہ کرنے کا بڑا مرض ہوتا ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: یہ مرض آج کل اہل علم میں بہت ہے کہ ایک دفعہ زبان سے کوئی بات نکل جائے تو پھر اس کی پچ ہوجاتی اور مناظرہ مباحثہ کی نوبت آتی ہے پھر ہم نے کبھی نہیں سنا کہ فریقین میں سے کسی نے اپنی بات سے رجوع

کیا ہو حالانکہ دونوں میں سے ایک ضرور ناحق پر ہوتا ہے بعض لوگ تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غلط فتویٰ قلم سے نکل گیا تو عمر بھر اسی پر جمے رہے اور اس کی تاویلیں کرتے رہے۔

حضرات آئمہ مجتہدین پر جوامت کو اعتماد ہے وہ اسی لئے ہے کہ ان کو بات کی پچ نہ تھی وہ ہر وقت اپنی رائے سے رجوع کرنے کو تیار تھے جب بھی ان کو اپنی رائے کا غلط ہونا واضح ہو جائے چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بہت سے مسائل میں رجوع کیا ہے (ایسے دیگر ائمہ نے بھی) اور یہ مرض بات کی پچ کرنے کا تواضع سے زائل ہوتا ہے۔ (مظاہر الاقوال)

اہل علم کو ذلت سے بچنے کیلئے کوئی کام بھی سیکھنا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

علماء کو علاوہ پڑھنے پڑھانے کے اور بھی کوئی کام آنا چاہئے جو ذریعہ معاش ہو سکے۔ بدون معاش کے لوگ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ اس ذلت سے بچنے کیلئے مولویوں کو کوئی کام دستکاری سیکھنا چاہئے پھر سیکھنے کے بعد چاہے اس سے کام نہ لیں مگر سیکھ لیں ضرور اہل علم کی ذلت کسی طرح گوارہ نہیں ہوتی آج کل بددینوں کا زمانہ ہے اہل دین اور علم دین کو تحقیر سے دیکھتے ہیں۔ (افاضات الیومیہ)

اہل علم کا اپنی اولاد کو دنیوی تعلیم دلانے پر اظہار افسوس

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

افسوس ہے آج کل بعضے حضرات دین دار اور اہل علم کہلاتے ہیں مگر اپنی اولاد کو تعلیم دنیا کی طرف بھیجتے ہیں مجھ کو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے لوگ غالباً اس پر پچھتاتے ہوں گے کہ عالم کیوں ہو گئے ہم نے انگریزی کیوں نہ پڑھی۔ سو یہ حالت کس قدر خطرناک ہے اس سے ان کے قلب میں علم دین کی کھلی بے وقعتی معلوم ہوتی ہے حق تعالیٰ ان لوگوں کی حالت پر رحم فرمائیں اور ان کو ہدایت فرمائیں۔ (الافاضات الیومیہ)

مشائخ اور علماء کیلئے ایک اہم وصیت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: جس طرح کوئی

طبیب بیمار ہو جائے تو اپنا علاج خود نہیں کرتا دوسرے معالج کی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح مشائخ وقت اور مقتداء لوگوں کو اگر کسی وقت اپنے نفس میں کوئی روحانی مرض محسوس ہو تو ان کو چاہئے کہ کسی اپنے بڑے سے رجوع کریں اور اگر کسی شخص کا ضابطہ کا کوئی بڑا نہ رہے و ضابطہ کا اس لئے کہا کہ حقیقت میں اور کون بڑا ہے اس کی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے چھوٹوں ہی سے متعدد لوگوں کے سامنے اپنا حال پیش کرے مشورہ کرے تو قع ہے کہ صحیح حال سمجھ میں آ جائے گا۔ (مجالس حکیم الامت)

علماء کو اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

اہل علم میں یہ خطا عام ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ تاویلات و توجیہات کرنے لگتے ہیں اور یہ مرض طالب علمی ہی کے وقت سے ان میں پیدا ہوتا ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ کتب درسیات میں بعض مصنفین سے جو غلطی ہو گئی ہے شراح اور محشین ان کی تاویلات و توجیہات کیا کرتے ہیں تاکہ مصنف سے اہل علم کو بدگمانی نہ ہو اس سے طلباء کو تاویل اور توجیہ کی عادت پڑ جاتی ہے حالانکہ محشی اور شارح کی تاویل و توجیہ کا منشا تواضع ہے کہ وہ باوجود دوسرے کی غلطی معلوم ہو جانے کے اس کے کلام کو محمل حسن پر محمول کرتے ہیں اور اپنے مواخذہ کو ضعیف کر دیتے ہیں مگر طلباء نے اس سے الٹا سبق سیکھا کہ اپنی خطاؤں میں خود ہی تاویل کرنے لگے جس کا منشاء محض کبر ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔ (مظاہر الاموال)

علماء کو بعد فراغت تحصیل علم میں فضل عظیم کی حفاظت کرنا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

ایک سبق علماء کو لینا چاہئے کہ علم کو فضل عظیم سمجھ کر حاصل کریں اور اس سے کوئی غرض دنیوی نہ رکھیں اور بعد تحصیل کے اس فضل عظیم کی پوری قدر کریں' اس کی حفاظت کریں اس کو ضائع نہ کریں۔ آج کل طلباء کی یہ حالت ہے کہ علم حاصل کرنے تک تو نہ کچھ نیت ہوتی

ہے نہ توجہ نہ شغل اور جب فارغ ہوئے تو بعض اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور بعض اس سے تعلق ہی نہیں رکھتے کہ کوئی طبیب بن جاتا ہے کوئی تاجر بن گیا' کوئی صناع ہو گیا۔ میں کچھ بننے کو منع نہیں کرتا۔ بنو مگر علوم سے تعلق تو رکھو تا کہ اس کا نفع متعدی ہی رہے اور اس تعدیہ کی ایک خاص صورت کہ پڑھاتا رہے اور ایک عام صورت ہے کہ وعظ کہتا رہے جس کو آج کل علماء نے بالکل چھوڑ دیا اور اسی لئے اسے جہلاء نے لے لیا اور اگر ان دونوں میں سے کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم مطالعہ ہی کرتا رہے تا کہ ذہول نہ ہو جائے اور اگر اتفاق سے کسی کیلئے کسب کا ذریعہ بھی یہی علم ہو تو وعظ کو ذریعہ معاش نہ بناؤ بلکہ کوئی کتاب تصنیف کرو' تدریس میں مشغول ہو اور اس سے معاش حاصل کرو۔ (اشرف العلوم)

علماء کو غیر مقصود کے درپے ہونا مناسب نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ تقریریں اور نکات واسرار سب رکھے رہ جائیں گے اور سالکین سے بھی کہتا ہوں کہ یہ مواجید واذواق اور معارف وحقائق بدون تعلق صادق کے بیکار ہیں۔

حضرات! نوکر کا فیشن کام نہیں آتا وہ بنا ٹھنا رہے اور باتیں بنایا کرے بلکہ اس کی خدمت کام آتی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا! فرمایا ساری عبادتیں اور اسرار و نکات واشارات غائب ہو گئے۔ ان سے کچھ کام نہ چلا' بس وہ چھوٹی چھوٹی چند رکعتیں کام آئیں جو آدھی رات میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

صاحبو! بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہو جائے تو ''نور علی نور'' ہے ورنہ کچھ نفع نہیں۔ اگر مقصود حاصل نہ ہوا آج کل غضب یہ ہے کہ علماء وصوفیاء سب غیر مقصود کے درپے ہیں مقصود سے اکثر غافل ہیں بلکہ کوسوں دور ہیں۔ (غایۃ النجاح فی آیات النکاح ملحقہ حقوق الزوجین)

علماء کو امر بالمعروف کی طرف توجہ کی ضرورت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: یہی وہ غلطی ہے جو

کہ اس آیت کے غلط سمجھنے کے بدولت علماء کو ہوئی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ بعض نے وعظ وتلقین کو بالکل ہی ترک کر دیا اور جب ان سے پوچھا گیا تو یہ جواب دیا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے ''اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب'' اور اس جواب کے بعد اپنے آپ کو بالکل بری سمجھ لیا مگر یہ دھوکہ ہے اور سبب اس دھوکہ کا یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ قرآن کا مقصود یہ ہے کہ اگر خود عمل نہ کرو تو دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرو حالانکہ یہ مقدمہ بالکل غلط ہے کیونکہ امر بالمعروف طاعت ہے اور اس طاعت کی شرائط میں یہ شرط کہیں نہیں کہ اگر خود بھی عمل کرے تو طاعت ہوگی ورنہ نہیں۔ ہاں اپنا عمل نہ کرنا ایک مستقل گناہ ہے جو کہ قابل ترک ہے لیکن امر بالمعروف کے ساتھ اس کو شرطیت وغیرہ کا کچھ تعلق نہیں اور یہ کسی حدیث یا مجتہد کے قول سے ثابت نہیں کہ اگر گناہ سے نہ بچے تو دوسری طاعت بھی طاعت نہ ہوگی۔

بلکہ آیت میں ملامت اس پر ہے کہ تم خود کیوں عمل نہیں کرتے اور وعظ کے چھوڑ دینے سے تو دوسرا جرم قائم ہو گیا یعنی نہ خود عمل کریں اور نہ باوجود معلوم ہونے کے دوسروں کو بتلائیں۔ (نسیان النفس)

علماء کو تقویٰ حاصل کرنے کی ضرورت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

زیادہ افسوس علماء کی جماعت پر ہے اس لئے جانتے ہیں کہ پھر کوتاہی کرتے ہیں ''فان کنت لاتدری فذاک مصیبۃ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم'' (اگر تم نہیں جانتے تھے تو جب بھی یہ ایک مصیبت ہے اور اگر تمہیں اس کے متعلق علم تھا تو پھر تو ڈبل مصیبت ہے)

اور علماء کی جماعت میں اگرچہ سب ایسے نہیں لیکن ان کیلئے کسی ایک کا ایسا ہونا بھی موجب شکایت ہے کہ کیوں اپنے کو عمداً تباہ کرتے ہیں دوسرے وہ تباہی ان ہی تک مقصود نہیں رہتی بلکہ اس ایک کو دیکھ کر دوسرے بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ علماء کی جماعت میں اگر ایک شخص بھی لاابالی ہوتا ہے تو اس کا اثر سب پر پہنچتا ہے اور یہ اثر دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کو دیکھ کر دوسرے عوام بدعملی پر جرأت کرتے ہیں دوسرے یہ کہ سب علماء سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور اسی طرح سے عام علماء پر جو اعتراض کی نوبت آتی ہے اور پھر اعتراض سے بدزبانی تک نوبت آ جاتی ہے۔ اس میں اگرچہ اکثر عوام غلط کار ہیں

کیونکہ "لاتزر وازرۃ وزر اخری" (نہیں اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ)
لیکن زیادہ تر اس کا سبب ہم ہیں اور وہ اعتراضات اکثر مخالفین کے نہیں ہوتے کہ ان کو حسد یا بغض پر محمول کر لیا جائے یا یہ کہا جائے کہ اعتراضات تو انبیاء علیہم السلام پر بھی ہوئے ہیں پھر ہم کو اعتراضات کی کیا پرواہ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر جو اعتراض ہوتے تھے وہ کفار کی طرف سے ہوتے تھے اور جماعت علماء پر اکثر ان کے موافقین بھی جو کہ ہر وقت ان کا دم بھرتے ہیں اعتراض کرتے ہیں اور ہمارے لئے یہ امر بڑا عیب ہے کہ ہم کسی موافق یا مخالف کو اتنا موقع دیں تو جب اپنے لوگ بھی اعتراض کرنے پر مجبور ہوں تو ہماری حالت بے حد محل تاسف ہے اور وہ اعتراض اگر چہ اول ایک ہی شخص پر ہو لیکن

چواز قومے یکے بے دانشی کرد ۔۔۔ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

(جب کسی قوم کا کوئی آدمی کوئی نادانی کرتا ہے تو نہ تو اس قوم کے چھوٹوں کی کوئی قدر باقی رہ جاتی ہے نہ بڑوں کی)

بالخصوص اس زمانے میں علی العموم علم دین سے لوگوں کو نفرت بڑھتی چلی جاتی ہے اور اس سے بھاگنے کیلئے لوگ بہانے تلاش کرتے ہیں ایسے وقت میں ہماری ایسی حالت ہونا لوگوں کے فاسد خیالات کی گویا اعانت کرنا ہے مگر باوجود اس کے افسوس ہے کہ ہم میں ایسے بھی افراد کہ وہ صرف علم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور عمل کو کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے بعض کی حالت تو یہاں تک ناگفتہ بہ ہے کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے بعض ایسے ہیں کہ وہ اس قدر کھلم کھلا تو بے عمل نہیں لیکن اپنی زبان وغیرہ کی حفاظت وہ بھی نہیں کرتے جس جگہ بیٹھیں گے لوگوں کو غیبت شکایت کے انبار لگائیں گے بعض ایسے ہیں کہ وہ زبان کی بھی حفاظت کرتے ہیں لیکن وہ نظر کی حفاظت بالکل نہیں کرتے اکثر نامحرموں کو دیکھنا راستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر تاکنا جھانکنا عادت ہو جاتی ہے۔

صاحبو! اول تو علم مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات عمل ہے دوسرے اگر علم کو مقصود ہی مان لیا جائے تو تب بھی یہ سمجھ لو کہ یہ حالت بدعملی کی تو خود کمال علمی میں بھی حارج ہے کیونکہ یہ تجربہ ہے کہ تقویٰ میں بھی کمی ہوگی اسی مرتبے کی کمی علم میں بھی ہوگی اس کا آسان امتحان یہ ہے کہ دو مہینے کیلئے آپ بالکل متقی بن جائیں اور پھر اپنی پہلی علمی حالت اور

اس زمانہ تقویٰ کی علمی حالت موازنہ کریں ان دونوں حالتوں میں جو تفاوت ہوگا وہ بتلا دے گا کہ تقویٰ کو اس میں بڑا دخل ہے ممکن ہے کہ کسی صاحب فہم کو یہ خیال ہو کہ ہم تو متقی بھی نہیں لیکن پھر بھی ہم کو تو اچھا خاصا علم حاصل ہو۔ سمجھ لیں کہ علم صرف ترجمہ کر لینے کا یا چند تصدیقات حاصل ہو جانے کا نہیں بلکہ ان تصدیقات کے حاصل ہونے کے بعد جو ایک ملکہ ہو جاتا ہے اس کا نام علم ہے سو وہ بالذات اختیاری نہیں یعنی اگر چہ اس کے اسباب میں اختیاری ہونے کے اعتبار سے وہ اختیاری ہو لیکن بدون اسباب کے حاصل کئے ہوئے خود اس کا حاصل ہونا اختیاری نہیں اور اس کے اسباب میں سے ایک سبب اعظم تقویٰ ہے کہ بدون اس کو حاصل کئے ہوئے وہ ملکہ حاصل نہیں ہو سکتا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی   فاوصانی الیٰ ترک المعاصی

فان العلم فضل من الہ !!   وفضل اللہ لایعطی للعاصی

میں نے حضرت وکیع رحمہ اللہ سے اپنی قوت حافظہ کے کمزور ہونے کی شکایت کی۔ انہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کرنے کی نصیحت فرمائی اس وجہ سے کہ علم باری تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے اور اس کا عطیہ گناہ گاروں کو نہیں ملا کرتا۔

غرض یہ مطلب نہیں کہ جو متقی نہ ہوگا وہ جلالین یا بیضاوی کے پڑھانے پر قادر نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ بدون تقویٰ کے وہ خاص ملکہ میسر نہ ہوگا چنانچہ یہ شخص اگر اپنی حالت اور تقویٰ کے بعد کی حالت میں غور کرے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ پہلے میرا مبلغ علم کیا تھا اور مہینہ دو مہینہ کے اندر علم میں کیسی ترقی ہوگئی تو علم اگر مقصود بالذات بھی مان لیا جائے تب بھی اس کے حاصل کرنے کیلئے تقویٰ کی ضرورت ہے مگر ہم لوگ اکثر بے باک ہیں تمام تر انہماک اسی میں ہے کہ کسی طرح کتابیں ختم ہو جائیں بہت لوگوں کو تو ایسی حرکتیں کہ ان کی وجہ سے تمام قوم بدنام ہو جاتی ہے اور چونکہ ان لوگوں کی عادت ہوگئی ہے لہٰذا اس کے ساتھ تو یہ بھی ان کو نصیب نہیں ہوتی یعنی بشر سے غلطی تو ہو ہی جاتی ہے۔

لیکن اگر چار دن تقویٰ رہے اور ایک دن ٹوٹ جائے تب بھی اس قدر خراب حالت نہ ہو اور تھوڑے دنوں میں گناہ چھوٹ جاتے ہیں لیکن بعض لوگوں کو تو مبالات ہی نہیں رہتی اور اس سے

عوام الناس پر بہت برا اثر پڑتا ہے پس اگر خلوص سے تقویٰ کو اختیار نہ کیا جائے تو اسی مصلحت سے اختیار کرلیا جائے کہ اسی سے عوام بگڑیں گے ورنہ ایسے لوگ "یصدون عن سبیل اللہ" کے مصداق کہے جاسکتے ہیں کیونکہ روکنا جس طرح معاشرۃ ہوتا ہے کہ زبان سے روکے یا ہاتھ سے روکے اسی طرح تسبب بھی ایک قسم کا روکنا ہے کیونکہ سبب معصیت بھی معصیت ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض ایسے امور جو فی نفسہ طاعت ہیں جب کسی معصیت کا سبب بن گئے تو ان کی ممانعت ہوگئی چنانچہ ارشاد ہے "دیکھئے بتوں سے نفرت کا ظاہر کرنا اور انکو برا کہنا ایک حد تک طاعت تھا لیکن مفضی تھا معصیت کی طرف اس لئے ممانعت ہوگئی" (العمل العلماء)

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ تقویٰ سے صورت علم تو زیادت نہیں ہوتی یہ نہیں ہوسکتا کہ تقویٰ سے مدارک اور بیضاوی ختم ہوجائے معلوم ہوا کہ وہ کوئی اور چیز (یعنی حقیقت علم) صورت علم کے علاوہ ہے جو تقویٰ سے بڑھتی ہے یہاں ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو صورت علم میں زیادت کے طالب ہیں اور حقیقت علم سے غافل ہے (کوثر العلوم) حقیقت علم جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے یہی فقہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد" کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ گراں ہے اس سے درسی فقہ مراد نہیں بلکہ وہ معرفت ہے جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے جس سے عارف کو دین کی ایسی سمجھ بوجھ ایسے کامل ہوتی ہے کہ شیطان کے تمام تارو پود کو توڑ دیتا ہے۔ (کوثر العلوم)

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق رحمہ اللہ کا اہل علم کو خصوصی خطاب

ارشاد فرمایا کہ دین کے تین اہم شعبے ہیں۔ تعلیم، تبلیغ، تزکیہ جن کے ذرائع کا نام مدارس، مساجد، خانقاہیں ہیں۔ مدارس اور مساجد کے خدام کی تنخواہوں کے سلسلے میں غور کرنا ہے اور وہ یہ کہ ان کی تنخواہیں معقول ہونا چاہئے۔ جب تنخواہ معقول ہوگی تو آدمی بھی معقول ملیں گے انحطاط امت کے رسالہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ جو مع شرح مجالس ابرار میں شائع ہو چکا ہے۔ بالغین کیلئے پہلا مدرسہ مساجد ہیں اور بچوں کیلئے مدارس ہیں اور جو لوگ مساجد میں نہیں آتے ان کیلئے تبلیغی نظام ہے مساجد اور مدارس میں ایک منٹ کا مدرسہ صبح ایک منٹ کا مدرسہ شام کو اس طرح شروع کیا جائے کہ صرف ایک سنت صبح بتادی جائے تو تیس دن تک تیس سنتیں یاد ہو جائیں گی اور تعب بھی نہ ہوگا۔ آج ہم ہر چیز بڑھیا اور عمدہ پسند کرتے ہیں دکان بڑھیا ہو مکان بڑھیا ہو اور پان بھی بڑھیا ہو اور نان بھی بڑھیا ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ انسان خود اشرف المخلوقات ہے اگر ہر چیز اسے اشرف اور اعلیٰ پسند ہو تو یہ اس کی فطری خواہش ہے لیکن یہ انسان اپنے لئے تو اشرف اور بڑھیا چیز پسند کرے مگر اپنے مالک اور خالق کے کاموں میں بھی اس کو یہی تقاضا ہونا چاہئے اس کا وضو بھی بڑھیا ہو اور نماز بھی بڑھیا ہو مگر وضو اور نماز کب بڑھیا ہوگی جب سنت کے مطابق ہوگی نماز میں ۶ فرائض ہیں ۱۸ واجبات ہیں اور ۵۱ سنتیں ہیں مگر آج سو آدمیوں میں ایک آدمی کی بھی نماز سنت کے مطابق نظر نہیں آتی اگر ایک سنت روز بتائی جائے تو ۵۱ دن میں نماز کی ۵۱ سنتیں یاد ہو جائیں گی وضو کی ۱۳ سنتیں ۱۳ دن میں

یاد ہو جائیں گی اور اسی طرح زندگی کے تمام شعبوں کی سنتیں یاد کرائی جاسکتی ہیں لیکن جب وضو اور نماز کی سنتوں کا اہتمام نہیں تو ختنہ اور عقیقہ اور کھانے پینے کی سنتیں کون یاد کرے گا۔

سنتوں سے محرومی کیوں؟

اور جب ہماری زندگی سنتوں سے محروم ہوتی جائے گی تو خاندان اور برادری کی غلط رسم ورواج یا پھر شہر کی یا صوبے کی یا ملک کی راہ ورسم آجائیں گی جب اصلی گھی گھر میں نہ ہوگا تو لامحالہ ڈالڈا کھانا پڑے گا اور جب سنتوں کو سیکھنے سکھانے اور اس پر عمل کا اہتمام ہوگا تو غلط رسم ورواج خود ہی دور ہونے لگیں گے جس طرح بارش کا پانی جب برسا ہے تو نالے اور نالیاں گندے پانی سے خود بخود صاف ہوجاتی ہیں۔ دین آسان ہے مساجد میں ایک سنت روز سکھائے چند ماہ میں اس طرح نمازیوں کو کتنی سنتوں کا علم ہوجائے گا اور ہر نمازی اپنے گھر جاکر عورتوں اور بچوں کو سکھائے اور اسی طرح مدرسے میں جن طلباء کو ہر روز ایک سنت سکھائی جائے وہ گھر جاکر اپنے بھائی اور بہنوں اور ماں باپ کو سکھائیں اس طرح سنت کے انوار مساجد اور مدارس سے گھر گھر پھیل جائیں گے اور جب سنتیں پہنچیں گی تو بری عادتیں خود بخود دور ہوتی جائیں گی۔

عوام کی تربیت کرنے کی ضرورت

اسی طرح برسوں ہوجاتے ہیں لوگوں کو درود شریف اور الحمد شریف کے معنی نہیں معلوم ہوتے ہیں اللہ اکبر اور اعوذ باللہ بسم اللہ کے معنی نہیں معلوم ہوتے ہیں اس کا بھی یہی نظام ہے کہ ایک منٹ کا مدرسہ بعد نماز عصر یا ایک منٹ کا مدرسہ بعد نماز فجر قائم کیا جائے اور ایک لفظ کے معنی کو ایک دن بتایا جائے مثلاً ایک دن اعوذ کا معنی دوسرے دن باللہ کا معنی تیسرے دن من الشیطن کا معنی چوتھے دن الرجیم کا معنی یاد کرایا جائے اس طرح ان پڑھ آدمی کو بھی ترجمہ آسانی سے یاد ہوجائے گا دین آسان ہے ان تجاویز پر جہاں بھی عمل کیا گیا بڑی کامیابیاں نظر آرہی ہیں اور گھر والے بھی بڑے خوش ہیں اور جن بعض احباب کو ہمارے اکابر سے حسن ظن نہ تھا سنتوں کی تعلیم سے ان کی رائے بدل گئی اور حسن ظن پیدا ہوگیا مسجد میں سنت کے مطابق جیسا کہ مشکوۃ شریف کی روایت ہے کہ بسم اللہ پ ھے اور درود شریف

پڑھے اور داہنا پاؤں مسجد میں رکھے اور ''اللھم افتح لی ابواب رحمتک'' کی دعا پڑھے اور نفلی اعتکاف کی نیت کرے تو پانچ سنتیں ادا ہو جاتی ہیں اور جہاں احباب کو حسن ظن اپنے اکابر سے نہ ہو وہاں بسم اللہ اور درود شریف زور سے پڑھ کر مسجد میں داہنا قدم رکھے اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ ان کی بدگمانی حسن ظن سے بدل جائے گی اور غلط پروپیگنڈہ کرنے والوں کی زبان خود بخود رک جائے گی کہ عوام کے مشاہدہ کو کیسے غلط ثابت کر سکیں گے۔

اہل علم کی غفلت

اسی طرح مجھے آج افسوس ہے کہ اذانیں اور تکبیریں کہیں اصول فقہ پر صحیح نہ ملیں نہ کراچی میں نہ لاہور میں نہ حیدر آباد میں اس کا سبب بھی غفلت کے ساتھ سستے مؤذنوں کا تقرر ہے۔ آنکھ میں تکلیف ہوگی تو آنکھ کے ماہر ڈاکٹر کو دکھائیں گے لیکن اذان دینے والے کو جب مقرر کریں گے کم تنخواہ کا تلاش کریں گے کسی ماہر فن سے تجویز کرانا چاہئے خود موذن یا مدرس نہ مقرر کرے اور معقول تنخواہ دی جائے۔

ہر کہ اوارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بہ قرص ناں دہد

موذنین کی تربیت کا خاص نظام بنایا جائے ہمارے یہاں موذنین کی تربیت دی جاتی ہے اور دو ماہ تین ماہ تصحیح قرآن پاک اور اذان کی صحت کیلئے ان کا معقول وظیفہ بھی دیتے ہیں اس کے بغیر اصلاح کیسے ہوگی کافیہ منطق پڑھانے والوں کی تنخواہوں سے ہم قرآن پاک کے مدرسین کو زیادہ تنخواہ دیتے ہیں اور تنخواہ کا مدار س قابلیت نہیں کیونکہ علم کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے اس کی بنیاد حاجت پر رکھی ہے۔ علماء کی تنخواہوں سے زیادہ ہمارے یہاں حفظ کے مدرسین کی تنخواہیں ہیں بلکہ نورانی قاعدہ پڑھانے والوں کی ہے کیونکہ عالم کے مثلاً دو بچے ہیں اور حفظ کرانے والے استاد کے ۷ بچے ہیں تو زیادہ تنخواہ کی ضرورت ظاہر ہے۔

اسی طرح دینی مدارس کے طلباء کا امتحان قرآن پاک کی تلاوت مع الصحت میں ہونا چاہئے جب فارغین طلبا عوام کی امامت کرتے ہیں اور قرآن پاک کو تجوید کے خلاف پڑھتے ہیں تو بے حد بدنامی ہوتی ہے کہ یہ کس مدرسہ کے فارغ ہیں ان کو کس نے سند دیدی کم از کم آخر کے ۲ پارہ حفظ بھی ان کو کرا دیا جائے تا کہ سنت کے مطابق طویل سورتیں بھی پڑھ سکیں۔

ایک واقعہ

ایک فارغ التحصیل ہمارے یہاں آئے ہم نے ان کا امتحان نورانی قاعدہ میں لیا بہت خفا ہوئے میں نے کہا آپ کی سند میں نورانی قاعدہ تو نہیں لکھا ہے پھر ایک بچہ کو بلایا اور اس سے قرآن پاک پڑھوایا پھر اس کو درس گاہ بھیجا اور مولانا سے دریافت کیا کہ اس بچے نے کیسا پڑھا کہنے لگے مجھ سے اچھا پڑھا میں نے کہا اگر اس کا آپ کو امام بنادیا جائے تو یہ بچہ آپ کی تلاوت کے متعلق کیسا فیصلہ کرے گا اور اس کے دل میں آپ کی کیا وقعت ہوگی۔ آج کل اذان دینا گھٹیا عمل سمجھا جاتا ہے اگر علماء اور معزز لوگ اذان دینے لگیں تو پھر یہ عمل گھٹیا نہیں سمجھا جائے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر خلافت کا کام میرے ذمے نہ ہوتا تو میں موذنی کے فرائض ادا کرتا۔

میں نے اپنے یہاں مدرسین کا اجتماع کیا اور اس میں علماء کی تعداد ۱۹ تھی ایک ماہ تک یہ اجتماع رہا میں نے انہیں ۱۹ علماء سے باری باری اذانیں دلائیں اور اقامت بھی اس طرح ان کی اذان واقامت کی اصلاح بھی مقصود تھی نیز تاکہ اذان دینے کو لوگ گھٹیا نہ سمجھیں۔

خدام کیلئے معقول تنخواہ کی ضرورت

اگر دینی خدام کو معقول تنخواہیں دی جائیں تو یہ ٹیوشن کے چکر میں کیوں رہیں اور پھر ان کا وقت جو بچے گا اس سے تبلیغ اور امامت کا کام لیا جاسکتا ہے حفظ کے استاد کے پاس ۱۵ سے ۲۰ بچوں سے زائد نہیں ہونا چاہئے۔ سو فیصد کامیاب ہونا مطلوب ہے ایک بچہ بھی فیل کیوں ہو ہر شخص کے ۳۲ دانت ہیں تو ایک دانت کا ٹوٹنا گوارا کرے گا؟ سو فیصد بچوں کے کامیاب ہونے کا طریقہ یہ ہے جو کمزور بچے ہوں ان پر توجہ زیادہ کی جائے۔ ہمارے یہاں ۱۱ صوبوں کے بچے پڑھتے ہیں اس کے علاوہ افریقہ' لندن' منرنبیق اور پاکستان سے پڑھ کر وہاں تصحیح کیلئے پہنچ رہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ معیار کی صحت وتجوید سے قرآن پاک کی تعلیم ہوتی ہے۔ آج کل رواج یہ ہے کہ قرآن پاک کے ۵۴۰ رکوع میں سے صرف چند رکوع مشق کر لیتے ہیں اور قاری صاحب ہو جاتے ہیں حالانکہ پورا قرآن پاک صحیح ہونا چاہئے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض بڑے بڑے قاری حضرات جب سری نماز پڑھتے ہیں تو رعایت تجوید کی نہیں کرتے نہ مدنہ اخفا تو صحت قرآن اور تجوید کیا صرف نماز

جہری کا حق ہے یا قرآن پاک کا حق ہے ایک مدرسہ میں کافیہ کے درجے میں عمدہ دریاں تھیں اور قرآن پاک کے درجے میں ٹوٹی چٹائیاں تھیں دل کو اتنا صدمہ ہوا کہ بیان نہیں کرسکتا۔

حاملین قرآن کی عظمت

قرآن پاک کی عظمت نہیں ہے حالانکہ یہ شاہی خاندان والے طلباء ہیں ان کو اہل القرآن اہل اللہ کہا گیا۔ ہمارے یہاں نئی دریاں پہلے قرآن پاک کی درسگاہوں میں استعمال ہوتی ہیں پھر پرانی ہوکر عربی وفارسی کی درسگاہوں میں پہنچتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کی عظمت کا استحضار اور اہتمام کی برکت ہے کہ مجھے کبھی مالی ابتلا نہیں پیش آتی حالانکہ تقریباً ۵ لاکھ سالانہ کا خرچ ہے اور تقریباً ستر مکاتب ہیں اور جو طالب علم بیمار ہوتا ہے اس کا علاج بھی شاہی ہوتا ہے دل کھول کر اس کے علاج میں صرف کیا جاتا ہے۔ یہ مجاہد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان ہیں۔ طلبا ہمارے لئے ذریعہ معاش بھی ہیں اور ذریعہ معاد بھی ہیں صدقہ جاری کا باعث بھی یہی بنتے ہیں۔ مدرسین اور منتظمین دونوں کا نفع انہی سے ہے جو طالب علم دین سیکھنے کیلئے گھر سے نکلتا ہے جب تک گھر واپس نہیں آتا مجاہد ہوتا ہے اذان اور قرآن پاک کی صحت کے سلسلہ میں یہ باتیں گزارش کی گئیں اور ایک مشورہ عرض کرتا ہوں کہ ہر موذن کے ساتھ ایک خادم بھی ہو۔

آپ حضرات کو انہی باتوں کیلئے تکلیف دی گئی جب خدام دین کی تنخواہیں معقول اور بہتر ہوں گی تو قوم اپنے بچوں کو دین سکھانے کیلئے حوصلے سے دے گی اگرچہ نیت بھی صحیح نہ ہو لیکن بعد میں نیت بھی صحیح ہو جائے گی۔

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن پہلے عادت پھر عبادت بن گئی

دارالاقامۃ کے طلباء کو سو فیصد تکبیر اولیٰ کا عادی بنانا چاہئے طالب علم ہوکر مسبوق کیوں ہو۔ جو استاد بچوں کی نماز اور سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کی مشق کا نگراں ہوتا ہے اور مسبوق ہونے پر باز پرس کرتا ہے ان کو اس نگرانی کا وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ (مجالس ابرار)

زندگی بھر کا دستور العمل

قطب الارشاد حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ اہل علم، مبلغین اور طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

۱۔حسن اخلاق اور حسن کلام بتقویٰ و بتواضع ہو۔۲۔تقوی یہ ہے کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے۔۳۔تواضع یہ ہے کہ اپنے پر تعلّی اور بڑائی نہ ہو دوسرے پر حقارت ونفرت کی نظر نہ ہو۔۴۔حسن اخلاق یہ ہے کہ حلم یعنی بردباری ہو یعنی نرم برتاؤ ہو۔۵۔حسن کلام یہ ہے کہ الفاظ شستہ شائستہ نرم آواز کے ساتھ ہوں۔۶۔یہ عمل گھر میں بھی ہو۔۷۔حسن اخلاق اور حسن کلام کے ساتھ اعمال صالحہ کا شوق کے ساتھ ہمیشہ اہتمام رہے۔۸۔اور برے اعمال سے بہ نفرت بچتے رہیں۔۹۔زبان ذاکر ہو دل شاکر ہو۔۱۰۔غصہ پاس نہ آئے۔

قیمتی نصائح برائے اساتذہ

۱۔اخلاص ہونا۔۲۔تقویٰ ہونا۔۳۔وقار ہونا۔۴۔شفقت ہونا۔۵۔قناعت ہونا۔۶۔نظر کی حفاظت ہونا۔۷۔کتاب اچھی طرح حل ہونا۔۸۔طلبہ سے ذاتی خدمت نہ لینا۔۹۔طالب کے ذاتی ہدیہ سے بحکمت عذر کر دینا۔۱۰۔طالب علم کو تحقیری کلمات سے نہ پکارنا۔۱۱۔امرد کو تنہائی کا موقع نہ دینا۔(اگر ضرورت پڑے تو دروازے کھلا رکھنا)

قیمتی نصائح برائے طلبہ

۱۔طلباء بیعت وتربیت کا تعلق کر سکتے ہیں مگر اسباق کے زمانے میں اذکار ؛اشغال میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔۲۔نماز با جماعت ہمیشہ پڑھتے رہنا۔ ۳۔تقویٰ اور تواضع اختیار کرنا۔۴۔مدرسہ کے کاموں میں دخیل نہ ہونا۔۵۔نظریں نیچی رکھنا۔۶۔کلام نرم کرنا۔۷۔بلاضرورت میل جول سے بچنا۔۸۔کتب کا ادب کرنا۔۹۔اساتذہ کا ادب کرنا۔۱۰۔درسگاہ کا ادب کرنا۔۱۱۔تلاوت کرنا۔۱۲۔مطالعہ کرنا۔۱۳۔تکرار کرنا۔۱۴۔اسباق کا التزام کرنا۔۱۵۔طلب علم میں عمل کی نیت ہونا۔۱۶۔اور بعد فراغت پڑھانے کی نیت ہونا۔۱۷۔کسی کی خلوت گاہ میں نہ جانا۔۱۸۔امرد کو اپنی خلوت گاہ سے روکنا۔۱۹۔تعطیلات اپنے شیخ کی رہنمائی میں بسر کرنا۔۲۰۔ہر وقت یہ خیال رکھنا کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

تبلیغ میں جانے کی شرائط

۱۔ذریعہ معاش سنبھالنے والا کوئی دوسرا معتبر آدمی گھر میں موجود ہوتا کہ سلسلہ معاش

خراب نہ ہو۔۲۔ رات کیلئے گھر پر کوئی دیندار بالغ محرم موجود ہو۔۳۔ باہر کی روزمرہ کی ضروریات کا معقول انتظام ہو۔۴۔ قرض لیکر جانا نہ ہو اگر معمولی قرض لینا بھی ہو تو ادائیگی کی غالب صورت موجود ہو۔۵۔ اگر ملازمت ہے تو اس کی طرف سے بخوشی باتنخواہ رخصت ہو۔۶۔ جتنے دن کیلئے جانا ہو تو اتنے ہی دن میں واپسی ہو ورنہ اطلاع ہو۔۷۔ ایسا مرض نہ ہو کہ معالج نے سفر سے منع کیا ہو۔۸۔ علماء علم دین کی خدمت کو سب سے اعلیٰ وافضل واقدام خدمت سمجھیں۔۹۔ دل میں علماء کی عظمت بہت زیادہ ہو۔۱۰۔ تبلیغ کا کام نہ کرنیوالوں پر طعن وتشنیع واعتراض نہ ہو۔ (ماہنامہ محاسن اسلام ملتان)

ہمارے اکابر کی برکات بعد وفات بھی جاری ہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت مجذومہ طواف کر رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا "اپنے گھر میں بیٹھی رہ" کچھ مدت کے بعد دیکھا گیا کہ وہ مطاف میں پھر طواف کر رہی ہیں اس سے کسی نے کہا "ابشری فان الرجل (عمر) قدمات" (مژدہ ہو کہ وہ شخص (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) وفات پاگئے۔ اس نے کیا عمدہ جواب دیا کہ وہ ایسے نہ تھے کہ "زندگی میں تو ان کی اطاعت کی جائے اور موت کے بعد نافرمانی" میں تو یہ سمجھ کر آئی تھی کہ وہ موجود ہوں گے پھر ڈانٹ دیں گے طواف کو ترک کر کے یہ کہہ کر چلی گئی کہ میں ان کے حکم کے خلاف نہیں کرتی۔ اسی ذیل میں فرمایا کہ ہمارے اکابر بھی ایسے ہی تھے کہ بعد وفات بھی انکی برکات جاری ہیں۔ اس لئے ان کی اطاعت کرنی چاہئے۔ (ملفوظات ج ۲۶)

علماء کو اپنے اوپر سخت اور دوسروں پر نرم ہونا چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

علماء کیلئے بلکہ ہر شخص کیلئے عمدہ اور بہتر طریق یہی ہے کہ اپنے لئے تنگی اور دوسروں کیلئے توسع سے کام لیں اور اس کے عکس سے "ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا" اور "اجتنبوا کثیرا من الظن" کی تعمیل کبھی نہیں ہو سکتی۔ (مجالس الحکمت)

اکابر کی تواضع کے واقعات

۱۔عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ رات کو لکھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک مہمان آ گیا، چراغ بجھ رہا تھا مہمان چراغ درست کرنے کے لئے جانے لگا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ''مہمان سے خدمت لینا کرم وشرف کے خلاف ہے، مہمان نے کہا: ''میں نوکر کو اٹھا دیتا ہوں۔'' عمر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وہ ابھی ابھی سویا ہے، اسے اٹھانا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ خود اٹھے تیل کی بوتل سے چراغ بھر کر روشن کر دیا، جب مہمان نے کہا ''آپ نے خود ہی یہ کام کر لیا؟'' تو فرمایا ''میں پہلے بھی عمر تھا اور اب بھی وہی ہوں، میرے اندر کوئی بھی کمی نہیں ہوئی اور انسانوں میں اچھا وہ ہے جو اللہ کے ہاں متواضع ہے''

۲۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے اور وہ ان دنوں مدینہ میں مروان کے قائم مقام تھے اور فرما رہے تھے کہ ''امیر (یعنی ابوہریرہؓ) آ رہا ہے، گزرنے کے لئے راستہ کھلا کر دو، اس لئے کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ہے۔''

۳۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن بائیں ہاتھ میں گوشت اٹھائے ہوئے تھے اور دائیں ہاتھ میں کوڑا تھا اور یہ ان دنوں خلیفہ اور امیر المومنین تھے۔

۴۔سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گوشت خریدا اور اپنی چادر میں باندھ لیا، ساتھیوں نے کہا ہم اٹھا لیتے ہیں۔ فرمایا ''جن بچوں کو کھانا ہے ان کا باپ اٹھائے یہ بہتر ہے۔''

۵۔سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی لونڈی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں چاہتی دوسرے لوگوں سے الگ (بات کرنے کے لئے) لے جاتی۔

۶۔ابوسلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''لوگوں نے لباس، طعام، سواری اور پینے کی چیزوں میں کیا کیا ایجادات کر لی ہیں؟''

ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا ”بھتیجے! آپ کا کھانا، پینا اور پہننا سب اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔ اس میں اگر خود پسندی، فخر، ریا اور نمائش پیدا ہو جائے تو یہ گناہ اور اسراف ہے تو گھر کے کاموں میں وہ سب کام کر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کو چارا ڈالتے اور اسے باندھتے، گھر میں جھاڑو دیتے، بکری دوہتے، جوتے گانٹھتے، کپڑے پیوند کر لیتے، نوکر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے، وہ تھک جاتا تو آٹا پیس دیتے، بازار سے چیزیں خرید کر لاتے اور اس میں کبھی کوئی عار محسوس نہ کرتے اور خریدی ہوئی چیز اپنے ہاتھ میں پکڑے آتے، یا کپڑے میں باندھ کر گھر واپس لے آتے۔ غنی، فقیر، بڑے اور چھوٹے سب سے مصافحہ کرتے اور نمازیوں میں سے جو سامنے آ جاتا چھوٹا یا بڑا، کالا یا گورا، آزاد یا غلام، ہر ایک کو سلام کرنے میں پہل کرتے۔“ (منہاج المسلم: ص ۲۷۷، ۲۷۸)

۷۔ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ ان کی خلافت کے وقت کا ہے۔ غلام کو ساتھ لے کر بازار گئے۔ غلام سے فرمایا کہ مجھ کو کپڑا بنوانا ہے اور تم کو بھی کپڑوں کی ضرورت ہے۔ تم کپڑے کی دکان پر میرے لئے اور اپنے لئے کپڑے پسند کرو۔ غلام نے دو طرح کے کپڑے خرید لئے۔ ایک قیمتی اور ایک کم قیمت والا۔ امیر المؤمنین جب وہ کپڑا درزی کو دینے لگے تو سستے کپڑے کے متعلق امیر المؤمنین نے فرمایا۔ یہ میرے لئے ہے اور مہنگے کپڑے کے متعلق فرمایا کہ یہ غلام کے لئے قطع کر دو۔ غلام نے کہا آپ آقا ہیں، امیر المؤمنین ہیں۔ آپ کو اچھے کپڑوں کی ضرورت ہے اور اچھا لباس چاہئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”میں بڈھا ہوں، تم جوان ہو تم کو اچھے لباس کی زیادہ ضرورت ہے۔“ (ندائے شاہی، ستمبر ۲۰۰۵)

حضرت شاہ ولی اللہ و مولانا فخر الدین

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور مولانا فخر الدین صاحب چشتی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم تینوں کا ایک زمانہ تھا اور تینوں حضرات دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے چاہا کہ تینوں حضرات ایک شہر میں موجود ہیں ان کا امتحان لینا چاہیے کہ کس کا مرتبہ بڑا ہے۔ یہ شخص اول

شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت کل کو آپ کی میرے یہاں دعوت ہے' قبول فرمائیں اور ۹ بجے دن کے غریب خانہ پر خود تشریف لائیں' میرے بلانے کے منتظر نہ رہیں' شاہ صاحب نے فرمایا بہت اچھا' اس کے بعد وہ شخص مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا ساڑھے ۹ بجے میرے بلائے بغیر مکان پر تشریف لائیں اور ماحضر تناول فرمائیں۔

مرزا مظہر جان جاناں کا واقعہ

یہاں سے اُٹھ کر یہ شخص مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کاروبار کے سبب حاضر خدمت نہ ہوسکوں گا پورے دس بجے دن کو غریب خانہ پر تشریف لائیں۔ تینوں حضرات نے دعوت قبول فرمائی اور اگلے روز ٹھیک وقت مقررہ پر اس شخص کے مکان پر پہنچ گئے۔

اول نو بجے شاہ صاحب تشریف لائے۔ اس شخص نے ان کو ایک مکان میں بٹھایا اور چلا گیا' ساڑھے نو بجے مولانا تشریف لائے' ان کو دوسرے مکان میں بٹھایا' پھر دس بجے مرزا صاحب تشریف لائے' ان کو تیسرے مکان میں بٹھایا' غرض تینوں حضرات بیٹھ گئے تو یہ شخص پانی لے کر آیا' ہاتھ دھلائے اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ابھی کھانا لے کر حاضر ہوتا ہوں' کئی گھنٹے گزر گئے اس شخص نے خبر نہ لی' آ کر یہ بھی نہ دیکھا کہ کون گیا اور کون بیٹھا ہے' جب ظہر کا وقت قریب آ گیا اور اس نے سوچا کہ مہمانوں کو نماز بھی پڑھنی ہے تو اول شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرمندہ صورت بنا کر عرض کیا' حضرت کیا کہوں گھر میں تکلیف ہوگئی تھی اس لیے کھانے کا انتظام نہ ہوسکا۔ دو پیسے نذر کیے اور کہا ان کو قبول فرمائیے۔ شاہ صاحب نے خوشی سے لے لیے اور فرمایا کیا مضائقہ ہے' بھائی گھروں میں اکثر ایسا ہو ہی جاتا ہے' شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں' یہ فرما کر چل دیئے۔ پھر یہ شخص مولانا فخر الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی کہا جو وہاں کہا تھا اور دو پیسے نذر کیے۔ مولانا نے فرمایا بھائی فکر کی کیا بات ہے اکثر گھروں میں ایسے قصے پیش آ جایا کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر نہایت خندہ پیشانی سے تعظیم کے ساتھ رومال پھیلا دیا' دو پیسے کی نذر

قبول فرمائی اور رومال میں باندھ کر روانہ ہوئے' دونوں کو رخصت کر کے یہ شخص حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی خدمت میں پہنچا اور وہی عذر بیان کر کے دو پیسے نذر کیے۔ مرزا صاحب نے پیسے تو اُٹھا کر جیب میں ڈال لیے اور پیشانی پر بل ڈال کر فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مگر پھر ہمیں ایسی تکلیف مت دیجیے' یہ فرما کر تشریف لے گئے۔

اس شخص نے یہ قصہ اور بزرگوں سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب فن درویشی میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے وہ نذر خندہ پیشانی کے ساتھ تعظیم سے کھڑے ہو کر قبول فرمائی اور ان سے کم درجہ شاہ ولی اللہ کا ہے کھڑے تو نہیں ہوئے مگر بخوشی نذر کو قبول فرمایا اور تیسرے درجہ پر مرزا صاحب کی نذر کی قبولیت کے ساتھ ملال بھی ظاہر فرمایا۔ یہ قصہ نقل فرما کر حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا: ''اس زمانہ کے بزرگوں کا یہی خیال تھا مگر میرے نزدیک تو حضرت مرزا صاحب کا درجہ بڑھا ہوا ہے کہ باوجود اس قدر نازک مزاج ہونے کے اتنا صبر و تحمل فرمایا اور کچھ مضائقہ نہیں' جواب عطا فرمایا۔''

اخلاص کی عجیب شان

ایک بار احقر (حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ) کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کان پور کے جلسہ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا۔ جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ بھی کان پور میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اور عین اثناء وعظ میں تشریف لائے۔ اس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا' ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں۔ مولانا (شیخ الہند) کی جونہی مولانا علی گڑھی پر نظر پڑی' فوراً وعظ بیچ ہی سے قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی بوجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے۔ انہوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا' یہی تو وقت تھا بیان فرمایا کہ ہاں یہی خیال مجھ کو آیا تھا اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کے لیے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے۔

حضرت شاہ اسحاق رحمہ اللہ کا واقعہ

استاذ الکل حضرت شاہ اسحاق صاحب نور اللہ مرقدہ کے ایک شاگرد اجمیر میں رہا کرتے تھے اور وہاں مواعظ کے ذریعے سے اشاعت دین کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حدیث ''لاتشد الرحال'' کا وعظ کہنا شروع کیا اور لوگوں پر اثر بھی ہوا۔ اتفاق سے شاہ اسحاق صاحب کا اس زمانہ میں قصد ہجرت ہو گیا۔ جب شاہ صاحب کے قصد کی ان کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے شاہ صاحب کو لکھا کہ جناب عازم سفر ہجرت ہوں تو اجمیر تشریف نہ لاویں کیونکہ میں لاتشد الرحال کا وعظ کہہ رہا ہوں اور لوگ راہ پر آ چلے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے جو کچھ اثر ہوا ہے اس کے غتر بود ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ شاہ صاحب نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں اجمیر کے قصد سے نہ آؤں گا لیکن چونکہ اجمیر راستہ میں پڑے گا اور خواجہ صاحب ہمارے مشائخ میں ہیں۔ اس لیے مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ میں بلا حاضر ہوئے بالا بالا چلا جاؤں۔ جب میں آؤں تم وعظ کہنا اور وعظ میں بیان کرنا کہ اسحاق نے غلطی کی جو وہ اجمیر آیا اس کا فعل حجت نہیں اور میرے سامنے کہنا اور یہ خیال نہ کرنا کہ شاید مجھے ناگوار ہو مجھے ہرگز ناگوار نہ ہوگا اور میں اقرار کرلوں گا کہ واقعی میری غلطی ہے اس سے وہ ضرر رفع ہو جائے گا جس کا تم کو اندیشہ ہے اور شاہ صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ مجاور اور قبر پرست ہمارے رقیب ہیں، رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

مثالی استاد و شاگرد

افاضات یومیہ میں حضرت حکیم الامت نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ صاحب اور حضرت سید صاحب میں ایک مسئلہ پر طویل گفتگو ہوئی۔ بالآخر مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے معافی چاہی اور عرض کیا کہ مجھ کو آپ کی بات بلاچوں وچرا مان لینا چاہیے تھا اس پر سید صاحب نے فرمایا توبہ کرو یہ تو نبی کا مرتبہ ہے کہ اس کی بات کو بلاچوں و چرا مان لیا جائے اور یہ بھی شرک فی النبوت ہے۔ مولانا شہید فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے مجھے شرک فی النبوت کے متعلق ایک باب عظیم علم کا مفتوح ہوا۔ (آپ بیتی)

اکابر کی برکات

مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایک بار پریشانی میں مبتلا ہوئے۔

ریاست کی طرف سے تین لاکھ کا مطالبہ ہوا۔ ان کے بھائی یہ خبر پا کر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے۔ حضرت مولانا نے وطن دریافت کیا۔ انہوں نے عرض کیا دیوبند' مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر ہے وہاں کیوں نہ گئے' اتنی دور دراز کا سفر کیوں اختیار کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت کھینچ لائی' مولانا نے ارشاد فرمایا کہ تم گنگوہ ہی جاؤ' تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی دعا پر موقوف ہے' میں اور تمام زمین کے اولیاء بھی اگر دعاء کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔ چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیلہ حکیم ضیاء الدین صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے سفارش کی تو مولانا نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو کوئی قصور نہیں کیا بلکہ یہ صاحب مدرسہ دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے' قصوروار اللہ کے ہیں اللہ سے توبہ کریں بندہ بھی دعاء کرے گا۔ چنانچہ اِدھر انہوں نے توبہ کی اُدھر مطالبہ سے برأت کا کمشنر صاحب کے پاس سے حکم آ گیا۔ (آپ بیتی)

حکیم الامت رحمہ اللہ خود اپنی نظر میں

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھانہ میں متعینہ ایک پولیس افسر نے بیعت کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں آپ نے انہیں اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھا۔

''میں ایک خشک طالب علم ہوں اس زمانہ میں جن چیزوں کو لوازم درویشی سمجھا جاتا ہے جیسے میلاد شریف، گیارہویں، عرس، نیاز، فاتحہ، قوالی و تصرف و مثل ذالک میں ان سب سے محروم ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی اس خشک طریقہ پر رکھنا پسند کرتا ہوں۔''

میں نہ صاحب کرامت ہوں اور نہ صاحب کشف نہ صاحب تعریف ہوں اور نہ عامل صرف اللہ اور رسولؐ کے احکام پر مطلع کرتا رہتا ہوں اپنے دوستوں سے کسی قسم کا تکلف نہیں کرتا نہ اپنی حالت نہ اپنی کوئی تعلیم۔ نہ امور دینیہ کے متعلق کوئی مشورہ چھپانا چاہتا ہوں۔ عمل کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ البتہ عمل کرتا ہوا دیکھ کر خوش اور عمل سے دور دیکھ کر رنجیدہ ضرور ہوتا ہوں۔ میں کسی سے نہ کوئی فرمائش کرتا ہوں نہ کسی کی سفارش اس لئے بعض اہل الرائے مجھ کو خشک

کہتے ہیں میرا مذاق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی رعایت سے کوئی اذیت نہ دوں خواہ حرفی ہی اذیت ہو۔

سب سے زیادہ اہتمام مجھ کو اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے اس امر کا ہے کہ کسی کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائی جائے خواہ بدنی ہو جیسے مار پیٹ خواہ مالی ہو جیسے کسی کا حق مار لینا یا ناحق کوئی چیز لے لینا۔ خواہ آبرو کے متعلق ہو جیسے کسی کی تحقیر۔ کسی کی غیبت خواہ نفسانی ہو جیسے کسی کو کسی تشویش میں ڈالنا یا کوئی ناگوار رنج دہ معاملہ کرنا اور اگر اپنی غلطی سے ایسی بات ہو جائے تو معافی چاہنے سے عار نہ کرنا۔

مجھے ان کا اس قدر اہتمام ہے کہ کسی کی وضع خلاف شرع دیکھ کر تو صرف شکایت ہوتی ہے مگر ان امور میں کوتاہی دیکھ کر بے حد صدمہ ہوتا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اس سے نجات دے یہ ہے کچا چٹھا ورنہ لوگوں نے تو۔

منش کردہ ام رستم داستاں وگرنہ بلے بود در سیستاں

(حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

جونپور کے وعظ کا عجیب واقعہ

حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ ایک قصاب کی درخواست پر میں جونپور گیا انہیں کے مکان پر مہمان ہوا وہاں میرے پاس ایک خط لظم میں پہنچا جس میں چار چیزیں میرے متعلق لکھی تھیں۔

اول یہ کہ تم جاہل ہو۔ دوسرے یہ کہ تم جولا ہے ہو تیسرے یہ کہ: تم کافر ہو۔ چوتھے یہ کہ وعظ کرنے بیٹھو تو پگڑی سنبھال کر بیٹھنا۔

میں نے کسی سے اس خط کا تذکرہ نہ کیا۔ اگلے روز جب وعظ کا وقت آیا تو منبر پر بیٹھ کر میں نے لوگوں سے کہا صاحبو! وعظ سے پہلے مجھے آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے یہ خط ملا ہے اس میں چار چیزیں ہیں۔ پہلے جزء کے متعلق تو مجھے اس لئے کچھ کہنا نہیں ہے کہ یہ صاحب مجھے جاہل لکھتے ہیں اور میں خود اپنے اجہل ہونے کا معترف ہوں۔ اسی طرح دوسرے جزء کے متعلق بھی کچھ کہنا نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو جولاہا ہونا کوئی عیب نہیں اور اگر کسی درجہ میں ہو بھی تو وہ غیر اختیاری امر ہے جیسے کوئی اندھا یا کانا ہو تو مآل اس کا

بھی یہی ہے کہ یہ کوئی قابل بحث بات نہیں۔ دوسرے یہ کہ میں یہاں کوئی شادی کرنے تو نہیں آیا کہ میں نسب کی تحقیق کراؤں۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی کو بلا وجہ میرے نسب ہی کی تحقیق کرنا ہو تو میں اپنی زبان سے کیا کہوں میرے وطن کا پتہ اور وہاں کے عمائد کے نام دریافت کر کے ان سے تحقیق کرلیں کہ میں جولاہا ہوں یا کون؟

اسی طرح تیسرے جزء کے متعلق بھی مجھے مشورہ کرنا نہیں ہے کیونکہ پچھلی حالت کے متعلق مجھے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں کافر تھا یا مسلمان میں اس وقت سب کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں **اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**......اب تو مسلمان ہو گیا، اور جب تک ایمان کے خلاف کوئی بات مجھ سے ظاہر نہ ہو اس وقت تک مسلمان ہی کہا جائے گا۔ البتہ جو چوتھے جزء کے متعلق مجھے آپ حضرات سے مشورہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ وعظ میں میرا معمول ہمیشہ سے یہ ہے کہ بالقصد اختلافی مسائل بیان نہیں کرتا، بلکہ حتی الامکان ان سے بچتا ہوں لیکن اگر دوران تقریر میں کہیں آ جاتے ہیں تو پھر رکتا بھی نہیں، البتہ عنوان نرم اور ایسے الفاظ کا اہتمام کرتا ہوں کہ دل آزار نہ ہوں۔ اب اگر وعظ کہوں گا تو اسی آزادی کے ساتھ کہوں گا۔ اس کا نتیجہ پھر جو کچھ بھی ہو اس لئے مشورہ طلب یہ امر ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ تو نہیں اور مجھے شوق بھی نہیں۔ لوگوں کی درخواست پر کہہ دیتا ہوں۔ اب اگر آپ حضرات درخواست کریں اور مشورہ دیں تو میں کہوں ورنہ چھوڑ دوں۔

اہل مجلس کو مشورہ

پھر فرمایا آپ کو مشورہ میں مدد دینے کے لئے میں خود اپنی رائے بھی ظاہر کئے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ وعظ تو ہونے دیا جاوے اور غالباً وہ صاحب بھی اس مجمع میں موجود ہوں گے جن کا یہ خط ہے۔ تو وہ جس جگہ کوئی ناگوار بات محسوس کریں اسی وقت مجھے روک دیں۔ میں اسی وقت وعظ بند کر دوں گا۔ یا اگر اس میں ان کو کچھ حجاب مانع ہو تو میں آج بعد ظہر پچھلی شہر چلا جاؤں گا۔ میرے جانے کے بعد میرے وعظ کی خوب تردید کر دیں۔ یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ اپنی رائے بیان کریں۔ چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ آپ ضرور وعظ کہیں اور آزادی سے کہیں۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

حق کی فتح

میں نے وعظ کہا اور حسب عادۃ ترغیب وترہیب اور اصول شرعیہ بیان کئے پھر ضمناً بعض فروع کی بحث آئی تو اتفاقاً اس میں بدعات ورسوم کا بھی ذکر آ گیا تو خوب کھل کر بیان کیا۔ تمام مجمع محو حیرت تھا۔ ختم وعظ کے بعد جونپور کے ایک مشہور مولوی صاحب نے اتنا کہا کہ مولانا ان چیزوں کی تو حاجت نہ تھی۔ میں نے نہایت بے تکلفی کے ساتھ کہا کہ مجھے اس کی خبر نہ تھی میں نے تو حاجت سمجھ کر بیان کیا۔ اگر آپ مجھے وقت پر متنبہ فرما دیتے تو میں بیان نہ کرتا۔ اب تو بیان ہو چکا اب اس کا کوئی اور تدارک بجز اس کے نہیں کہ آپ دوسرے وقت اس کی تردید فرما دیں اور اسی مجلس میں اعلان فرما دیں کہ فلاں وقت اس وعظ کی تردید کی جاوے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس پر کچھ نہ بولوں گا۔ مولانا عبدالاول صاحب جو جونپور کے فضلاء میں سے تھے، وہ کھڑے ہوئے اور مولوی صاحب کو ملامت کی کہ آپ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ اور پھر اعلان کے ساتھ فرمایا کہ صاحبو! آپ سب جانتے ہیں کہ میں مولودیہ ہوں، قیامیہ ہوں لیکن حق بات وہی ہے جو مولانا نے فرمائی ہے۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے مکان پر لے گئے اور اپنے پاس مہمان رکھا۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

بے نفسی

حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک قصبہ بڈولی ہے، ایک دفعہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ وہاں کی سرائے میں ٹھہرے برابر میں ایک بنیا مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا اور لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے مولانا سے اس کی بات چیت ہوتی رہی۔ جیسا کہ سفر میں عادت ہے کہ مسافر آپس میں بات چیت کیا کرتے ہیں اس نے پوچھا میاں جی کہاں جاؤ گے مولانا نے سب بتا دیا کہ فلاں جگہ اور فلاں راستہ سے جاؤں گا اس کے بعد مولانا تہجد پڑھ کر روانہ ہو گئے لڑکے کے ہاتھ میں سے کسی نے کڑے اتار لئے بنیا اٹھا تو دیکھا کڑے ندارد ہیں بس اس کی تو روح فنا ہو گئی دیکھا کہ وہ میاں جی بھی نہیں ہیں جن سے رات بات چیت ہو رہی تھی اس نے کہا ہو نہ ہو وہی لے گئے یہ کوئی ٹھگ تھا وہ سیدھا اسی راستہ پر روانہ ہوا جس پر مولانا نے

جانے کا ارادہ بیان کیا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا اس کو مل گئے بس پہنچتے ہی اس نے ایک دھول رسید کی۔ مولانا نے کہا کیا ہے؟ کہا پوچھتا ہے کیا ہے؟ لا کڑے کہاں ہیں؟

مولانا نے کہا بھائی میں نے تیرے کڑے نہیں لئے کہا ان باتوں سے کیا چھوٹ جائے گا میں تجھے تھانہ لے چلوں گا کہا کچھ عذر نہیں میں تھانہ بھی چلا چلوں گا۔ غرض وہ مولانا کو پکڑے ہوئے جھنجانہ کے تھانہ میں پہنچا اتفاقاً تھانیدار مولانا کا بڑا معتقد تھا اس نے دیکھا کہ مولانا آرہے ہیں کھڑا ہو گیا اور دور سے ہی آلیا یہ دیکھ کر بنئے کے ہوش خطا ہو گئے کہ یہ تو کوئی بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں اور ڈرا کہ اب جوتے پڑیں گے مگر مولانا اس سے کہتے ہیں بھاگ جا بھاگ جا تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا۔

تھانیدار نے مولانا سے پوچھا یہ کون تھا کہا تم اسے کچھ نہ کہو جانے دو اس کی چیز کھوئی گئی اس کی تلاش میں آیا تھا دیکھئے کیا بے نفسی ہے لطف یہ کہ نرا عفو ہی نہیں بلکہ مولانا اس کے احسان مند بھی ہوئے چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مجھے بڑا نفع ہوا جب لوگ مصافحہ کرتے ہیں اور میرے ہاتھ پیر چومے جاتے ہیں تو میں نفس سے کہتا ہوں تو وہی تو ہے جس کے ایک بنئے نے دھول لگائی تھی بس اس سے عجب نہیں ہوتا۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

مولانا محمد یعقوب کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اپنے تمام مجمع میں خوش پوشاک نازک مزاج نازک بدن تھے اور حسین بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا تھا شہزادہ ہیں ان کی حکایت ہے کہ موضع املیا کے ایک شخص نے مولانا کی مع طالب علموں کے آموں کی دعوت کی۔ وہ گاؤں دیوبند سے تین کوس ہے۔ سواری بھی نہیں لایا مولانا مع رفقاء کے پیدل گئے اور وہاں آم کھائے جب چلنے لگے تو اس نے بہت سے آم گھر لے جانے کے لئے دیئے اور بدتمیزی یہ کی کہ ان کے پہنچانے کے لئے بھی مزدور تک نہ دیا بس سامنے لا کر رکھ دیئے کہ ان کو لیتے جایئے مولانا کا حصہ بھی اوروں سے زیادہ ہی دیا گیا سب اپنے اپنے آم کپڑے میں باندھ کر چلے مولانا بھی بغل میں لے کر چلے ایک طرف کی بغل دکھ گئی تو دوسری طرف لے لیا جگہ بھی دور بار بار کروٹیں بدلتے تھے یہاں تک کہ جب دیوبند پہنچے تو ہاتھ بہت زیادہ تھک گئے

مولانا نے اس گٹھری کو سر پر رکھ لیا اور فرماتے ہیں کہ بھائی یہ ترکیب پہلے سے سمجھ میں نہ آئی اس وقت حالت یہ تھی کہ مولانا کو دونوں طرف سے بازار میں سلام ہو رہے تھے اور مولانا جواب دیتے جاتے تھے اور اس حالت میں مولانا کو ذرا بھی تغیر نہ تھا سبحان اللہ! کیا تواضع ہے نفس ان حضرات میں تھا ہی نہیں یہ قصہ میں نے مولوی ظفر احمد صاحب مرحوم تھانوی سے جو اس زمانہ میں وہاں طالب علمی کرتے تھے سنا ہے۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات)

بے مثال شفقت

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں ''میں نہ مولانا کا شاگرد ہوں' نہ مرید' نہ پیر بھائی' ان کے مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے مجھے ان سے محبت وعقیدت ہوگئی تھی' میں ایک مرتبہ لکھنو سے گاڑی پر سوار ہوا' میری طبیعت خراب تھی' چادر اوڑھ کر سیٹ پر لیٹ گیا' بخار تھا' اعضاء شکنی تھی' اس لئے کراہتا بھی تھا مجھے نہیں معلوم کہ کون سا اسٹیشن آیا اور کون سا مسافر سوار ہوا' بریلی کے اسٹیشن کے بعد ایک شخص نے میرے پاؤں اور کمر دبانا شروع کی۔ مجھے بہت راحت ہوئی' چپکا لیٹا رہا اور وہ دباتا رہا' مجھے پیاس لگی' پانی مانگا تو اس نے اپنی صراحی سے گلاس پانی کا دیا اور کہا ''لیجئے'' میں نے اٹھ کر دیکھا تو مولانا مدنی رحمہ اللہ تھے مجھے ندامت ہوئی اور معذرت کی لیکن انہوں نے اس درجہ مجبور کیا کہ پھر لیٹ گیا اور وہ رامپور تک برابر مجھ کو دباتے رہے پھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا''۔ (ماہنامہ الرشید)